بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَعَلَّمُوا النَّحوَ كَتَعَلُّمِ الفَرائِضِ وَالسُّنَنِ (قول حضرت عمرؓ)

ضَوءُ المُستَنِير

برائے فنِّ نحو / ونحومیر

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

ابو یحییٰ محمد زاهد بن محمد اسمٰعیل مظاهری

ناظم تعلیمات

مدرسہ . رحمۃ للعلمین . ترفوہ

ڈاکخانہ پھیڑکلاں - وایا چلکانہ - ضلع سہارنپور (یوپی) ہند

ناشر جناب الحاج قاری سعید احمد صاحب مدیر اہتمام مدرسہ ہذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَعَلَّمُوْا النَّحْوَ كَتَعَلُّمِ الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ (قول حضرت عمرؓ)

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

ضَوْءُ الْمُسْتَنِيْر

برائے فن نحو/ ونحو میر

-الحمدلِلّٰہ یہ شرح علم نحو کی ہر کتاب کے حل میں نہایت کارآمد بلکہ بصیرت افروز ہے۔

ابو یحییٰ محمد زاھد بن محمد اسمٰعیل مظاھری

ناظم تعلیمات

مدرسہ رَحْمَةٌ لِلْعٰلَمِيْن تِرَفُوه

ڈاکخانہ پٹھیڑ کلاں-وایا چلکانہ- ضلع سہارنپور (یوپی) ھند

جناب الحاج قاری سعید احمد صاحب مدیر اہتمام مدرسہ ہذا

تفصیلات

نام کتاب : ضوء المستنیر برائے فن نحو و نحو میر

خامہ فرسا : ابو یحیٰی محمد زاہد بن محمد اسمٰعیل المظاہری

ناشر : جناب الحاج قاری سعید احمد صاحب ترفوی

سن اشاعت : ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۳/۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء

تعداد اشاعت : گیارہ سو

-:- ملنے کے پتے -:-

۱- مدرسہ رحمۃ للعٰلمین ترفوہ

۲- دار الکتاب دیوبند

۳- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

۴- مکتبہ رشیدیہ محلہ مبارک شاہ سہارنپور

فہرست مضامین

چند مفید مقالات

مقدمة الشرح

سبق اول صفحہ ۵۷

سبق دوم صفحہ ۶۳

سبق سوم صفحہ ۶۶

سبق چہارم صفحہ ۶۸

سبق پنجم صفحہ ۶۹

سبق ششم صفحہ ۷۳

سبق ہفتم صفحہ ۷۵

سبق ہشتم صفحہ ۷۹

سبق نہم صفحہ ۸۱

نمبر	سوال	صفحہ
۱	کسی کلمے کے اسم ہونے کی پہچان گیارہ چیزوں میں سے کسی ایک سے ہوگی اور فعل کی پہچان آٹھ میں سے ایک کے ذریعہ اور حرف کی یہ ہے کہ ان انیس۱۹ میں سے کوئی نہ ہو۔	۸۱
۲	الف لام کی کل اقسام مع تعریفات و امثلہ	۸۲
۳	مضاف ہونا تو اسم کی خصوصیت ہے لیکن مضاف الیہ فقط اسم ہی ہوتا ہے یا فعل بھی ہوسکتا ہے دونوں قول ہیں	۸۳
۴	مُصَغّر ہونے کا مطلب مع دیگر تشریح	۸۳
۵	کونسی تاء متحرکہ اسم کی علامت ہے اور کونسی تاء متحرکہ فعل کی	۸۴

سبق دہم صفحہ ۸۵

نمبر	سوال	صفحہ
۱	معرب کی تعریف مع وجہ تسمیہ اور مع مثال	۸۵
۲	عامل کسے کہتے ہیں	۸۵
۳	اعراب دو طرح کا ہوتا ہے کبھی بذریعہ حرکت کبھی بذریعہ حرف	۸۵
۴	معرب مبنی کی اصل تعریف کے بجائے مصنف نے ان کا حکم کیوں ذکر کیا۔	۸۵

سبق یازدہم صفحہ ۸۷

نمبر	سوال	صفحہ
۱	حروف سے حروف معانی مراد ہیں یا مبانی نیز معانی مبانی کا مطلب کیا ہے	۸۷
۲	فعل مضارع میں صرف دو صیغے مبنی ہیں باقی بارہ صیغے معرب ہیں	۸۸
۳	اسم متمکن و غیر متمکن کی وجہ تسمیہ نیز اسم متمکن معرب ہی ہوتا ہے جیسا کہ اسم غیر متمکن مبنی ہوتا ہے۔	۸۸
۴	گفتگو میں جوڑنے سے پہلے کسی کلمہ کو معرب کہا جاسکتا ہے یا وہ مبنی علی السکون کہلائے گا۔	۸۸
۵	اسم غیر متمکن کا مبنی ہونا براہ راست تو نہیں بلکہ مبنی اصل سے مشابہت رکھنے کی وجہ سے ہے جو آٹھ طرح کی ہوتی ہے	۸۹
۶	مشابہت (جو مناسبت کی چار قسموں میں سے ایک ہے) کسے کہتے ہیں	۹۰
۷	اسم غیر متمکن کتنے ہیں؟ اور کون کون؟	۹۱

سبق دوازدہم صفحہ ۹۱

نمبر	سوال	صفحہ
۱	ضمیریں کل ستر (۷۰) ہیں	۹۱
۲	ضمیر کی تعریف نیز یہ کہ وہ شکل صیغوں کے چودہ ہوتی ہیں مع دیگر تفصیل	۹۲
۳	مرفوع متصل کہنے کی وجہ نیز مرفوع متصل ضمیروں میں کتنی بارز ہیں کتنی مستتر	۹۳
۴	مرفوع منفصل کی وجہ تسمیہ اور وہ تمام بارز ہوتی ہیں	۹۴
۵	منصوب متصل کی وجہ تسمیہ اور یہ کہ وہ سب بارز ہیں	۹۴
۶	منصوب منفصل کی وجہ تسمیہ اور یہ سب بھی بارز ہوتی ہیں	۹۴
۷	مجرور متصل کی وجہ تسمیہ نیز مجرور میں منفصل قسم کیوں نہیں ہوتی ضمیر مجرور بھی سب بارز ہیں	۹۴
۸	ضمیریں مبنی الاصل کے کس چیز میں مشابہ ہیں جو یہ مبنی ہوتی ہیں۔	۹۵

سبق سیزدہم صفحہ ۹۶

سبق چہاردہم ۱۰۰

سبق پانزدہم صفحہ ۱۰۶

سبق شانزدہم صفحہ ۱۰۹

سبق ہفتدہم صفحہ ۱۱۲

سبق سیزدہم صفحہ ۱۱۷

سبق نوزدہم ۱۲۰

سبق بستم صفحہ ۱۲۶

سبق بست ویکم صفحہ ۱۲۹

سبق بست ودوم صفحہ ۱۳۱

سبق بست و سوم صفحہ ۱۳۵

سبق بست و چہارم صفحہ ۱۳۹

سبق بست و پنجم صفحہ ۱۴۴

سبق بست و ششم صفحہ ۱۴۹

سبق بست و ہفتم صفحہ ۱۵۲

سبق بست و ہشتم صفحہ ۱۵۶

سبق بست و نہم صفحہ ۱۵۸

سبق سی ام صفحہ ۱۶۲

سبق سی و یکم ۱۶۶

سبق سی و دوم صفحہ ۱۶۹

سبق سی و سوم صفحہ ۱۷۴

سبق سی و چہارم صفحہ ۱۷۹

سبق سی و پنجم ۱۸۳

سبق چہل و دوم صفحہ ۲۰۹

سبق چہل و سوم صفحہ ۲۱۳

سبق چہل و چہارم صفحہ ۲۱۶

سبق چہل و پنجم ۲۲۰

سبق چہل و ششم صفحہ ۲۲۴

سبق چہل و ہفتم صفحہ ۲۲۹

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عربی زبان کی شانِ کبریائی

اور

ہماری بے اعتنائی

عربی زبان کی شانِ کبریائی اور ہماری بے اعتنائی

عربی زبان ایک ایسی رفیع الدرجات عالیشان زبان ہے کہ جس کی ہمسری کوئی زبان نہیں کرسکتی اس امت کے لئے جہاں یہ فخر کی بات ہے کہ اسے سب سے افضل رسول ملا اور خَیْرُ الْکُتُبْ (قرآن کریم) اس کے حصہ میں آئی اور شریعتوں میں سب سے افضل شریعت سے نوازا اور امتوں میں سے بہترین امت ہونے کا شرف پایا وہیں یہ بھی انتہائی فخر کی بات ہے کہ اس امت کے پیغام کے لئے منجانب اللہ وہ زبان منتخب ہوئی جس کو اوّل الالسنہ اور خیر الالسنہ ہونے کا شرف حاصل ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی ہی تھی زمین پر اترنے کے بعد اور توبہ قبول ہونے کے بعد پھر عربی سے کچھ تبدیلی ہوکر سریانی بن گئی تھی ادھر ہر آسمانی کتاب منجانب اللہ عربی زبان میں دی گئی پھر جبریئل امینؑ نے قومی زبان میں ترجمہ کر کے پیغمبروں کو بتلایا اور انہوں نے قومی زبان میں امتوں کو پہونچایا، اور عربی زبان دین کی سرکاری زبان ہے تمام فرشتوں کی زبان بھی عربی ہے لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ سب عربی میں ہے اور جنت جو سب انسانوں کا اصلی الطن ہے اور وہاں لوٹ کر جانا ہے وہاں کی زبان بھی عربی ہی رہے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے محبت کا حکم فرمایا اور وجہ یہ بتائی لِاَنِّیْ عَرَبِیٌّ، وَالْقُرْآنُ عَرَبِیٌّ، وَلِسَانُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِیٌّ یعنی گویا وہ وہ زبان بولتے ہیں جو میری اور قرآن اور اہل جنت کی زبان ہے اس لئے ان سے محبت کرو۔

نیز عربی زبان جاننے والا گو اور بھی زبان جانتا ہو مگر آپ کا فرمان ہے کہ جو شخص عربی جانتا ہو تو اس کو عربی ہی میں بولنا چاہئے کیونکہ عجمی زبان نفاق پیدا کرتی ہے۔

کیونکہ کلام اور گفتگو میں متکلم کے اثرات ضرور غیر شعوری طریقے پر چھپے ہوتے ہیں اسی لئے حضرت شیخ زکریاؒ نے فضائل قرآن مجید میں لکھا ہے کہ گو فارسی اور انگریزی زبان ہونے ہیں برابر ہیں مگر تاثیر الگ الگ ہے، پھر قرآن کریم کی خصوصیت جو اور کتب سماویہ کے اندر نہیں ہے یہ ہے کہ اس کے الفاظ بھی معانی کی طرح خود حق تعالیٰ شانہ کے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ بھی اس زبان کا متکلم ہے، اس زبان کے بولنے پر جہاں اللہ و رسول اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں صحیفوں اور جنت اور اہل جنت سے مشابہت کی سعادت ہاتھ آئیگی وہیں اس کے تکلم سے نفاق سے برأت کے ساتھ طبیعت پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

ایک فاضل نے قرآن کے کلام اللہ ہونے اور اب بھی اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہونے کی ایک عجیب وجدانی اور محسوس دلیل پیش کی ہے کہ ان کا ہر زمانہ میں کمسن بچوں کو بہت کم وقت میں حفظ ہو جانا اور اس کے پڑھنے میں جو لطف وحلاوۃ ہے اس کا جوں کا توں برقرار رہنا صاف دلیل ہے کہ یہ وہی کلام ہے جو اللہ نے ہو بہو اتارا تھا اور اس کے جو اوصاف اللہ نے بتائے ہیں کہ جلد یاد ہو جاتا ہے اس کو سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بار بار پڑھنے سے اور مزہ بڑھتا جاتا ہے اس کے یہ اوصاف ہر زمانہ میں برقرار ہیں، جس دن نعوذ باللہ اصلی والا قرآن نہ رہے گا تو نہ یہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو جلد یاد ہوا کرے گا اور نہ اس کی تلاوت میں وہ لذت رہے گی، یہ سب اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور وہ اپنے کلام میں جو چاہے تاثیر رکھدے فهو علی کل شیء قدیر.

بہر حال قطع نظر عربی زبان کے دنیوی فوائد سے کہ وہ بھی کم نہیں کیونکہ فی الحال مکمل بیس ملکوں کی یہ سرکاری اور مادری زبان ہے ایک مسلمان کے لئے اس سے وابستگی اور دلچسپی بلکہ شیفتگی کا باعث اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے یہ اس کے دین ومذہب کی زبان ہے جس کے نتیجہ میں ہر صاحب ایمان کو اس کے سیکھنے سکھانے میں ہر ممکن جدوجہد اور سعی کرنا ایک فطری اور عقلی مقتضیٰ ہے۔

آج کا ایک طبقہ محض اس ظنی اور موہوم سوچ پر انگریزی زبان پر مرمٹ رہا ہے اور اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھا رہا ہے کہ اس سے وقتی منفعت اور عزت وشہرت حاصل ہوگی جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اِنَّ الدُّنْيَا اكبرُ هَمِّنَا کہ دنیا ہمارا مقصود اعظم ہے۔

حالانکہ دین کا منبع اور سرچشمہ خواہ وہ قرآن ہو یا حدیث پاک یا فقہ ہو سب عربی میں ہے، ہمارا اللہ ہمیں قرآن میں کہاں کس پیار سے خطاب کرتا ہے اور اس کا رسول اپنی اس امت کے لئے کس کس انداز سے کیا کیا پیچ وتاب کھاتا ہے مؤذن اذان کہے مکبر تکبیر پڑھے ہم نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھیں یا کہیں سے تلاوت کریں یا دعاؤں میں کسی دعاؤں کے ساتھ اپنے رب سے مناجات کریں ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا سن رہے ہیں کیا کہہ رہے ہیں کیا مانگ رہے ہیں، فیاحسرةً علی العباد.

قبر اور آخرت کی زبان بھی عربی ہے

ایک جاہل عورت مرنے کے وقت کچھ کلمات بول رہی تھی جو اس کے جاہل گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے وہ لوگ کسی مولوی صاحب کو بلا کر لائے اور کہا ذرا دیکھو یہ کیا بھونک رہی ہے، مولوی صاحب نے قریب جا کر سنا تو عربی زبان کے یہ کلمات اس کی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔

إنَّ هٰذَيْنِ الرجلين يقولان لي أُدْخُلي الجنّة.
یعنی اس بڑھیا کو دو آدمی فرشتوں کی شکل میں نظر آ کر یہ بشارت دے رہے تھے کہ اری بڑھیا تو جنت میں چل۔
اس پر حضرت مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں کہ قبر میں پہنچتے ہی سرکاری زبان یعنی عربی کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور اس سے قبر میں عربی میں ہی سوال ہوتے ہیں مَنْ رَبُّكَ مَادِيْنُكَ مَنْ نَبِيُّكَ لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے قبر سے پہلے بھی اسی زبان میں خطاب کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا اللہ اور اس کے فرشتے اور کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب کو یہ زبان محبوب ہے اسی لئے قرآن میں قرآن کو خاص عربی زبان میں دیے جانے کا بار بار ذکر ہے۔

عربی زبان کی فضیلت واہمیت پر ایک عرب شخصیت یوں روشنی ڈالتی ہے

فرماتے ہیں کہ جو اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت رکھتا ہے، اور جو رسولِ عربی سے محبت رکھتا ہے اہل عرب سے محبت رکھتا ہے اور جو اہل عرب سے محبت رکھتا ہے وہ اس عربی سے بھی محبت رکھتا ہے جس میں سب سے افضل کتاب (قرآن) عرب وعجم میں سب سے افضل پر اتری ہے اور جو عربی سے محبت رکھتا ہے تو وہ اس کا اہتمام کرے گا اور اس کے سیکھنے سکھانے پر ڈٹے اور جمے گا اور اس میں اپنی کوشش لگائے گا۔

آگے فرماتے ہیں:

کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے نوازا ہے اور ایمان کے لئے اس کا سینہ کھول دیا ہے اور اس میں اس کی طبیعت کو پاکیزہ بنایا ہے تو اس کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سب سے بہتر رسول اور اسلام مذہبوں میں سب سے بہتر مذہب اور اہل عرب امتوں میں سب سے بہتر امت اور عربی زبان زبانوں میں سب سے بہتر زبان ہے اور عربی زبان کا سیکھنا عین مذہب ہے کیونکہ یہ علم اور دینی سمجھ کا سب سے بڑا واسطہ اور دنیا وآخرت کی درستگی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

(ترجمہ از عربی از القاموس الوحید مولانا وحید الزماں کیرانویؒ)

عربی زبان کا دیگر زبانوں پر ایک عظیم احسان اور یہ کہ علم صرف وعلم نحو ہر زبان میں ہوتا ہے

دنیا میں جتنی زبانیں ہیں گو وہ خود تو مختلف ہیں لیکن ان کا مدلول اور مصداق یعنی جو اُن سے مراد لیا جاتا ہے وہ

سب جگہ پوری دنیا میں ایک ہی ہے پانی ہو روٹی ہو یا چاول یا ٹوپی، آسمان، زمین، بادل، بارش، چائے، کھانے پہننے یا پڑھنے لکھنے سے متعلق یا اس کے علاوہ سے متعلق تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یہی ایک طرح کی چیزیں ملینگی البتہ نام اور لفظ جو اُن پر بولے جاتے ہیں وہ سب زبانوں میں الگ الگ ہیں ہم پانی کہتے ہیں اہل عرب "ماءٌ" اور اہل فارس "آب" انگریزی والے "واٹر" یہ تو اسماء کی بات ہے، افعال کا بھی یہی حال ہے کہ سب دنیا کے افعال یکساں ہیں، چلنا، بیٹھنا، سونا، کھانا، پینا، لکھنا، ہنسنا، رونا، غصہ ہونا، مارنا، سب جگہ کے آدمیوں کے یہی افعال اور کام ہیں مگر تعبیر اور ان کاموں کے لئے الفاظ زبانوں کے اعتبار سے بدل گئے ہیں ہم "بیٹھنا" کہتے ہیں، فارسی والے "نشستن" اور عرب والے "الجُلُوس" کہتے ہیں اسی طرح ہم اِس کہتے ہیں فارسی والے این عربی والے ھٰذا کہتے ہیں انگریزی والے دِس کہتے ہیں اور یہی حال حروف کا بھی ہے کہ ہم میں کہتے ہیں اہل عرب فِي اہل فارسی در اور انگریزی والے اِن کہتے ہیں اور مطلب سب کا ایک ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ "معبر عنه" سب زبانوں کا ایک ہے گو تعبیر اور عبارت بدل گئی ہے، کما یقول الشاعر

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ وَکُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

پھر اسی پر بس نہیں بلکہ جس طرح گذشتہ زمانہ میں کسی واحد اور غائب آدمی کا کام بتانا ہو تو کہیں گے "اس نے لکھ لیا" جمع غائب کا بتانا ہو تو "انہوں نے لکھ لیا" اور واحد حاضر کا بتانا ہو "تو نے لکھ لیا" جمع حاضر کے لئے، "تم نے لکھ لیا" واحد متکلم کے لئے "میں نے لکھ لیا" اور جمع متکلم کے لئے "ہم نے لکھ لیا" کہتے ہیں پھر انہی صیغوں میں اگر "ہے" بڑھا دیں تو ماضی کے صیغے بن جائیں گے اور "تھا" بڑھا دو تو ماضی بعید کے صیغے ہو جائیں گے، اور "تا تھا" کا اضافہ کر دو تو ماضی استمراری اور "ہوگا" لگا دو تو ماضی احتمالی ہو جائے گی (کیا اچھا ہوتا) لگا دو تو ماضی تمنائی کے کے صیغے بن جاتے ہیں۔

اور اگر زمانہ حال میں وہ کام بتانا ہو، "تو وہ لکھ رہا ہے"، "وہ لکھ رہے ہیں"، مستقبل اور آئندہ زمانے میں بتانا ہو، "وہ لکھے گا"، "میں لکھوں گا"، "ہم لکھیں گے"، پھر اگر ان جملوں میں تاکید پیدا کرنی ہو، ہرگز یا بالکل لگا دیں گے، اور اگر حکم امر کی شکل میں بدلنا ہو تو کہیں گے، "آپ لکھئے"، "آپ جائیے"، "تم چلے جاؤ"، نہی کے صیغوں میں بدلنا ہو تو کہیں گے، "تم مت لکھو"، "آپ مت کھیلو"، "وہاں نہ جائیے"، اور امر و نہی میں تاکید لانی ہو تو بالکل یا ہرگز ساتھ میں لگا دیتے ہیں، ایسے بھی اسم فاعل کے صیغے بنانے ہوں تو "والا"، "والے" لگ کر بن جائیں گے مثلاً "وہ لکھنے والا ہے"، "وہ پڑھنے والا ہے"، اسم مفعول کے صیغے بنانے ہوں تو "ہوا" آخر میں لگ کر بنا جائیں گے، جیسے پڑھا ہوا مضمون، لکھی ہوئی تحریر، اسم ظرف بنانا ہو تو جگہ اور وقت کا لفظ بڑھا کر کہیں گے، پڑھنے کی جگہ، لکھنے کی جگہ، پڑھنے کا وقت، پڑھنے کی جگہ، اسم تفضیل بنانا ہو، تو زیادہ کے ساتھ تقابل دکھا دو جیسے، عمر بکر سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔

غرضیکہ لکھنا، ایک مصدر ہے جس سے ہر زبان میں جو بھی اس کے مقابل لفظ ہے اردو کی طرح کبھی ماضیاں اور ان کے صیغے تو کبھی مضارع، کبھی امر، کبھی نہی، کبھی اسم فاعل و مفعول وغیرہ وغیرہ بنتے چلے جاویں گے، پھر فعل ماضی میں کوئی صیغہ غائب کا کوئی حاضر کا کوئی متکلم کا پھر ان میں بھی کوئی واحد کے لئے کوئی تثنیہ کے لئے تو کوئی جمع کے لئے پھر مرد کے لئے کوئی عورت کے لئے بات یہ ہے کہ علم صرف ہر زبان میں پایا جاتا ہے کوئی بھی زبان اس سے خالی نہیں اور علم صرف کا نام علم صرف اسی لئے رکھا گیا کہ ہر زبان کے مصدر سے مختلف فعلوں اور صیغوں پر پھرنا اور آنا سکھا دیتا ہے کہ ماضی میں کوئی بات کہنی ہو تو اس طرح کہنا حال مستقبل میں کہنی ہو تو اس طرح واحد کے لئے کہنی ہو تو اس طرح تثنیہ جمع کے لئے کہنی ہو تو اس طرح مرد کے لئے اس طرح اور عورت کے لئے صیغہ اس طرح لانا ہے، فارسی ہی میں ''رفتن'' مصدر کو لے لیجئے کہ اس سے خالی چھ ماضیوں کے چھ چھ صیغوں کے اعتبار سے چھتیس ۳۶ صیغے بنتے ہیں۔

اب رہا علم نحو وہ بھی ہر زبان میں پایا جاتا ہے، چنانچہ کوئی زبان لیلو سب میں گفتگو کا طریق ایک ہے بولنے میں کبھی تو تنہا تنہا ایک ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے جیسے کتاب، قلم، ٹوپی، چادر، جوتا، مکان، مدرسہ، مسجد، اور کبھی دو دو بول ملا کر گفتگو کرتے ہیں مثلاً، خالد کی کتاب، میرا قلم، بھائی کی چادر، نیا مدرسہ، قیمتی قلم، تنہا ایک ہی لفظ اگر بولیں تو اسے ''مفرد'' کہتے ہیں اور دو دو یا زیادہ جوڑ کر بولیں تو اسے ''مرکب'' کہتے ہیں پھر جوڑ کر اور مرکب شکل میں جو کلمات میں بولے جاتے ہیں کبھی اس سے مفید اور پوری گفتگو بنتی ہے اور کبھی ناقص اور ادھوری اگر ادھوری بنتی ہے تو اسے مرکب ناقص کہتے ہیں جس کی پھر دو قسمیں ہو جاتی ہیں اضافی اور توصیفی اگر دو کلموں کا جوڑ مضاف مضاف الیہ کی شکل میں ہے کہ کسی چیز کو کسی سے جوڑا یا اس کی بتائی گئی ہے جیسے اوپر (خالد کی کتاب) میں تو یہ مرکب اضافی ہوتا ہے اور اگر دو کلموں کا جوڑ موصوف صفت کی شکل میں ہے یعنی اچھا یا برا بتانے کے لئے دو چیزوں کو آپس میں جوڑا ہے تو جس کو اچھا یا برا بتاویں وہ موصوف ہے اور جس لفظ سے بتائیں وہ صفت ہے جیسے ''پرانا قلم'' میں قلم موصوف ''پرانا'' صفت ہے۔

اور اگر دو کلموں کا جوڑنا اس طرح سے کہ ان میں سے ایک کو اصل بنا کر اس کے متعلق کوئی خبر دی گئی جیسا کہ جملہ اسمیہ میں ہوتا ہے کہ شروع میں ایک چیز ذکر کر کے پھر اس سے متعلق کچھ کہا جاتا ہے یا خبر دی جاتی ہے مثلاً زید حافظ ہے یا خالد مولوی ہے اس میں زید اور خالد مبتدا ہیں، اور حافظ اور مولوی ہونا ان کے متعلق خبر ہے، اور اگر کسی سے جو کام جوڑا ہے یا اس کا کرنے والا اسے بتلایا ہے جیسے زید سو گیا، زید نے لکھ لیا، تو جس سے وہ کام جڑا وہ فاعل کہلاتا ہے اور خود وہ کام جو اس سے جوڑا گیا ہے وہ فعل کہلاتا ہے اور اس قسم کے جملہ کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ مرکب اضافی اور توصیفی میں جوڑ ناقص ہوتا ہے کیوں کہ یہ دونوں اپنے دونوں جزؤں سمیت صرف اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ یہ کسی سے جڑ جائیں یعنی مسند بن جائیں یا ان سے کوئی چیز جوڑ دی جائے یعنی یہ مسند الیہ

بن جائیں۔

تنہا مرکب اضافی یا تنہا مرکب توصیفی یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ مسند بھی جائیں اور مسندالیہ بھی اس لئے اگر انہیں مسند بنائیں گے تو مسندالیہ کی ضرورت رہے گی اور مسندالیہ بنائیں گے تو مسند کی حاجت رہے گی، اسی لئے مرکب اضافی و توصیفی گو مرکب ہیں لیکن ناقص اور ادھورے اور جملہ اسمیہ وفعلیہ مرکب تام اور مرکب مفید اور مکمل کلام کہلاتے ہیں کہ ان میں مسند اور مسندالیہ دونوں چیزیں آجاتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ جملہ اسمیہ میں جس سے جوڑتے ہیں یعنی مسند الیہ پہلے آتا ہے اور جملہ فعلیہ میں جس کو جوڑتے ہیں یعنی مسند پہلے آتا ہے اسی لئے جملہ فعلیہ میں فعل اور کام کا ذکر پہلے آئے گا اور جس نے وہ کام کیا اس کا ذکر بعد میں جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ اور جملہ اسمیہ میں الٹا ہوتا ہے کہ جس نے کام کیا اس کا ذکر پہلے کریں گے، اور کام کا ذکر بعد میں جیسے زَیْدٌ ضَرَبَ لیکن میں نے جہاں تک غور کیا جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ یہ عربی میں تو دو قسمیں بنتی ہیں مگر اردو زبان میں ہمیشہ شروع میں اسم ہی کو لاتے ہیں جس سے کوئی کام جوڑتے ہیں اور اس کو مسندالیہ بناتے ہیں، چنانچہ کوئی نہیں کہتا ''لکھ لیا زید نے''، اگر کہیں گے تو یوں کہیں گے، ''زید نے لکھ لیا''، اس لئے اردو زبان میں فعل اور کام کا ذکر ہمیشہ بعد میں آتا ہے اور عربی میں وہ جملہ خواہ فعلیہ ہو یا اسمیہ لیکن اردو میں نتیجۃً وہ جملہ اسمیہ ہی ہو جاتا ہے، ایسے ہی ہر زبان میں فعل فاعل کے مطابق ہونے کا خیال رکھا جاتا ہے اگر مرد کے لئے چلا گیا کہیں گے تو عورت کے لئے، چلی گئی، کہا جاتا ہے، ایک کا چلا جانا بتانا ہو تو وہ ''چلا گیا'' کہا جائے گا، دو یا زیادہ کا بتانا ہو تو وہ چلے گئے کہا جاتا ہے، ایسے ہر کوئی جب کسی کام کرنے کو بتاتا ہے تو اس میں کام یعنی فعل اور جس نے وہ کیا یعنی فاعل اور جس کے ساتھ کیا، یعنی مفعول بہ اور کیوں کیا یعنی مفعول لہ اور کہاں کیا یعنی ظرف مکان اور کس وقت کیا یعنی ظرف زمان، اور کس حال میں کیا، یعنی حال ان چیزوں کا بھی ذکر گفتگو میں لائے گا گویا نحوی اصطلاحات ہر زبان میں بولنے اور استعمال میں آئیں گی۔

یہی حال فعل مدح وذم کا ہے ہم کہتے ہیں محمد نسیم بہت برا آدمی ہے جس کی عربی بنے گی (بئس الرجل محمد نسیم) اکرام بہت شریف آدمی ہے، نعم الرجل اکرام، ایسے ہی فعل تعجب کیا ہی عمدہ کھانا ہے، ما اَحْسَنَ الطعام، غرضیکہ سب زبانوں میں علم نحو نکالا جا سکتا ہے۔

علم نحو کو نحو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ نحو کے معنی جانب اور طرف نیز طریقہ راستہ کے ہیں چونکہ ہر زبان میں اس زبان کے طریقے والوں پر چلا جاتا ہے الٹا سیدھا جیسا بھی ان کی زبان میں رواج اور طریقہ ہے اسی پر رہنا پڑیگا عقل کا کوئی چارہ اس میں نہیں چلتا مثلاً جانا، مصدر ہے لیکن اس سے ماضی صیغے ''وہ گیا''، ''وہ گئے''، کہتے ہیں، جب کہ عقل کہتی ہے وہ ''جیا'' وہ ''جیے'' کہنا چاہئے، پھر مضارع میں اپنی اصل پر بولتے ہیں ''وہ جائے گا''، ''جائیں گے''۔

تو حاصل یہ ہے کہ کوئی زبان ایسی نہیں ہے کہ جس کا علم صرف ونحو نہ ہو اب اصل تو عربی زبان کا صرف ونحو وجود میں آیا اور اس پر اتنی محنت اور موشگافیاں کی گئی ہیں کہ دیگر زبانوں کا علم صرف ونحو بھی اسی زبان کے طفیل وجود میں آیا ہے اور دیگر زبانوں کے صرف ونحو میں یہ اصطلاحات چل گئی ہیں۔

اسی لئے ایک مولوی کو جو عربی کے صرف ونحو سے واقف ہو گیا انگریزی زبان کے گرامر اور قواعد سے واقف ہونا بہت آسان ہے۔

اسی لئے انگریزی لغات میں بھی جگہ جگہ ہر فعل کے ساتھ ٹرانزیٹیو (فعل متعدی) اوران ٹرانزیٹیو (فعل لازم) لکھا رہتا ہے اور یہی حال دیگر اصطلاحات کا بھی ہے، کہ وہ عربی پڑھے ہوئے کو صرف جاننی پڑتی ہیں سمجھنی نہیں پڑتیں،

فَطُوبیٰ لِمَن یَّتَعَلَّمُ الْعَرَبِیَّۃَ

اسلامی زبانوں کا امتیاز وشرف

ملت اسلامیہ کی منجملہ خوبیوں کے ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس کی ترجمانی کرلے والی زبانیں کیا عربی کیا فارسی کیا اردو سب کا لکھنا پڑھنا دائیں طرف سے ہوتا ہے اور بموجب حدیث: ان اللّٰہ یُحبُّ التَّیَامُنَ فِیْ کل شَیْ ءٍ حَتّٰی التَنَعُّلَ و التَرَجُّلَ، او کما قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم، (کہ داھنا پن اللہ کو ہر چیز میں پسند ہے، حتی کہ جوتا پہننے اور کنگھا کرنے تک میں) از خود فطرۃً یہ خوبی ان زبانوں کو حاصل ہے۔

دھیان رکھنے کے لائق ایک اہم بات

قواعد صرف ونحو کسی بھی زبان کے ہوں سب کے متعلق یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ قواعد اس زبان کے تابع ہوتے ہیں وہ زبان قواعد کے تابع نہیں ہوتی ہے اس بات کے جاننے سے بہت سی الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ جو بھی قاعدہ ہوتا ہے وہ صرف اکثری ہوتا ہے نہ کہ کلی یعنی اکثر جگہوں پر اہل زبان کا استعمال اس طرح ہے جس طرح قاعدہ بتایا گیا ہے اگر اس کے خلاف کہیں مل جائے گا تو اس کا استثناء کرنا ہی پڑے گا اور خلاف قیاس یا شاذ ونادر کہہ کر اس قاعدہ سے اسے الگ کیا جاتا ہے جیسے مرکب بنائی اَحَدَ عَشَرَ سے تِسْعَۃَ عَشَرَ تک ہے اس کے اعراب کا قاعدہ یہ بتایا ہے کہ دونوں جزوں میں مبنی بر فتحہ پڑھنا ہے مگر اثنا عشر کے جز اول میں یہ قاعدہ ٹوٹ گیا اور یہ بجائے مبنی بر فتحہ کے معرب ہوگا اب کوئی کہنے لگے کہ جی یہ معرب کیوں ہے؟ تو اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اہل عرب کا استعمال اس کے بارے میں یوں ہی ہے۔

ترجمہ ترجمہ ہے اصل عربی زبان کے جاننے کی بات ہی کچھ اور ہے

گو اُردو میں قرآن وحدیث وفقہ سب کا ترجمہ ہو کر ذخیرہ موجود ہے اور ہم اللہ ورسول اور ائمہ کرام کی مراد کو سمجھ جاتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جو اللہ ورسول کے کلام کا لطف ہے اور اس کی جو حلاوت ہے اصل عربی جانے بغیر ہم ضرور اس سے محروم رہتے ہیں اور اس کے اثر اور سحر انگیزی کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے، دنیا میں سب سے اعلی زبان قرآن پاک کی ہے اس کے بعد حدیث پاک کی ذیل کے ایک حیرۃ انگیز واقعہ عجیبہ سے عبرت درکار ہے، جو ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہونے والے مجلہ، ''البعث الاسلامی'' جلد۵۱، شمارہ۴، متعلقہ ماہ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ مطابق جنوری ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے، اور ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کا بیان کردہ ہے کہ:

سعودی عرب کے بادشاہ فیصل بن عبد العزیزؒ فرانس کے اندر علاج کے لئے جایا کرتے تھے وہاں پر آپ کے معالجوں میں ایک مشہور جراح ڈاکٹر موریس بکائی تھا فن جراحی میں اس کی شہرت تھی اس جراح کا معمول تھا کہ مریضوں کو قرآن کریم کے بارے میں شبہات میں ڈالتا اور انھیں کہتا کہ قرآن تو اللہ کا کلام نہیں ہے، یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا کلام ہے اور اس کی بہت سی باتوں میں تناقض اور ٹکراؤ ہے، خود اس ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ بچپن سے ہی اس طرح کے شبہات ہمیں اس لئے تلقین کئے گئے تھے کہ ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ان کے دین سے پھرا کر نصرانی بنا سکیں اور اب بڑے ہو کر میں ان شبہات کے ذریعہ لوگوں کو عیسائی بنانے کا تجربہ کرنے لگا۔

آخر ہوا یہ کہ ایک دفعہ شاہ فیصل برائے علاج جب میرے پاس آئے تو میں نے سوچا کہ ان کو عیسائی بنانا یا کم از کم شک میں ڈالنا میرا اور عیسائی مشینری کا بڑا کارنامہ بنے گا، تو اکثر میرا معمول تھا کہ میرے مسلم مریض جو عموماً بڑی ہی شخصیات ہوتی تھیں ان کا آپریشن شاندار طریقے پر کرتا محبت سے پیش آتا اور جب وہ ٹھیک ہو جاتے تو ان سے یہی سوال کرتا کہ آپ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں کیا وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا گیا ہے یا خود ان کا اپنا کلام ہے اور خواہ مخواہ اللہ کا کلام کہتے ہیں تو مریض جواب دیتا کہ نہیں قرآن اللہ ہی کا کلام ہے اور آپ اس بات میں سچے ہیں جس پر میں کہتا کہ میرے خیال میں تو یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور نہ آپ کے محمد اس بات میں سچے ہیں بس مریض چپ ہو جاتا اور آگے کوئی بات نہ ہوتی، ایک زمانہ تک ایسا ہوتا رہا۔

تا آں کہ شاہ فیصل تشریف لائے میں نے ان کا آپریشن کیا اور جب وہ ٹھیک ہو گئے تو ان سے بھی مذکورہ بالا سوال رکھا تو انہوں نے بڑے پرسکون انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن حقیقۃً اللہ ہی کا کلام ہے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں، ڈاکٹر موریس بکائی کہتے ہیں کہ میں نے

کہا کہ میں تو اس کے سچا ہونے کو نہیں مانتا جس پر شاہ فیصلؒ بولے، ''کیا آپ نے قرآن پڑھ کر دیکھا ہے'' تو ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ جی بہت مرتبہ پڑھا ہے اور اس میں غور بھی کیا ہے پھر شاہ فیصلؒ نے کہا ''اصل قرآن پڑھا ہے یا ترجمہ پڑھا ہے'' ڈاکٹر بولا ''میں نے تو ترجمہ پڑھا ہے اصل نہیں پڑھا ہے'' جس پر شاہ فیصلؒ نے کہا تب تو آپ حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور مترجم کے پیروکار ہیں مترجم تو مترجم ہے کوئی گارنٹی اور ضمانت نہیں ہے کہ اس نے غلطی نہ کی ہو یا جان بوجھ کر اس نے اصل حقیقت سے نہ پھیر دیا ہو۔

آپ مجھ سے عہد کیجئے کہ عربی سیکھ کر عربی زبان میں ہی قرآن پڑھیں گے اگر آپ ایسا کریں گے تو مجھے امید ہے کہ آپ کا یہ غلط اعتقاد کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے محمد کا ہے بدل کر رہے گا، ڈاکٹر مذکور فرماتے ہیں کہ میں شاہ فیصل کے اس جواب سے حیران رہ گیا اور میں نے کہا کہ آپ سے قبل بہت سے مسلمانوں سے یہ سوال کر چکا ہوں لیکن ایسا جواب صرف آپ نے دیا کسی اور نے نہیں دیا پھر میں نے اتھ پر ہاتھ مار کر شاہ فیصل سے یہ عہد کر لیا کہ میں قرآن اور محمد کے بارے میں جب تک عربی نہ سیکھ لوں کچھ نہیں بولوں گا اور قرآن کو قرآن کی زبان میں پڑھ کر غور کروں گا یہاں تک سچ جھوٹ ہونے کا معمہ حل ہو جائے، چنانچہ ڈاکٹر موریس بکائی کہتے ہیں کہ میں اسی روز ایک بڑی یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں پہنچا اور ایک ماہر استاذ سے روزانہ عربی سیکھنے کے لئے ایک گھنٹہ کا ٹیوشن باندھ لیا حتی کہ اتوار جو چھٹی کا دن ہوتا ہے اس دن بھی یہ ٹیوشن جاری رکھا اور مسلسل دو سال تک میں یہ ٹیوشن پڑھتا رہا، جس کے سات سو تیس گھنٹے ہوئے پھر جو میں نے قرآن کریم پڑھا اور اس میں غور کیا تو مجھ پر حقیقت کھل گئی حتی کہ میں مشرف باسلام ہو گیا فللّٰہ الحمد پھر اس ڈاکٹر نے مذہب اسلام کی حمایت اور قرآن کی حقانیت کے سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھیں جن کا بارہ زبانوں میں ترجمہ ہوا، علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے..........ع

کعبہ کو پاسباں مل گئے صنم خانہ سے

خیر اندیش محمد زاہد مظاہری

۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ

مطابق ۱۳؍ اکتوبر ۲۰۱۰ء چہارشنبہ

اداره فیضان حضرت گنگوہی رح

اور

اس میں دلچسپی لینے کی صورت کا بیان

علم نحو کی حقیقت اور اس میں دلچسپی لینے کی صورت کا بیان

یہ تو ظاہر ہے کہ کتب صرف ونحو خود مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ عربی زبان سیکھنے بولنے پڑھنے لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں، ان کی درس وتدریس کے وقت اگر یہ چیز مستحضر رہے تو یہ بات طلباء واساتذہ ہر دو کے لئے بیحد سودمند ثابت ہوگی اس معنی کر کہ جب واسطہ کا واسطہ ہونا ذہن میں رہے گا تو اسی حیثیت سے صرف ونحو کی کتابوں کو پڑھا پڑھایا جائے گا اور ان کے قواعد سے جو مقصود ہے یعنی صحیح عربی لکھنے پڑھنے پر قدرت اس کے لئے کارگر ثابت ہونے پر توجہ مبذول رہے گی، پھر یہ نہیں ہوگا کہ صفحہ دو صفحے کا مطالعہ کر کے اس کو پڑھا سمجھا دیا آگے بس اور کچھ مد نظر نہ ہو بلکہ مدرس کا فرض ہے کہ ہر بحث خواہ وہ صرفی ہو یا نحوی از اول تا آخر اس کا مکمل جائزہ لے اور اس کا خلاصہ پیش کرے اس کے تمام استعمالات سامنے لائے اور کن کن شکلوں میں کیا کیا تبدیلیاں پیش آتی ہیں مع امثلہ بصیرت پیدا کرنے کی کوشش کرے، آج کل درس نظامی کی کتب صرف ونحو کا جو درس وتدریس کا انداز چل پڑا ہے اس نے ان کتابوں کی افادیت پر ایک سوالیہ نشان لگا دیا ہے جس کی وجہ سے ''درس نظامی'' کے فارغین کا سب سے بڑا نقص اور عیب یہ سامنے آیا کہ وہ دو چار جملے بھی عربی کے نہ بول سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں حالاں کہ نصاب میں داخل کتب بتلاتی ہیں کہ ان کا پڑھا ہوا عربی کا سب سے اچھا ادیب ہونا چاہیے کیا انہی کتابوں کے ذریعہ بڑے بڑے عربی ادیب اور مصنف ماضی میں تیار نہیں ہو چکے ہیں جو ان کی افادیت پر اب سوالیہ نشان لگے۔

بندہ کو ''درس نظامی'' کے فارغین کو گو وہ سب نہ ہوں عربی بولنے لکھنے پڑھنے کی قدرت نہ ہونے کی یہ وجہ محسوس ہوتی ہے۔

۱- خود اساتذہ اور مدرسین میں عربی ذوق کا فقدان، گو وہ بھی موروثی ہی ہوتا ہے، بھولے سے بھی ایک آدھ جملہ یا مرکب اضافی وتوصیفی یا کم از کم مفرد کلمہ ہی معرف باللام کر کے سبق میں طلبہ کے سامنے بولنے کی نوبت نہیں آتی جو ان کے ذوق کو مہمیز لگا دے یا تشویق کا سبب بن جائے، حالاں کہ زبان کو بحیثیت زبان کے کسی کے سامنے بولنے سے اس کے سیکھنے کے لئے طبیعت کو مچلا دیتی ہے اور من کو چلا دیتی ہے اور بغیر اہل زبان کی طرح کسی زبان کا استعمال کئے بغیر اس زبان کے نشیب وفراز سے واقفیت ہو بھی نہیں پاتی۔ مختلف صیغوں کی تبدیلی کر کے کبھی یَعْلَمُ اور کبھی یَعْلَمُوْنَ اور کبھی اَعْلَمُ تو کبھی اِعْلَمُوْا جب استاذ طالب علم کے سامنے بول کے دکھائے گا تو ہو نہیں سکتا کہ اس کی طبیعت بیدار نہ ہو اور عربی زبان سیکھنے کے لئے اس کی طبیعت انگڑائی نہ لے۔

۲- کتب صرف ونحو کی درس وتدریس مشق اور تمرین سے ہٹ کر قواعد پڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کے محل استعمال سامنے نہ ہونے سے یہ محنت ایسی ہی ہے جیسا کہ کوئی دریا اور نہر سے ہٹ کر تیرنے کی مشق کرے اور خشکی میں کی گئی پیراکی کی مشق نہر اور دریا میں کام آجائے یہ بہت مشکل ہے۔

اسی لئے شروع شروع میں جب مجھے معلم الانشاء اور القراءۃ الواضحۃ جیسی تمرین اور نحوی قواعد کی تطبیق اور متعدد امثلہ پر مشکل کتابوں سے واسطہ پڑا تو بظاہر ایسا لگا کہ عربی بنانے کے یہ قواعد ہم نے پڑھے نہ ہوں اور جیسے نئے نحوی قواعد سے واسطہ پڑ رہا ہو مگر اصل کمی وہ تطبیق اور مشق کی تھی ورنہ کوئی بھی صرف ونحو کا قاعدہ ایسا نہیں ہے کہ جو درس نظامی میں داخل کتب میں نہ آ گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ طالب علم ہو یا مدرس سب کی طبیعت پر یہ گرانی گذرتی ہے کہ یہ جو صرفی نحوی بحثیں ہم پڑھ پڑھا رہے ہیں آخر یہ قواعد کہاں کام آئیں گے اور ان قواعد کے جاننے سے ہوگا کیا؟

میزان، پنج گنج میں گردانیں رٹ رہے ہیں صرف میر اور **"علم الصیغہ"** میں تعلیلات کا کمر توڑ بوجھ طالب علم کو عجیب کشمکش میں مبتلا رکھتا ہے کافیہ، شرح جامی میں جو بحثیں ہوتی ہیں، ان بحثوں سے کیا حاصل کیا نتیجہ، بادل نخواستہ استاذ ہو یا طالب علم ان کتابوں سے گذرتے رہتے ہیں مگر دلچسپی سے خالی ہوتے ہیں، حتی کہ بول چال کی عربی کو "جدید عربی" کا نام دینے لگے حالاں کہ کوئی بھی زبان اس کے الفاظ تو بدل سکتے ہیں لیکن استعمال اس کا کسی بھی زمانہ میں نہیں بدلتا آج سے چودہ سال پہلے جو ترتیب عربی زبان کی تھی وہی اب بھی ہے اور جیسے جملے اسمیہ میں مبتدا پہلے آتا تھا ایسے ہی اب بھی آتا ہے اور جملہ فعلیہ میں پہلے فعل آتا تھا اب بھی آتا ہے، اور جیسے حروف مشبہ بالفعل کے بعد آنے والے دو کلموں میں سے ایک منصوب اور ایک مرفوع اور اسم پہلے خبر بعد میں جیسے پہلے زمانوں میں استعمال میں تھے اب بھی ہیں۔

یہی حال اردو کا ہے کہ ہمیشہ فاعل کے بعد "نے" اور مفعول کے بعد "کو" ہی لایا جاتا ہے چناں چہ کہا جاتا ہے "زید نے عمر کو مارا" تو ترتیب مرور زمان کے باوجود بعینہ باقی رہتی ہے البتہ یہ ضرور ہو جاتا ہے کہ ایک لفظ متروک الاستعمال ہو کر دوسرا اس کی جگہ بولا جانے لگتا ہے چناں چہ قدیم وجدید کی عربی سے مراد یہی ہے کہ پرانے الفاظ کی جگہ نئے الفاظ استعمال ہونے لگتے ہیں اور یہ ہر زبان میں ہوتا رہتا ہے اردو میں بھی "برتن" کو "باسن" کہتے تھے اب کوئی کہے تو سمجھ میں نہیں آئے گا۔

نیز جدید لگنے کی وجہ ایک اور بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ہم لوگوں کو درس نظامی کی کتابوں میں جس عربی سے واسطہ پڑتا ہے وہ عباوات اور نماز روزہ سے متعلق ہوتی ہے دنیوی امور سے متعلق جو عربی ہے جب وہ سننے اور پڑھنے میں آتی ہے تو جدید لگتی ہے حالاں کہ وہ اہل زبان کے اعتبار سے جدید نہیں ہے بلکہ خود ہمارے اعتبار سے جدید ہے جب وہ ہمارے استعمال میں آنے لگے گی تو جدید قدیم کا فرق خود ہی مٹتا نظر آئے گا۔

مادری زبان کے علاوہ کوئی بھی زبان ہو اس کی حقیقت تک رسائی اور اس کے صحیح استعمال کا مسئلہ بہت اہم ہے اسی لئے مقولہ مشہور ہے "در لغت فرشتہ عاجز است" کہ زبان کے معاملہ میں فرشتہ بھی بے بس ہے ہم بچپن میں اپنے بہاری بنگالی طلبہ کے غلط سلط اردو بولنے پر ہنسا کرتے تھے لیکن جب عربی فارسی زبانوں کے صیغوں سے واسطہ پڑا تو جب خود اپنے سے بھی چوک اور خطا ہوتی ہوئی دیکھی کہ مؤنث کی جگہ مذکر اور صیغۂ خطاب کی جگہ صیغۂ تکلم اور واحد کی جگہ تثنیہ اور تثنیہ کی جگہ جمع ایسے ہی واحد کی جمع اور جمع کا واحد بن گیا تو اندازہ ہوا کہ دوسری زبان میں ممارست نہ ہونے کی وجہ سے سب کو اسی طرح دھوکہ لگتا ہے ایسے ہی ہم تو کہتے ہیں "میں نے ٹوپی اوڑھ لی" مگر بہاری بنگالی طلبہ کو کہتے سنا کہ "میں نے ٹوپی پہن لی" ایسے ہی کہتے ہیں "جوتا نکالو" وہ کہتے ہیں "جوتا اتارو" تو جب میں نے فارسی کی کتابوں میں دیکھا شیر خوردن، مئے خوردن، دودھ کھانا، شراب کھانا یعنی دودھ اور شراب

کے ساتھ اہل فارس بجائے ''نوشیدن'' کے ''پینے'' کا لفظ جوڑنے کے ''خوردن'' اور کھانے کا لفظ لگاتے ہیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ اہل زبان کی اپنی اپنی اصطلاح ہے کوئی ضروری نہیں بلکہ ہم جس چیز کو پینے سے جوڑتے ہیں وہ بھی پینے سے ہی جوڑیں، تو کوئی ٹوپی اوڑھنا کہہ دیتا ہے کوئی پہننا کہہ دیتا ہے۔

مذکورہ بالا چیز کو اگر مدنظر رکھا جائے تو کسی کو کسی کی زبان پر اعتراض کے بجائے خود کو اس کے مطابق کرنا پڑے گا اور یہ دیکھنے کے بجائے کہ ہم کس طرح بولتے ہیں یہ مطمح نظر رکھنا ضروری ہے کہ جن کی وہ زبان ہے وہ کس طرح بولتے ہیں اور ترجمہ کرنے میں بھی دھیان رکھنا پڑے گا کہ جس زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے ان کا استعمال کیا ہے چناں چہ ہم ''شیر خوردن'' کا ترجمہ ''دودھ پینا'' ہی کریں گے دودھ کھانا'' نہیں کریں گے۔

بہر حال عربی زبان جیسی اہم زبان ہے اہل عجم تو بر طرف خود عربوں کو بھی اس کے قواعد صرفیہ ونحویہ جانے بغیر مفر نہیں۔ اور قرآن وحدیث کی زبان ہونے کے ناطے جیسے عربی کو دوام حاصل ہے ایسے ہی اس کے قواعد کو بھی حاصل ہے اور جہاں جہاں مسلمان موجود ہیں سب جگہ ان قواعد کی تعلیم فہم قرآن وحدیث کے لیے ایک لابدی چیز ہے مگر ہمارے مدارس میں ان کے عدم استعمال کا جو سوتیلا برتاؤ ان قواعد کے ساتھ ہے اس کی وجہ سے یہ قواعد ایک معمہ بنے ہوئے ہیں اور ہمارے طلبہ ان کو ایک داستان پارینہ اور اساطیر الاولین خیال کرتے ہیں اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ ان قواعد کو تمرین اور عربی زبان کی مشق سے جوڑا جائے اور بول چال کی عربی کا اہتمام ہو اور خاص طور سے اردو سے عربی بنانے کی مشق پر زیادہ زور رکھا جائے چوں کہ درس نظامی کی کتب عربی میں ہیں اس لئے عربی سے اردو میں ترجمہ کا واسطہ تو پڑتا ہی رہتا ہے لیکن اردو کی عربی بنانے کا واسطہ نہیں ہو پاتا اس لئے زیادہ زور اس دوسری شکل پر رہنا چاہیے۔ عربی کی اردو اور اردو کی عربی بنانے کی مشق چلے گی تو جو نحوی اور صرفی قواعد کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں وہ بھی زندہ ہوتے چلے جائیں گے بلکہ از خود طبیعت صرف نحوی کتب کی مراجعت کی طرف مجبور ہوگی اور ہو نہیں سکتا کہ ان کتب کی طرف خود بخود رجعت قہقری کی نوبت نہ آوے کوئی تجربہ کر کے دیکھے۔

چناں چہ ذیل میں ہم کچھ چیزیں بطور نمونہ بیان کرتے ہیں جن کی مزاولت اور مشق رکھے بغیر کسی بھی زبان کو قابو میں نہیں لایا جا سکتا:

۱- اس زبان کے مفردات خواہ اسماء ہو یا افعال یا حروف یاد ہوں مثلاً سیب کی عربی تُفاحٌ، امرود کی جَوَّافَةٌ، آم کی اَنْبَجٌ، اور کرتہ کی قَمِيصٌ وغیرہ، یہ تو اسماء میں ہے اور افعال میں جیسے جانے کی عربی الذهاب، لکھنے کی الكتابة، پڑھنے کی القراءة، اور حروف میں جیسے مِن بمعنی سے، الی بمعنی تک، کیف بمعنی کیسے، ھل بمعنی کیا، این بمعنی کہاں۔

۲- **ترتیب**- دو یا تین کلمے جب ملانے کی نوبت آتی ہے تو ان میں کون پہلے ہو کون بعد میں، یہ بہت اہم چیز ہے کیوں کہ خلاف ترتیب ہونے سے مراد سمجھ میں نہ آئے گی یا پھر کچھ کا کچھ سمجھا جائے گا، ہم جانتے ہیں کہ دو کلموں یا تین یا زیادہ کلمات سے جو گفتگو بنتی ہے اسے مرکب کہتے ہیں، لیکن بعض دفعہ یہ کلموں سے بنی گفتگو مفید اور تام ہوتی ہے اور بعض دفعہ ناقص اور ادھوری ہوتی ہے، گویا مرکب کی دو قسمیں ہیں: ۱- تام ومفید۔ ۲- ناقص۔ پھر تام اور ناقص ہونے کا فیصلہ اس پر ہے کہ گفتگو کرنے والا اگر کسی ذات یا چیز کو شروع میں لا کر اسے اصل ٹھہرا کر جس کو مبتدا کہتے ہیں اس کے متعلق کوئی بات کہہ دے یا خبر دے دے تو یہ مکمل گفتگو ہے

اور یہ جملہ اسمیہ کہلاتا ہے جس میں دراصل وہ آجانا چاہیے جس کے بارے میں کچھ کہنا ہے یعنی مبتدا اور جو کچھ کہنا ہے وہ آجانا چاہیے یعنی خبر، پھر یہ مبتدا خبر طویل قصیر چھوٹے بڑے یعنی دو کلموں یا زیادہ کتنے ہی سے بن سکتے ہیں ان کا مفرد ہونا ہی ضروری نہیں ہے ایسے ہی کئی کئی مبتدا کی کئی کئی خبریں یا ایک مبتدا کی کئی خبریں یا کئی مبتدا کی ایک خبر ہو سکتی ہے، اور اگر متکلم کسی کام کا ذکر کرنے کے بعد اس کو کسی سے جوڑتا ہے جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ تو اس میں کام کا ذکر اور جس نے وہ کیا اس کا ذکر آجانا چاہیے تو یہ مکمل گفتگو ہے اور یہ اس طرح کا جملہ فعلیہ کہلاتا ہے۔ مآل اور نتیجہ دونوں جملوں کا ایک ہے یعنی کسی سے کسی چیز کو جوڑنا یا کسی کے لیے کوئی بات ثابت کرنا فرق فقط اتنا ہے کہ جملہ اسمیہ میں جس سے جوڑتے ہیں یعنی مسند الیہ پہلے آتا ہے۔ اور جس کو جوڑتے ہیں یعنی مسند یہ بعد میں آتا ہے اور جملہ فعلیہ میں اس کا الٹا ہے گویا عربی زبان میں کسی سے متعلق کچھ خبر دینے یا کہنے کی یہ دو شکلیں ہیں چناں چہ اگر زید کو حافظ بتانا ہو تو جملہ اسمیہ زَیْدٌ حَافِظٌ اور جملہ فعلیہ حَفِظَ زَیْدٌ دونوں طرح خبر دے سکتے ہیں اس کے برخلاف اردو زبان میں فعل اور کام کا ذکر کبھی پہلے نہیں آتا ہمیشہ پہلے اس کا ذکر آتا ہے جس سے متعلق کوئی کام بتانا یا کہنا ہوتا ہے اور اردو میں جملہ اسمیہ اور فعلیہ کا ترجمہ کرتے وقت۔ ہمیشہ مسند الیہ ہی پہلے لانا ہوگا، البتہ عربی زبان میں دونوں طرح کے جملے چلتے ہیں، چناں چہ ''زید حافظ ہو گیا'' یہی کہا جاوے گا، الٹا کر کے ''حافظ ہو گیا زید'' بولنے کا رواج نہیں ہے اور اگر گفتگو کرنے والے نے دو یا تین یا زیادہ کلموں کو بول کر تمام کے تمام کو جملہ اور مکمل بات کا فقط ایک جزء بنایا ہے یعنی یا تو وہ جس سے جوڑیں گے (مسند الیہ) یا وہ جس کو جوڑیں گے (مسند) اور دونوں چیزیں مسند اور مسند الیہ اپنے کلام میں نہیں لایا تو یہ مرکب ناقص اور ادھوری گفتگو کہلائے گی خواہ اس میں کتنے بھی کلمات ہوں تو اصل مدار کلمات کم زیادہ ہونے پر نہیں ہے بلکہ اس پر ہے کہ مسند الیہ اور مسند آجائیں خواہ وہ ایک ایک کلمہ والے ہوں یا زیادہ والے۔ چناں چہ قَلَمُ تِلْمِیْذِ ابْنِ زَیْدٍ ثَمِیْنٌ کہ زید کے لڑکے کے شاگرد کا قلم قیمتی ہے۔ اس میں مبتدا چار کلموں والا ہے۔ اور ھذا قلمُ تلمیذِ ابنِ زیدٍ اس میں خبر چار کلموں والی ہے۔

پھر مرکب ناقص کی پانچ قسمیں ہیں: ۱- مرکب اضافی ۲- مرکب توصیفی ۳- مرکب بنائی، جیسے اَحَدَ عَشَرَ تَاتِسْعَةَ عَشَرَ ۴- مرکب منع صرف جیسے بعلبک ۵- مرکب توصیفی جیسے سیبویہ۔ عربی بنانے میں بار بار صرف پہلے دو مرکب سے واسطہ پڑتا ہے باقی تین محدود اور متعین کلمات میں منحصر ہیں اس لیے صرف پہلے دو سے متعلق بتلانا ہے کہ:

۱- مرکب اضافی ایسے مرکب کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی چیز کا کسی چیز سے تعلق اور جوڑ ظاہر ہوتا ہے اور یہ تعلق خواہ ملکیت کا ہو جیسے زید کا قلم یا جزء ہونے کا جیسے مسجد کا دروازہ یا ظرفیت کا ہو جیسے دیوبند کا آدمی یا اس کے علاوہ کا اس قسم کے مرکب کے عربی بنانے میں ہمیشہ اردو کی ترتیب کا الٹا ہوتا ہے جیسے مسجد کے امام صاحب کے حجرہ کی چابی۔ مِفْتَاحُ حُجْرَةِ اِمَامِ الْمَسْجِدِ میں جو کلمہ سب سے پہلے عربی میں آتا ہے اردو میں وہ سب سے بعد میں آتا ہے لہٰذا عربی مرکب اضافی کا اردو ترجمہ ہمیشہ بائیں سے دائیں کو کرنا ہوگا۔ اور عربی برعکس بنے گی۔ مرکب اضافی خواہ کتنے ہی کلمات پر مشتمل ہو تمام سے جملہ کا ایک جزء بنتا ہے مسند بنے یا مسند الیہ۔

۲- مرکب توصیفی - کا استعمال بھی مرکب اضافی کی طرح ہر زبان میں ہی بہت زیادہ ہے اس لئے ان دونوں مرکبوں کو اچھی طرح قابو میں کر لینے میں فائدہ ہے۔ بہر حال **مرکب توصیفی** کی پہچان یہ ہے کہ جو دو کلمے ایسے ہوں کہ ان میں ایک

دوسرے کا وصف کوئی یا اچھا برا ہونا ظاہر کر رہا ہوتو جس کا ظاہر کر رہا ہے وہ موصوف اور جو ظاہر کر رہا ہے صفت کہا جاتا ہے جیسے نیک آدمی میں لفظ آدمی موصوف اور لفظ نیک صفت ہے یہ مرکب بھی اردو کے برعکس بولا جاتا ہے عربی میں ہمیشہ موصوف پہلے آتا ہے صفت بعد میں چناں چہ نیک آدمی کی عربی رَجلٌ صالحٌ بنے گی۔

پھر جس سے کسی کی اچھائی یا برائی بیان کرتے ہیں یعنی صفت کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ بشکل مفرد ہی ہو بشکل جملہ بھی ہوسکتی ہے گویا صفت مفرد اور جملہ دونوں طرح کی بنتی ہے اگر صفت مفرد ہوکر کسی کی اچھائی یا برائی بیان کر رہی ہے تو اس کو صفت بحال موصوف کہتے ہیں اور بشکل جملہ اگر صفت ہے تو اس کو صفت بحال متعلق موصوف کہتے ہیں تو گویا صفت دو طرح کی بن گئی۔ ۱۔ بحال موصوف۔ ۲۔ بحال متعلق موصوف، موصوف صفت کا استعمال عربی میں تھوڑا پیچیدہ ہے پھر ''صفت بحال موصوف'' کا طریقہ استعمال ''صفت بحال متعلق موصوف'' سے الگ ہے اس لئے ان کی صحیح عربی کس طرح بنے گی اس کا بھی ذکر یہاں فائدہ سے خالی نہیں۔

چناں چہ صفت بحال موصوف میں موصوف وصفت کا دس میں سے چار چیزوں میں مطابق ہونے کا دھیان ضروری ہے ورنہ صحیح عربی نہیں بنے گی۔

۱۔ موصوف وصفت واحد تثنیہ اور جمع میں ایک دوسرے کے مطابق ہوں یعنی یا تو دونوں ہی واحد ہوں یا دونوں ہی تثنیہ ہو یا دونوں ہی جمع اگر موصوف واحد اور صفت تثنیہ کردی تو عربی غلط ہوجائے گی۔

۲۔ تذکیر وتانیث میں دونوں یکساں ہوں ایسا نہیں ہوسکتا کہ موصوف تو مذکر کردیا صفت مؤنث ہوگئی۔

۳۔ معرفہ اور نکرہ ہونے میں دونوں میں یکسانیت ہو۔

۴۔ اعراب دونوں کا ایک طرح ہو ایسا نہ ہو کہ موصوف تو مرفوع کردیا صفت کو مجرور کردیا۔ جیسے رَجُلٌ صَالِحٌ، رَجُلَانِ صَالِحَانِ، رِجَالٌ صَالِحُوْنَ، اِمْرَءَ ةٌ صَالِحَةٌ الخ

صفت بحال متعلق موصوف میں دراصل خود موصوف کی اچھائی برائی کے بجائے اس کے کسی متعلق اور تعلق دار کی اچھائی یا برائی کا بیان ہوتا ہے اور یہ ایسی صفت بشکل جملہ یا شبہ جملہ آیا کرتی ہے۔

فائدہ ۔ فعل ماضی مضارع امر نہی فعلوں سے بنا جملہ، جملہ کہلاتا ہے اور اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل اسم ظرف اور مصدر ان سے بنا جملہ شبہ جملہ کہلاتا ہے۔ جیسے جَاءَ نِیْ رَجُلٌ ضَرَبَ اَبُوْهُ خالداً میرے پاس ایسا آدمی آیا کہ اس کے ابا نے خالد کو مارا ہے۔ تو اس مثال میں بجائے رجل کے اس کا جو متعلق یعنی ابا جی اسے مارنے والا بتلایا ہے۔ چوں کہ صفت بحال متعلق موصوف جملہ یا شبہ جملہ کی شکل میں ہوتی ہے اس لئے اس صفت کے دو رخ ہیں ایک اس کا تعلق اپنے سے پہلے موصوف سے ہے جیسے یہاں رجل سے ہے اور دوسرا اس کا تعلق اپنے فاعل اَبُوْهُ سے بھی ہے۔ تو اب ضَرَبَ کو دونوں طرف دیکھنا پڑ گیا اس لیے اس میں دس کی دس میں اپنے موصوف کے مطابق ہونا ضروری نہیں فقط اعراب اور معرفہ نکرہ ہونے میں مطابقت شرط ہے، رہی تذکیر وتانیث جمع ہونے میں مطابقت تو فاعل کے حساب سے رہے گی، اگر فاعل مذکر ہے تو فعل مذکر، مؤنث ہے تو مؤنث ہونا

لازمی ہے، ایسے ہی فاعل مفرد ہے تو فعل مفرد، تثنیہ ہے تو تثنیہ، جمع ہے تو جمع لایا جاوے گا۔

اب **سوال** یہ ہے کہ رجل نکرہ ہے جملہ اس کی صفت کیسے بنے گا۔

جواب یہ ہے کہ جملہ خبریہ بھی نکرہ شمار ہوتا ہے، لہٰذا مطابقت باقی ہے۔ بہر حال مرکب توصیفی کی دونوں قسموں کی اردو عربی تمام چیزوں کی رعایت رکھتے ہوئے ذرا مشکل ہے اور اس سے واسطہ بھی زیادہ ہی پڑتا ہے اس لئے مذکورہ تفصیل ضروری سمجھی گئی۔

ملاحظہ - مرکب توصیفی بھی مکمل کلام نہیں بنتا موصوف مع اپنی صفت کے خواہ وہ صفت بشکل مفرد ہو یا جملہ سب سے مل ملا کر صرف یا تو مسند الیہ بنے گا یا صرف مسند فَكُنْ عَلَى الْبَصِيْرَةِ۔

اردو عربی میں جملہ کی ترتیب کیسے رہے گی

جملہ اسمیہ میں اردو عربی کی ترتیب تقریبا یکساں ہی ہے اس لئے جملہ فعلیہ کی ترتیب بتائی جاتی ہے کہ عربی زبان میں تو ترتیب یہ ہے کہ پہلے فعل پھر فاعل پھر مفعول بہ اور پھر دیگر منصوبات آتے ہیں لیکن اردو میں ہمیشہ پہلے فاعل اور سب سے اخیر میں فعل آتا ہے ان دونوں میں فعل کا بعد میں آنا اور فاعل کا پہلے آنا طے ہے باقی اور جو کچھ آئے گا وہ ان کے بیچ بیچ میں رہے گا۔ اور ان بیچ میں رہنے والوں کو جس طرح چاہے ایک دوسرے سے مقدم مؤخر کر لو کوئی حرج نہیں، عبارت صحیح رہے گی، چناں چہ ضَرَبَ زَيْدٌ بَكْراً يَوْمَ الْجُمُعَةِ مَشْدُوْداً میں پہلے (زید نے) جو فاعل ہے کہہ کر سب سے اخیر میں ضَرَبَ کا ترجمہ (مارا) ہے کہنا پڑے گا، باقی درمیان میں کر کے آگے پیچھے جس طرح مرضی ہو کہہ لو، اردو میں ترجمہ صحیح فٹ آوے گا۔ ہاں جملہ اسمیہ میں اگر خبر مع متعلقات کے ہے جیسے زيد افضل من بكرٍ واخيه کہ زید بکر اور اس کے بھائی سے لائق فائق ہے تو خبر کے متعلقات کو ترجمہ میں مقدم رکھا جاوے گا۔

تو جب عربی بنائیں عربی والی ترتیب اپنائیں اور جب اردو میں ترجمہ کریں تو دھیان رکھیں جس جملہ یا کلام کا ترجمہ کر رہے ہیں اس میں سے کس کلمہ کا ترجمہ پہلے کرنا ہے اور کس کا سب سے بعد میں اور کس کا ترجمہ بیچ میں رکھنا ہے اور گویا جیسا "دلیس ویسا بھیس" پر عمل کرنا ہے تھوڑا سا بھی اگر اس پر دھیان رکھا جاوے گا تو بہت جلد دونوں زبانوں کی ترتیب اور ترکیب ذہن نشین ہو جائے گی صرف چند مرتبہ یا چند دن دشواری ہوگی۔ نیز یاد رہے کہ جملہ اسمیہ میں مبتدا اور خبر بھی مثل موصوف صفت کے تین چیزوں میں مطابق ہوا کرتے ہیں:

۱- دونوں مذکر ہی یا مؤنث ہی ہوں۔

۲- دونوں کا اعراب ایک ہو۔

۳- دونوں واحد تثنیہ یا جمع ہونے میں ایک دوسرے سے متفق ہوں اور چوتھی چیز میں ان کا ایک دوسرے کا مخالف ہونا ضروری ہے کہ مبتدا معرفہ ہوتا ہے اور خبر نکرہ ہوا کرتی ہے اگر کہیں دونوں معرفہ لائے بھی جائیں گے تو اس کی حکمت اور کوئی نہ کوئی وجہ ہوگی جس کو کتب نحو سے جانا جا سکتا ہے۔

تیسری اہم چیز عربی میں اعراب کا چکّر ہے

کسی بھی زبان میں سب سے اہم مسئلہ کسی کلمہ کے ضبط اور صحیح تلفظ اور ادائیگی کا ہے مثلاً اردو ہی میں ''چرانا'' اس میں ''چا'' پر زبر پڑھیں یا پیش پڑھیں ایسے ہی ''بکری'' اس میں ''باء'' پر فتحہ پڑھیں یا کسرہ پڑھیں ''ریل'' اس میں یائے مجہول پڑھے یا یائے معروف یہ طے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ موقع پڑھا جانے کا ہو کچھ اور پڑھ دیا جائے کچھ۔ اسی لئے بغیر سیاق وسباق اور آگا پیچھا ملائے بغیر یا اہل زبان سے سنے بغیر ضبط مشکل ہوتا ہے، عربی میں اس کا حل لغات اور ڈکشنریاں ہیں مگر اس سے بڑھ کر عربی میں ہر لفظ کا اخیر جو بدلتا ہے کہ کبھی پیش پڑھا جاتا ہے تو کبھی فتحہ اور کبھی کسرہ جیسے جاء زیدٌ رأیتُ زیداً مررت بزیدٍ'' میں زید کو تین حالتیں پیش آرہی ہیں یہ ایسا کیوں؟ ایسے ہی کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی لفظ کبھی اس کے آخر میں واؤ نون، آرہا ہے کبھی یا نون جیسے مسلمون مسلمین، مومنون مومنین کہیں رجلان ہے تو کہیں رجلین ہے یہ جو اخیر میں کلمہ کے بدلاؤ کبھی بذریعہ حرکت اور کبھی بذریعہ حرف آتا ہے جس کو ''اعراب'' کہا جاتا ہے یہ کہاں ہوتا ہے اور یہ کیوں ہوتا ہے اس کا جاننا بہت اہم ہے اور علم نحو کی ایجاد ہوئی بھی ہے اسی لئے کہ اس مسئلہ کا حل ہو۔ اگر علم نحو پڑھنے کے بعد یہ فائدہ مرتب نہ ہوا تو علم نحو کا پڑھنا پڑھانا بے معنی ہے۔

اعراب کہاں بدلتا ہے اور کیوں بدلتا ہے اس کی پہچان کیسے ہوگی اس کے لیے ایک تفصیلی خاکہ درکار ہے۔ جس کو ذہن میں رکھنے سے کلمات کے اخیر میں جو تبدیلیاں حرف یا حرکت کی پیش آتی ہیں ان کا سمجھنا انشاء اللہ آسان ہو جائے گا۔

یوں تو علم نحو کی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے اس مشکل پر عبور پایا جاسکتا ہے لیکن جو خاکہ اور تصویر یہاں پیش کر رہے ہیں اس سے بھی بڑی مدد ملنے کی امید ہے، چناں چہ مانئے کہ ہر زبان میں کوئی لفظ یا کلمہ بول کر جب وہ واحد یا مفرد ہو ایک ہی چیز مراد ہوتی ہے جب اس سے دو چیز مراد لینی ہوتی ہیں تو اردو میں اس کے ساتھ دو کی گنتی لگا کر اس کا دو ہونا ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً قلم، کتاب، ٹوپی، ان تینوں سے ان کا ایک ایک عدد مراد ہے جب دو دو مراد لینے ہوں گے تو ان کے ساتھ دو جوڑ کر دو قلم، دو کتاب، دو ٹوپی، کہیں گے انہی لفظوں کی جب عربی بنا کر قَلَمٌ، کِتَابٌ، قَلَنْسُوَةٌ بولیں گے تو ان سے ایک قلم ایک کتاب، ایک ٹوپی مراد ہوگی لیکن جب ہم دو قلم یا دو کتاب یا دو ٹوپی کہنا چاہیں تو اردو کی طرح اثنان یا اثنتان کی گنتی نہیں لگے گی بلکہ الف نون یا یاء نون، لگے گا اور کہیں گے قَلَمَانِ کِتَابَانِ قَلَنْسُوَتَانِ یا کہیں گے قَلَمَیْنِ، کِتَابَیْنِ، قَلَنْسُوَتَیْنِ اور ترجمہ دو قلم، دو کتاب، دو ٹوپی کا ہوگا۔

تو اہل عرب کے یہاں تثنیہ بنانے کے لیے یا کسی چیز کا دو ہونا ظاہر کرنے کے لئے الف نون، اور یا نون ہوتے ہیں اور اخیر میں الف اور واؤ کے بعد جو نون آتا ہے وہ مکسور پڑھا جاتا ہے کسی بھی مفرد کا تثنیہ بننے کا قاعدہ یہی ہے لیکن تثنیہ بناتے وقت کہاں الف نون، لگتا ہے اور کہاں یاء نون اس کو آگے بتلائیں گے۔ اور تثنیہ چاہے مؤنث لفظ کا بنانا ہو یا مذکر کا دونوں کا اسی

طرح بنے گا۔

تثنیہ کے بعد ہر زبان میں،، جیسے کبھی دو چیزوں کا ارادہ کیا جاتا ہے ایسے ہی کبھی مجموعہ اور اس چیز کے بہت سے افراد اور اعداد مراد ہوتے ہیں جس کو جمع کہتے ہیں اب بہت سے لفظ تو اردو میں ایسے ہیں کہ وہ واحد بھی ہوتے ہیں جمع بھی جیسے قلم، دشمن، دوست، جیسے میں نے بہت سے قلم خریدے، میرے دشمن بہت ہیں، اس کے دوست کافی ہیں، لیکن عام طور سے اردو میں واؤ نون اور یا نون لگ کے جمع بنتی ہے جیسے کتابوں، قلموں یا کتابیں، نمازیں، زکوتیں، مسجدیں، اور کبھی الف نون سے بھی جمع بن جاتی ہے جیسے چارپائی سے چارپائیاں، نشانی سے نشانیاں، اردو میں کسی لفظ کی جمع کہاں کیا آتی یا بنتی ہے اپنی مادری زبان ہونے کے ناطے ہمیں معلوم ہے ہی، یہاں تو عربی کی جمع بنانے کا طریقہ جاننا ہے۔

یہ تو طے ہے کہ جمع ہمیشہ مفرد اور واحد، سے بنتی ہے اور اس مفرد میں کچھ حروف جوڑ کر یا کم کر کے یا کوئی بھی رد و بدل اور ترمیم کے ذریعہ جمع بنائی جاتی ہے (جس کی تفصیل ابھی آرہی ہے) تثنیہ سے جمع کو نہیں بنایا جاتا ہے۔

پھر مفرد اور واحد کے ساتھ جمع بنانے کے لئے جو اور حروف ملائیں گے تو اب دو شکلیں ہیں یا تو مفرد جوں کا توں اور بعینہ رہے گا اس کے حرفوں اور حرکتوں میں کسی قسم کی ذرہ برابر تبدیلی نہ ہوگی یا اس میں حرفوں یا حرکتوں یا ترتیب کے اعتبار سے فرق پڑ جائے گا اگر پہلی شکل ہے تو اس سے جو جمع بنے گی اس کو ''جمع سالم '' کہتے ہیں جیسے مُسْلِمٌ سے واؤ نون بڑھا کر مُسْلِمُوْنَ ہو جائے گا یا یا نون بڑھا کر مُسْلِمِیْنَ بن جائے گا۔ اور اگر دوسری شکل ہے کہ مفرد یا واحد جوں کا توں نہ رہا تو اس کو جمع مکسر کہتے ہیں جیسے قلم سے اقلامٌ، اقلام جمع میں اس کا واحد قلم جوں کا توں نہیں ہے آیا بلکہ لام اور میم کے بیچ میں الف گھس گیا۔ ایسے ہی رجل سے رِجَالٌ یہ بھی جمع مکسر ہے۔

تو کسی بھی لفظ کی جمع سالم میں واحد اپنی حالت میں رہتا ہے اور جمع مکسر میں بدلتا ہے لیکن پھر جمع سالم کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ مذکر ۔۲۔ مؤنث۔ کیوں کہ جس واحد میں کوئی زیادتی کر کے جمع بنائیں گے تو اسے دیکھنا ہوگا کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث اگر مذکر ہے تو اس میں واؤ نون یا یاء نون لگایا جائے گا اور اگر مؤنث ہے تو اس میں الف تاء لگنے سے جمع بنے گی جیسے ضاربٌ سے ضاربُوْنَ یا ضارِبِیْنَ جمع آئے گی اور ضاربۃٌ مؤنث سے ضاربَاتٌ جمع بنے گی۔

سوال ضاربۃ میں الف تاء دونوں کہاں لگے تاء اس میں پہلے سے ہے۔

جواب - چوں کہ نیچے تاء ایک ہی رہتی ہے مؤنث کی جو تاء ہے وہ اور علامت جمع کے طور پر جو لگ رہی ہے وہ دونوں اکٹھی تو نہیں رہے گی اس لیے چاہے اسی یاء کے ساتھ الف لگا دو یا اسے ہٹا کر الگ سے الف تاء لگا دو۔ بہر حال مؤنث کی جمع میں الف تاء آئے گا۔ اور مذکر کی جمع میں کبھی ''واؤ نون'' اور کبھی ''یاء نون'' لگتا ہے لیکن ان میں کہاں کون لگے گا اس کو آگے کے لئے چھوڑتے ہیں۔ آئندہ معلوم ہو جائے گا۔

بہر حال مفرد اور واحد میں جب کہ وہ جوں کا توں رہے دو شکل ہیں:

۱- وہ جوں کا توں رہتے ہوئے مذکر ہو جیسے مومنٌ سے مؤمنون، یامومنین اس کو جمع مذکر سالم کہتے ہیں۔
۲- وہ جوں کا توں رہتے ہوئے مؤنث ہو جیسے صالحۃٌ سے صالحاتٌ یاخادمۃٌ سے خادماتٌ اس جمع کا نام جمع مؤنث سالم ہے اور ان دونوں کا ایک نام جمع تصحیح بھی ہے۔

اب رہ گئی وہ جمع جس کا مفرد اور واحد جمع میں آنے کے بعد جوں کا توں نہ رہتا ہو تو ایسی جمع کا نام جمع مکسر ہے پھر جمع مکسر بنانے میں تفصیل ہے جو اس کے واحد میں تغیر وتبدل کے ذریعہ بنتی ہے جس کے مختلف طریقے ہیں:

۱- کبھی واحد سے فقط حرف کم کر کے بن جاتی ہے جیسے تُخَمَۃٌ بمعنی بدہضمی سے تُخَمٌ بدہضمیاں۔
۲- واحد میں کمی کر کے اس طرح کہ ساتھ میں واحد کی شکل بھی بدل جائے جیسے رسولٌ سے رُسُلٌ۔
۳- واحد میں زیادتی بھی کمی ہو شکل بھی بدل جاتی ہے جیسے غُلَامٌ سے غِلْمَانٌ۔
۴- کبھی محض ذہنی تغیر ہوتا ہے جیسے فُلْکٌ جب قُفْلٌ کے وزن پہ تصور کریں تو واحد ہو جاتا ہے اور جب اَسَدٌ کی جمع اُسُدٌ کے وزن پہ خیال کریں تو جمع بن جاتا ہے اس کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں اسی لئے عربی میں کسی لفظ کی جمع مکسر لانا سب سے مشکل ہے کیوں کہ تین حرفی کلمہ کی جمع مکسر لانے کا کوئی قاعدہ متعین نہیں ہے تین حرفی کلمہ کی جمع کچھ بھی آسکتی ہے۔ البتہ چار یا پانچ حرفی کلمہ کی جمع اکثر فعَالِلُ کے وزن پر آجاتی ہے جیسے عارضٌ سے عوارضُ اور خبیثٌ سے خبائثُ اور پنج حرفی کی جیسے سَفَرْجَلٌ (ایک پھل کا نام ہے) جمع سفارجُ اور جحمرشٌ کی جحامرُ (بوڑھی عورت) یہ واحد تثنیہ جمع کی تفصیل اعراب کا مسئلہ سمجھنے کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ جن کلموں کا اعراب بتایا جائے گا ان میں واحد، تثنیہ، جمع، نیز جمع میں پھر جمع مکسر اور جمع سالم پھر جمع سالم میں مذکر اور مؤنث ان سب کے اعراب کی تفصیل بتاتے وقت اس کا ذہن میں ہونا ضروری ہے۔

اب آجائے ان کلمات پر جن کا اعرب ہمیں جاننا ہے

عربی زبان میں جن کلمات پر اعراب نہیں آتا یعنی ان کا اخیر نہیں بدلتا نہ کسی حرف سے نہ کسی حرکت سے ایسے کلمات ""مبنی"" کہلاتے ہیں جن میں ماضی امر حاضر معروف، اور تمام حروف خواہ عاملہ ہو یا غیر عاملہ، اور ضمیریں اور اسماء موصولات اور اسماء اشارات اور اسماء افعال اور اسماء اصوات اور ظروف زمان ومکان میں سے کچھ کلمات اور مرکب بنائی اور اسماء کنایہ شامل ہیں۔

اور جن کا اخیر بدلتا ہے ان کو ""مُعْـرَب"" کہا جاتا ہے پھر وہ کلمات جو معرب ہیں وہ کئی طرح کے ہیں۔ ۱- مفرد۔ ۲- تثنیہ۔ ۳- جمع۔ پھر مفرد تثنیہ جمع ہونے کے ساتھ یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ وہ تنہا ہی ہیں یا کسی اور سے جڑے ہوئے ہیں یعنی ان کی اضافت کسی اور کلمہ کی طرف پائی جارہی ہے یا نہیں، چوں کہ تنہا اور اضافت کی شکل میں اعراب الگ الگ ہوتا ہے۔

مفرد، تثنیہ، جمع کی اقسام اور انکے اعراب کی تفصیل

جو کلمہ مفرد ہے اس کو بھی جانچنا پڑے گا کہ آیا وہ صحیح ہے یا معتل ہے، نیز منصرف ہے یا غیر منصرف جب کسی مفرد کی یہ حالت طے ہو جائیں گی تبھی اس کے اعراب کا فیصلہ ہوگا پہلے ہم صحیح اور غیر صحیح (معتل) کا مطلب بتلاتے ہیں صحیح کلمہ اہل نحو کے یہاں (صرفیوں کے یہاں صحیح کی تعریف اور ہے) وہ ہوتا ہے کہ اس کے آخر میں حرف علت نہ ہو اول بیچ میں ہو یا نہ ہو اہل نحو کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے کیوں کہ ان کے مدنظر اخیر ہے۔ بس آخری حرف اگر کلمہ میں حرف علت نہ ہو تو وہ کلمہ عندالنحویین صحیح کہلاتا ہے جیسے رَجلٌ ،قلمٌ، کتابٌ، اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی کلمہ کے آخر میں حرف علت تو آ گیا لیکن اس سے پہلا حرف ساکن ہو جیسے دلوٌ اس طرح کا کلمہ بھی عندالنحویین صحیح کلمہ کا حکم رکھتا ہے، جس کو قائم مقام صحیح یا جاری مجرائے صحیح کہتے ہیں چناں چہ ایسے کلمہ کا اعراب وہی ہوگا جو حقیقی صحیح کلمہ کا ہوا کرتا ہے۔

اور کسی کلمہ کے منصرف اور غیر منصرف ہونے کا مطلب کیا ہے تو اس کا جاننا ذرا پیچیدہ ہے باقاعدہ علم نحو حاصل کئے کسی کلمہ کے منصرف اور غیر منصرف ہونے کو طے کرنا بہت مشکل ہے اور اس کے لیے ہمیں نحو کی کتابوں میں جو غیر منصرف کی بحث آتی ہے وہ پڑھنی اور سمجھنی پڑے گی۔ یہاں صرف مختصراً یہ سمجھ لیجئے کہ عدل وصف تانیث معرفه ،عجمه جمع ترکیب ورزن فعل، الف نون زائدتان ان نو باتوں میں سے دو باتیں یا ایک بات جو دو کے قائم مقام ہوتی ہے جس کلمہ میں دیکھو اس کو غیر منصرف سمجھو ورنہ وہ کلمہ منصرف ہے لیکن خود ان باتوں کا سمجھنا اور کسی کلمہ میں پہچان کر طے کرنا یہ بھی غیر منصرف کی بحث پڑھے بغیر دشوار ہے، اس لئے بس یہاں اتنا یاد رکھئے کہ کلمہ منصرف ہے تو اس کے اخیر کا حکم یعنی اعراب اور ہوگا اور جو غیر منصرف ہے اس کا اعراب اور ہوگا۔

بہرحال یہ تو مفرد کی تفصیل ہوئی کہ وہ صحیح بھی ہوتا ہے معتل بھی ہوتا ہے منصرف بھی ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی ہوتا ہے جیسا کلمہ ہوگا ویسا ہی اس کا اعراب الگ الگ ہوتا ہے ابھی چوں کہ یہ بھی جاننا ہے کہ تثنیہ بھی تین قسم کا ہوتا ہے اور جمع بھی تین طرح کی ہوتی ہے اس لئے مفرد کا اعراب چھوڑ کے ان کی قسمیں جان لیجیے اور بعد میں اکٹھا سب کا اعراب سامنے آ جائے گا۔

تثنیہ تین قسم کا ہوتا ہے: (۱) حقیقی، (۲) صوری، (۳) معنوی۔ جس تثنیہ میں تین باتیں ہوں اس کا واحد بھی ہو خود تثنیہ ہی کے لفظوں سے۔ ۲- اس کے اخیر میں علامات تثنیہ ''الف نون'' یا ''یاء نون'' ہو۔ ۳- اس کے معنی بھی تثنیہ کے ہوں یعنی دو پر اس کی دلالت ہو۔ تو یہ حقیقی تثنیہ کہلاتا ہے جیسے رجلٌ سے رجلان ہے اور اگر اس تثنیہ میں اخیر کی دو بات ہوں تو اس کو تثنیہ صوری کہتے ہیں جیسے اثنانِ اور اثنتانِ کہ اس میں اول بات نہیں ہے کہ اس کا کوئی واحد خود اثنان اور اثنتان کے لفظوں سے ہو لیکن دو کے معنی بھی ان کے ہیں اور علامت تثنیہ بھی ان دونوں میں ہے اور اگر صرف ان کلمات سے دو کے معنی ہی سمجھتے جاتے ہوں نہ ان کا واحد ہو نہ ان میں علامت تثنیہ ہو تو یہ تثنیہ معنوی کہلاتا ہے جیسے کلا اور کلتا کہ نہ ان کا واحد ہے انہی کے لفظوں سے اور نہ ان کے آخر میں علامت تثنیہ الف نون ہے البتہ دو کے معنی ان میں موجود ہیں۔

جمع کی بھی یہی تین قسمیں اور یہی ان کی تعریف ہے چناں چہ مسلمون جمع حقیقی ہے کہ اس کا واحد مسلمٌ جمع ہی کے الفاظ سے موجود ہے اس میں علامت جمع واؤ نون بھی ہے (اور بہت سے مسلمان) اس کا ترجمہ ہے تو جمع کے معنی بھی اس سے سمجھے جارہے ہیں۔

اور عشرون جمع صوری ہے کہ اس میں علامت جمع واؤ نون اور بیس کے معنی کا ترجمہ ہونے سے اس میں جمع کے معنی بھی ہیں لیکن واحد من لفظہٖ موجود نہیں ہے عشرۃٌ کے لفظ کو اس کا واحد کہنا یا اس کو اس کی جمع کہنا غلط ہے۔

اور اولُوْ یہ جمع معنوی کی مثال ہے بمعنی "والے" کیوں کہ اس میں صرف جمع کے معنی ہیں نہ اس کا واحد ہے نہ اس میں علامت جمع واو و نون ہے۔

سوال- ذُو بمعنی والا اس کا واحد ہے۔

جواب- واحد اُوْلُو والے الفاظ سے ہونا چاہیے اور ذُو کے الفاظ بدل گئے۔

بہر حال یہ تینوں قسم کی تثنیہ اور جمع ان سب کا اعراب ایک ہی ہے کوئی سی بھی قسم رہے، اعراب الگ الگ نہ ہوگا، پھر کسی کلمہ پر اعراب دینے کے لیے جہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ مفرد ہے یا تثنیہ ہے یا جمع، وہیں یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ وہ کلمہ کس حالت میں ہے، یعنی حالت رفعی میں ہے یا حالت نصبی میں ہے یا حالت جری میں ہے، کیوں کہ ان تینوں حالتوں کے لیے الگ الگ اعراب ہے۔ اس لئے اب آپ جان لیجیے کہ کوئی کلمہ حالت رفعی میں کب ہوتا ہے اور حالت نصبی میں کب اور حالت جری میں کب، کیوں کہ بغیر اس کے جانے ہم صحیح اعراب نہیں دے سکیں گے اور جب اعراب صحیح نہ دے پائیں گی تو ترجمہ بھی صحیح نہ ہو پائے گا۔

حالت رفعی و نصبی و جری کی پہچان

عربی زبان میں صحیح ترجمہ اور صحیح عربی اس پر موقوف ہے کہ کسی کلمہ کے آخر میں جو حرف یا حرکت کے ذریعہ تبدیلی آتی ہے اس سے واقف ہو۔ ورنہ ترجمہ کرنے اور عربی بنانے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اردو ترجمہ میں بھی غلطی ہوگی اور اردو کی عربی بنانے میں بھی معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا جیسے ضَرَبَ زیدٌ عمرواً میں زیدٌ پر دو پیش اور عمرواً پر دو زبر اگر بولے یا پڑھے یا لکھے جائیں گے تو اس سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ مارنے والا زید ہے اور جس کو مارا وہ عمرو ہے اگر تم نے زیدٌ کے دو پیش عمرو کو اور عمر کے دو زبر زیدٌ کو دیدیے تو اب پٹنے والا زید ہوگا اور عمرا اس کی پٹائی کرنے والا بن جائے گا، یہ تو مثال حرکت کی تبدیلی سے ترجمہ میں فرق پڑنے کا ہے اور اخیر کے حرف کے بدلنے سے ترجمہ میں فرق پڑنے کی مثال ہے ضَرَبَ الصالحونَ الفاسقینَ کہ نیک لوگوں نے بدکاروں کو مارا۔ اگر ہم صالحون میں "واؤ نون" کی جگہ "یاء نون" اور الفاسقین" میں برعکس کر دیں تو مطلب الٹا ہو جائے گا، یہ بدکاروں نے نیک لوگوں کو مارا اور گویا جیسا اردو میں "نے" فاعل ہونے کی علامت ہے اور "کو" مفعول ہونے کی اسی طرح عربی میں یہ کہ اخیر کی حرکت یا حروف جن کلمات کے اخیر میں آتے ہیں ان کے فاعل اور مفعول ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔

کسی کلمہ کو حالت رفعی اور حالت نصبی اور حالت جری کب حاصل ہوتی ہے؟

پہلے تھوڑی سی بات یہ بھی سمجھ لیجئے کہ گفتگو اور کلام ہمیشہ عربی میں دو ہی طرح کے ہیں کوئی بات جب ہمیں کہنی ہوگی وہ بشکل جملہ اسمیہ یا جملہ فعلیہ ہی کہنے میں آئے گی اور کلام خبریہ ہو یا انشائیہ ہر دو میں جملہ یا تو اسمیہ ہوگا یا فعلیہ اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ چناں چہ زید قائم پر ھل لگنے سے ھل زیدٌ قائمٌ جملہ انشائیہ بن گیا ورنہ تھا یہ اسمیہ ہی۔ ایسے اِضرِبْ زیداً جملہ فعلیہ ہی ہے گو امر ہونے سے انشائیہ کہلایا جارہا ہے۔ تو خلاصہ یہ ہے اصل گفتگو دو جملوں میں منحصر ہے اس سے باہر نہیں ہے۔

پھر جملہ اسمیہ کے دو حصے ہیں۔ (۱) مسند الیہ۔ (۲) مسند۔ اول کو مبتداء اور ثانی کو خبر کہتے ہیں تو اہل عرب جب کسی سے کوئی چیز جوڑتے ہیں یا اس پر حکم لگاتے ہیں تو ہمیشہ اس کو شروع میں لاتے ہیں اسی لئے اس کو مبتداء کہتے ہیں پھر بعد میں اس کے متعلق جو خبر دیتے ہیں اس کو خبر کہتے ہیں جیسے زیدٌ ھندیٌ کہ زید ہندوستانی ہے۔

تو جملہ اسمیہ کے دونوں حصے چاہے وہ مبتداء ہو یا خبر ہو ان کو اہل نحو حالت رفعی دیتے ہیں یعنی حالت رفعی میں مانتے ہیں۔

لیکن جملہ اسمیہ کے دونوں جزء یعنی مبتداء خبر حالت رفعی میں ان کا ہونا جب طے ہے جب کہ ان سے پہلے حروف مشبہ بالفعل یا ما اور لا مشابہ بلیس یا لائے نفی جنس یا افعال ناقصہ میں سے کوئی داخل نہ ہو رہا ہو۔ کیوں کہ حروف مشبہ بالفعل میں سے کوئی جملہ اسمیہ پر داخل ہوگیا تو اب جملہ اسمیہ کا پہلا جز یعنی مبتداء حالت نصبی لے لے گا اور دوسرا اجزء یعنی خبر جوں کی توں حالت رفعی پر رہے گی جیسے اِنَّ زیداً حافظٌ اور جب جملہ اسمیہ کے دونوں جزوں پر مَا اور لَا مشابہ بلیس داخل ہوں گے تو اب برعکس ہوگا یعنی مبتدا حالت رفعی میں رہے گا اور خبر کو حالت نصبی پیش آجائے گی چناں چہ کہا جاوے گا ما زیدٌ قائماً اور افعال ناقصہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ جملہ اسمیہ پر آکر مبتدا کو حالت رفعی میں کر دیتے ہیں اور خبر کو حالت نصبی میں جیسے کانَ زیدٌ قائماً اور لاء نفی جنس جب جملہ اسمیہ پر آتا ہے تو ویسے تو اس کے دونوں جزؤں کو کب حالت نصبی پیش آتی ہے اور کب حالات رفعی اس میں تفصیل ہے، جو کتب نحو سے جانی جاسکتی ہے لیکن زیادہ تر اس کا اسم منصوب ہوتا ہے اور خبر مرفوع جیسے لا رجلَ قائمٌ کوئی مرد نہیں کھڑا ہے۔

یہ تو تفصیل ہے جملہ اسمیہ کے اجزاء کی کہ وہ کب حالت رفعی میں ہوں گے کب حالت نصبی میں اور کب حالت جری۔

اب رہا جملہ فعلیہ اس کا کونسا جز حالت رفعی میں ہوگا اور کونسا حالت نصبی میں اور کونسا حالت جری میں اس کو جاننے کے لیے ہمیں پہلے یہ جاننا پڑے گا کہ فعل جس سے جملہ فعلیہ بنتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ فعل لازم ۲۔ فعل متعدی۔ جملہ فعلیہ میں ہمیشہ کسی نہ کسی کام کا ذکر ہوتا ہے جیسے اس نے لکھ لیا، وہ چلا گیا، وہ سو گیا، وہ آگیا، وغیرہ وغیرہ، اب جملہ فعلیہ میں جس کام یا فعل کا ذکر ہوگا وہ کام اور فعل یا تو اس طرح کا ہوگا کہ تنہا فاعل یعنی اکیلے آدمی کے ذریعے ہو جاتا ہوگا جیسے سونا، بیٹھنا، رونا، ہنسنا، چلنا، یہ سب کام وہ ہیں جو اکیلے سے وجود میں آجاتے ہیں سونا اکیلے ہی کر لیتا ہے ایسے ہی بیٹھنا، ہنسنا اکیلے سے انجام پاجاتا ہے ان کاموں کے کرنے کے لئے کسی اور آدمی یا چیز کو جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے تو یہ اس طرح کا فعل "فعل لازم" کہلاتا ہے اور اگر وہ کام

ایسا ہے کہ تنہا فاعل اس کے لئے کافی نہ ہو بلکہ کوئی اور آدمی یا دوسری چیز بھی اس کے وجود میں آنے کے لیے درکار ہو جیسے مارنا لکھنا، پڑھنا کہ مار کے لیے دو آدمی درکار ہیں۔۱- جو مارے گا۔۲- جس کو مارے گا۔ ایسے ہی لکھنے کے لیے لکھنے والا اور وہ چیز جس کو لکھے گا جیسے کاپی یا خط یا تختی وغیرہ تو اس طرح کے فعل کو "فعل متعدی" کہا جاتا ہے۔

لیکن پھر فعل متعدی کئی طرح کا ہوتا ہے اور یہ قسمیں فعل متعدی کی صرف عربی میں ہی نہیں بلکہ سب زبانوں میں ہے چناں چہ اردو زبان میں بعض تو وہ ہوتے ہیں جن کے ہونے اور وجود میں آنے کے لئے ایک فاعل اور فقط ایک مفعول کافی ہو جاتا ہے جیسے میں نے گھوڑا خریدا۔ اشتریت الفرس کہ اس میں خریدنے والا اور جس کو خریدا یعنی گھوڑا ان دونوں کے پائے جانے سے "خریدنا" فعل وجود میں آ گیا لیکن بعض فعل وہ ہیں کہ جن کے وجود میں آنے کے لئے فاعل کے علاوہ بجائے ایک مفعول کے دو بلکہ تین مفعول کی ضرورت پڑ جاتی ہے جیسے تم کہو "میں نے اپنے بھائی کو سو روپے دیئے" اس مثال میں بھائی جو فاعل ہے اور دینے والا اس کے علاوہ دو مفعول اور ہیں یعنی جس کو دیا اور جو کچھ دیا۔ تو اس میں بھائی مفعول اول ہے اور سو روپے مفعول ثانی ہے اور کبھی فاعل کے علاوہ تین مفعول درکار ہوتے ہیں جیسے میں نے خالد کو دکھلایا کہ اس کا بھائی ان پڑھ ہے اس میں دکھانے والے کے علاوہ جو فاعل ہے تین مفعول موجود ہیں۔۱- جس کو دکھلایا یعنی خالد۔۲- جس کے بارے میں دکھلایا یعنی اس کا بھائی۔۳- جو دکھلایا یعنی اس کا ان پڑھ ہونا تو اس طرح اب فعل متعدی تین قسم کا ہو گیا:۱- متعدی بیک مفعول ۲- متعدی بدو مفعول۔۳- متعدی بسہ مفعول۔ عام طور سے فعل کے ساتھ زیادہ تر فقط ایک یا دو مفعول آتے ہیں تین مفعول کا آنا بہت کم ہوتا ہے۔

عربی زبان میں فعل متعدی بیک مفعول کی بے شمار مثالیں ہیں جیسے حَفِظْتُ الْقُرْآنَ، اَدَّيْتُ الصَّلٰوۃَ وغیرہ اور متعدی بدو مفعول جیسے اعطيتُ زيداً درهماً، ظننتُ زيداً حافظاً عَلِمْتُهُ سارقاً لیکن عَلِمْتُ اور ظننتُ اور حسبتُ اور خِلتُ اور زعمتُ اور رأيتُ اور وَجَدتُ یہ عربی میں ایسے افعال ہیں کہ ان کے بعد جو دو مفعول آتے ہیں وہ درحقیقت مبتدا خبر ہوتے ہیں اور جیسے مبتداء خبر میں سے کسی ایک کے ختم کرنے سے کلام بیکار اور ادھورا بن جاتا ہے اسی طرح ان افعال کے دو مفعولوں میں سے کسی ایک کے حذف کرنے سے کلام بیکار ہو جائے گا کیوں کہ بات ادھوری رہے گی۔ مثلاً ظننتُ زيداً حافظاً اگر صرف زيداً کہا یا صرف حافظاً کہا تو اول صورت جس کو گمان کیا یعنی زید اس کا ذکر تو آ جائے گا اور جو کچھ اسے گمان کا یعنی حافظ ہونا اس کا معلوم ہونا باقی رہ جائے گا۔

بخلاف اعطیت یا اس جیسے افعال ان میں کسی ایک مفعول کو حذف کرنے سے کام چل جاتا ہے کیوں کہ بعض دفعہ جو دینا ہوتا ہے وہ بتانا ہوتا ہے اور جس کو دیا اس کا علم بین المتكلم والمخاطب رہتا ہے چناں چہ کہتے ہیں "میں نے پیسے دیدیئے" یعنی اعطيت الفلوس اور کبھی جو دیا وہ معلوم ہوتا ہے فقط جس کو دیا وہ بتانا ہوتا ہے جیسے "میں نے زید کو دے دیا" کیا دے دیا وہ بین المخاطب والمتكلم جانا ہوا ہے لہٰذا اعطيتُ زيداً فقط ایک مفعول سے بھی بات بن جائے گی۔ بہر حال متعدی بدو مفعول فعل کی دو شکلیں ہیں ۱- ایسا متعدی بدو مفعول کہ اس کے دو مفعولوں میں سے اگر ایک ہی لایا گیا تو بھی ٹھیک ہے۔۲- ایسا متعدی بدو مفعول کہ جس کے دونوں مفعول ذکر کرنے ضروری ہیں۔

اب رہا فعل متعدی بہ مفعول اس کے اول مفعول کو چھوڑ کر دوسرے دو مفعول وہی حکم رکھتے ہیں جو علمتُ ظننتُ مفعولوں کا ہے کہ ان میں سے کسی کا حذف درست نہیں ہے کیوں کہ یہ دو مفعول بھی درحقیقت مفعول بننے سے پہلے مبتدا خبر ہی ہوتے ہیں جن کو مفعول بننے کے بعد حالت نصبی طاری ہو جاتی ہے جیسے اَعْلَمْتُ زَیْداً عَمْراً حَافِظاً کہ میں نے زید کو عمر کا حافظ ہونا جنوادیا۔

اب اس سے قبل کہ ہم یہ بتلائیں کہ جملہ فعلیہ کے اجزاء میں کس کلمہ کو حالت رفعی ملتی ہے کس کو نصبی پہلے یہ بھی بتادیں کہ فعل کی دو قسمیں اور ہیں۔ ۱-معروف۔ ۲-مجہول۔

چوں کہ گفتگو میں ہر زبان میں یہ طریقہ رائج ہے کہ کسی کام کا ذکر کرتے وقت کبھی تو کام اور اس کے کرنے والے دونوں کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی ایسا کرتے ہیں کہ کرنے والے (فاعل) کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں البتہ جس کے ساتھ وہ کام کیا گیا (مفعول بہ) اُس سے اس فعل اور کام کو جوڑ کر بتلا دیتے ہیں مثلاً ہمیں یہ بتانا ہو کہ زید کی پٹائی ہوگئی اور یہ نہ بتانا ہو کہ کس نے کی تو ہم فاعل غائب کر کے کہیں ضُرِبَ زَیْدٌ تو یہ جو مار فاعل سے ہٹا کر مفعول بہ سے جوڑی گئی ہے تو یہاں مفعول بہ کو فاعل کی جگہ رکھ دیا گیا اور فاعل کو چھوڑ دیا گیا۔ تو یہ جو مفعول بہ جگہ میں فاعل کی لگا کر بولا گیا ہے تو اس ایسے مفعول بہ کو نائب فاعل یا اس کا قائم مقام کہا جاتا ہے۔

تو اب جانئے کہ فعل کے یہ دو جزء ہیں ۱-فاعل۔ ۲-نائب فاعل، یہ دونوں عربی زبان میں حالت رفعی میں مانے جاتے ہیں اس سے آگے جو مفعول پہلا دوسرا تیسرا بنے گا وہ سب حالت نصبی والے ہوتے ہیں۔

اب اس تفصیل کے بعد بآسانی یہ طے کیا جا سکتا ہے کہ جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ میں آمدہ کلمات میں سے کون کون منصوب ہوتے ہیں اور کون کون مرفوع، مجرور کی بات ان جملوں میں چلتی ہی نہیں ہے کوئی کلمہ مجرور کب ہوگا وہ بھی آئندہ سامنے آجائے گا بس یہاں تو یہ سمجھو کہ جن کلمات کو حالت رفعی حاصل ہوتی ہیں وہ آٹھ ہیں جملہ اسمیہ کے دونوں جز۔ (۱) مبتدا۔ (۲) خبر اور جملہ فعلیہ میں اگر فعل معروف ہے تو اس کا فاعل اور گر فعل مجہول ہے تو اس کا نائب فاعل یہ دونوں بھی حالت رفعی لئے ہوتے ہیں، اور پانچویں چیز جس کو حالت رفعی حاصل ہوتی ہے وہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر ہے اور چھٹا مرفوع مَا اور لَا مشابہ بلیس کا اسم ہے اور ساتواں مرفوع لاء نفی جنس کی خبر ہے اور آٹھواں مرفوع افعال ناقصہ کا اسم ہے۔

اور جن کلمات کو حالت نصبی حاصل ہوتی ہے وہ جملہ اسمیہ میں ہوتے ہی نہیں جیسے کہ ابھی جانا اور جملہ فعلیہ میں ہوتے ہیں پھر جملہ فعلیہ کے اجزاء کافی ہیں۔ ۱-مفعول بہ۔ ۲-مفعول مطلق۔ ۳-مفعول معہ۔ ۴-مفعول لہ۔ ۵-مفعول فیہ۔ ۶-حال۔ ۷-تمیز۔ ۸-مستثنیٰ۔ یہ آٹھوں چیزیں منصوب ہوتی ہیں ان کے علاوہ حروف مشبہ بالفعل کا اسم اور ما ولا مشابہ بلیس کی خبر اور لاء نفی جنس کا اسم اور افعال ناقصہ کی خبر، یہ چاروں بھی حالت نصبی والے ہوتے ہیں گویا جو کلمہ ان بارہ میں سے کچھ بنے گا چاہے مفعول بہ بنے چاہے حال چاہے تمیز یا اس کے علاوہ تو اس کو نصب آئے گا۔ گویا عربی زبان میں آٹھ اوپر میں سے کوئی ایک بننے والا مرفوع ہوگا اور ان بارہ میں سے کوئی ایک بننے والا منصوب ہوگا۔

اب رہا مجرور اس کی صرف دو شکلیں ہیں۔ ۱- جو کلمہ مضاف کے بعد آکر مضاف الیہ بن جائے جیسے کتابُ زیدٍ۔ یا ۲-

حروف جر کے بعد جو کلمہ آوے جیسے من المسجدِ یہ دو شکلیں کسی بھی کلمہ کے مجرور ہونے کی ہیں۔
یہ اوپر والی حالتیں رفعی اور نصبی اور جری کی کسی کلمات پر جو آتی ہیں وہ وہ ہیں جو براہ راست اور مستقل طاری ہوتی ہیں لیکن اس کے علاوہ پانچ شکلیں اور بھی ہیں جن کی وجہ سے کسی کلمہ پر حالت رفعی یا نصبی یا جری محض تابع ہونے کی وجہ سے طاری ہوتی ہے۔ ۱۔صفت۔ ۲۔تاکید۔ ۳۔بدل۔ ۴۔معطوف۔ ۵۔بیان۔ کسی موصوف پر جو حالت رفع یا نصب یا جر کی طاری ہوگی وہی اس کی صفت پر مانی جائے گی یعنی اگر موصوف مرفوع ہے یا منصوب یا مجرور ہو رہا ہوگا تو صفت بھی اسی کے مطابق مرفوع یا منصوب یا مجرور ہی ہوگی۔ ایسے ہی جو اعراب مؤکد کا ہوگا وہی تاکید کا اور جو مبدل منہ کا وہی بدل کا اور جو معطوف علیہ کا وہی معطوف کا اور جو اعراب مبیّن کا ہوگا وہی کلمہ جو اس کا بیان ہوگا اس کا بنے گا، نیز ان توابع کا اپنے متبوع کے محل قریب اور بعید کے اعتبار سے بھی اعراب بدل جاتا ہے مثلاً یازیدن العاقل میں العاقلُ جو زید کی صفت ہے مرفوع منصوب دونوں پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ اس کے متبوع زید کی دو حالت ہیں زید کا اعراب منادی مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الرفع ہے لیکن یا حرف نداء کے قائم مقام ادعوا ہونے کی وجہ سے یہ مفعول بہ بھی بن سکتا ہے اب یہ منصوب ہے۔ العاقل کو اول محل کے لحاظ سے جو محل قریب ہے تابع بنائیں تو مرفوع ہوگا اور محل بعید یعنی مفعول بہ ہونے کے لحاظ سے تابع بنائیں تو یہ منصوب ہوگا۔

اعراب کسے کہتے ہیں اور اس کا فائدہ کیا ہے

کسی بھی کلمہ کے حالت رفعی اور نصبی جری میں ہونے کا پتہ اور پہچان اعراب کے ذریعہ ہوتی ہے اور اعراب کو اعراب کہتے ہی ہیں اسی لئے کہ اعراب بمعنی ظاہر کرنا ہے تو چوں کہ اعراب سے ہی جانا اور جنوایا جاتا ہے کہ کلمہ کونسی حالت میں ہے آیا رفعی میں ہے یا نصبی میں ہے یا جری میں اس لئے عربی زبان میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اور اعراب نحویوں کے یہاں کسی کلمہ کی اس آخری حرکت یا حرف کا نام ہے جس کے ذریعہ کلمہ کی ان حالتوں کو جانا جاتا ہے جو کسی کلمہ پر طاری ہوتی ہیں اور یہ حالتیں وہی ہیں جن کو ہم حالت رفعی اور نصبی اور جری کہتے ہیں اور یہ حالتیں کب اور کس طرح طاری ہوتی ہیں پیچھے اس کا ذکر آچکا ہے بہرحال اعراب سے ہی کسی کلمہ کا مرفوع اور منصوب اور مجرور ہونا جانا جاتا ہے الخ۔

چناں چہ کافیہ میں اعراب کی تعریف اور فائدہ کا ذکر بایں الفاظ ہے۔ الاعراب ما اختلف آخرہُ بہ لیدُلَّ عَلَی الْمَعَانِیْ الْمُعْتَوِرَۃِ عَلَیْہِ ۔ یعنی اعراب وہ ہے کہ جس کے ذریعہ معرب کا آخر بدلتا ہے اور یہ اعراب اس لئے ہوتا ہے کہ معرب پر یکے بعد دیگرے اور نمبر وار جو حالتیں آتی ہیں ان کا اظہار کرے۔ معانی کے معنی یہاں حالات اور کیفیات کے ہیں اور اعتـــوار کے معنی ہیں ایک کے بعد ایک حالت طاری ہونا کیوں کہ کوئی بھی کلمہ ہو الگ الگ گفتگو اور کلام میں کبھی وہ مبتدا بن جاتا ہے تو کبھی خبر تو کبھی نائب فاعل اور کبھی فاعل ہے تو کبھی مفعول بہ ہے تو کبھی مثلاً انَّ کا اسم یا اس کی خبر ہے یا کبھی افعال ناقصہ کے بعد آرہا ہے تو جیسی جیسی جگہ میں آئے گا ویسی حالت فاعل یا مفعول یا مضاف الیہ ہونے کی اس پر طاری ہوتی رہے گی اور جیسی

حالت طاری ہوگی اسی طاری شدہ حالت کے لحاظ سے اعراب بھی آئے گا۔

ابھی اوپر کی گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ اعراب کی دو قسمیں ہیں کبھی حرف کے ذریعہ تو کبھی حرکت کے ذریعہ یعنی

۱- اعراب بالحرکت۔ ۲- اعراب بالحروف۔

اعراب بالحروف-کو اعراب ذاتی اور اعراب بالحرکۃ کو اعراب وصفی بھی کہتے ہیں اس کے علاوہ اعراب کی اور بھی قسمیں ہیں:
۱-اعراب حقیقی ۲-اعراب حکمی۔ اگر تینوں حالتوں کا اعراب الگ الگ آئے تو یہ حقیقی کہلاتا ہے اور کوئی حالت کسی کے تابع ہو تو یہ اعراب حکمی کہلاتا ہے جیسے جَاءَ زَیْدٌ وَرَأَیْتُ زَیْداً وَ مَرَرْتُ بِزَیْدٍ میں ہے اور جَاءَ عُمَرُ وَرَأَیْتُ عُمَرَ وَمَرَرْتُ بِعُمَرَ اس میں بِعُمَرَ میں عمر حالت جری میں ہے حرف جر کی وجہ سے لیکن اس کے باجود اعراب حالت نصبی والا ہے عمر کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ایسے جَاءَ رَجُلَانِ وَرَأَیْتُ رَجُلَیْنِ وَمَرَرْتُ بِرَجُلَیْنِ میں رَجُلَیْنِ کا اعراب حالت نصبی وجری میں ایک ہی ہے ایسے ہی اعراب کی ایک قسم اور ہے ۔۱-لفظی ۔۲- تقدیری۔ جو اعراب بولنے لکھنے پڑھنے میں آوے اور اس کی ادائیگی ہو سکے تو وہ لفظی کہلاتا ہے جیسے جَاءَ زَیْدٌ وَرَأَیْتُ زَیْداً و مَرَرْتُ بِزَیْدٍ میں دُنْ، دَنْ دِنْ الگ الگ ادا ہوتا نظر آتا ہے اور اگر اعراب الگ الگ ادا نہ ہوتا ہو محض مان لیا اور فرض کر لیا گیا ہو جیسے جَاءَ مُوْسیٰ وَرَأَیْتُ مُوْسیٰ وَ مَرَرْتُ بِمُوْسیٰ کہ اس میں موسی کی ادائیگی فاعل مفعول اور مجرور بننے کی تینوں شکلوں میں ایک ہی ہے مگر پھر بھی مانا جا رہا ہے کہ اول مُوْسیٰ بوجہ فاعل ہونے کے حالت رفعی میں ہے اور مرفوع ہے اور دوسرا مُوْسیٰ بوجہ مفعول ہونے کے حالت نصبی میں ہے اور منصوب ہے اور تیسرا موسی حالت جری میں ہے اور مجرور ہے۔

کسی کلمہ کو کیا اور کس طرح کا اعراب دیں گے

اس ساری تفصیل کے بعد اب ہم اعراب تقسیم کرتے ہیں کہ کس طرح کے کلمات پر اعراب ذاتی آتا ہے اور کن پر اعراب وصفی اور اعراب حقیقی کہاں آتا ہے اور حکمی کہاں نیز اعراب لفظی کب آتا ہے اور تقدیری کب؟

جن کلمات پر اعراب آتا ہے وہ کئی طرح کے ہیں اور ان کا اعراب بھی الگ الگ ہے

یاد رکھئے جو کلمہ تثنیہ ہو خواہ وہ حقیقی ہو یا صوری یا معنوی ایسے ہی جمع بشرطیکہ وہ جمع مذکر سالم ہو پھر خواہ وہ جمع حقیقی ہو یا صوری یا معنوی ایسے ہی وہ جمع مذکر سالم جس کی اضافت یاء متکلم کی طرف ہو ان سب کا اور اسماء ستہ مکبرہ ، یعنی چھ لفظ ابٌ اخٌ، حمٌ، فمٌ ھنٌ ذو۔ان سب کا اعراب بالحرف (اعراب ذاتی) ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ جو کلمہ مفرد ہو خواہ صحیح ہو جیسے زَیْدٌ یا شبہ صحیح ہو جیسے دَلْوٌ یا معتل ہو جیسے موسیٰ اور عیسیٰ، اور قاضیٌ اور داعیٌ وغیرہ ایسے ہی خواہ وہ مفرد کلمہ منصرف ہو جیسے خالدٌ، یا بکرٌ یا غیر منصرف ہو جیسے داؤد، ابراھیم، عمر، احمد ایسے ہی جمع مکسر خواہ وہ منصرف ہو جیسے رِجَالٌ یا غیر منصرف ہو جیسے مَسَاجِدُ اور مَصَابِیْحُ ایسے ہی جمع مؤنث سالم ان سب کا اعراب بالحرکۃ (اعراب وصفی) ہوتا ہے۔

پھر مفرد بشرطیکہ منصرف ہو جیسے رجلٌ خواہ وہ صحیح ہو یا مثل صحیح ہو اور جمع مکسر بشرطیکہ وہ منصرف ہو جیسے رجالٌ ان کا اعراب بالحرکۃ کے ساتھ اعراب حقیقی ہوتا ہے کہ ہر حالت کا اعراب الگ ہے کوئی کسی کے تابع نہیں ہے جیسے جاء نی زیدٌ و دلوٌ ورجالٌ، ورأیتُ زیداً ودلواً ورجالاً، ومررتُ بزیدٍ ودلوٍ ورجالٍ۔ ایسے ہی ان سب کا اعراب لفظی ہے جو باقاعدہ ادائیگی سے ظاہر ہو رہا ہے اور جمع مؤنث سالم کا اعراب بالحرکۃ ہے لیکن حکمی ہے کہ حالت نصبی کے اعراب کو جری کے تابع کیا گیا ہے نیز لفظی بھی ہے کہ بولنے میں آتا ہے جیسے ھُنَّ مُسْلِمَاتٌ، رایتُ مُسْلِمَاتٍ ومَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ اور اگر وہ کلمہ مفرد ہو لیکن غیر منصرف ہو جیسے احمدُ ابراھیمُ۔ اس کا اعراب بالحرکۃ ہے اور لفظی ہے لیکن حکمی ہے کہ اس کی حالت جری تابع ہے حالت نصبی کے اور حالت جری میں نصبی والا اعراب دیا گیا ہے جیسے جاءَ اَحْمَدُ ورَأیتُ اَحْمَدَ ومَرَرْتُ بِاَحْمَدَ.

اور جو مفرد بجائے صحیح کے معتل ہو اور اسم مقصور ہو یعنی زیادہ نہ کھینچے والا الف اس کے آخر میں ہو جیسے موسیٰ یا مفرد ہونے کی ساتھ ساتھ یاء متکلم سے جڑا ہوا ہو جیسے غُلامیْ اس قسم کے دونوں کلموں کا اعراب بالحرکۃ ہے اور تینوں حالتوں میں تقدیری ہے لیکن اعراب حقیقی کہیں یا حکمی اس کا فیصلہ تقدیری اعراب ہونے کی وجہ سے مشکل ہے جیسے جاءَ موسیٰ وغلامیْ ورأیت موسی وغلامیْ ومررتُ بموسیٰ وغلامیْ اور جو مفرد بشکل اسم منقوص ہو یعنی اس کے آخر میں بجائے الف کے یاء ہو اس کا اعراب بالحرکۃ ہے اور حالت رفعی وجری میں تقدیری ہے مگر حالت نصبی میں لفظی ہے اس کا اعراب سب حالتوں میں الگ الگ ہے یعنی حقیقی ہے یا حالت جری رفعی کے تابع ہے اور حکمی ہے اس کا فیصلہ بھی میرے لیے مشکل ہے اعراب تقدیری ہونے کی وجہ سے جیسے جاءَ القَاضیْ ورأیتُ القَاضِیَ ومَرَرْتُ بِالقَاضیْ۔ یہ بات تو ختم ہوئی مفرد کے اعراب کی اب رہے اسماء ستہ مکبرہ یہ مفرد اور تنہا ہی استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اضافت کے ساتھ بھی آتے ہیں تو ان کے اعراب میں تفصیل ہے۔

اگر بیک وقت چار شرطیں ان میں موجود ہوں تو ان کا اعراب بالحرف ہے اور حقیقی ہے اور لفظی ہے یعنی حالت رفعی میں واؤ حالت نصبی میں الف اور حالت جری میں یاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے جَاءَ اَبُوْکَ ورایتُ اَبَاکَ ومَرَرْتُ بِاَبِیْکَ پہلی شرط تو یہ ہے کہ تصغیر کی صورت میں نہ ہوں یعنی فُعَیْلٌ کے وزن پر نہ ہوں بلکہ مکبرہ اور جوں کے توں ہوں کیوں کہ تصغیر کی صورت میں ان کا اعراب بجائے بالحرف کے بالحرکۃ ہوتا ہے جیسے جَاءَنِی اُخَیُّکَ وَرَأیتُ اُخَیَّکَ ومَرَرْتُ بِاُخَیِّکَ۔

۲۔ مضاف ہوں ان کی اضافت ہو رہی ہو ورنہ عدم اضافت کی شکل میں بھی اعراب بالحرکۃ ہوتا ہے جیسے جاء اخٌ وَرایتُ اخاً ومررتُ بِاَخٍ.

۳۔ مفرد ہوں تثنیہ جمع نہ ہوں کیوں کہ تثنیہ جمع ہونے کی صورت میں ان کا اعراب تثنیہ جمع والا ہوگا جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

۴۔ ان کی اضافت یاء متکلم کی طرف نہ ہو رہی ہو ورنہ ان کا اعراب بالحرکۃ اور تقدیری ہوگا۔ جیسے جَاءَ اَخیْ وَرَأیتُ اخیْ ومَرَرْتُ بِاَخِیْ.

اب رہا تثنیہ اور جمع مذکر سالم کا اعراب بشرطیکہ یہ جمع مذکر سالم یاء متکلم کی طرف مضاف نہ ہو تو ان کا اعراب بالحرف

ہے اور لفظی ہے اور حکمی ہے۔

تثنیہ مع اپنی تینوں قسموں کے حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ کے ساتھ ہوتی ہے اور حالت نصبی و جری میں یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ کے ساتھ رہتی ہے اور اس کی حالت جری نصبی کے تابع ہوتی ہے جیسے جاءَ رجُلانِ ورایتُ رجُلَیْنِ ومَررْتُ بِرجُلیْنِ. اور جمع مذکر سالم بھی مع اپنی قسموں کے اس کا اعراب لفظی ہے بالحرف ہے حکمی ہے کہ حالت نصبی جری کے تابع ہے تثنیہ کے برعکس جیسے جاءَ مُسْلِمُوْنَ ورَایتُ مُسْلِمِیْنَ ومَرَرْتُ بِمُسْلِمِیْنَ۔

اور اگر جمع مذکر سالم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب بالحرف ہے اور حالت رفعی میں تقدیری ہے نصبی جری میں لفظی ہے اور حکمی ہے کہ حالت نصب اس میں حالت جر کے تابع ہے جیسے جاءَ مُسْلِمِیَّ ورَایتُ مُسْلِمِیَّ ومَرَرْتُ بِمُسْلِمِیَّ واللہ اعلم.

چوتھی چیز عربی زبان میں ''صلات'' کے استعمال کا مسئلہ

خواہ ہم عربی عبارت کا ترجمہ کریں یا اردو کی عربی بنائیں دونوں کے لئے ان کے صلات سے واقفیت بڑی اہم چیز ہے بغیر صلات کا استعمال جانے نہ تو اردو کی صحیح عربی بنے گی اور نہ ہی عربی عبارت کا صحیح ترجمہ کیا جا سکے گا۔

پھر صلات کا مسئلہ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے کہ عربی زبان کے ساتھ خاص نہیں ہے اردو میں بھی ان کا استعمال ہے۔

پہلے ہم صلہ کا مطلب بتادیں کہ صلہ وَصَلَ یَصِلُ وَصلاً وصِلَۃً سے مانند وَعَدَ یَعِدُ عِدَۃً مصدر ہے جس کے معنی ہیں ملانا، جوڑنا گویا ربط اور تعلق کو ''صلہ'' کہتے ہیں اس اعتبار سے کہ جملہ فعلیہ میں خواہ وہ فاعل ہو یا مفعول بہ یا مفعول مطلق یا مفعول لہ یا مفعول معہ یا حال یا تمیز سبھی کا اپنے فعل سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہوتا ہے سبھی فعل کے متعلقین یا متعلقات کہلاتے ہیں اور معنوی اعتبار سے ان میں سے ہر کسی کا اپنے فعل سے تعلق ہے کہ کوئی تو اس کام سے بحیثیت فاعل کے جڑا ہوا ہے کوئی بحیثیت مفعول بہ کے تو کوئی بحیثیت مفعول لہ ہونے کے کوئی اس حیثیت سے کہ وہ یہ بتاتا ہے کہ جب یہ فعل فاعل سے پایا گیا تو وہ کس حال میں تھا جیسے جاءَ زَیدٌ رَاکِباً کہ جب زید آیا وہ سواری کی حالت میں تھا۔ یا اس حیثیت سے کہ فعل کے ابہام کو دور کرتا ہے جیسی تمیز میں مثلاً کَبرَ زیدٌ من خالِدٍ سناً کہ زید خالد سے عمر میں بڑا ہے کہ بڑائی کسی بھی اعتبار سے علم، عقل، عمر، مال ہو سکتی تھی جس کا ابہام ختم کردیا کہ وہ باعتبار عمر کے ہے تو جملہ فعلیہ کے جتنے بھی رشتہ دار ہیں ان میں صرف مفعول بہ ہی ایسا متعلق ہے کہ وہ صلہ والا ہوتا ہے یعنی اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی حرف جر لگا کرتا ہے۔ یہ جو مفعول بہ کے ساتھ حرف جر کبھی لام کبھی مِن کبھی الی کبھی باء کبھی کوئی اور حرف جر لگ کر آتا ہے اس کو ''صلہ'' کہتے ہیں مفعول بہ کے علاوہ صرف فاعل ہے جس میں بطور صلہ حرف جر لگ کر آتا ہے اور وہ بھی صرف ایک فعل ''کفی'' میں ہوتا ہے کہ کفی کا فاعل بواسطہ حرف جر ہی کے آتا ہے چناں چہ وکفی باللّٰہِ وَکِیْلاً، وَکفی بِرَبِّکَ ھادِیاً وَّنَصِیراً، کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْباًتو ''صلہ'' کا تعلق درحقیقت مفعول بہ ہی سے ہوتا ہے لیکن فعل کا مفعول بہ کبھی تو فقط ایک ہی ہوتا ہے جیسے اَکَلْتُ الطَّعَامَ یَاتَلَوْتُ الْقُرآنَ اور کبھی

دو دو ہوتے ہیں جیسے اعطیتُ زیداً کتاباً، وسقیتُہٗ ماءً اور زیادہ تر استعمال گفتگو میں اسی طرح کے جملوں کا ہے کہ کسی میں فعل کے ساتھ ایک مفعول ہوتا ہے تو کسی میں دو دو اور کبھی کبھی تین مفعول سے بھی جملہ بنتا ہے جیسے اخبرتُ زیداً عمرًا سارقاً میں نے زید کو عمر کا چور ہونا بتلا دیا۔ لیکن تیسری صورت بہت کم ہے۔

بلکہ دو مفعولوں میں بھی ''صلات'' کا استعمال جب ہے جب کہ وہ افعال قلوب کے مفعولوں میں سے نہ ہوں کیوں کہ افعال قلوب کے مفعول بغیر واسطہ حرف جر کے براہ راست مفعول بنتے ہیں جیسے خلتُ زیداً مُہمِلاً کہ میں نے زید کو لاپرواہ خیال کیا۔

بہرحال ''صلہ'' کا تعلق خالی مفعول بہ سے ہے خواہ وہ مفعول بہ ایک ہو یا دو لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر مفعول بہ کے ساتھ ''صلہ'' اور حرف جر ہی لگ کر آوے بلکہ کبھی وہ بلا حرف جر براہ راست مفعول بہ بنیں گے جیسے اِشتریتُ الکتابَ اور کبھی حرف جر کے واسطے سے جیسے ذَہبتُ اِلیَ الحُجرَۃِ اس میں الی الحجرۃ بوسطہ الی حرف جر کے ذہبت کا مفعول بہ ہے۔

پھر دو مفعولوں میں چار شکلیں ہیں:

۱۔ دونوں مفعول بلا صلہ اور حرف جر کے مفعول بہ بنیں جیسے اطعَمَ زیدٌ الضُّیوفَ طَعَاماً۔

۲۔ دونوں مفعول بہ صلہ کے ساتھ ہوں جیسے: اَلقیٰ زَیدٌ بِالمَوَدَّۃِ الیٰ صَدِیقِہٖ کہ زید نے اپنے دوست سے محبت کا اظہار کیا۔ اس میں بالمودۃ مفعول اول اور الی صدیقہٖ مفعول ثانی ہے۔

۳۔ مفعول اول بلا صلہ کے ہو ثانی مفعول صلہ کے ساتھ ہو جیسے القیتُ الدرس علی الطُّلَّابِ میں نے طلبہ کو سبق پڑھایا۔

۴۔ مفعول اول میں صلہ ہو دوسرے کا نہ ہو جیسے دفعتُ الی صدیقی روبیتین میں نے اپنے دوست کو دو روپے دیئے۔

پھر جہاں دونوں ہی مفعول صلہ والے آتے ہوں ان میں یہ بھی دھیان ضروری ہے کہ ایک مفعول کا صلہ یا حرف جر دوسرے پہ نہ لگ جائے اور نہ برعکس ہو ورنہ مطلب غلط ہو جائے گا جیسے اعوذ باللہ من الشیطان شیطان سے اللہ کی پناہ میں آیا جارہا ہے۔'' اگر باء کو الشیطان اور من کو اللہ پر رکھ دیا تو مطلب الٹ جائے گا کہ اللہ سے شیطان کی پناہ لے رہے ہیں نعوذ باللہ من ذلک۔

ایسے القیٰ زید بالمَوَدَّۃِ الی اخیہ میں جس سے اظہار کرنا ہے وہ ہمیشہ اِلی کے بعد آوے اور جس چیز کا اظہار کرنا ہے وہ باء کے بعد ورنہ کلام کا مطلب گڑبڑ ہو جائے گا۔

اور اگر دو مفعولوں میں سے صرف ایک مفعول صلہ اور حرف جر کے ساتھ سے دوسرا مفعول براہ راست ہو تو ان میں بھی یہ دھیان ضروری ہے کہ حرف جر اور صلہ اسی مفعول کے ساتھ آئے گا جس کے ساتھ آنا چاہیے جیسے القیتُ الدرس علی الطلاب کہ میں نے طلبہ کو سبق پڑھایا اس میں جن کو پڑھایا ہمیشہ علی کے بعد لایا جاوے گا اور علی کے صحیح جگہ پر لگنے کے بعد چاہے مفعولوں کی ترتیب بھی خلط ملط ہو جائے مگر مطلب صحیح رہے گا اور خواہ الدرس پہلے بول دو خواہ علی الطلاب بات صحیح رہے گی۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ بعض افعال جن کا مفعول صلہ اور حرف جر کے ساتھ آیا کرتا ہے یہ دھیان لازم ہے کہ جس مفہوم

اور مراد کے ادا کرنے کے لئے جو حرف جر اہل زبان کے یہاں لایا جاتا ہے وہی لایا جاوے ورنہ مضحکہ خیز بات ہو جائے گی جیسے ''میں نے زید سے کہا'' اس کی عربی قلت لزید ہے اگر ہم نے اردو کے اعتبار سے من زید کہا تو اہل عرب کے ہاں الجھن کا باعث ہوگا وہ جس سے کچھ کہا جاتا ہے ہمیشہ لام حرف جری ہی کے بعد لانے کے عادی ہیں۔ چناں چہ تمام قرآن میں قول کا مفعول بصلہ لام ہی پایا جاتا ہے اسی لئے اہل عرب کے یہاں ''صلات'' کا استعمال ملے ہے اور جیسی ہمارے اردو میں ہر فعل کے ساتھ جو مفعول آتا ہے اس کے صلات متعین ہیں مثلاً چڑھنا، ایک فعل ہے اسکا مفعول بہ جو بھی ہوگا اس کے ساتھ ''پر'' لگے گا، جیسے چھت پر، سیڑھی پر، آسمان پر، ایسے ہی خوش ہونا جس سے خوش ہوا جاتا ہے اس کے بعد ''سے'' آتا ہے جیسے ''میں آپ سے خوش ہوا، لیکن عربی میں جس سے خوش ہوا جاتا ہے وہ باء کے بعد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں فرحت بک'' یا فرحت بلقائک او برؤیتکَ''۔

خلاصہ یہ ہے کہ اردو میں ترجمہ کرنا ہو تو اردو میں جو صلہ آتا ہے اس کا دھیان رکھنا ہے اور عربی بنانی ہو تو اس کا صلہ دھیان میں رکھنا ہے یہ نہیں کہ اگر عربی میں باء آیا ہے تو ساتھ سے ترجمہ کریں۔ یا اردو میں ''سے'' آتا ہے تو اس کی عربی ''مــــن'' سے کردیں۔

ایسے ہی بعض فعلوں کے مفعول براہ راست اور صلہ کے ساتھ دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں ایسی جگہ ''باصلہ مفعول بہ کا ترجمہ بھی وہی ہوگا جو براہ راست اور بے صلہ کا ہوتا ہے چناں چہ طَرَحْتُ الشّئَ وبِالشّئِ میں نے چیز پھینک دیا کہیں گے، بلکہ صلہ کا ہر جگہ ترجمہ ضروری نہیں ہے بلکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اردو میں تو اس کا صلہ ہو عربی میں نہ ہو جیسے دَخَلْتُ الدّارَ میں گھر میں داخل ہوا۔ کہ اس میں دخول کے ساتھ میں اردو کے اندر ''میں'' آتا ہے عربی میں نہیں اور کبھی برعکس جیسے فَسَقَ زَیْدٌ عَنْ اَمْرِیْ زید نے میرا حکم نہ مانا اس میں ''عن'' کا ترجمہ نہیں ہوتا ہے۔

پھر بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ فعل تو وہی آتا رہتا ہے مگر اس کے متعلقات بدلنے سے اس فعل کا ترجمہ اور مفہوم بدل جاتا ہے اس کا دھیان نہ رکھنے سے دونوں زبانوں میں غلطی ہوتی رہتی ہے مثلاً: ۱- زید نے دوڑ لگائی۔ ۲- میں نے سرمہ لگایا۔ ۳- اس نے شامیانہ لگایا۔ ۴- اس نے انجکشن لگایا۔ ۵- اس نے بھیڑ لگائی۔ ۶- اس نے اشتہار لگایا۔ ۷- اس نے دسترخوان لگایا۔ ۸- اس نے پودے لگائے۔ ۹- اس نے جھاڑو لگائی۔ ان مثالوں میں اگر کوئی ''لگایا'' فعل کو دیکھ کر سب کی ایک عربی بنانے لگے تو غلط ہے چناں چہ ان کی ترتیب وار عربی یوں ہے۔ ۱- جریٰ زیدٌ. ۲- اِکْتَحَلْتُ الْعَیْنَ. ۳- اقامَ سُرادقاً. ۴- اعطاہُ ابرۃَ الدواء. ۵- جمعَ الناسَ. ۶- اَلْصَقَ الاِعلانَ. ۷- بَسَطَ الخِوَانَ. ۸- غرسَ الاشجارَ. ۹- کنسَ الحجرۃَ.

اسی طرح عربی میں ایک فعل بار بار آتا رہتا ہے مگر متعلقات بدلنے سے ان کے معنی اور مراد بدل جاتی ہے جیسے مثلاً ضَرَبَ ایک فعل ہے اس کا استعمال کتنی ہی طرح ہے۔ ۱- ضَرَبَ القلبُ. ۲- ضرب العِرْقُ ۳- ضربَ الضرسُ. ۴- ضربَ الرجلُ فی الارْضِ. ۵- ضربَ لہ مثلاً ۶- ضَرَبَ علی المَکْتُوبِ. ۷- ضربَ النَّوْمُ علی اُذنہ. ۸- ضرب بہ الارضَ. ۹- ضربَ زیدٌ عمراً. ان سب مثالوں کا علی الترتیب ترجمہ یوں ہے۔

۱- دل دھڑکا۔ ۲- رگ پھڑکی۔ ۳- داڑھ میں چیس پیدا ہوئی۔ ۴- وہ سفر میں گیا۔ ۵- اس نے اس کو مثال دی۔ ۶- اس

نے مہر لگائی۔ ۷-اس کو نیند کا غلبہ ہوا۔ ۸-اس کو زمین پر پٹخ دیا۔ ۹-زید نے عمر کی پٹائی کردی۔
تو جیسے اردو میں کئی جملوں میں ایک ہی طرح کے دیئے ہوئے فعل کی ایک ہی عربی نہیں ہوسکتی ایسے ہی عربی میں بار بار آمدہ مختلف جملوں میں فعل کا ایک ہی ترجمہ نہیں ہوسکتا اور ہر جگہ ضَـــرَبَ کا وہی لگا بندھا ''مارنے کا ترجمہ کرنا'' ترجمہ کی دنیا سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ایسے ہی کبھی متعلق ایک ہی رہتا ہے مگر فعل بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں جیسے استکبرَ فی نفسہ وہ اپنے آپے میں بڑا بنا، رَجَعَ الی نفسہ وہ اپنے آپے میں آگیا اور خرج بنفسہ وہ خود ہی باہر آیا۔

کسی بھی ترجمہ سے قبل اس کا تجزیہ بیحد مفید ہوتا ہے

کوئی بھی زبان ہو اس میں بھی تقریراً تحریراً لکھنے اور بولنے میں اس کو بڑی اہمیت ہے کہ بات اور گفتگو کہاں سے شروع ہو کر کہاں ختم ہو رہی ہے گویا گفتگو کا فصل و وصل اور توڑ جوڑ کا اسے مکمل علم ہو اور یہ بات اتنی مہتم بالشان ہے کہ علماءِ کلام اور ادباء نے ''بلاغت'' اسی کا نام رکھ دیا جس کو دوسرے الفاظ میں ''فصل خطاب'' (جدا جدا گفتگو) بھی کہا جاتا ہے، چناں چہ ''رکو مت چلو'' اس جملہ کا وصل و وقف سے کتنا عظیم تعلق ہے کہ ''رکو'' پر سانس توڑنے سے اور ''مت چلو'' الگ کہنے سے مطلب اور ہے اور ''رکو مت'' پر سانس توڑ کر پھر ''چلو'' کہنے سے مطلب اور ہے اور یہی حال لکھنے میں بھی رہے گا کہ فصل کا جہاں نشان دوگے اسی پر کلام کا مطلب طے ہوگا۔ اسی لئے عجمیوں کے لیے بلکہ کلام کے نشیب و فراز سے ناواقف خواہ عرب ہی کیوں نہ ہو قرآن میں آیات اور ٹھہرنے کی علامات مقرر کی گئیں۔ اسی لئے ادباء اپنی اپنی تحریروں میں ''کوما''، ''قوسین'' اور وقف تام کی علامتوں نیز سوالیہ جملہ پر سوالیہ نشان کی علامت کا بڑا دھیان رکھتے ہیں اور جملہ کہاں سے شروع ہو کر کہاں مکمل ہوا ہے اس کی مستقل علامتیں مقرر ہوتی ہیں۔

اس لئے سب سے پہلے جملہ طے ہو جانا ضروری ہے۔ کہ کہاں سے کہاں تک ہے پھر وہ فعلیہ ہے یا اسمیہ فعلیہ ہونے پر یہ طے کیا جاوے کہ وہ ماضی کے صیغے سے شروع ہے یا مضارع کے یا امر کے یا نہی کے پھر ماضی میں چھ ماضیوں کے کونسے صیغے سے شروع ہے ایسے ہی مضارع میں مثبت منفی پھر نفی جحد بلم اور لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ سے یا خفیفہ سے کس سے شروع ہے ایسے ہی امر یا نہی کے کس صیغہ سے شروع ہے پھر فعل کے ساتھ آگے جو دوسرے متعلقات ہیں فاعل، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول مطلق، مفعول لہ، حال، تمیز یہ سب جملہ فعلیہ کے اجزاء ہیں ان میں سے جملہ میں کون کون ہیں ان سب کا جائزہ لے کر پھر ترجمہ بٹھایا جاوے تاکہ ترجمہ صحیح ہو سکے ایسے ہی اگر اس فعل کے ساتھ حرف شرط لگ کر جملہ بنا ہے تو اس کی جزاء پر فاء وغیرہ آتا ہے یا نہیں سب دیکھ لینا ضروری ہے۔

اور اگر وہ جملہ اسمیہ ہے تو یا تو سادہ جملہ ہے کہ اس پر حروف مشبہ بالفعل جن کو نواسخ بھی کہتے ہیں یا افعال ناقصہ یا ما و لا مشابہ بلیس یا لاء نفی جنس میں سے کوئی اس پر داخل نہیں ہے تو اس سادہ جملے میں کتنا مبتدا ہے اور کتنا خبر ہے یہ طے کیا جاوے اور اگر مبتدا خبر سادہ نہ ہوں تو پھر دیکھو یہ مبتدا خبر حروف مشبہ بالفعل میں سے اگر کسی کو اپنے اوپر لئے ہوئے ہوں تو مبتدا کا اعراب بحالت نصب ہوگا اور خبر کا علی حالہ رہے گا اور افعال ناقصہ اور ما و لا مشابہ لیس میں اس کا الٹا رہے گا اور

لائے نفی جنس میں تفصیل ہے جو کتب نحو سے جانی جاسکتی ہے۔
بہر حال اردو کریں یا عربی بنائیں اس کا اور اس کے اجزاء کا تجزیہ ضروری ہے ورنہ ترجمانی میں غلطی ہوجائے گی اور یہ عجیب بات ہے کہ عربی عبارت کا جو یوں تجزیہ کیا جاتا ہے کہ یہ فعل ہے یہ فاعل ہے یہ مفعول بہ ہے یہ حال ہے اس کو "ترکیب" کہتے ہیں حالاں کہ اس کو تو "تحلیل" کہنا چاہیے ہاں اردو کی جو عربی کرتے وقت جمع بناتے ہیں کہ یہ فعل آگیا ہے اور فاعل اور مفعول اس کو ترکیب کہنا چاہیے اللہ جانے کیوں ایسا چل پڑا ہے ممکن ہے کہ اطلاق علی الضد کے قبیل سے ہو جیسے کہ "عورة" کے معنی ننگا اور کھلا ہوا ہونے کے ہیں۔ مگر ترجمہ "ستر" اور چھپانے کا کرتے ہیں۔

اردو کی عربی اور عربی کی اردو بنانے کی مشق رکھنے میں چند عظیم فائدے

۱- عربی زبان کی ترتیب بمقابلہ اردو کے غیر مانوس ہے ہم مضاف الیہ کو پہلے لاتے ہیں اہل عرب بعد میں لاکر بولتے ہیں یہی حال موصوف وصفت کا ہے ایسے ہی فعل اور کام کا ذکر اہل عرب سب سے شروع میں کرتے ہیں پھر جس نے کیا اس کا ذکر کرتے ہیں یعنی فاعل کا جب کہ اردو میں جو اس کام کو کر رہا ہے اس کا ذکر پہلے کریں گے پھر اور باتیں کہہ کر آخیر میں کام کا ذکر لاتے ہیں جیسے زید نے کل آٹھ بجے میرے ساتھ چائے پی۔ اس کی عربی ضَرِبَ زَيْدٌ الشَّايَ مَعِيَ فِي السَّاعَةِ الثَّامِنَةِ فِيْ مَنِيْ تو چند دن مشق رکھنے سے عربی گفتگو کی ترتیب سے جو الجھن اہل اردو کو ہوتی ہے وہ ختم ہوجائے گی اگرچہ عربی زبان کی ترتیب اپنی اصل پر ہے مگر ہماری مادری زبان جو اردو بن گئی ہے اس کی وجہ سے ہمیں بجائے اپنی زبان کی ترتیب الٹی لگنے کے عربی زبان کی لگتی ہے ورنہ تو دیکھا جائے تو فارسی کی ترتیب بھی وہی عربی والی ہی ہے۔
بہر حال عربی زبان کو بنیاد کا درجہ حاصل ہے باقی زبانیں اسی سے بن کے وجود میں آئی ہیں۔ اس کی ترتیب پر کوئی اعتراض کرنا ہی بیکار ہے۔ اور زبانیں جو اس کی ترتیب پر نہ ہوں بس ان کی بھی اپنی ایک ترتیب ہے۔

۲- اردو کی عربی اور برعکس کرنے میں دونوں زبانوں کے تقابلی جائزہ کا موقع ملے گا اور اسی سے صحیح انداز ہو پائے گا کہ اردو کی عبارت کا مقابل عربی میں کیا ہے اور عربی عبارت کا مقابل اردو میں کیا ہے یعنی ہماری اردو تعبیرات کی صحیح عربی تعبیرات کیا ہیں ایسے ہی عربی تعبیرات کی صحیح اردو کیا ہے ورنہ اردو کی عربی اور عربی کی اردو گو ہم کرتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی بلا مشق کے کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کیا معلوم!
ہماری اردو کی صحیح عربی بن گئی یا عربی کا اردو میں صحیح ترجمہ ہوگیا، ہاں بار بار کی مشق اور استعمال سے جب یہ بات سامنے آئے گی کہ ہمیشہ اردو کی اس تعبیر کے لئے عربی تعبیر یہی آتی رہتی ہے یا عربی تعبیر کا اردو میں یہی ترجمہ ہوتا ہے تو پھر بلا کسی خدشے ایک تعبیر کو دوسری کا بدل بنایا جاسکتا ہے اور اس کا حل سوائے مشق اور تمرین اور استعمال کے اور کچھ نہیں ہے۔

کچھ نمونے ملاحظہ ہوں

مثلاً ہم اردو میں کہتے ہیں "اس نے ہنس کر کہا" بظاہر اس کی عربی ضحک ثم قال معلوم ہوتی ہے جبکہ اہل عرب اس

''کر'' کے لئے دو فعلوں کے درمیان میں واؤ لاتے ہیں اور کہتے ہیں ضحک و قال'' ایسے ہی قرآن میں ذرھم یاکلوا ویتمتعوا آیا ہے اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے چھوڑ دیجئے ان کو کھاتے رہیں اور مزے لیتے رہیں۔ مگر اردو تعبیر کے لحاظ سے اس کا ترجمہ یوں ہے۔ ''ان کو کھانے دیجئے اور مزے اڑانے دیجئے'' کیوں کہ ''نے دیجئے'' والے جتنے بھی جملے بنتے ہیں ان سب کا طریقہ یہی ہے کہ ذَرْ اور دَعْ جو بمعنی اترک ہیں یا خود اُتْرُکْ سے بنے صیغے کسی فعل کے ساتھ لگائے جاتے ہیں چناں چہ کہتے ہیں دعنی افعلُ کذا (کہ مجھے ایسا کرنے دیجئے) ایسے ہی ہے لا تترکہ یلعبُ'' اسے مت کھیلنے دیجئے۔ ایسے ہی ذرنی اضربہٗ'' مجھے اس کی پٹائی کرنے دیجئے'' یہ قاعدہ جاننے کے بعد ہر جگہ صحیح ترجمہ آسان ہوجائے گا اور ''نے دیجئے'' کا کوئی بھی جملہ ہو اس کی عربی مشکل نہ معلوم ہوگی بشرطیکہ صیغوں کی تبدیلی کی صحیح واقفیت ہو ایسے ہی ''سکتا ہوں'' والے جملوں کے لئے'' استطیع یا اقدر لگایا جاتا ہے جیسے لَمْ اَسْتَطِعْ عَلَیْہِ صَبْرًا مجھ سے اس پر صبر نہ ہوسکا اسی طرح ''چاہتا ہوں'' والے جملوں کے لئے اُرِیْدُ احبُّ، جیسے اُرِیْدُ اَنْ اَتَکَلَّمَ'' تو یاد اس جیسے جملے نہ صحیح بن پاتے ہیں اور نہ اس کا صحیح ترجمہ ہو پاتا ہے جب کہ مشق نہ ہو۔

نوٹ۔ ایسے ہی قرآن میں لبثنا یَوْمًا او بعض یوم کا ترجمہ ہم کرتے ہیں ''ہم ایک دن یا آدھا دن ٹھہرے'' تو یوماً اور بعض یوم '' کی اصطلاح خاص عربی ہی کی نہیں ہے ہماری اردو کی بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اہل عرب ''او '' حرف عطف بیچ میں لاتے ہیں ہم نہیں لاتے ہم کہتے ہیں'' کہ ہم ایک آدھ روز ٹھہرے اب اگر ہم نے یوماً او بعض یوم کے اردو ترجمہ میں ''یا'' کا لفظ بڑھا کر ایک دن یا آدھ دن ترجمہ کیا تو ترجمہ کی متانت مجروح ہوگئی۔ ایسے ہی اگر ''ایک آدھ دن'' کی عربی ہم نے بغیر''او'' کے لگائے بنائی تو عربی بگڑ گئی اس لئے اپنی اپنی اصطلاح کے مطابق رہنے میں فصاحت و بلاغت برقرار رہے گی ورنہ فوت ہوجائے گی۔ یہی حال ہے لا تَتَّخِذُوْا اِلٰھَیْنِ اثْنَیْنِ آیت میں کہ اس کا ترجمہ ''دو خدا نہ مانو'' کرتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ اثنین کا کیا فائدہ رہا حالاں کہ بلیغ کلام میں اور یہ تو اللہ کا کلام ہے بے فائدہ کوئی کلمہ کیسے آسکتا ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے ''دو دو خدا نہ مانو'' کیوں کہ مطمح نظر تعدد کی نفی ہے چناں چہ صاحب کشافؒ نے اثنین لانے کا فائدہ یہی ذکر کیا ہے، اب یہ کہنا ہو'' دو دو روٹیاں نہ کھاؤ'' تو اس کی عربی لا تَاْکُلُوْا رَغِیْفَتَیْنِ'' غلط ہوگی جب تک ''اثنتین '' کا لفظ نہ بڑھایا جاوے ایسے ہم اِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ کہ جب ان کی موت کا وقت آجائے گا تو وہ ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔ اس آیت میں یہ ایک مشہور اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب موت کا وقت آچکا تو آگے بڑھنے کی نفی کرنا تو صحیح ہے پیچھے ہٹنے کی نفی کیوں کی جارہی ہے پیچھے ہٹنے کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا جب وقت آگیا تو وہ پیچھے کیسے ہٹے گا تو یہ اعتراض بھی اپنے اردو محاوروں پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ہوتا ہے ورنہ تو اردو میں ہم اس طرح کے جملے بولتے ہیں مگر کبھی اعتراض نہیں ہوتا مثلاً سودا خریدتے وقت کہتے ہیں ارے بھائی ''کم زیادہ کرلو'' مگر مراد اس کی صرف کم کرانا ہے صرف تقابل کی وجہ سے ''زیادتی'' کا ساتھ میں ذکر کردیا۔

ایسے ہی کہتے ہیں اس نے آنے جانے میں رات دن ایک کردیا اور مراد صرف دن میں آنا ہے۔ ایسے ہی کسی کو نقصان ہوجائے تو کہتے ہیں ''بھائی نفع نقصان سب اللہ ہی کی طرف سے ہے'' حالاں کہ دلاسا صرف نقصان پر دینا ہے۔ ایسے ہی اس نے مجھے تو بہت برا بھلا کہا'' اور شکایت برا کہنے کی مقصود ہوتی ہے مگر ضدین ہونے کی وجہ سے ذکر دونوں کا لاتے ہیں غرضیکہ جب عربی

کو بطور زبان کے مشق اور استعمال میں رکھا جائے گا تو مرادیں اور مطالب خود بخود سمجھ میں آتے چلے جاویں گے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ فی بیان الصلوٰۃ کا ترجمہ "بیچ بیان نماز کے" اور انما کا ترجمہ "جزئی نیست" ہوا کرتا تھا حالاں کہ یہ ترجمے وہ ترجمے تھے جنہیں خود ترجمے کے ضرورت ہوتی تھی راقم "جزئی نیست" کے مفہوم میں ہمیشہ چکر کھاتا تھا کہ آخر "جزئی نیست" کہہ کے کیا کہنا چاہتے ہیں جب دوسرے ترجمے "فقط" اور "صرف" اور انــمــا کے برائے حصر ہونے کا پتہ چلا تب اس "جزئی نیست" کا مطلب سمجھ میں آیا لیکن اب یہ اس طرح کے ترجمے خام خیالی اور حقیقت سے کوسوں دور لگتے ہیں۔

اسی طرح ہر زبان خواہ اس کا ترجمہ کتنا ہی عمدہ کیوں نہ کر دیں لیکن پھر بھی لہجہ اور ادائگی اور بولنے کی کیفیت کو ترجمہ میں منتقل نہیں کیا جاسکتا اور متکلم کے کلام میں جو نشیب و فراز چھپا ہوا ہے اور جس ماحول اور کیفیتوں میں وہ کلام کیا گیا ہے دوسری زبان میں اس کا اندازہ اگر کچھ کیا جاسکتا ہے تو اپنی مادری زبان کے ذریعہ ہی کیا جاسکتا ہے اور ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس طرح اتار چڑھاؤ ہمارے کلام میں ہے دیگر زبانوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ بغیر دونوں زبانوں کی مشق رکھے ممکن نہیں ہے۔

چناں چہ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ السلام کے واقعہ میں پ ۲۶ کے آخر میں جو آیت ہے: بَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے حضرت ابراہیم کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی جس پر اس کی بیوی شور مچاتی ہوئی آئی اور ماتھا پیٹ کر کہنے لگی بوڑھی بانجھ۔ اب خالی "بوڑھی، بانجھ" کہنے سے آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا کیوں کہ اس آیت میں جو تلملاہٹ اور حیرانی کے عالم میں حضرت ابراہیم کی بیوی نے "بوڑھی بانجھ کہا" وہ کیفیت مستور ہے اگر ظاہر کی جاتی تو یوں کہتی: أَنَا عَجُوزٌ أَنَا عَقِيمٌ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ. کہ اے فرشتوں جو تم مجھے لڑکا ہونے کی خوشخبری دے رہے ہو یہ کہاں کا تک ہے بھلا میں ایک بوڑھی بانجھ عورت میرے یہاں لڑکا کیسے ہو جائے گا۔ بوڑھی اماں کی یہ تلاطمی کیفیت جس کے ذہن میں ہوگی وہ اس آیت کو پڑھ کر جھومے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بلکہ بعض الجھنیں تو مشق ہی سے نکلتی ہیں مثلاً فَاطِمَةُ أَصْغَرُ مِنْ زَيْنَبَ" ایک دن اس جملہ میں الجھ گیا کہ "اصغر" کیوں ہے "صغریٰ" ہونا چاہیے کیوں کہ مفضل مؤنث ہے لیکن اسم تفضیل کے بیان کو جب دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ جملہ صحیح ہے کیوں کہ اسم تفضیل کے تین استعمال ہیں۔ ۱- من کے ساتھ۔ ۲- الف لام کے ساتھ ۳- اضافت کے ساتھ۔ پہلے استعمال میں اسم تفضیل کا اپنے مفضل سے مذکر و مؤنث ہونے میں مطابق ہونا ضروری نہیں ہے فلا اشکال علیہ۔

ایسے ہی اردو کی عربی بناتے ہوئے "اللہ کے نیک بندے" اس جملہ کی عربی میں یہ چکر لگا کہ "اللہ" مضاف الیہ ہے "نیک بندے" مکمل اس کا مضاف ہے تو اللہ سے پہلے "نیک" کی عربی بنا کر وہ لگاؤں یا "بندے" کی عربی بنا کر لگاؤں یا دونوں کی عربی بنا کر لگاؤں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا کہ "التحیات کے الفاظ" وعلی عباد اللہ الصالحین " ذہن میں آئے اور عقدہ کھل گیا کہ اس طرح کا جملہ جس میں مرکب توصیفی مضاف بنا ہو اس میں صفت کو موصوف کے ساتھ رکھنے کے بجائے اس موصوف کے مضاف الیہ کے بعد لایا کرتے ہیں جیسے محمدٌ رسولُ اللهِ الصَّادِقُ، کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔

بہر حال مشق ہی واحد علاج ہے کہ جس سے قواعد صرف و نحو زندہ ہو سکتے ہیں اور ان دونوں فنوں کی کتب کے پڑھنے پڑھانے میں جان پڑ سکتی ہے اور طلبہ کی دلچسپی بڑھ سکتی ہے ورنہ جب مشق نہ ہوگی اور کسی کو هٰذا کی جگہ هٰذه یا ذلک کہ جگہ

تلک نہ بولنا ہوتو ایسے شخص کو اسماء اشارات کی بحث سے کیا مطلب؟ اور الَّذِیْ کی جگہ اَلَّتِیْ نہ کہنا ہوتو اسے اسماء موصولات سے کیا مطلب اور جیسے اَنْتَ کی جگہ ھو یا اَنَا اول بدل کے نہ بولنا ہوتو اسے بحث المضمرات سے کیا واسطہ اور جیسے اَحَدَ عَشَرَ کے بدلے اِثْنَا عَشَرَ یا اَحَدٌ وعشرون کہنے کی نوبت نہ آتی ہوتو اسے عربی گنتی والے اسباق سے کیا مطلب؟ کیوں وہ سمجھے کیوں وہ پڑھے کون سے کلمات ایک ہی حالت پر رہتے ہیں یعنی بنی کلمات اور کون سے کلمات بدلتے ہیں یعنی معرب کلمات پھر معرب میں کتنے مرفوع ہوتے ہیں اور کتنے منصوب اور کتنے مجرور ایسے ہی کس کلمہ پر الف لام لانا چاہیے کس پر نہیں کس کلمہ پر تنوین لانا چاہیے اور کس پر نہیں پھر کس کلمہ کا تثنیہ کیسے بنتا ہے جمع کیسی بنتی ہے اگر قال کے بجائے قالت یا اور صیغہ بولنا پڑ جائے تو کیا بولا جائے کا مشق میں ان سب چیزوں سے واسطہ پڑے گا اور جب واسطہ پڑے گا تو خود ہی ضرورت محسوس ہوگی اور ہو نہیں سکتا کہ صرف ونحو کی بحثیں اور ان کے قواعد زندہ نہ ہوں، عبارت کے پڑھنے پڑھانے پر جو زور پہلے تھا اب اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے بلکہ بعض اساتذہ بھی عبارت سے کترا کر سبق کے مطلب کا خلاصہ بیان کر کے ایک طرف ہو جاتے ہیں کیوں کہ صحیح عبارت پڑھنے پڑھانے کا مطلب ہی ہے قواعد صرفیہ ونحویہ کا استحضار اس لئے عبارت کو چھیڑ کر مخمصہ میں پڑنے سے بچتے ہیں اور گویا نہ چاند دیکھیں گے نہ روزے فرض ہونے کی نوبت آئے گی۔ مشق اور استعمال سے عربی سیکھنے کا آدھا بوجھ کم ہوسکتا ہے استعمال اور سننے سنانے کا نتیجہ ہی تو ہے کہ بچہ بچہ انگریزی کی پوری گنتی سنا سکتا ہے جب کہ عربی کی ایک سے دس تک کی گنتی بھی ایک عربی فاضل اور فارغ کو پسینہ دلوا دیتی ہے۔ نیز مشق اور استعمال سے کوئی بھی چیز جتنی بہتر اور جلدی سمجھ میں آتی ہے اس کے بغیر نہیں آسکتی چناں چہ صاحب کشاف نے نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ میں اللہ تعالیٰ کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس احسان کا خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ ہم نے قرآن کو آپ کے دل پر نازل کیا ہے اور عربی زبان میں نازل کیا ہے یعنی ہم نے قرآن آپ کو آپ کی مادری زبان عربی میں عطا کیا ہے۔ کیوں کہ دل پر کسی زبان کے اترنے کا مطلب ہے کہ وہ ایک دم اس کے مطلب کو سمجھتا ہے ایسا نہیں کہ خالی حروف اور الفاظ کی آواز تو سن رہا ہو مگر دل ان کے مطلب کی طرف نہ جا رہا ہو۔ چناں چہ اگر کوئی آدمی چند زبانیں جانتا ہو تو مادری زبان جو ہوگی اس میں ذہن ایک دم مطلب کی طرف جاتا ہے خواہ یہ بھی ذہن میں نہ رہے کہ الفاظ کیا بولے گئے اور غیر مادری زبان چاہے وہ اس میں ماہر ہی کیوں نہ ہو تب بھی اولاً ذہن الفاظ پہ جائے گا پھر مقصد اور مطلب پہ پہنچے گا اسی لیے کسی بھی زبان کو آسان کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ اس کا استعمال اور مشق ہے جتنی یہ رہی گی اتنی ہی وہ زبان آسان ہوتی چلی جائے گی۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ط

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندۂ گنہ گارم

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

محمد زاھد مظاھری

مدرسہ رحمۃ للعلمین ترفوہ

کچھ ضوء المستنیر کے بارے میں

۱- بندہ نے اپنی اس شرح میں قدیم طرز اور انداز تشریح چھوڑ کر جدید ایسا طرز اختیار کیا ہے کہ گو مظروف وہی رہے لیکن ظرف بدل جائے انہی قدیم باتوں کو ایسے نئے انداز سے بیان کیا ہے کہ قواعد سے اُنسیت کے ساتھ ساتھ ان کے استعمال کی طرف بھی طبیعت راغب ہو اور ان کے سیکھنے جاننے کا جذبہ بیدار ہو۔

۲- اگر کسی قاعدہ کے استعمال کی تمام صورتوں کا ذکر کتاب میں نہیں ہے تب بھی تمام صورتوں کے لانے کی کوشش کی گئی ہے اور یہی راز ہے میرے ''حل عبارت'' کے بجائے ''حل مضمون'' کا عنوان دینے میں گویا فنی حل پیش کرنے کی کوشش ہے فقط عبارت کے حل پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے۔

۳- نحو میر کے جو مضامین ''ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، میں آئے ہیں ان کے حل کیلئے بھی الحمدللہ یہ شرح پورے طور پر کار آمد بلکہ بصیرت افروز بنے گی۔ انشاء اللہ۔

۴- منجملہ فضل الٰہی کے یہ بھی ہے کہ جو کچھ اس شرح میں لکھا ہے وہ مُحقَّق اور تجربہ کی میزان میں موزون ہے۔ ایک دو جگہ جو مجھے تشنۂ تحقیق لگیں ان کا میں نے اسی جگہ پر اظہار کردیا ہے۔

۵- جو نقص یا خامی اس شرح میں ارباب فن کو نظر آوے گی بندۂ عجز و نیاز بصد شکریہ اس کو قبول کر کے تصحیح کی طرف توجہ دے گا۔

۶- اس پر مسرت موقع احقر اپنے والدین تمام اساتذہ کرام اور وہ تمام مدارس جو درساً یا تدریساً میرے مادر علمی ہیں اور دوست واحباب و متعلقین اور اس کتاب کی اشاعت کا ذریعہ ہونے والے سب کی نیت کر کے اللہ رب العالمین سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ اس علمی خدمت کو قبول فرما کر اور اس کی نافعیت کو ہمیشہ کے لئے برقرار رکھ کر ہم سب کے لئے فی الدنیا حسنة وفی الآخرہ حسنة (فلاح دارین) کا ذریعہ بنائے۔

فیاربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وَصَحْبِهٖ اجمعین

محمد زاهد عفی عنه

رقم الاتصال: ۹۷۱۹٤۲٥٦۷۰

٤/رجب المرجب ۱٤۳۱ھ

مطابق ۱۷ جون ۲۰۱۰ م یوم الخمیس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فَضَائِلَ النَّحْوِ مِثْلَ فَضَائِلِ لُغَةِ الضَّادِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ حَثَّ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی تَعَلُّمِهَا فِیْ اَیِّ بَلَدٍ کَانَ مِنَ الْبِلَادِ. وَاَخْبَرَهُمْ بِاَنَّهَا لُغَةُ اَهْلِ الْجِنَانِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ الْبَرَرَةِ الْکِرَامِ: اَمَّا بَعْدُ!

کتاب کس روز شروع کی جائے؟

شریعت نے زمان ومکان میں درجات کے اعتبار سے تفاوت اور بیّن فرق مانا ہے اور جیسے بعض جگہیں دوسری بعض سے افضل اور زائد مرتبہ رکھتی ہیں ایسے ہی بعض اوقات دوسرے بعض اوقات سے زائد اہمیت رکھتے ہیں آپس میں جگہوں کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کی مثال تو مشہور ہے کہ محلّہ کی مسجد میں جماعت سے نماز کا درجہ پچیس درجے ہے جبکہ جامع مسجد میں پانچ سو درجے ہے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں پچاس ہزار ہے اور مسجد نبوی میں بھی پچاس ہزار ہے اور مسجد مکہ یعنی مسجد حرام میں ایک لاکھ ہے، اور زمانوں میں ایک دوسرے سے بڑے چڑھے ہونے کی مثالیں، رمضان، شب قدر، شب جمعہ اور جمعہ کا دن لیلۃ العیدین شب براءت اور ذی الحجہ کے اول دس دن مع راتوں کے وغیرہ وغیرہ کافی مثالیں ہیں ان میں سے ہی ہفتہ کے ایام بھی ہیں چونکہ یہ فضیلتیں حدیث سے ثابت ہیں اس لئے علماء نے ہر زمانہ میں اس کا بھی اہتمام کیا ہے کہ کتاب کا افتتاح کسی خاص دن سے کیا جاوے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے: مَا مِنْ شَیْءٍ بُدِیءَ فِیْ یَوْمِ الْاَرْبِعَاءِ اِلَّا وَقَدْ تَمَّ (کہ جو بھی چیز بدھ کے روز شروع کی جاوے تو وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ کر رہتی ہے) اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہ اور صاحب ہدایہ کا معمول کتابوں کے بدھ کے روز شروع کرانے کا رہا ہے ایسے ہی پیر کے متعلق ارشاد ہے کہ طلب علم پیر کے روز کرو یہ چیز طالب علم کیلئے آسانی پیدا کرنے والی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں: اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ فَاِنَّهٗ مُیَسَّرٌ لِطَالِبِهٖ اور پنجشنبہ کے متعلق بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں لہٰذا خالق کائنات کی ودیعت کردہ برکت وفضیلت حاصل کرنے کے لئے اگر کسی خاص دن میں شروع کرانے کا اہتمام کیا جائے تو یہ بھی بجائے خود ایک اہم اور شریعت کی بات ہے جس سے علم میں نور وبرکات کا ظہور ہی ہوگا، اور طلب علم میں آسانی میسر آئے گی۔

مصنف نحو میر کے حالات مع وجہ تسمیہ نحو میر

نحو میر کا لفظی ترجمہ ہے "میر کی نحو" ایسے ہی ایک کتاب "صرف میر" ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے میر کی صرف مصنف کو چونکہ میر کہا جاتا تھا اس لئے اسی لفظ کے ساتھ انہوں نے اپنی کتابوں کا نام رکھ ڈالا جیسے نحو میر، صرف میر، میر قطبی، میر ایساغوجی در اصل میر بمعنی امیر اور سردار کے آتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ لفظ مرزا کا مخفف ہو اور مرزا مخفف ہے امیر زادہ کا بمعنی امیر اور بادشاہ یا نواب کا لڑکا بہر حال میر ملکِ ایران میں جہاں کے مصنف ہیں سیدوں کا اعزازی لقب ہے تو خاندانِ سادات سے ہونے کی وجہ سے آپ کا لقب میر پڑ گیا اور اسی لقب کو شامل کر کے آپ کی بعض تصانیف کردہ کتابوں کا نام ہو گیا پھر چونکہ نحو میر فن نحو میں ہے اس لئے اس کا نام "نحو میر" اور صرف میر میں علم صرف کا بیان ہے اس کا نام "صرف میر" رکھ دیا یعنی میر کی نحو، میر کی صرف اسی لئے ان کا صحیح تلفظ مضاف مضاف الیہ کے ساتھ بنے گا اور مضاف کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا بہر حال نحو میر کے مصنف "ملک فارس (ایران) کے اندر ایک مقامِ جرجان ہے کے رہنے والے تھے اسی لئے آپ کو جرجانی بھی کہتے ہیں اور آپ کی زیادہ شہرت میر سید شریف جرجانی اور "سید السند" کے لقب سے ہے۔ دوسرے لقب سے ملقب ہونے کی وجہ صراحۃً معلوم نہ ہو سکی۔ تاہم ذہن یہ کہتا ہے کہ اصل پورا لفظ سید المحققین وسند المدققین ہوگا جیسا کہ یہ لفظ کہیں کہیں حاشیہ شرح جامی میں آتا ہے اور اس سے مراد سید شریف ہی ہوتے ہوں پھر تخفیفاً شروع کے دونوں لفظوں کو ملا کر سید السند کہنے لگے ہوں گے۔

فائدہ۔ محقق وہ شخص کہلاتا ہے جس کو کسی بات کی دلیل بھی معلوم ہو اور اگر دلیل کی بھی دلیل دے سکے تو اس کو مدقق کہتے ہیں۔

آپ کا نام نامی اسم گرامی علی بن محمد بن علی ہے ۲۲ رشعبان ۷۴۰ھ میں اس عالم آب وگل میں آپ کی تشریف آوری ہوئی ہے تقریباً پچھتر ۷۵ سال سات ماہ چودہ روز اس فانی دنیا میں رہ کر چھ ۶ ربیع الاول ۸۱۶ھ بروز چہار شنبہ کو عالم جاودانی کی طرف منتقل ہو گئے مرتے وقت انہوں نے اپنے بیٹے کو بایں الفاظ وصیت فرمائی تھی۔

نصیحت ہمیں است جان پدر ❁ کہ عمرت عزیز است ضائع مکن

ترجمہ۔ یہی نصیحت ہے تجھ کو اے باپ کی جان، کہ عمر تیری بے حد قیمتی ہے برباد نہ کیجئے۔

صاحب نحو میر اپنے زمانہ کے ان عظیم الشان اور جلیل القدر لوگوں میں سے ہوئے ہیں جو اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کی وجہ سے مقبول عام وخاص اور ہر خورد وکلاں کی زباں پر جن کا تذکرہ ہوتا ہے "پوری زندگی پڑھنا لکھنا ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا بنا رہا ہے پہلے شوق اور دلچسپی سے علم حاصل کیا جس کا نمونہ درج ذیل ہے۔

کہ "لوامع الاسرار جو مطالع الانوار" کی شرح ہے اور فن منطق اور حکمت میں ایک شاندار کتاب ہے اور امام قطب الدین رازی جو قطبی کے مصنف ہیں کی تصنیف ہے اس کا مطالعہ سولہ دفعہ فرما کر بھی آتش شوق بجائے بجھنے کے جب تیز ہو گئی تو دل میں یہ شوق اور ولولہ پیدا ہوا کہ یہ کتاب (لوامع الاسرار) اور قطبی خود ان کے مصنف سے ہی پڑھوں گا لِاَنَّ صَاحِبَ الْبَیْتِ

اَقْوىٰ بِمَا فِيْهِ اور ''تصنیف را مصنف نیکو کند بیان'' چنانچہ ان دونوں کتابوں کے مصنف امام قطب الدین رازی کی خدمت میں ہرات پہنچے جب موصوف مصنف سے ملاقات ہوئی تو وہ پیر فرتوت ہو چکے تھے اسلئے انہوں نے اپنے بڑھاپے کا عذر کیا کہ تم کو پڑھانے کیلئے جس محنت کی ضرورت ہے وہ مجھ سے نہیں ہو سکتی مگر آپ کے ذوق وشوق اور ذہانت وقابلیت کو جب دیکھا تو علامہ قطب الدین نے رد کرنے کے بجائے یہ فرمایا کہ مصر میں میرے ایک شاگرد مولٰی مبارک شاہ ہے جو تمہیں میری کتاب اسی طرح پڑھا سکتا ہے جیسا کہ جوانی میں میں نے اسے پڑھائی تھی چناں چہ مبارک شاہ کے نام خط دے کر ان کو روانہ کر دیا چنانچہ میر سید شریف مصر پہونچے اور ساتھ میں موجود سفارشی خط مبارک شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا اس خط کی وجہ سے ان کو داخل درس تو کر لیا مگر صرف بیٹھنے اور سننے کی اجازت ملی پوچھنے اور عبارت پڑھنے کی اجازت نہ دی اتفاقاً ایک رات مبارک شاہ اپنے مکان سے نکل کر جو مدرسہ ہی کے متصل تھا صحنِ مدرسہ میں چہل قدمی کر رہے تھے صاحب نحومیر جس کمرہ میں تکرار کر رہے تھے اس سے مبارک شاہ نے یہ آواز سنی کہ کتاب کے مصنف نے تو یہ تقریر کی ہے اور استاذ نے یوں بتایا ہے اور میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے اپنے گرد و نواح کے ماحول سے بے خبر اپنے خیال میں مست ہر مسئلہ پر بحث کر کے آخر میں اپنا فیصلہ دیتے جاتے تھے اس منظر کو دیکھ کر مبارک شاہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر غور سے سننے لگے صاحب نحو میر کی تقریر کا انداز بیان استاد دلچسپ تھا کہ ''اَخَذَتْهُ الْبَهْجَةُ وَالسُّرُوْرُ بِحَيْثُ رَقَصَ فِيْ فِنَاءِ الْمَدْرَسَةِ'' مبارک شاہ وجد میں آگئے یعنی جھوم گئے اور صحن مدرسہ میں ناچنے لگے، اور اس قدر متاثر لیا کہ پھر صاحب نحو میر کو پوچھنے اور عبارت پڑھنے کی بھی اجازت دیدینی پڑی یہ تو آپ کی طالب علمی کا حال تھا فراغت کے بعد درس و تدریس میں لگ گئے اور قلم و قرطاس سے پوری زندگی وابستہ رہے جس کے نتیجہ میں پچاس سے زیادہ کتابیں وجود میں آئی جن میں سے صغریٰ، کبریٰ، صرف میر، نحو میر جو درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہیں آپ ہی کی لکھی ہوئی ہیں ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.

علم نحو کیوں وجود میں آیا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک دیہاتی شخص آیا اور کہا کہ ہے کوئی جو مجھے اُس کلام کو سکھا دے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ میں سکھاؤں گا چنانچہ سورہ توبہ کی چند آیتیں بتائی جب آیت اِنَّ اللّٰهَ بَرِیْءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ پر پہونچا تو رسولُهٗ کے بجائے رسولِهٖ زیر کے ساتھ پڑھ دیا یعنی بجائے اللہ سے جوڑنے کے المشرکین پر عطف سمجھ کر زیر پڑھ دیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ مشرکوں اور رسول سے بیزار ہے حالانکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ بھی اور اس کا رسول بھی دونوں مشرکوں سے بیزار ہیں جس پر اعرابی نے کہا کہ اگر ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بیزار ہے تو میں بھی ایسے رسول سے بری ہوں حضرت عمرؓ کو جب واقعہ معلوم ہوا تو بلا کر فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ رسولُهٗ مرفوع ہے بہر حال اس واقعہ سے متاثر ہو کر جب حضرت عمرؓ نے عربی زبان کے بگڑ جانے کا خطرہ محسوس کیا تو حضرت

ابوالاسود دوئلی کو عربی زبان کے قواعد بنانے کا حکم دیا اور ان قواعد کا نام "علم نحو" رکھا گیا۔

تنبیہ - آیت قرآن میں ورسولہ مرفوع ہے اللہ کے محل بعید پر عطف کی وجہ سے، کیوں کہ ظاہری حالت میں اللہ ان کا اسم ہونے سے منصوب ہے اور یہ لفظ اللہ کا اعراب کے اعتبار سے محل قریب ہے لیکن اِنّ کے اسم وخبر در حقیقت پہلے مبتدا خبر تھے اس وجہ سے لفظ اللہ بوجہ مبتدا ہونے کے محل رفع میں بھی ہے اس لحاظ سے رسولہ کا اس پر جب عطف کیا تو مرفوع پڑھا گیا اور یہ عربی میں خوب چلتا ہے۔

فضائل علم نحو

علم نحو جاننے کے وہی فضائل ہیں جو خود عربی زبان کے ہیں کیونکہ عربی زبان سمجھنے کا ذریعہ خاص طور سے علم نحو ہی ہے، قرآن ناطق ہے انا انزلناہ قرآناً عربیًا لعلکم تعقلون کہ ہم نے قرآن عربی میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھو احادیث میں عربی زبان کے فضائل کچھ اس طرح ہیں: (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جو شخص عربی زبان بولنا جانتا ہے اسے چاہئے کہ عربی میں ہی گفتگو کرے کیونکہ عجمی زبان نفاق پیدا کرتی ہے (۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! عربی زبان سیکھو کہ یہ امور دینیہ میں سے ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ہر مملکت اور سلطنت کے لئے ایک خاص زبان ہوتی ہے جو اس کے شعبوں اور محکموں میں چلتی ہے اور اسی میں احکام صادر ہوتے ہیں اور مملکت اسلامیہ کی زبان عربی ہے (۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب والوں سے تین وجہ سے محبت کرو: (۱) اسلئے کہ میں عربی ہوں (۲) لوح محفوظ کی زبان عربی ہے چونکہ قرآن عربی میں ہے جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے (۳) قرآن وحدیث کے حقائق واسرار ومعارف عربی زبان پر موقوف ہیں اسی لئے علماء نے علم نحو اور عربی زبان کا سیکھنا فرض کفایہ بتلایا ہے، عربی زبان سیکھنے کے دو اہم فائدہ اور بھی ہیں (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ملائکہ سے مشابہت اور حدیث ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو جن جیسا بنے گا وہ ان میں سے ہی ہوگا (۲) عربی زبان والا ان تمام فوائد کا اور فضائل کا مستحق ہو جاتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب والوں کیلئے بیان فرمائے ہیں، آقائے نامدار سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب والوں کو فرمایا اے لوگو! رب ایک ہے، دین ایک ہے، قرآن ایک ہے، عربی زبان تمہارے ماں باپ سے نہیں ہے بلکہ خدا کی برگزیدہ زبان ہے مطلب یہ ہے کہ زبان تمہاری میراث نہیں ہے اور اس کے ذریعہ تمہیں دوسروں پر فخر اور تکبر نہ کرنا چاہئے اور جو چاہے اسے سمجھ سکتا ہے سیکھ سکتا ہے ایک حدیث میں آپ نے فرمایا اہل عرب سے محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق ہے۔

علم نحو کی تعریف، موضوع، غرض وغایت

نحو کے معنی ہے جانب، طرف، راستہ، ارادہ کیونکہ علم نحو متکلم کو زبان کے معاملہ میں عرب کے راستہ اور طریقے پر چلنا سکھاتا ہے اس لئے اس کو علم نحو کہا گیا۔ اصطلاح میں علم نحو وہ علم کہلاتا ہے جس کے ذریعہ عربی زبان کے ان قواعد کو جان لیا جاوے جن سے یہ معلوم ہو جاوے کہ آپس میں کلمات کیسے جڑیں گے اور ان کے آخر میں زبر زیر پیش میں سے کیا حرکت دے کے پڑھنا ہے۔

علم نحو کا موضوع

کسی بھی علم اور فن میں جس چیز سے بحث کی جاتی ہے وہی چیز اس کا موضوع کہلاتی ہے مثلاً ڈاکٹر حضرات انسان کے جسم سے بحث کرتے ہیں باعتبار صحت ومرض کے اور کاشتکار کھیت سے بڑھئی لکڑی سے اس سے کیا اور کس طرح بناتا ہے، تو اسی طرح نحوی حضرات کلمہ اور کلام سے بحث کرتے ہیں کہ کلمہ اسم ہے یا فعل یا حرف نیز معرفہ نکرہ ہے واحد ہے جمع ہے مذکر ہے مؤنث ہے اور ایسے ہی کلام سے جس کا دوسرا نام جملہ بھی ہے تو دیکھتے ہیں اسمیہ ہے یا فعلیہ خبریہ ہے یا انشائیہ وغیرہ وغیرہ تو علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔

سوال: علم صرف کا موضوع بھی یہی کلمہ اور کلام ہیں؟

جواب: الگ الگ اعتبار سے ہر ایک کا موضوع ہے مثلاً انسان علم طب کا بھی موضوع ہے اور علم فقہ کا بھی لیکن طب میں صحت وبیماری کے اعتبار سے اور فقہ میں اعمال اور افعال کے اعتبار سے کہ انسان کا کونسا عمل حرام ہے اور کون سا جائز ہے ایسے ہی کلمہ اور کلام سے صرفی کی بحث اشتقاق کے اعتبار سے ہے کہ یہ کلمہ کس کلمہ سے نکلا اور بنا ہے مثلاً خَرَجَ خروج مصدر سے بنا ہے ضرب ضَرْب مصدر سے بنا ہے پھر مضارع ماضی سے بنتے ہیں اور امر ونہی مضارع سے بنتے ہیں نیز اسم فاعل واسم مفعول بھی مضارع معروف ومجہول سے بنتے ہیں ایسے ہی یہ کلمہ کیا صیغہ ہے واحد کا تثنیہ کا جمع کا پھر مذکر کا یا مؤنث کا پھر غائب کا یا حاضر کا اور نحوی کی بحث کلمہ اور کلام باعتبار آخر کے ہوتی ہے کہ آخیر میں ضمہ، فتحہ، کسرہ کیا پڑھنا ہے اور جب ترکیب دیں گے تو فعل فاعل کون مقدم مؤخر ہوگا بہر حال کلمہ اور کلام علم نحو اور صرف کا دونوں ہی کا موضوع ہے مگر حیثیت کا فرق ہے کہ نحوی اور اعتبار سے بحث کرے گا صرفی اور اعتبار سے۔

علم نحو کی غرض

کسی چیز کی غایت وغرض وہ کہلاتی ہے جو اس کے کرنے کا نتیجہ اور فائدہ ہوتا ہے تو ہمیں علم نحو پڑھنے اور جاننے

سے کیا ملے گا تو بتایا جا چکا ہے کہ جو عربی زبان کے فضائل ہیں وہی علم نحو کے ہیں کیونکہ کسی چیز کا ذریعہ بھی اصل کا حکم رکھتا ہے لہذا علم نحو سیکھنے سکھانے پر بھی وہی فضیلتیں ہیں جو عربی زبان پر ہیں اور عربی زبان سیکھ کر دراصل قرآن وحدیث سمجھنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے اور خوشنودی رب العلمین حاصل کرنا ہے، یہ تو اصلی غرض ہے لیکن یہ غرض اصلی علم نحو پر موقوف ہے کیونکہ علم نحو ہمیں پہلے صحیح عربی بولنی لکھنی پڑھنی سکھائے گا جس سے ہم قرآن وحدیث سمجھیں گے تو اب اصل مقصد علم نحو سے صحیح عربی پر قادر ہونا ہے تاکہ اہل زبان کی طرح ہم بھی براہ راست خدا اور نبی کے کلام کو سمجھ لیں اور پھر اس پر عمل کر کے خدا کو راضی کر لیں۔

بہرحال عربی زبان وہ ہے کہ جس پر دین اور دنیا دونوں کی ترقی کا مدار ہے اور پھر اس کے سیکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ دو علم ہیں علم صرف، علم نحو اور ان دو میں بھی علم نحو کا سب سے اعلیٰ مقام ہے اور دونوں ہی فن محنت کو چاہتے ہیں اول میں رٹنا اور حفظ ضروری ہے دوسرے میں سمجھنا اور گھٹنا بہت زیادہ پڑتا ہے کسی نے دونوں فنوں سے متعلق کیا ہی عمدہ شعر کہا ہے

صرفیاں را مغز باید چوں سگاں نحویاں را مغز باید چوں شہاں

کہ صرفیوں کو کتوں جیسا دماغ چاہیے جب کہ نحویوں کو بادشاہوں جیسا دماغ درکار ہوتا ہے

دعاء افتتاح کتاب: اَللّٰهُمَّ رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَلَا تَنْقُصْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ يَا فَتَّاحُ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ

دعاء اختتام کتاب: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ على ما يَسَّرْتَ عَلَيْنَا مِنْ اِتْمَامِ هذا الكتاب فَيَا رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم سبحان ربك رب العِزَّةِ عمّا يصفون وسَلٰم على المرسلين والحمد لله ربّ العٰلمين.

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبق اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ والصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

ترجمہ: ایسے اللہ کے نام سے جو سب پر یا ہر کسی پر (رحمت والا) ہے اور پورا پورا مہربان ہے شروع کرتا ہوں۔
سب تعریفیں ایسے اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور اچھا انجام (جنت) متقیوں کے لئے ہے اور درود (رحمت کاملہ) اور سلامتی ہو اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی تمام (ایمانی) کنبہ پر یعنی تمام مؤمنین ومؤمنات پر

حل مضمون: - اہل جاہلیت اپنے کاموں کو بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے اس رسم کے مٹانے کے لئے قرآن کی سب سے پہلی آیت اقرا باسم ربک میں اللہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا علاوہ قرآن کے دوسری آسمانی کتابیں بھی بسم اللہ سے شروع کی گئی ہیں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو قرآن اور امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے مگر بعض نے دونوں قولوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ اللہ کے نام سے شروع کرنا تو تمام آسمانی کتابوں میں ہے البتہ الفاظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی خصوصیت ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باسمک اللّٰہ کہتے اور لکھتے تھے بسم اللہ کے نازل ہونے کے بعد اسی کے الفاظ کو اختیار فرمالیا اور ہمیشہ کیلئے یہی سنت ہو گیا اور قرآن وحدیث میں بسم اللہ ہی سے شروع کرنے کا حکم ہے اور اس کام کو ناقص قرار دیا ہے جس کے اول میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔

ہر کام میں بسم اللہ کا فائدہ: مذہب اسلام نے ہر چھوٹے بڑے کام کو بسم اللہ سے شروع کرنے کا حکم دے کر در اصل انسان کا رخ اپنے اس خالق ومالک کی طرف پھیر دیا ہے کہ جس کی مدد کے بغیر کوئی کام انجام نہیں پاسکتا اس کا نام لیکے کسی کام کو شروع کرنے سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں (۱) اس کی مدد لینا (۲) دنیوی کام کا بھی دینی کام بن جانا اور گویا بسم اللہ ایک ایسا نسخہ کیمیا ہے جس سے خاک کا بھی سونا بن جاتا ہے چنانچہ کافر بھی کھاتا پیتا ہے مسلمان بھی مگر مسلمان اپنے لقمہ سے پہلے بسم اللہ کہہ کر اپنے مالک سے وفاداری برتتا ہے اور اس کے احسان کو مان کر بطور شکریہ اس کا نام لیتا ہے کافر اپنے محسن کو ذہن میں نہیں رکھتا اسلام کی یہ ایسی تعلیم ہے کہ جس سے بندہ کو ہر وقت اپنے اللہ اور خدا کا استحضار رہتا ہے اور گویا وہ ہر وقت عبادت میں ہے فللّٰہ الحمدُ علٰی دین الاسلام وتعلیماتِہ الانیقۃ.

بسم اللہ: اس کلمہ میں تین لفظ ہیں (۱) باء (۲) اسم (۳) اَللّٰہ

حرف باء کے یہاں تین معنی چل سکتے ہیں (۱) مصاحبت بمعنی ساتھ ہونا (۲) استعانت بمعنی مدد لینا (۳) تبرک یعنی برکت لینا۔ اب تین ترجمے کیے جاسکتے ہیں، اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کے نام کی مدد (لیکر)، اللہ کے نام کی برکت سے، لیکن اللہ کے نام سے کرنا کیا ہے وہ صرف ذہن میں ہوتا ہے جس کام سے پہلے بسم اللہ پڑھے گا وہ ہی فعل اور صیغہ باء سے پہلے ماننا جانا عقل کا تقاضہ ہے چنانچہ لکھنے سے پہلے اَکْتُبُ اور پڑھنے سے پہلے اَقْرَءُاور کھانے سے پہلے اٰکُلُ تو جیسا کام ہوگا ویسا فعل محذوف مانا جاسکتا ہے اور اگر اَشْرَعُ یا اَبْدَءُ مانو کہ شروع کرتا ہوں تو یہ سب میں چل جائے گا، علماء نے لکھا ہے کہ باء کو جس فعل کے متعلق کرنا ہے اسے بعد میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے محذوف ماننا چاہئے یہ اس لئے تا کہ اللہ کا نام اول ہی لیا جانا پایا جاوے اور باء متعلق مقدم بن جائے گا۔

سوال: لفظ اللہ سے پہلے تو باء اور اسم دو لفظ آگئے اللہ بالکل شروع میں کہاں رہا؟

جواب: عربی زبان کے بولے جانے کے قواعد کے لحاظ سے ان کے پہلے آنے کی مجبوری ہے۔

تاہم حضرت عثمانؓ نے جو قرآن تیار کرایا تھا اس میں صحابہ کرام کے اجماع و اتفاق سے یہ رعایت کی گئی ہے کہ لفظ اللہ سے پہلے کم سے کم لفظ آویں چنانچہ باء کو سین سے ملا کر لکھتے ہیں اور اسم کی ہمزہ جو بصورت الف ہے ختم کردی گئی اور باء کو لفظ اسم کا جزء بنادیا اور بیچ سے ہمزہ حذف کر کے باء کو سین سے ملا کر لکھنا یہ صرف بسم اللہ کی خصوصیت ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لفظ اللہ سے ابتداء کی صورت بن جاوے ورنہ اقرأ باسم ربک اور دیگر موقعوں میں باء کے بعد ہمزہ بھی لکھا جائے گا جیسا کہ مصحف عثمانی میں ہے، صاحب کشافؒ نے لکھا ہے کہ حذف شدہ ہمزہ کے بدلہ میں ہی باء کو اونچا کر کے لکھتے ہیں اسلئے بسم اللہ کی باء اوپر کی طرف طول دے کے لکھتے ہیں اور لکھنا چاہئے چنانچہ علامہ مذکور نے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنے کاتب کو یہی حکم دیتے تھے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: ان دونوں لفظوں میں مبالغہ اور زیادتی کے معنی ہیں یعنی بہت زیادہ کا لفظ ترجمہ میں لگے گا اور بہت مہربان انتہائی رحم والا ترجمہ کرتے ہیں مگر ان کا یہ ترجمہ ان کے صحیح مفہوم کو حاوی نہیں ہے کیونکہ رحمٰن کے اصل معنی عام الرحمۃ کے ہیں اور رحیم کے معنی تام الرحمۃ کے ہیں۔ عام الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہر کسی پر ہے کوئی بھی اس کی رحمت سے خالی نہیں اور تام الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت پوری پوری ہے کامل اور مکمل ہے اس لئے رحمٰن اور رحیم کا مشہور ترجمہ جو اوپر آیا اس کے بجائے اگر یہ کیا جائے جو سب پر مہربان ہے اور پورا پورا مہربان ہے تو یہ ترجمہ زیادہ دلپذیر اور پسندیدہ لگتا ہے۔

پھر رحمٰن کا لفظ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے کسی اور پر نہیں بول سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس کی رحمت سے دنیا کی کوئی چیز خالی نہ رہے سب پر اس کی رحمت ہو اسی لئے لفظ رحمٰن کا تثنیہ جمع بھی نہیں آتا وہ صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے دوسرا تیسرا ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں البتہ رحیم غیر اللہ کو بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ رحیم والے معنی مخلوق میں سے کسی کے لئے ہونا ممکن ہے کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی پر پوری پوری رحمت اور ہمدردی دکھاوے، یہی وجہ ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی قرآن میں یہ لفظ بولا گیا ہے بالمؤمنین رؤف رحیم۔ بعض نے رحمٰن اور رحیم میں یہ فرق بتایا کہ دنیا و آخرت دونوں میں مہربان کو رحمٰن کہتے ہیں اور صرف آخرت کے لحاظ سے مہربان ہونے کو رحیم کہتے ہیں چونکہ آخرۃ میں اللہ کی مہربانی صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی کفار و مشرکین اس کے مستحق نہ ہوں گے اس لحاظ سے تو اللہ کو رحیم کہا گیا ہے اور دنیا میں بھی چونکہ وہ مہربان ہے کافروں کو بھی دیرہا ہے اس لئے وہ دونوں جگہ رحمت والا ہے اس لئے وہ رحمن بھی ہے۔ لفظ اللہ کی دونوں صفتیں رحمت والا لاکر اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی صفت رحمت سب سے مقدم ہے چنانچہ حدیث میں ہے سبقت رحمتی علی غضبی (کہ میری رحمت میرے غصہ سے مقدم ہے) اور اصل اللہ کا ارادہ اپنی رحمت سے نوازنے کا ہے الّا یہ کہ بندہ ہی بھاگے

اس کے الطاف تو عام ہیں شہیدی سب پر ✿ تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

تیسرا قول یہ ہے کہ رحمٰن میں رحیم سے بھی زیادہ مبالغہ ہے اس معنی کر کہ رحمٰن وہ ہے جو نِعَم جلیلة عطا کرے اور رحیم جو نِعَم حَقِیرہ دیوے چوں کہ آخرت کی نعمتیں دنیوی نعمتوں کے مقابلہ میں بہت زبردست ہوں گی اور کبھی فنا نہ ہوں گی اس لئے رحمٰن بڑی نعمتوں کے عطا کنندہ کو اور رحیم چھوٹی نعمتوں کے عطا کنندہ کو کہیں گے اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ایسے اللہ کے نام سے جو چھوٹی بڑی نعمتوں کا دہندہ ہے۔

رحمن رحیم رحمت سے مشتق ہیں جس کے معنی رقّت قلبی (دل کا نرم ہونا) کے ہیں اور رقیق القلب ہونا انسانوں کا کام ہے اللہ اس سے بری ہے اس لئے یہاں ایسے معنی مراد لیں گے جو اللہ کے حق میں صحیح ہوں اور وہ ہے رقت قلبی کا مقتضا یعنی احسان اور مہربانی کرنا اور اللہ کے منعم و محسن ہونے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ: الف لام الحمد میں جہاں کہیں بھی ہو تین طرح کا مان سکتے ہیں: (۱) استغراقی (۲) جنسی (۳) عہد خارجی چوتھی قسم عہد ذہنی کا ماننا، یہاں درست نہ ہوگا جیسا کہ بتائیں گے، استغراق کے معنی گھیر لینے کے آتے ہیں اگر اس چیز سے جس پر الف لام داخل ہے تمام افراد مراد لئے جاویں تو وہاں الف لام استغراقی ہوتا ہے چنانچہ یہاں حمد سے اگر سب تعریفیں مراد لیں اور ترجمہ کریں کہ سب حمدیں یا ہر ہر حمد اللہ۔ کے لئے ہے تو یہ الف لام استغراقی کا ترجمہ ہوگا، اور جنس بمعنی نوع اور قسم کے آتے ہیں جہاں الف لام کے مدخول سے اس کی جنس اور لائن کی ہر چیز مراد لی جائے تو وہاں الف لام جنسی ہوتا ہے چنانچہ اس شکل میں ترجمہ ہوگا حمد کی طرح کی یا حمد کی لائن کی ہر چیز اللہ کے لئے ہے دنیا میں جہاں کہیں کسی کی تعریف ہوتی ہے وہ درحقیقت اللہ ہی کی بنتی ہے اور جیسے مصنوع کی تعریف کرنے سے درپردہ صانع اور کاریگر کی تعریف پائی جاتی ہے اسی طرح مخلوق اور اس کی مصنوعات کی تعریف حقیقۃً اللہ ہی کی ہے اس لئے سب حمدوں اور حمد کی طرح سب چیزوں کا مستحق اللہ ہی کو کہنا بجا ہے، (۳) الف لام عہد خارجی وہ ہوتا ہے کہ جس کے مدخول سے خارج اور باہر کی دنیا میں طے شدہ اور متعین چیز مراد ہو چنانچہ یہاں الحمد میں حمد سے وہ تعریف مراد ہے جو اللہ نے خود آپ اپنی کی ہے۔

سوال: یہ ہے کہ کہاں ہے وہ حمد جو خود اللہ نے اپنے آپ اپنی کی ہے؟

جواب: علماء نے بتایا کہ وہ حمد ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَا وفِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط جو پ ۲۵ کی آخری آیت ہے۔

رہا الف لام عہد ذہنی وہ چونکہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے وہ یہاں ماننا درست نہ ہوگا کیونکہ الف لام عہد ذہنی کے مدخول سے لاعلی التعیین کوئی ایک فرد مراد ہوتا ہے تو اب ترجمہ یہ ہوگا کہ کوئی ایک تعریف اللہ کے لئے ہے جس کا استبعاد کسی پر مخفی نہیں ہے۔

اللہ: اللہ اسم ذاتی ہے باقی سب نام صفاتی کہلاتے ہیں اصل نام جو بھی کسی کا ہو وہ ذاتی کہلاتا ہے بعد میں لکھ پڑھ کر جیسے حافظ، قاری، مولوی، مفتی، یا مستری یا ڈاکٹر، حکیم جو کسی کو نام ملتا ہے وہ صفتی کہلاتا ہے کیونکہ اس صفت یا خوبی کے آنے پر وہ نام اسے ملا ہے، بعض علماء نے اللہ کو اسم اعظم بتایا ہے اور یہ لفظ سوائے خدا کے کسی دوسرے پر نہیں بول سکتے اور نہ اس کا تثنیہ جمع آتا ہے لانّ اللہ واحدٌ لا شریک لہٗ ہر خوبی سے مالامال اور ہر عیب سے پاک ذات اور جس سے پوری دنیا قائم ہے اللہ کہلاتی ہے۔

رَبٌّ: اسم فاعل ہے رَابِبٌ تھا دو حرف ایک جنس کے جمع ہونے کی وجہ سے ادغام درکار تھا باء اول جب ساکن کیا الف اجتماع ساکنین کی وجہ سے گر گیا اور ادغام کر دیا اور بمعنی پالنے والا ہے اور صفت مشبہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ صفت مشبہ کے اوزان میں یہ وزن بھی ہے جو رَبٌّ کا ہے اب یہ اپنے حال پہ ہے تعلیل نہیں ہوگی۔ (کذا فی حاشیہ نور الایضاح)

العلمین: الف لام استغراقی ہے عَالَمٌ کی جمع سالم ہے بمعنی دنیا عَالَم بقولے چالیس ہزار اور بقولے دیگر اسی ہزار ہیں، پھر عالم سے مراد یا تو اسی عَالَم کی الگ الگ چیزیں ہیں جیسے فرشتے ایک عالم، جنات ایک، بکریاں الگ، کبوتر الگ وغیرہ اور یہ بھی بعید نہیں کہ مع نظام شمسی وقمری وبرق وباراں جیسے یہ عالم ہے جس میں ہم ہیں اسی جیسے اور ہزاروں لاکھوں دوسرے عالم ہوں۔ (کذا فی تفسیر معارف القرآن)

عَالَمٌ کے اصل معنی وہ چیز جو دوسرے کے لئے علامت ہو یا اس سے دوسری چیز کا علم ہو جائے اسی لئے ماسوی اللہ کو عالم کہتے ہیں کیونکہ عالَم سے ذہن اس کے بنانے والے کی طرف جاتا ہے اور مخلوق سے خالق سمجھ میں آتا ہے۔

العاقبۃ: میں الف لام عہد خارجی ہے کیونکہ اس سے مخصوص عاقبۃ مراد ہے یعنی جنت ورنہ خالی عاقبۃ تو کافروں کے لئے بھی ہے لیکن وہ جہنم ہے۔

للمتقین: متقی کی جمع سالم ہے اصل معنی متقی کے خدا ترس کے ہیں اور جو خدا ترس ہوگا وہ ہی جنت کے کام کرے گا، ل حرف جر ہے بمعنی لئے کائنۃ محذوف کے متعلق کیا جائے گا۔

والصلوٰۃ والسلامُ: صَلَاۃ اور صلوٰۃ باالالف اور باالواؤ دونوں طرح لکھا جاتا ہے اور درست ہے، اس کا ترجمہ رحمت اور درود سے کیا جاتا ہے دراصل درود فارسی کا لفظ ہے جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ لفظ دَرْد سے بنا ہے اور دَرْد کے جہاں اور معنی ہیں وہیں رحم، ترس، ہمدردی کے معنی بھی اس کے آتے ہیں اسی سے دردمندی کا لفظ بنا ہے جس کے معنی رحمدلی، غمگساری، ہمدردی اور ترس کھانے کے ہیں تو لفظ درود بھی ان ہی معنی میں ہیں جس کا ترجمہ رحمدلی یا رحمت اور ترس کھانے سے ہوگا۔

تحقیق لفظ صلوٰۃ: صلوٰۃ کا لفظ قرآن وحدیث میں بہت آیا ہے اور مختلف جگہ آنے سے اس کے معنی بھی مقام وموقع کے لحاظ سے الگ الگ مراد ہوتے ہیں چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ کبھی اللہ کے لئے بولا گیا ہے کبھی فرشتوں کے لئے کبھی بندوں کے لئے اور کبھی چرند و پرند کے لئے چنانچہ ھو الذی یصلّی علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور پ۲۲ رکوع ۳ میں صلوٰۃ کو اللہ اور فرشتوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور انّ اللّٰہ وملائکتہ یُصَلُّوْنَ علی النبی یایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسَلِّمُوْا تَسْلیماً پ۲۲، رکوع ۴ میں اللہ، فرشتے اور بندوں یعنی اہل ایمان سے جوڑا گیا ہے اور اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السمٰوٰتِ والارضِ والطَّیْرُ صٰفّٰتٍ کُلٌّ قد عَلِمَ صَلَاتَہٗ وتَسْبِیْحَہٗ پ۱۸، رکوع ۶ میں پرندوں کی صلاۃ کا ذکر ہے اب گویا صلاۃ اللہ، فرشتوں، بندوں اور پرندوں چار قسم کی چیزوں کی ہوگئی اللہ کی صلاۃ سے کیا مراد ہے اور فرشتوں کی صلاۃ کیا ہوتی ہے بندوں کی صلوٰۃ کیا ہے اور چرند پرند کی صلاۃ سے کیا مراد لیں گے تو اس میں چار صورتیں ہوگئیں اور اسی لحاظ سے صلوٰۃ کے چار معنی آنے لگے چنانچہ اللہ کی صلاۃ سے مراد تو اس کا رحمت بھیجنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم وکرم کرنا ہے اور فرشتوں کی صلاۃ سے مراد ان کا حضور کے لئے استغفار کرنا ہے یعنی آپ کے لئے دعاء مغفرت کرنا: کما جاء فی القرآن الّذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ ویستغفرون للّذین آمنوا پ۲۴، سورۂ مؤمن رکوع ۱، اور بندوں کی صلاۃ سے مراد حضور پر وہ بندوں کا آپ کے حق میں رحمت کی دعاء کرنا ہے اور چرند پرند کی صلاۃ سے مراد ان کا اللہ کی تسبیح کرنا ہے اسی لئے لفظ صلوٰۃ کے لغتوں میں چار معنی لکھے ہیں: (۱) رحمت (۲) استغفار (۳) دعاء (۴) تسبیح۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

دیکھئے: صاحب کشاف نے پ۲۲، رکوع ۳ میں ھو الذی یصلّی علیکم وملائکتہ کے تحت لکھا ہے کہ جب مصلی اور نمازی کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دھیان اور خیال میں ہوتا ہے کبھی رکوع کرنے میں اور کبھی سجدہ کرنے میں تو اس لفظ کو بھی مطلقاً دوسرے کا دھیان اور اس کا خیال نیز اس پر مہربانی کرنے کے معنی میں لے لیا گیا اور جیسے تیماردار اپنے مریض کے دھیان اور دیکھ بھال میں لگا ہوتا ہے یا عورت بچے پر مہربان اور اس کی دیکھ ریکھ کا دھیان رکھتی ہے کثرت استعمال سے صَلّٰی یُصَلِّی بھی رحمت اور کسی پر رحم اور ترس کھانے کے معنی میں چل پڑا، چنانچہ اسی سے یہ دعاء بھی دی جاتی ہے صَلَّی اللّٰہ علَیْکَ کہ اللہ تجھ پر رحم اور مہربانی کرے لہٰذا حاصل یہ نکلا کہ اللہ کی صلاۃ اپنے نبی پر وہ اس کا اس پر رحم وکرم اور اپنی عنایت اور مہربانی ہے اور رہے فرشتے وہ خود تو رحم ومہربانی نہیں کرسکتے ہاں اس کی دعاء کرسکتے ہیں نبیؐ کے حق میں بھی مؤمنین کے حق میں بھی مثلاً کہہ سکتے ہیں اللّٰھُمَّ صَلِّ علی النبی وعَلٰی المؤمنین تو فرشتوں کی صلاۃ علی النبی سے مراد ان کا استغفار اور دعاء ہے نبی کے حق میں کہ اے اللہ ہماری طرف سے نبی پر رحم وکرم فرما اور بندوں کی صلاۃ سے مراد بھی یہی ہے کہ وہ نبی کے حق میں اللہ سے رحم وکرم کرنے کی فریاد اور دعاء کرتے ہیں گذشتہ سے معلوم ہوا کہ صلاۃ علی النبی فرشتوں اور مؤمنوں کی ایک ہی طرح کی ہے مگر فرق کرنے کے لئے فرشتوں کی صلاۃ علی النبی سے مراد ان کا آپ کے لئے استغفار کی دعا کرنا ہے اور بندوں کی صلاۃ

علی النبی سے مراد رحم وکرم کرنے کی دعاء کرنا ہے کیونکہ قرآن کریم میں پ ۲۴، سورۂ مؤمن رکوع نمبر ا میں فرشتوں کے لئے
ویستغفرون للمؤمنین کے الفاظ ہیں، رہی پرند چرند کی صلاۃ تو وہ ان کی اپنی تسبیح ہے جو اللہ کے لئے کرتے رہتے ہیں۔
پھر صلاۃ کا لفظ عند بعض المفسرین رحمت اور کسی پر ترس کھانا کے معنی سے تعظیم وتوقیر کے معنی میں لیا جانے لگا (گو عام مفسرین رحمت اور مہربانی کے معنی ہی لیتے ہیں) چنانچہ امام بخاری نے ابو العالیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوۃ سے مراد آپ کی تعظیم اور فرشتوں کے سامنے مدح وثناء ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تعظیم دنیا میں تو یہ ہے کہ آپ کو نبوت کا تاج عطا فرمایا اور اکثر مواقع اذان واقامت میں اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر شامل کر کے آپ کے رتبہ کو بہت اعلیٰ کر دیا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دنیا بھر میں پھیلا دیا اور غالب کیا اور آپ کی شریعت پر عمل قیامت تک جاری رکھا اور آپ کی شریعت کی حفاظت کا ذمہ لے لیا اور آخرت میں آپ کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کا مقام تمام خلائق سے بلند ہوگا اور جس وقت کسی پیغمبر اور فرشتے کو شفاعت کی مجال نہ ہوگی آپ کو مقام شفاعت ملے گا جس کو مقام محمود کہتے ہیں۔ (کذا فی معارف القرآن جلد ۷، پ ۲۲)
بہر حال مجھے یہ بتانا ہے کہ صلوٰۃ کرنے والے چار ہو گئے: (۱) اللہ (۲) فرشتے (۳) مؤمنین (۴) چرند پرند ہر ایک کی صلوٰۃ اپنے اپنے حساب کی مراد ہوگی جس کی تفصیل آ چکی ہے۔
اب یہ اعتراض ہے کہ صلوٰۃ کے چار معنی ہو گئے اور آیت اِنَّ اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین آمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما میں بیک وقت تین کی طرف نسبت کی گئی ہے حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ اللہ کی صلاۃ علی النبی کا مفہوم اور ہے فرشتوں کی صلاۃ علی البنی کا اور مطلب ہے اور بندوں کی صلاۃ علی النبی اور قسم کی ہے تو صلوٰۃ کا لفظ مشترک لفظ ہو گیا یعنی لفظ ایک اور معنی کئی اور اس طرح کا لفظ جس سے اس کے بیک وقت کئی معنی مراد ہو رہے ہیں لانا ناجائز ہوتا ہے تو آیت میں لفظ مشترک لا کر کیوں ایسا کیا؟
جواب: جہاں کہیں ایسا ہوتا ہے وہاں عموم مجاز اختیار کرتے ہیں یعنی ایسے عام معنی مراد لیتے ہیں جو سب کے حق میں درست ہو جائیں چنانچہ صلوٰۃ کو ایسے معنی میں لیں گے کہ وہ معنی بحق اللہ اور بحق الملائکہ اور بحق المؤمنین سب کے حق میں ٹھیک بن جائیں اور وہ یہ کہ صلوٰۃ سے مراد عنایت، توجہ، دیکھ بھال، دھیان، خیال رکھنا، ہمدردی کرنا وغیرہ جیسے مفہوم کو مراد لیں اور مطلب یہ ہے کہ حضور نبی علیہ السلام کا سبھی دھیان اور خیال رکھتے ہیں اس سے ہمدردی دکھاتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک کی ہمدردی اسی طرح کی مراد ہوگی جو اس سے جوڑ کھاتی ہو چنانچہ اللہ کی ہمدردی اور عنایت نبی پر وہ ہے جس کا ذکر ابھی معارف القرآن سے کیا ہے اور فرشتوں کی ہمدردی یہ ہے کہ وہ آپ کے حق میں دعاء اور استغفار کرتے ہیں اور درجات بلند ہونے کی اللہ سے دعاء کرتے ہیں اور یہی مؤمنین کی ہمدردی ہے اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ کہیں ہر ذی روح کا خیال رکھو تو انسان بھی ذی روح ہے جانور بھی لیکن ہر ایک کا خیال اس کے حسب حال ہوگا نہ یہ کہ اگر انسان زردہ پلاؤ کھائیں تو جانوروں کو بھی یہی دینا ہوگا بلکہ ان کا اپنا چارہ دے کر خیال رکھا جائے گا، بہر حال صلوٰۃ اور درود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے مقام کو نمایاں کیا ہے کہ اور امتیوں کو حکم دیا ہے کہ بذریعہ صلاۃ و درود حضور سے ہمدردی دکھاتے رہیں اور اللہ کے آپ پر مہربان ہونے کی ہمیشہ دعاء کرتے رہیں تا کہ نبی کا

امت پر جو احسان ہے اس کی تلافی ہوتی رہی یہ تو مطلب ہوا صلاۃ علی النبی کا۔

اب رہا سلام علی النبی کا اس کا مفہوم یہ ہے کہ سلام کے اصل معنی امن اور نجات کے آتے ہیں اور تقریباً مغفرت کے لفظ کا بھی یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کا کسی کی گرفت نہ کرنا اور اسے تمام آفتوں سے نجات اور امن دے دینا یہ اس کی مغفرت ہے، تو نبی پر سلام اگر اللہ کی طرف سے ہو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی کو آفات اور ہر گرفت سے محفوظ رکھیں گے اور فرشتوں اور بندوں کا سلام علی النبی یہ ہے کہ وہ اللہ سے اس امن اور مغفرت کی آپ کے حق میں اللہ سے دعاء اور التجا کرتے رہیں گے۔ گویا صلوٰۃ وسلام میں جلب منفعت اور دفع مضرت دونوں کی دعاء آگئی کما قال تعالیٰ فی القرآن "فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ"۔

علی خیر خلقه محمد: اس میں خیر خلق مبین ہے اور محمد بیان ہے یعنی مخلوق میں سب سے بہتر جس پر درود وسلام بھیج رہے ہیں اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے، علی بمعنی پر اس سے پہلے نازلۃ محذوف ہے، خیر اسم تفضیل ہے بمعنی سب سے بہتر، خلق بمعنی مخلوق، آل سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کنبہ یا جو بھی آپ پر مؤمن متقیوں میں سے ایمان لائے سب مراد ہیں اول نسبی کنبہ ہے دوسرا روحانی وایمانی کنبہ ہے یہاں کوئی سا بھی مراد ہو لے لو بہتر ثانی ہے عموم کی وجہ سے نیز نبی امت کے لئے بمنزلہ باپ کے ہیں اور آپ کی ازواج بمنزلہ ماؤں کے ہیں اور پوری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے درجہ میں ہیں، اجمعین تمام، آلہ مؤکد ہے مرکب اضافی ہو کر اور اجمعین تاکید ہے۔

سبق دوم

اَمَّا بَعْدُ! بداں اَرْشَدَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی کہ ایں مختصریست مضبوط در علم نحو کہ مبتدی را بعد از حفظ مفرداتِ لغت ومعرفتِ اشتقاق وضبطِ مہماتِ تصریف بآسانی بکیفیتِ ترکیبِ عربی راہ نماید و بزودی در معرفتِ اعراب وبناء سوادخواندن توانائی دہد (بتوفیقِ اللّٰہِ تعالٰی وعونِہٖ)

ترجمہ: بہرحال (حمد وصلوٰۃ) کے بعد جان تو کہ راہ پر لگاوے تجھ کو اللہ تعالیٰ کہ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے لکھی گئی ہے علم نحو میں کہ جو شروع شروع پڑھنے والے کو زبان کے مفردات یاد کرنے کے بعد اور علم اشتقاق کے جاننے کے بعد اور علم صرف کی مشکل چیزوں کے قابو (کنٹرول) میں کرنے کے بعد آسانی کے ساتھ عربی (زبان) کی ترکیب (یعنی عربی زبان کے بنانے اور جوڑنے کے طریقہ کی راہ دکھلاتی ہے اور تیزی (جلدی) کے ساتھ اعراب (یعنی کلمہ کا اول بدل کے لائق ہونا کہ کبھی اس پر ضمہ آجائے اور کبھی فتحہ اور کبھی کسرہ) اور بنا (یعنی کلمہ کا ایک حالت پر رہنا اور اس پر ضمہ یا فتحہ یا کسرہ الگ الگ حرکت کا نہ آنا) کے پہچاننے میں اور پڑھنے کا ملکہ پیدا کرنے میں قوت دیتی ہے) اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے۔

حل مضمون: "اَمَّا" بمعنی بہرحال "بداں" داں دانستن سے امر کا صیغہ ہے بمعنی جان تو، "اَرْشَدَ" صیغہ واحد مذکر غائب

باب افعال سے اَکْـرَمَ کے وزن پر ہدایت دینا راہ دکھلانا، "ک" منصوب متصل کی ضمیر ہے جو واحد مذکر کے لئے آتی ہے بمعنی تجھ کو اللہ تعالیٰ یہ فاعل ہے اَرْشَدَ فعل کا، "این" بمعنی یہ یہ سے اشارہ کتاب نحو میر کی طرف ہے، "مختصرے ست" جب قرینے یا علامت سے موصوف کا پتہ چل رہا ہو تو صفت کا لانا کافی ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں گرم گرم لے آ اور مراد جلیبی یا چائے ہو تو یہاں بھی مختصر اور چھوٹی سے مراد کتاب نحو میر ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے، "مضبوط" بمعنی لکھی گئی ہے، "مبتدی" شروع شروع پڑھنے والا، "بعد از حفظِ مفردات، و معرفتِ اشتقاق وضبطِ مہماتِ تصریف" یہ عبارت بیچ میں زائد لائی گئی ورنہ "مبتدی را" کا جوڑ تو بآسانی سے ہے اور بتانا یہ ہے کہ نحو میر کے ذریعہ عربی ترکیب کا جوڑ توڑ نیز معرب اور مبنی کی پہچان اور عبارت پڑھنے کا ملکہ یا مہارت جب ہووے گی جبکہ تین چیزوں کو قابو میں کر لیا ہو:

(۱) **حفظ مفردات** اس سے مراد یہ ہے کہ نحو میر پڑھنے والے کو یہ یاد ہوں کہ عربی میں جو الگ الگ چیزوں کے نام ہیں وہ اسے یاد ہوں مثلاً چارپائی کی عربی سریر ٹوپی کی قلنسوۃ رومال کی مِندیلٌ کمرہ کی حجرۃ یہ تو اسماء اور نام والی چیزوں کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔

نوٹ: حفظ مفردات کے لئے بہت کتابیں آ چکی ہیں جن میں الگ الگ عنوانات دے کر سبزیوں کے نام، مدرسہ میں چلنے والی چیزوں کے نام، گھر میں استعمال ہونے والی چیزوں کے نام، مصالحوں کے نام بتا رکھے ہیں۔

(۲) **معرفت اشتقاق**: یہ دوسری چیز ہے کہ نحو میر سے فائدہ اسے ہوگا جس کو علم اشتقاق آتا ہو علم اشتقاق کہتے ہیں اس علم کو جس میں یہ پہچان ہو جائے کہ فلاں کلمہ، فلاں کلمہ سے بنا ہے کیونکہ جب کوئی کسی کلمہ کی اصل جان جائے گا تو ترجمہ صحیح کر سکے گا ورنہ غلطی ہو جائے گی مثلاً وَعَدَ یَعِدُ سے جو گردان آتی ہے ان کے دو ترجمہ ہوں گے اگر وَعْداً مصدر مانو گے تو بمعنی وعدہ کرنا ہوگا، وعیداً مانو گے تو دھمکی اور ڈرانے کے معنی ہوں گے چناں چہ قرآن میں ہے: الشیطان یَعِدُکُمُ الفقر ویامرکم بالفحشاء واللّٰہُ یعدکم مغفرۃً منہ وفضلاً "پہلے یَعِدُ کو وعیداً سے مشتق اور اس سے نکالیں گے اور دوسرے کو وعداً سے بعض ناواقف دونوں جگہ ہی وعداً سے مشتق مان کر وعدہ کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی قال یقول قولاً اور قال یقیل قَیْلُولَۃً بعض جگہ دونوں کے صیغہ ایک جیسے ہوں گے مثلاً فجاء ھا باسنا بیاتاً او ھم قائلون میں قائلون اسم فاعل ہے قیلولہ بمعنی دوپہر میں آرام کرنا سے اور قال یقول بمعنی کہنا سے بھی یہی اسم فاعل بنتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ علم اشتقاق سے جس کو واقفیت نہ ہو وہ قائلون کا ترجمہ کہنے والے کر دے جو بالکل غلط ہے اس آیت میں، ایسے ہی سورہ انبیاء پ۱۷ میں حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں جو فَظَنَّ اَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَیْہِ آیا ہے اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا نبی بھی اللہ کے بارے میں یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ نَقْدِرَ قُدْرَۃٌ سے مشتق نہیں ہے جو اشکال ہو بلکہ یہ قَدْراً بمعنی تنگی کرنا سے مشتق ہے جیسا کہ آیت اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر میں بھی ہے یعنی حضرت یونس علیہ السلام جو اپنی قوم میں سے بلا اجازت خداوندی چلے گئے تھے چوں کہ ان کا یہ جانا اللہ ہی کے لئے غصہ میں تھا اس لئے انہوں نے سوچا کہ میری اللہ پکڑ نہ کریں گے۔ (کذا فی الکشاف)

نوٹ۔ علم اشتقاق سے واقفیت اس سے واقفیت کے لئے لغت کی کتابیں ہیں جن میں ہر کلمہ کا ماضی مضارع مصدر مع صلہ کے لکھا ہوتا ہے جس سے کلمہ سے کون سے معنی مراد ہوں گے اس کی تعیین میں مدد ملتی ہے۔ یاد رکھا جائے کہ علم اشتقاق تقریباً یہ علم لغت کا ہی دوسرا نام ہے۔

(۳) **وضبط مھمات تصریف**: مُہِمَّہ ہر وہ کام جو مشکل ہو اور غم وفکر میں ڈال دے یہاں **مھمات** سے مراد علم صرف جس کا دوسرا نام علم تصریف بھی ہے کی مشکل گردانیں ہیں کیونکہ علم صرف کی کل چودہ گردانیں ہیں ایک صحیح والی اور چھ معتل کی اور تین مہموز کی اور دو لفیف کی اور دو مضاعف کی صحیح کی گردان میں چونکہ تمام حروف باقی رہتے ہیں اس لئے اس کے صیغوں کی گردان بالکل آسان ہے جیسے نَصَرَ یَنْصُرُ ضَرَبَ یَضْرِبُ لیکن معتل جس میں حرف علت ہوتا ہے پھر حرف علت کبھی واؤ ہوگا کبھی یاء، پھر واؤ اگر فا کی جگہ ہے تو **معتل فاء واوی** جیسے وَعَدَ یَعِدُ میں اور اگر عین کی جگہ ہے تو **معتل عین واوی** جیسے قَالَ یَقُوْلُ جو اصل میں قَوَلَ یَقْوُلُ تھا اور لام کی جگہ ہے **تو معتل لام واوی** جیسے دَعَا یَدْعُوْ میں کہ اصل میں دَعَوَ یَدْعُوْ تھا اسی طرح یاء کی بات ہے کہ یا تو فاء کلمہ کی جگہ ہوگی جیسے یَسَرَ یَیْسِرُ میں اس کو **معتل فاء یائی** کہتے ہیں اور عین کلمہ کی جگہ یاء حرف علت ہو جیسے بَاعَ یَبِیْعُ کہ اصل بَیَعَ یَبْیِعُ تھا اس کو **معتل عین یائی** کہتے ہیں اور اگر لام کی جگہ ہو تو **معتل لام یائی** کہتے ہیں جیسے رَمٰی یَرْمِیْ میں کہ دراصل رَمَیَ یَرْمِیُ تھا تو چونکہ حرف علت گر جاتا ہے جس کی وجہ سے کلمہ جوں کا توں نہیں رہتا ہے کہ بعض دفعہ تو کسی صیغہ میں ایک ہی حرف رہ جاتا ہے جیسے وَقٰی یَقِیْ سے قِ امر آتا ہے تو اس وجہ سے حرف علت گر کر صیغہ اپنی حالت چھوڑ دیتا ہے تو گردان مشکل ہو جاتی ہے ایسے ہی مہموز یعنی جس گردان میں ہمزہ آوے پھر اگر فاء کلمہ کی جگہ آوے تو **مھموز الفاء** جیسے اَکَلَ اَخَذَ عین کی جگہ آوے **مھموز العین** جیسے سَأَلَ اور لام کی جگہ آئے تو **مھموز اللام** جیسے قَرَءَ اس میں بھی بعض گردانوں میں ہمزہ کی حرکت ماقبل کو دے کر ہمزہ ختم کر دی جاتی ہے جیسے رَأٰی یَرْأٰیُ میں ہمزہ کی حرکت را کو دے کر رَاٰی یَرٰی پڑھنا ہوتا ہے اس لئے گردان بھاری ہوگی کیونکہ سب صیغوں میں یہی عمل کر کے گردان کرنی ہوگی ایسے ہی لَفِیْفٌ وہ گردان جس میں دو حرف علت عین لام کی جگہ ہو تو **مقرون** ف اور لام کی جگہ ہو تو **مفروق** کہلاتا ہے اس میں بھی حرف علت کی کٹ پھٹ سے گردان مشکل ہو جاتی ہے ایسے ہی **مضاعف** کی دو قسمیں ہیں ثلاثی جس میں ایک ہی حرف دوبار ہوں جیسے ذَبَّ فَرَّ میں یا دو حرف دوبار ہوں جیسے زَلْزَلَ اور ذَبْذَبَ میں کہ زاء بھی دو دفعہ ہے اور لام بھی ایسے ہی دوسری مثال میں ذال اور ب دو دفعہ ہیں۔ علم صرف سے واقفیت کے لئے سب سے پہلے میزان میں آنے والی گردانیں پھر پنج گنج میں پھر علم الصیغہ میں دی گئی تمام گردانیں اور انکی تفصیلات ذہن میں ہونی چاہئیں، بہر حال علم صرف پر بھی عبور ہو تب نحو میر کتاب کے قواعد کے جاننے سے عربی زبان پر قابو ہو سکے گا، اور عبارت پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو جائے گا، کیونکہ فعل جس کا اصل بیان علم صرف میں ہے عربی کلام و گفتگو میں آتا ہے اس لئے علم صرف سے واقفیت بھی ضروری ہے اس کے بغیر کام نہ چلے گا۔

ترکیب: بمعنی جوڑنا چند کلموں کو ملا کر کلام یا گفتگو بنانے کو ترکیب کہتے ہیں پھر کلموں کو ملا کر کبھی کلام ناقص بنتا ہے جیسے مرکب

اضافی اور توصیفی میں یا کلام تام بنتا ہے جیسے جملہ اسمیہ یا فعلیہ جو جملہ خبریہ کی قسمیں ہیں یا جملہ انشائیہ تیار ہوگا جیسے امر و نہی میں، ''سواد'' بمعنی مہارت اور ملکہ، ''توانائی'' بمعنی طاقت اور حوصلہ اور قوت۔

توفیق: کے اصل معنی ہیں توجیهُ الاَسْبَابِ نَحْوَ الْخَیْرِ یعنی اچھے مقصد کے لئے اسباب مہیا ہونا لہٰذا برے مقصد کے لئے مہیا ہونے کو توفیق نہیں کہیں گے۔

بہرحال **حفظ مفردات** : اور **معرفت علم اشتقاق** اور **ضبط مہمات تصریف** ان تین صلاحیتوں کے پیدا کرنے کے ساتھ اگر نحومیر پڑھ لے گا تو اس کو عربی عبارت بنانی اور اس پر حرکات زیر زبر پیش دینا اور عربی پڑھنا سب آسان ہو جائے گا اور یہ ہے بھی امر واقعی کہ جس کو ان چاروں چیزوں پر قدرت ہے تو اس کے لئے عربی بولنا اور سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔(والتوفیق بید اللّٰہ)

سبق سوم

بدانکہ لفظ مستعمل در سخنِ عرب بر دو قسم است مفرد و مرکب مفرد لفظے باشد تنہا کہ دلالت کند بر یک معنی و آں را کلمہ گویند و کلمہ بر سہ قسم است اسم چوں رجلٌ فعل چوں ضَرَبَ وحرف چوں هَلْ چنانچہ در تصریف معلوم شدہ است۔ امّا مرکب لفظے باشد کہ از دو کلمہ یا بیشتر حاصل شدہ باشد و مرکب بر دو گونہ است مفید و غیر مفید، مفید آں است کہ چوں قائل بر آں سکوت کند سامع را خبرے یا طلبی معلوم شود و آں را جملہ گویند و کلام نیز پس جملہ بر دو قسم است خبریہ و انشائیہ۔

ترجمہ :جان تو کہ عربی زبان میں مستعمل ہونے والا لفظ دو قسم پر ہے(۱) مفرد(۲) مرکب۔ مفرد ایسا اکیلا لفظ ہوتا ہے جو ایک ہی معنی کو بتلائے اور اس کو کلمہ کہتے ہیں کلمہ تین قسم پر ہے اسم جیسے رجلٌ فعل جیسے ضَرَبَ اور حرف جیسے هَلْ جیسا کہ علم صرف میں جان لیا گیا ہے، بہرحال مرکب ایسا لفظ ہوتا ہے کہ جو دو کلموں یا زیادہ سے حاصل ہوا ہو اور مرکب دو قسم پر ہے(۱) مفید(۲) غیر مفید مفید وہ ہے کہ جب کہنے والا اس پر چپ ہو جائے تو سننے والے کو کوئی خبر یا چاہت معلوم ہو جاتی ہو اور اس (مرکب مفید) کو جملہ بھی کہتے ہیں اور کلام بھی پھر جملہ دو قسم پر ہے(۱) خبریہ(۲) انشائیہ۔

حل مضمون :کسی بھی زبان کی بات لے لو جس میں عربی زبان بھی داخل ہے کہ کوئی بھی بولنے والا جب کسی کلمہ کو بولے گا یا وہ معنی دار ہوگا یا بے معنی اول کو موضوع اور کلمہ کہتے ہیں اور دوسرے کو مہمل کہتے ہیں جیسے روٹی ووٹی، پانی وانی، کرتا ورتا میں اول لفظ معنی رکھتا ہے اور دوسرے والے کو ویسے ہی ساتھ میں لگا کر بول دیا جاتا ہے ایسا نہیں کہ جیسے روٹی سے چپاتی مراد ہو تو ووٹی سے بھی کچھ مراد ہو پھر چونکہ مہمل اور بے معنی لفظ بولنے یا سننے سے کوئی فائدہ نہیں اس لئے یہاں لفظ سے مراد جس کے متعلق گفتگو چلے گی وہ معنی دار لفظ ہی ہوگا جس کو موضوع اور کلمہ کہتے ہیں پھر کلمہ تین قسم کا ہوتا ہے اسم، فعل، حرف دنیا میں جو گفتگو جاری ساری

ہے اور جو بول بولے جاتے ہیں وہ تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو وہ چیزوں کے نام ہوں گے جیسے درخت، مکان، چارپائی، پنکھا وغیرہ وغیرہ، ان کو اسم کہتے ہیں یا وہ کام ہوں گے جیسے اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، پڑھنا، لکھنا ان کو فعل کہتے ہیں یا وہ محض مُعین اور مددگار ہونے والے لفظ ہیں جیسے پر، کو، میں، سے، تک وغیرہ وغیرہ ان کو حرف کہتے ہیں تو ہر گفتگو اور کلام یقیناً ان تین قسم کے الفاظ سے بنے گا چاہے اردو ہو یا عربی جیسے -زید مسجد میں گیا- اس میں زید اور مسجد نام ہیں اور گیا فعل ہے اور میں حرف ہے اور اسی کو عربی میں ذهب زيدٌ الى المسجد کہیں گے اس جملہ میں بھی دو اسم ہے زید اور مسجد ایک فعل ہے ذَهَبَ اور ایک حرف ہے الـــی تو اسم بمعنی نام اور فعل بمعنی کام اور حرف بمعنی کنارہ جو لفظ چیزوں کے نام ہوتے ہیں ان کو اسماء کہتے ہیں اور جو کاموں کو بتلاتے ہیں ان کو افعال کہتے ہیں اور جو آزو بازو یا آس پاس میں لگتے ہیں جیسے فی، من، علی، ب ان کو حروف کہتے ہیں تو ہر کلام جب تیار ہوگا اس میں یہی تین قسم کے کلمات پائے جائیں گے فقط لہٰذا ایسی پہچان ہونی ضروری ہے کہ جس سے ہم یہ بتا سکیں کہ یہ کلمہ اسم ہے یہ فعل ہے یہ حرف ہے۔

امّا مرکب لفظی باشد: یاد رہے کہ تنہا لفظ سے تنہا ہی معنی سمجھ میں آویں گے اور مرکب یا ڈبل لفظ سے ڈبل ہی معنی ذہن میں آویں گے ایسا نہیں کہ بول اور کلمہ تو ایک بولا اور دو چیز اس سے سمجھ گئے بلکہ عربی قاعدہ ہے "زِيَادَةُ الْمَبَانِيْ تَدُلُّ زِيَادَةِ الْمَعَانِي" یعنی جتنے لفظ ہوں گے اتنے زیادہ معنی کا علم ہوگا اس کے بالمقابل جتنے لفظ کم ہوتے جائیں گے تو معنی بھی کم ہوتے جائیں دراصل معنی کے معنی کو جان لینا چاہئے کہ کسے کہتے ہیں تو یاد رکھئے کہ کسی لفظ سے جو بھی تم ارادہ کرو وہی اس کے معنی کہلاتے ہیں چنانچہ قلنسوة بمعنی ٹوپی لیکن ٹوپی کے کیا معنی تو ہم کہیں گے خاص قسم کا سر پر اوڑھے جانے والا سلا کپڑا ٹوپی کہلاتا ہے تو ہر لفظ کسی نہ کسی کے مقابل طے کیا گیا ہے پھر چاہے وہ چیز اسم یعنی ناموں کے قبیل سے ہو یا فعل یعنی کاموں میں سے ہو یا حرف یعنی فعل اسم کے ارد گرد لگنے والی چیز ہو، تو اوپر کے کلام سے اتنا تو سمجھ میں آ گیا کہ جب تک لفظ ایسا ہے کہ اس کے بولنے کے بعد ایک ہی چیز سمجھ میں آئی تب تک وہ مفرد کہلائے گا ورنہ مرکب ہو جائے گا جیسے زیدٌ مفرد ہے اور جب غلامُ زیدٍ کہا تو مرکب ہو گیا کیوں کہ دو لفظ ہیں اور دو ہی معنی ذہن میں آرہے ہیں غلام سے غلام اور زید سے اس کا آقا پھر مرکب بھی دو طرح کا ہوتا ہے (۱) مفید (۲) غیر مفید، مفید کو مرکب تام اور کلام اور جملہ بھی کہا جاتا ہے نیز اس کا ایک نام مرکب اسنادی بھی ہے اسی طرح غیر مفید کو مرکب ناقص بھی کہتے ہیں اب رہا یہ مسئلہ کہ کونسا مرکب مفید ہوتا ہے اور کونسا غیر مفید تو یہاں بس اتنا یاد رکھئے کہ مرکب ناقص ہمیشہ غیر مفید ہوتا ہے اور مرکب تام ہمیشہ مفید ہوتا ہے باقی تفصیل سبق پنجم میں ملاحظہ کر لیں۔ ہماری کتاب نحو میر میں مفید اسے بتایا گیا ہے کہ جو کلام ایسا ہو کہ کہنے والا جب اس کو کہہ کر چپ ہو تو سننے والے کو کوئی خبر یا کوئی اطلاع ملی ہو یا اُس کی کسی چاہت اور طلب کا علم ہو دراصل یہ ایسی تعریف ہے جس میں مرکب مفید کی دو قسموں خبریہ اور انشائیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جملہ خبریہ میں خبر یا اطلاع ہوتی ہے اور انشائیہ میں کسی چاہت اور طلب کا اظہار ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ آرہا ہے تو اگر کسی کلام میں ان دونوں خوبیوں میں سے (کہ خبر یا چاہت معلوم ہو) نہ ہو تو وہ کلام مرکب غیر مفید کہلائے گا پھر یہ جو تعریف کی جاتی ہے کہ مرکب مفید وہ ہے کہ کہنے والا جب چپ ہو تو سننے والے کو کوئی نہ کوئی خبر معلوم ہوئی ہو یا چاہت اسی کو دوسرے انداز میں اس

طرح بھی کہا گیا کہ کلام یا مرکب مفید وہ ہے جس میں دو کلمے ہوں کم از کم اور ان میں آپس میں اسناد ہو یعنی ایک کو دوسرے سے جوڑا گیا ہو مبتدا خبر یا فعل فاعل بنا کر اول جملہ اسمیہ بنے گا دوسرا جملہ فعلیہ ہوگا اسی مرکب مفید کی دو قسمیں ہیں خبریہ اور انشائیہ۔

سبق چہارم

بدانکہ جملہ خبریہ آنست کہ قائلش را بصدق وکذب صفت تواں کرد وآں بر دو نوع است اول آنکہ جزو اولش اسم باشد وآں را جملہ اسمیہ گویند چوں زیدٌ عالِمٌ یعنی زید دانا است جزو اولش مسند الیہ است وآں را مبتدا گویند و جزو دوم مسند است وآں را خبر گویند دوم آنکہ جزو اولش فعل باشد وآں را جملہ فعلیہ گویند چوں ضَرَبَ زَیْدٌ بزد زید، جزو اولش مسند وآں را فعل گویند و جزو دوم مسند الیہ است وآں را فاعل گویند۔

ترجمہ: جان تو کہ جملہ خبریہ وہ ہے کہ اس کے بولنے والے کی سچ اور جھوٹ کے ساتھ صفت بیان کی جاسکے اور وہ دو قسم پر ہے اول وہ کہ اس کا پہلا جزو اسم ہو اور اس کو جملہ اسمیہ کہتے ہیں جیسے زیدٌ عالِمٌ یعنی زید جاننے والا ہے اس جملہ کا اول جزء مسند الیہ ہے جس کو مبتدا کہتے ہیں اور دوسرا اجزء مسند ہے جس کو خبر کہتے ہیں دوسری قسم یہ ہے کہ جملہ خبریہ کا پہلا جزء فعل ہو اور اس کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ زید نے مارا کہ اس کا اول جزء مسند ہے جس کو فعل کہتے ہیں اور دوسرا اجزء مسند الیہ جس کو فاعل کہتے ہیں۔

حل مضمون: جملہ مرکب مفید ہی کو کہتے ہیں جس کی تیسرے سبق کے آخر میں دو قسمیں بتائی گئی (۱) خبریہ (۲) انشائیہ پھر خبریہ کی یہ تعریف کی ہے کہ اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں۔

سوال: آخر یہ کیا بات ہے کہ جملہ خبریہ میں تو اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا بتلایا جاسکتا ہے لیکن انشائیہ میں ایسا نہیں کیا جاسکتا؟

جواب: انشاء کے معنی ہیں فی الحال کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا یا نیست سے ہست کرنا یعنی ابھی ہمارے سامنے ہی کسی کا کسی چیز کی چاہت اور تمنا کرنا یا کسی چیز کی طلب کرنا یعنی اس کو منگوانا اور جملہ خبریہ میں خبر کہتے ہیں کہ گذشتہ یا آئندہ زمانہ میں کسی کام کے ہونے کی اطلاع کرنا یا بتلانا خبر چونکہ گذشتہ یا آئندہ زمانے میں ہوئی چیز ہے اپنے سامنے نہیں ہورہی ہے تو اس میں دونوں صورتیں ہیں سچ ہونے کی بھی اور جھوٹا ہونے کی بھی تو کسی بھی جملہ میں خبر ہونے کا تقاضہ طبعی اور فطری یہی ہے کہ کیا معلوم وہ بات جو گذشتہ یا آئندہ ازمانہ میں ہوئی ہے سچی ہو یا جھوٹی ہاں اگر وہ بات جس کی کسی جملہ میں خبر دی گئی ہے باہر کی دنیا میں ایسی ہی ہوگئی جیسی اس نے خبر دی ہے تو اس کو سچ کہیں گے ورنہ جھوٹ باہر کی دنیا کو اصطلاحی الفاظ میں نفس الامر بھی کہتے ہیں کہ نفس الامر کے مطابق خبر ہو تو سچ ورنہ جھوٹی کہیں گے، الہٰذا ہر جملہ خبریہ بولنے والے میں یہ احتمال ہے کہ کیا معلوم وہ اپنی اس خبر میں سچا ہو یا جھوٹا بخلاف انشائیہ کے کہ وہ مع اپنی قسموں کے سچ جھوٹ کا احتمال نہیں رکھے گا مثلاً **امر** جس میں کسی بات کا حکم کرتا ہے

اور **نہی** جس میں کسی کام کے نہ کرنے کی طلب ہوتی ہے یا **استفہام** جس میں کسی چیز کے بارے میں پوچھا جاتا ہے یا **تمنی** جس میں کسی بات کی آرزو ظاہر کی جاتی ہے یا **ترجی** جس میں کسی بات کی امید ظاہر کی جاتی ہے۔یا **عقود** جس میں خریدنے یا بیچنے کا اقرار ہوتا ہے یا **ندا** جس میں کسی کو آواز لگائی جاتی ہے یا **عرض** جس میں پیش کش ہو یا کسی چیز پر ابھارا گیا ہو جیسے (**الا تنزل بنا**) تو ہمارے پاس کیوں نہیں آیا کرتا یعنی آیا کر یا **قسم** جس میں قسم کھا کر کوئی بات پیش کی جاوے یا کبھی جاوے یا **تعجب** جس میں کسی بات پر تعجب ظاہر کیا جاوے ان تمام قسموں میں ہونے والی چیزیں مخاطب کے سامنے کی ہیں مثلاً اِضْرِبْ جس نے کہا اور تم نے سنا تو اس نے مارنے کو چاہا ہے اور یہ چاہنا ہمارے سامنے ہے تو اس میں یہ کہا ہی نہیں جاسکتا کہ کیا معلوم مارنے کو کہا ہے یا نہیں کیونکہ مارنے کو کہنا یا اِضْرِبْ بولنا ہمارے سامنے ہوا ایسے ہی اور قسموں میں مثلاً یَازَیْدُ میں زید کو آواز دی ہے تو یہ آواز دینا ابھی ہمارے سامنے ہوا جس میں سچ اور جھوٹ ہونے کا کوئی مسئلہ ہی سامنے نہیں آتا۔

سوال: بعض جملہ خبریہ ایسے ہیں کہ ان میں صدق یا کذب ایک ہی جہت متعین ہے جیسے نبی نے جو خبریں دی ہیں ان سب کا سچ ہونا طے ہے یا اَلسَّمَاءُ فَوْقَنَا، اَلْاَرْضُ تَحْتَنَا کہ آسمان ہمارے اوپر ہے زمین ہمارے نیچے ہے؟

جواب: جملہ خبریہ میں ہونے کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ان میں بھی سچ اور جھوٹ ہونے کا احتمال ہوتا لیکن الگ سے جو دلیلیں ہیں ان کی وجہ سے ان جملوں میں سچ ہی طے ہو گیا مثلاً کوئی نبی جھوٹ نہیں بولتا ہمیشہ اس کی بات سچی ہی ہوتی ہے تو وہ جو کچھ کہے گا لامحالہ سچ ہی ہوگا جیسے **اللّٰہ موجودٌ**، **السماءُ سَبْعٌ** کہ آسمان سات ہیں اسی طرح چونکہ آسمان کا اوپر ہونا زمین کا نیچے ہونا ہمیں نظر آرہا ہے اس لئے سچ ہی کی جہت متعین ہوگی ورنہ فی نفسہٖ خبر ہونے کی وجہ سے یہ جملے بھی سچ جھوٹ کا احتمال رکھتے۔

بہرحال جملہ خبریہ جس کی تعریف جان لی گئی دو قسم ہے: (۱) اسمیہ (۲) فعلیہ اگر کسی جملہ میں اول جزء اسم ہو تو اس کا نام جملہ اسمیہ ہوگا جیسے زَیْدٌ عَالِمٌ جملہ اسمیہ ہے اس میں اول جزء کو مسند الیہ کہیں گے اور مسند الیہ کا دوسرا نام مبتداء ہے اور دوسرے جزء کو مسند کہیں گے جس کا دوسرا نام خبر بھی ہے اور اگر کسی جملہ کا اول جزء فعل ہو تو اس کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ جملہ فعلیہ ہے اول جزء کو مسند کہتے ہیں اور مسند کو فعل بھی کہتے ہیں اور دوسرا جزء مسند الیہ کہلاتا ہے اور مسند الیہ کو فاعل بھی کہتے ہیں۔

سبق پنجم

بدانکہ مسند حکم است و مسند الیہ آنچہ برو حکم کنند و اسم مسند و مسند الیہ تواند بود و فعل مسند باشد و مسند الیہ نتواند بود و حرف نہ مسند باشد و نہ مسند الیہ۔

ترجمہ: جان تو کہ مسند حکم ہے اور مسند الیہ وہ چیز جس پر حکم کریں اور اسم مسند اور مسند الیہ ہوسکتا ہے اور فعل مسند ہوتا ہے اور مسند الیہ نہیں ہوسکتا اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ۔

حل مضمون: پچھلے سبق میں مسند اور مسند الیہ دو لفظ آئے ہیں یہاں ان کی تعریف کرنے کے ساتھ یہ بھی بتلا رہے ہیں کہ

تینوں کلمے اسم، فعل، حرف میں سے کون مسند اور مسند الیہ دونوں بننے کے لائق جیسے اسم کہ دونوں کے لائق ہے اور کون ایک بننے کے لائق ہے جیسے فعل اور کون کسی کے بھی لائق نہیں جیسے حرف۔

اب تفصیل سے سنئے کہ اسناد باب افعال کا مصدر ہے جس کے معنی جوڑنے کے ہیں اور مُسْنَدْ بروزن مُکْرَمْ اسم مفعول ہے بمعنی جس کو جوڑا جائے اور مسند الیہ وہ چیز کہ جس سے جوڑیں، پھر بتایا کہ مسند حکم ہے یہاں حکم بمعنی محکوم بہ یعنی جس کا حکم لگایا جائے چونکہ اصل تو حکم محکوم علیہ اور محکوم بہ کے درمیان کے تعلق کو کہتے ہیں جیسا کہ مسند الیہ اور مسند کے درمیانی تعلق کا نام اسناد ہے اور یہاں حکم مسند کو بتایا گیا ہے جو جملہ کی طرفین میں سے ایک ہے اس لئے حکم کو محکوم بہ یعنی جس کا حکم لگایا جاوے کے معنی میں لینا پڑے گا خود حکم اپنے معنی میں رہتے ہوئے نہیں چل پائے گا یاد رکھئے جب ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں تو وہ الگ الگ کلمات جن کا کوئی اور ذخیرہ ہمارے دماغ میں ہر وقت رہتا ہے ان میں سے کچھ کلمات تو وہ ہیں جن پر ہم حکم لگا کر مبتدا یا مسند الیہ بنائیں گے اور کچھ وہ ہیں جن کا حکم لگا کر ہم خبر یا مسند بنائیں گے پھر کونسی خبر کس مبتدا کے ساتھ جوڑی جائے گی اور کونسا مبتدا کس خبر کے ساتھ جڑے گا یہ حسب موقعہ ہمارا ذہن ترتیب اور ترکیب دیتا رہتا ہے چنانچہ جب ہمیں زید کے مالدار ہونے کو بتلانا ہے تو کہیں گے زیدٌ غنیٌ اور جب عمر کے فقیر ہونے کو بتلانا ہے تو کہیں گے عمرٌ فقیرٌ تو ہم کب کس مبتدا کے ساتھ کس خبر کو اور کس خبر کے ساتھ کس مبتدا کو جوڑیں گے یہ وقت اور موقع کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے اور مختلف جملے بنا کر بولتے رہتے ہیں اب جس کو اصل ٹھہرا کر اس کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے تو اس کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور جو کچھ کہا جاتا ہے یا کسی کے لئے ثابت کیا جاتا ہے اس کے بھی بہت سے نام ہیں یا یوں کہہ لو کہ جس چیز کو ہم مبتدا کہتے ہیں اس کو مبتدا کے علاوہ اور ناموں سے بھی بولا جاتا ہے ایسے ہی خبر کے بھی بہت سے نام ہیں ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

۱-مبتدا۔ ۲-محکوم علیہ۔ ۳-مسند الیہ۔ ۴-مثبت لہ۔ ۵-موضوع۔ ۶-منسوب الیہ۔ ۷-مخبر عنہ۔

۱-خبر۔ ۲- محکوم بہ۔ ۳-مسند۔ ۴-مثبت۔ ۵-محمول۔ ۶-منسوب ۷-مخبر بہ

عام طور سے یہ الفاظ جملہ خبریہ کے دو جزء مبتدا، خبر کے لئے بولے جاتے ہیں لیکن جملہ فعلیہ میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ فعل اپنے فاعل سے جوڑا جاتا ہے اور اس میں بھی دو چیزیں ہوتی ہے ایک وہ جس سے جوڑیں گے دوسری وہ جس کو جوڑیں گے جیسے خرج زیدٌ زید باہر آیا کہ خروج زید سے منسوب اور جڑا ہے تو اس لحاظ سے اگر فاعل کو بھی محکوم علیہ، مسند الیہ، مثبت لہ، موضوع، منسوب الیہ کہہ دیں تو کہا جا سکتا ہے ایسے ہی فعل جو کہ جڑ رہا ہے تو اسے محکوم بہ، مسند، مثبت، محمول، منسوب سب کہہ سکتے ہیں۔

بہر حال جیسے مبتدا کو مسند الیہ کہہ سکتے ہیں فاعل کو بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ دونوں سے کوئی چیز جڑتی ہے اور جیسے خبر کو مسند کہہ سکتے ہیں فعل کو بھی کیونکہ دونوں ہی کسی اور سے جڑتے ہیں۔

بہر حال گفتگو میں اصلاً دو ہی جملے آتے ہیں اسمیہ، فعلیہ اور دونوں میں ایک چیز اصل ہوتی ہے جس سے جوڑتے ہیں اور دوسری تابع جس کو جوڑتے ہیں ان دونوں چیزوں کے ہونے کے ساتھ تیسری چیز جو جملہ بننے کے لئے ضروری ہے وہ ان

دونوں چیزوں کے آپس میں جوڑنے کا ارادہ کرنا اگر کسی کو کسی سے جوڑنے کا ارادہ نہ بنا اور نہ کسی کو کسی کے لئے ثابت کیا تب تک خالی دو کلمے ہونے سے کلام نہیں بنے گا مثلاً خالد کو اپنے ذہن میں اصل اور مبتدا بنا کر اس کے لئے کوئی خبر ثابت کریں اور کہیں خالدٌ حافظٌ تو یہ کلام بن گیا۔

سوال: اسناد اور جوڑنا کس طرح ہوگا؟

جواب: جملہ فعلیہ میں فعل، فاعل کردو اور جملہ اسمیہ میں مبتدا خبر بنادو بس اسناد ہو جائے گی اب یہاں یہ بھی یاد رکھئے کہ جہاں دو کلمے لا کر کسی ایک کو دوسرے کے لئے ثابت بھی کر دیا اور ان میں جوڑ دیا تو اس قسم کے کلام کو مرکب مفید کہتے ہیں اور مرکب مفید کے اور بھی نام ہیں:

(۱) مرکب تام (۲) مرکب اسنادی (۳) جملہ (۴) کلام اور اگر دو کلمے تو ہوں مگر ان میں اسناد کا ارادہ نہ کیا تو یہ دو کلمے مرکب تو ہوں گے مگر غیر مفید۔

سوال: غلامُ زَیْدٍ میں دو کلمے بھی ہیں اور انہیں جوڑ بھی رکھا ہے تو کیا اسے جملہ کہیں گے؟

جواب: بالکل نہیں کہیں گے کیونکہ ان میں جو جوڑ ہے وہ ناقص ہے اور ناقص جوڑ کو اضافت کہتے ہیں اور مکمل جوڑ کو اسناد کہتے ہیں تو غلامُ زَیْدٍ میں اضافت تو ہے اسناد نہیں ہے۔

سوال: ناقص اور کامل جوڑ کی کیا وضاحت ہے؟

جواب: جہاں دو کلمیں اس لئے جوڑے گئے کہ ان میں ملکیت کا تعلق ظاہر ہو جاوے جیسے غلام کو زید کا بتا دیا یا کاپی کو زید کی بتایا اور کہا کراسةُ زَیْدٍ تو جوڑ ناقص ہے اور اگر ایک کو اصل بنا کر پھر اس کے متعلق خبر دیں تو یہ مکمل جوڑ ہے بہر حال مضاف اور مضاف الیہ جو جوڑ ہے وہ ناقص ہے اور مبتدا، خبر یا فعل، فاعل میں جو جوڑ ہوگا کامل کہلائے گا اسی لئے مرکب ناقص کی تمام قسمیں خواہ وہ مرکب اضافی ہو یا توصیفی ہو یا مرکب بنائی ہو جس کا دوسرا نام مرکب عددی بھی ہے اور یا مرکب منع صرف ہو جس کا دوسرا نام مرکب امتزاجی ہے اور چاہے مرکب صوتی ہو ان میں دو دو کلمے ہونے کے باوجود ان سے کلام نہیں بنتا کیونکہ مرکب اضافی میں دو کلمے ہونے کے ساتھ گو دونوں کو جوڑ بھی رکھا ہے مگر یہ جوڑ ناقص ہے اور باقی چار میں صرف ترکیب اور دو کلموں کو جوڑ رکھا ہے ان میں اسناد نہیں ہے لہٰذا یہ سب مرکب ناقص ہیں، مرکب مفید یا جملہ اور کلام اور مرکب اسنادی نہیں کہلائے جا سکتے ہیں اسی لئے یہ پانچوں کلام کا ایک جز بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں فقط چاہے ان کو مسند بناؤ چاہے مسند الیہ دونوں نہیں بنا سکتے ورنہ پھر تو ان سے ہی کلام تام بن جاتا، مرکب ناقص کے مقابل مرکب تام ہے جو تنہا قسم ہے۔ مرکب ناقص یعنی غیر مفید کی پانچوں قسموں کی تعریف اور مثالیں بالتفصیل سبق ہفتم میں آرہی ہے انشاء اللہ یہاں یہ مرکب کی اقسام تبعاً لائی گئی ہے اصل بیان جو اس سبق سے متعلق ہے یہ ہے کہ کلمے کی تین قسموں اسم، فعل، حرف میں سے کون مسند، مسند الیہ بننے کے لائق ہیں اور کون نہیں تو سنئے۔

اسم: مسند اور مسند الیہ دونوں بننے کی صلاحیت رکھتا ہے یعنی چاہے اس سے کسی چیز کو جوڑ دیں یا اس کو کسی اور سے جوڑ دیں کیونکہ اسم مستقل معنی رکھتا ہے اپنے بل بوتے پر ہے دونوں قسم کی صلاحیت سے مالا مال ہے خواہ اسے جوڑ و خواہ اس سے جوڑ و اور

فعل گو یہ بھی معنی مستقل رکھتا ہے لیکن اس کے معنی میں اسم جیسا استقلال نہیں ہے کیونکہ فعل بمعنی کام ہے اور کام کوئی سا بھی ہو از خود بلا اپنے فاعل کے وجود میں نہیں آتا چنانچہ مارنا ایک فعل اور کام ہے جانا، چلنا یہ سب فعل ہیں مگر مار بغیر مارنے والے کے اور جانا، چلنا بغیر جانے والے اور چلنے والے کے وجود میں نہیں آسکتے اس لئے فعل بس اسی لائق ہے کہ دوسرے سے جڑے لہٰذا یہ ہمیشہ مسند ہی ہوسکتا ہے نہ کہ مسند الیہ اور حرف تو بیچارہ دوسروں کی بیگار کرتا ہے اس میں اپنے معنی ہوتے ہی نہیں ہمیشہ دوسروں کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: حرف دوسروں کے معنی کیسے بتلاتا ہے؟

جواب: دیکھئے لفظ **فِیْ** ہے جس کے معنی اندر کے ہیں لیکن یہ اندریت اس چیز کی بنے گی جو فی کے بعد آئے گا جیسے **زَیْدٌ فی المدرسة** کہ زید مدرسہ میں ہے یا **علی** ہے جو اوپر کے معنی دیتا ہے لیکن اوپریت اس کی ہے جو علی کے بعد آئے گا جیسے **زَیْدٌ علَی السَّقْفِ** کہ زید چھت پر ہے یا **زیدٌ علی الشجر** زید درخت پر ہے ایسے **خرج زیدٌ من المسجد** میں من نے جس کی ابتداء کو بتایا وہ خروج ہے اور جہاں سے وہ ہوا وہ مسجد ہے اس لئے حرف کی تعریف میں **ما دلَّ علی معنی فی غیرہٖ** الفاظ استعمال کئے ہیں بہر حال حروف دیگر کلموں فعل اسم کی اندریت اوپریت اور ابتدائیت کو بتاتا ہے لہٰذا یہ نہ مسند بن سکتا ہے اور نہ مسند الیہ بہر حال پیچھے تفصیل آچکی ہے کہ تنہا کلمہ مفرد کہلاتا ہے اس سے کلام تیار نہیں ہوتا اور دو کلموں سے مل کر مرکب تو بن جائے گا لیکن ضروری نہیں کہ وہ مرکب تام یعنی مرکب مفید ہی بنے بلکہ ہوسکتا ہے کہ مرکب ناقص بنے۔

تفصیل یہ ہے کہ جن دو کلموں سے کلام بناؤ گے تو وہ عقلاً چھ حال سے خالی نہیں، (۱) دونوں اسم ہوں (۲) دونوں کے دونوں فعل ہوں (۳) دونوں حرف ہوں (۴) ایک اسم ہوں ایک فعل ہو (۵) ایک اسم ہو ایک حرف ہو (۶) ایک فعل اور ایک حرف ان چھ قسموں میں سے صرف اُس قسم میں مرکب مفید بنتا ہے جس میں جملہ کے دونوں جزء مسند اور مسند الیہ بن جاتے ہیں اور یہ صرف پہلی صورت اور چوتھی صورت میں ہیں کیونکہ جب دونوں اسم ہیں ایک کو مسند الیہ بنالیں گے اور ایک کو مسند اور مرکب مفید ہو جائے گا کیونکہ اسم دونوں بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور چوتھی شکل یعنی ایک کلمہ اسم ہو ایک فعل اس میں اسم مسند الیہ بن جائے گا اور فعل مسند اور کلام تیار ہو جائے گا جیسے **زیدٌ حافظٌ** (زید حافظ ہے) اور **ذَهَبَ زیدٌ** (زید چلا گیا) باقی اور قسموں میں چونکہ مسند اور مسند الیہ دونوں نہیں ہو پاتے اس لئے یہ صورتیں کلام بننے میں کارگر نہیں ہیں پھر خالی دو کلموں سے بھی کلام بننا ضروری نہیں ہے جیسے **غلامُ زیدٍ، اَحَدَ عَشَرَ، رَجُلٌ عَالِمٌ، بَعْلَبَکَّ، سیبویہ** کیونکہ وہ دو کلمے ایسے ہونے چاہئے کہ ان میں سے ایک مسند ہوسکے اور دوسرا مسند الیہ اور اوپر **غلامُ زیدٍ** جو مرکب اضافی کی مثال ہے اور **اَحَدَ عَشَرَ** جو مرکب بنائی کی مثال ہے اور **رجلٌ عَالِمٌ** مرکب توصیفی کی مثال ہے اور **بَعْلَبَکَّ** جو مرکب منع صرف کی مثال ہے اور **سِیْبَوَیْه** جو مرکب صوتی کی مثال ہے یہ صرف کلمہ کا ایک جزء بنتے ہیں چاہے مسند بنالو اور چاہے مسند الیہ کیونکہ مرکب ناقص کی پانچوں قسمیں باوجود اپنے دو کلموں سے مرکب ہونے کے فقط مسند یعنی خبر بنیں گے یا فقط مسند الیہ یعنی مبتدا بنیں گے جبکہ وہ دو کلمے ایسے ہونے ضروری ہیں کہ ایک کو مسند بنایا جاسکے اور دوسرے کو مسند الیہ قرار دیا جاسکے لہٰذا اب کلام بننے کی بس یہی صورت ہے کہ دو کلمے لو اور وہ ایسے

ہوں کہ مسند اور مسند الیہ بن سکیں پھر ان میں اسناد بھی کردی گئی ہو یعنی ایک کو دوسرے کے لئے ثابت کر دیا گیا پھر چاہے یہ ثابت کرنا فعل فاعل کی شکل میں ہو جس سے جملہ فعلیہ بنے گا اور چاہے مبتدا خبر کی شکل میں جس سے جملہ اسمیہ تیار ہوگا۔

سبق ششم

بداں کہ جملہ انشائیہ آں است کہ قائلش را بصدق وکذب صفت نتواں کرد وآں بر چند قسم است امر چوں اِضْرِبْ ونہی چوں لَا تَضْرِبْ واستفہام چوں هَلْ ضَرَبَ زَيْدٌ وتمنّی چوں لَيْتَ زَيْداً حَاضِرٌ وترجّی چوں لَعَلَّ عمرواً غَائِبٌ وعقود چوں بِعْتُ واشْتَرَيْتُ ونداء چوں يَا اللّٰهُ عرض چوں اَلَا تَنْزِلُ بنا فَتُصِيْبَ خَيْراً وقسم چوں وَاللّٰهِ لَاَضْرِبَنَّ زَيْداً وتعجب چوں مَا اَحْسَنَهٗ وَاَحْسِنْ بِهٖ۔

ترجمہ: جان تو کہ جملہ انشائیہ وہ ہے کہ اس کے کہنے والے کی سچ اور جھوٹ کے ساتھ صفت نہ بیان کی جا سکے اور وہ چند (دس) قسم پر ہے (۱) امر جیسے اِضْرِبْ (مار تو) (۲) نہی جیسے لَا تَضْرِبْ (مت مار تو) (۳) استفہام جیسے هَلْ ضَرَبَ زَيْدٌ (کیا زید نے مارا) (۴) تمنی جیسے لَيْتَ زَيْداً حَاضِرٌ (کیا اچھا ہوتا کہ زید موجود ہوتا) (۵) ترجی جیسے لَعَلَّ عمرواً غَائِبٌ (شاید کہ عمرو موجود نہیں ہے) (۶) عقود جیسے بِعْتُ (بیچا میں نے) واشْتَرَيْتُ (خریدا میں نے) (۷) ندا جیسے يا اللّٰه (اے اللہ) (۸) عرض جیسے اَلَا تَنْزِلُ بنا فَتُصِيْبَ خَيْراً (کیوں نہیں آتا تو ہمارے پاس تا کہ پہونچے تو کسی بھلائی کو) (۹) قسم جیسے وَاللّٰهِ لَاَضْرِبَنَّ زَيْداً (خدا کی قسم میں زید کو ضرور بالضرور ماروں گا) (۱۰) تعجب جیسے مَا اَحْسَنَهٗ (کیا ہی خوب ہے وہ چیز جس نے حسین بنا دیا زید کو) وَاَحْسِنْ بِهٖ (اے مخاطب حسین بنا دے تو زید کو)۔

حل مضمون: سبق چہارم میں یہ سمجھایا جا چکا ہے کہ جملہ انشائیہ میں سچ جھوٹ ہونے کا احتمال ہوتا ہی نہیں ہاں البتہ خبریہ میں ہوتا ہے وہاں اس کی وجہ ذکر کی جا چکی ہے دوبارہ دیکھ لیا جاوے یہاں یہ جاننا ہے کہ جملہ انشائیہ دس طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) جس جملہ میں کوئی حکم یا کوئی طلب معلوم جیسے صیغۂ امر میں یہ بھی انشاء کہلاتا ہے۔

(۲) جس جملے میں کسی کام سے منع اور رکنے کا حکم ہو یعنی صیغۂ نہی یہ بھی انشاء ہو جاتا ہے۔

(۳) جس جملہ کے ذریعہ سوال یا پوچھا پایا جاوے جیسے وہ جملہ جس میں ہمزہ یا هل لگا ہوا ہو وہ بھی انشاء ہی ہے۔

(۴) جس جملے میں بطور آرزو اور تمنا کسی چیز کو ظاہر کیا جائے جیسے ليت زيداً حاضرٌ (کیا بڑھیا ہوتا کہ زید موجود ہوتا) پھر جس چیز کی آرزو کی جا رہی ہے دو قسم کی ہے (۱) ہو سکنے والی جیسے زید کا موجود ہونا (۲) نہ ہو سکنے والی جیسے ليت الشباب يعود کیا اچھا ہوتا کہ جوانی واپس آ جاتی تو جوانی کا لوٹنا ہو ہی نہیں سکتا مگر یہ کہ خدا چاہے جیسے حضرت یوسف کی بیوی زلیخا کی لوٹ گئی تھی بہر حال فی الحال کسی چیز کی آرزو کرنا بھی انشاء میں داخل ہے جس کو تمنی کہتے ہیں۔

(۵) **ترجی** یعنی کسی چیز کی امید ظاہر کرنا جیسے لعلّ عمرواً غائبٌ لگتا ہے کہ عمر غائب ہے آرزو ممکن الحصول اور محال

دونوں چیز کی جاسکتی ہے البتہ امید صرف اس چیز کی ہی کی جاوے گی جو ہو سکتی ہو نہ ہو سکنے والی کی امید نہیں ظاہر کی جاتی بہر حال امید ظاہر کرنے کا تعلق فی الحال سے ہے لہٰذا یہ بھی انشاء ہے۔

(۶) **عقود** (معاملے) **عقدٌ** بمعنی معاملہ کی جمع ہے وہ کلمات یا صیغے جو بیچنے یا خریدنے کے وقت بولے جاتے ہیں جیسے **بعتُ** میں نے بیچ دیا اور **اشترَيْتُ** میں نے خرید لیا یہ بھی انشاء ہی ہیں۔

سوال: یہ تو ماضی کے صیغے ہیں جو خبر پر مشتمل ہوتے ہیں لہٰذا انشاء کہاں ہوئے؟

جواب: جب کسی چیز کا پختہ اور یقینی ہونا بتانا ہوتا ہے تو اس کے لئے ماضی کا صیغہ لایا جاتا ہے جیسے قرآن میں **وَنُفِخَ فِي الصُّوْر** کہ صور پھونک دیا گیا حالانکہ یہ تو پھونکا جائے گا قیامت کے وقت تو علماء نے اس میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ گویا یہ کام ہو چکا اور ہو چکنے کے بعد اس کی خبر بھی دی جارہی ہے چونکہ خبر کا دینا جبھی ہوسکتا ہے جب کوئی چیز ہو چکی ہو لہٰذا ماضی کے صیغے بیچتے اور خریدتے وقت اس کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں کہ ہمارا یہ بیع وشراء کا معاملہ بالکل پکا ہے اگر مضارع کا صیغہ لایا جاتا تو اس میں احتمال تھا کہ ابھی معاملہ بالکل پکا نہ ہوا ہو اور خریدنے بیچنے کا ارادہ کیا جارہا ہو بہر حال پختگی کے لئے اور دعاء کے لئے عام طور سے ماضی کے صیغے ہی استعمال ہوتے ہیں جیسے **جزاک اللہ، بارک اللہ، عفی اللہ عنہ، غفر لہ** وغیرہ۔

سوال: جب یہ ماضی کے صیغے ہوئے تو ان میں سچ جھوٹ کا احتمال رہے گا اور انشاء نہیں بنیں گے؟

جواب: **بعتُ واشتریتُ** اور **طلّقتُ** یا **نکحتُ** وغیرہ صیغوں میں اصل ارادہ تو ابھی بیع اور شراء یا طلاق اور نکاح کا ہے لہٰذا یہ معنیً انشاء ہی بنیں گے ماضی کی خبر کا ارادہ متکلم کا نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہوگا تو پھر یہ واقعۃً ہی خبر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے سچ جھوٹ کا احتمال رکھیں گے اور بجائے جملہ انشائیہ کے خبریہ ہی کہلاویں گے۔

(۷) **ندا** جس جملہ کے ذریعہ کسی کو بلایا جاوے یا پکارا جاوے وہ بھی انشاء ہے جیسے **یَا زَیْدُ** (اے زید) چونکہ یہ بلانا ابھی فی الحال مخاطب کے سامنے پایا جارہا ہے لہٰذا خبر پر مشتمل نہ ہونے کی وجہ سے انشاء میں ہی داخل ہے۔

(۸) **عرض** بمعنی پیشکش یعنی کسی سے حلم اور نرمی کے ساتھ کسی چیز کی درخواست یا پیشکش کرنا جیسے اس مثال میں **الا تنزل بنا فتصیب خیراً** تو ہمارے پاس کیوں نہیں آتا جو تو کسی بھلائی کو پہنچ جائے اس میں درخواست چونکہ فی الحال ہے لہٰذا اس کا انشاء ہونا بھی ظاہر ہے۔

(۹) **قسم** قسم کھا کر جب آدمی کسی بات کو کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو میں کہہ رہا ہوں اس کو ضرور کر کے رہوں گا جیسے **واللّٰہ لاضرِبَنَّ زیداً** بخدا میں زید کو ضرور بالضرور ماروں گا اس جملے میں بھی ابھی قسم کھائی جارہی ہے اور جس چیز کے کرنے کو کہہ دیا ہے وہ کہنا بھی فی الحال ہے لہٰذا اس کا انشاء ہونا بھی ظاہر ہے۔

(۱۰) **تعجب** بمعنی حیرانی و پریشانی، ہوتا یہ ہے کہ جب کسی کو کسی چیز کا سبب اور وجہ معلوم نہیں ہوتی تو انسان کو تعجب ہوتا ہی ہے جیسے مثلاً کسی برتن سے یا بوتل سے کوئی چیز ٹپکے اور سوراخ نظر نہ آتا ہو تو تعجب اور حیرانی ہوگی ہی کہ آخر کہاں سے ٹپک رہا ہے تو تعجب ہر اس چیز میں ہوگا جس کا سبب مخفی ہو اگر سبب ظاہر ہو جاوے تو تعجب کی بات ہی نہ رہے گی پھر اہل عرب کے یہاں تعجب

کے اظہار کے لئے بطور نمونہ دو صیغے ہیں جب بھی کسی چیز پر تعجب ظاہر کرنا ہو تو ان دونوں صیغوں کے وزن پر کرلیا جاتا ہے (۱) ما اَحْسَنَ زَیْداً (۲) اَحْسِنْ بِزَیْدٍ مثلاً ہمیں خالد کے علم پر تعجب ظاہر کرنا ہو تو مَا اَحْسَنَ کے وزن پر ما اَعْلَم بولو اور زَیْداً کی جگہ خالداً کہہ دو یعنی ما اَعْلَمَ خالداً کہ خالد کس قدر علم والا ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اَحْسِنْ کے وزن پر اَعْلِمْ لاکر پھر باء کے بعد خالداً رکھ دو مثلاً اَعْلِمْ بِخالِدٍ کہ خالد کتنا بڑا علامہ ہے یا کس قدر علم والا ہے ایسے ہی مَا اَضْحَکَ زَیْداً اور اَضْحِکْ بِزَیْدٍ (کہ زید کس قدر ہنس رہا ہے) یہ دونوں ہی جملوں کا ترجمہ ہے) دیگر صیغے بنائے جاسکتے ہیں مزید تفصیل نحو میر کے فعل تعجب کے سبق کے تحت آئے گی اور وہیں ان کی ترکیب بھی بتائیں گے ان شاء اللہ، بہر حال تعجب والے صیغہ میں بھی فی الحال ہی تعجب کو عدم سے وجود میں لایا جاتا ہے لہٰذا یہ بھی انشائیہ بنے گا بہر حال یہاں مذکور دس جملے سچ جھوٹ کا احتمال نہ رکھنے کی وجہ سے انشاء ہی بنیں گے۔

سبق ہفتم

فصل بدانکہ مرکب غیر مفید آنست کہ چوں قائل بر آں سکوت کند سامع را خبرے یا طلبے حاصل نشود وآں بر سہ قسم است **اول مرکب اضافی** چوں غُلَامُ زَیْدٍ جزو اول را مضاف گویند و جزو دوم را مضاف الیہ و مضاف الیہ ہمیشہ مجرور باشد، **دوم مرکب بنائی** واُو آنست کہ دو اسم را یکے کردہ باشند و اسم دوم متضمن حرفے باشد چوں اَحَدَ عَشَرَ تا تِسْعَةَ عَشَرَ کہ دراصل اَحَدٌ وعَشَرٌ وتِسْعَةٌ وعَشَرٌ بودہ است واو را حذف کردہ ہر دو اسم را یکے کردند و ہر دو جزو مبنی باشد بر فتح اِلَّا اِثْنَا عَشَرَ کہ جزوِ اول معرب است، **سوم مرکب منع صرف** واُو آنست کہ دو اسم را یکے کردہ باشند و اسم دوم متضمن حرفے نباشد چوں بَعْلَبَکّ و حَضْرَمَوْتَ کہ جزو اول مبنی باشد بر مذہب اکثر علماء و جزو دوم معرب بدانکہ مرکب غیر مفید ہمیشہ جزو جملہ باشد چوں غُلَامُ زَیْدٍ قَائِمٌ و عِنْدِیْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَماً وجَاءَ بَعْلَبَکّ۔

ترجمہ: جان تو مرکب غیر مفید وہ ہے کہ جب بولنے والا اس پر خاموشی اختیار کرے تو سننے والے کو کوئی خبر یا چاہت معلوم نہ ہو اور وہ مرکب غیر مفید تین قسم پر ہے **(اول) مرکب اضافی** جیسے غُلَامُ زَیْدٍ پہلے جزء کو مضاف کہتے ہیں اور دوسرے جزء کو مضاف الیہ **(دوم) مرکب بنائی** اور وہ وہ ہے کہ ایسے دو اسموں کو ایک کردیا گیا ہو جن میں سے دوسرا اسم کسی حرف کو شامل ہو جیسے اَحَدَ عَشَرَ سے تِسْعَةَ عَشَرَ تک جو کہ اصل میں اَحَدٌ وعَشَرٌ اور تِسْعَةٌ وعَشَرٌ تھا واؤ کو ختم کرکے دونوں اسم ایک کرلئے گئے اور دونوں جزء فتح پر مبنی ہوتے ہیں علاوہ اِثْنَا عَشَرَ کے کہ پہلا جزء (اس میں) معرب ہے، **(سوم) مرکب**

منع صرف اور وہ وہ ہے کہ دو اسم کو ایک کیا گیا ہو اور دوسرا اسم کسی حرف کو شامل نہ ہو جیسے بَعْلَبَکُّ، حَضَرَ مَوْتُ کہ اول جزء اکثر علماء کے مذہب پر فتحہ پر مبنی ہوگا اور (اس کا) دوسرا جزء معرب ہوتا ہے، جان تو کہ مرکب غیر مفید ہمیشہ جملہ کا جزء ہوتا ہے جیسے غُلَامُ زَیْدٍ قَائِمٌ اور عِنْدِیْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَماً اور جَاءَ بَعْلَبَکُّ۔

حل مضمون: مرکب غیر مفید کی مصنف یہ تعریف کر رہے ہیں کہ متکلم جب بول کر خاموش ہو تو سننے والے کو نہ کوئی خبر حاصل ہوئی ہو اور نہ چاہت معلوم ہوئی ہو کیونکہ جس جملہ سے خبر معلوم ہوتی ہے وہ جملہ خبریہ کہلاتا ہے اور جس سے چاہت معلوم ہوتی ہے اس کو جملہ انشائیہ کہتے ہیں تو مصنف کا مطلب یہ ہے کہ جس مرکب سے کوئی سا بھی جملہ نہیں بنا نہ خبریہ نہ انشائیہ تو اس کو مرکب غیر مفید کہیں گے اب یاد رکھئے کہ جملہ خبریہ کی دو قسمیں ہیں (۱) اسمیہ (۲) فعلیہ اسمیہ جب بنتا ہے جب ایک چیز کو ذہن میں اصل ٹھہرا کر اس کے متعلق کچھ کہا گیا ہو جیسے زَیْدٌ حَافِظٌ زید حافظ ہے اس میں ہم نے زید کو اصل درجہ دیا یعنی مبتدا بنایا اور پھر اس کے متعلق حافظ ہونے کی خبر دی تو حافظٌ خبر بن گیا لہٰذا ہر جملہ اسمیہ میں جب تک یہ مبتدا اور خبر نہ آئیں گے جملہ اسمیہ تیار نہ ہوگا اسی طرح جملہ فعلیہ میں کسی کام کو کسی سے جوڑتے ہیں جس سے جوڑتے ہیں اس کو فاعل کہتے ہیں اور جس کو جوڑتے ہیں فعل کہتے ہیں لہٰذا ہر جملہ فعلیہ بننے کے لئے فعل فاعل دونوں کا ہونا ضروری ہے نیز یاد رکھئے کہ فعلیہ اور اسمیہ دونوں میں ہی مسند الیہ اور مسند پائے جاتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ جملہ اسمیہ میں اول جزء یعنی مبتدا کو مسند الیہ کہیں گے اور جملہ فعلیہ میں اس کا الٹا کہ دوسرے جزء یعنی فاعل کو مسند الیہ کہیں گے نیز جملہ اسمیہ میں دوسرا جزء مسند کہلائے گا اور فعلیہ میں اول جزء کہلائے گا، رہا جملہ انشائیہ وہ درحقیقت ان دو حال سے خالی نہیں کہ علامت انشاء ہٹانے کے بعد فعلیہ بنے گا یا اسمیہ مثلاً هَلْ ضَرَبَ زَیْدٌ میں هل ہٹا کر فعلیہ ہے جو هَلْ لگنے سے انشائیہ بن گیا ہے اسی طرح لَعَلَّ عمراً غائبٌ میں عمروٌ بلا لَعَلَّ کے جملہ اسمیہ ہے جو مبتدا خبر تھے اور لَعَلَّ لگنے سے اس کے اسم و خبر کہلائے، بہر حال کوئی بھی کلام یا گفتگو مفید جب ہوگی جب اس میں یا تو مبتدا خبر اور یا فعل فاعل آجاویں اگر یہ نہ آویں تو اس کو غیر مفید کہیں گے اس تفصیل کے بعد ہم مفید اور غیر مفید کا بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی اس فصل میں ان قسموں کو ذکر کر رہے ہیں جو مرکب ہونے کے باوجود غیر مفید ہیں یاد رکھئے کہ کل مرکب چھ ہیں جو اس شعر میں جمع ہیں ؎

بود ترکیب نزد نحویاں شش ✿ بیادش گیر گر خائف ز فوتے

نحویوں کے نزدیک ترکیب (مرکب) کی چھ قسمیں ہیں، ان کو یاد میں لا اگر تو فوت ہونے سے ڈرتا ہے

چوں اسناد و تعدادی و مزجی ✿ اضافی داں و توصیفی و صوتی

جیسے اسنادی اور تعدادی اور امتزاجی، اضافی جان اور توصیفی اور مرکب صوتی

ان چھ قسموں میں مرکب اسنادی تو مرکب مفید ہی کا نام ہے رہی پانچ قسمیں تو ان میں سے تین: ۱-اضافی، ۲-تعدادی، جس کا دوسرا نام بنائی بھی ہے، ۳-مرکب منع صرف جس کا دوسرا نام مرکب امتزاجی بھی ہے یہاں ذکر کر رہے ہیں اور دو قسمیں مرکب توصیفی اور مرکب صوتی کو مصنف نے تو چھوڑ دیا ہے البتہ ہم انشاء اللہ ذکر کریں گے۔

مرکب اضافی: اس کا اور مرکب توصیفی کا ایک نام مرکب تقییدی بھی ہے کیونکہ تقییدی وہ ہے کہ جس میں دوسرا جزء اول کے لئے قید ہو چنانچہ اضافی اور توصیفی میں ایسا ہی ہے مثلاً غُلَامُ زَیْدٍ میں غلام عام تھا کسی کا بھی ہوسکتا تھا مگر جزء ثانی یعنی زید نے خاص اور مقید کر دیا کہ وہ اس نام والے کا غلام ہے ایسے ہی کِتَابٌ جَیِّدٌ میں جو مرکب توصیفی ہے کتاب عام تھی جید یعنی عمدہ اور غَیْرُ جَیِّدٍ یعنی عمر غیر عمدہ دونوں ہو سکتی تھی مگر جید کہنے سے کتاب خاص ہوگئی کہ وہ کتاب عمدہ ہے نہ کہ غیر عمدہ بہر حال مرکب اضافی ایسے مرکب غیر مفید کو کہتے ہیں جو مضاف اور مضاف الیہ سے مل کر بنے۔ اضافۃ کے معنی جوڑنے کے ہیں مضاف جس کو جوڑا جائے مضاف الیہ جس سے جوڑیں جب دو کلموں میں ایک کو دوسرے سے جوڑا گیا ہو تو ایسے دو کلموں کا نام مرکب اضافی ہے جیسے غلام کو زید سے جوڑا ہے۔ غُلَامُ زَیْدٍ میں اول جزء یعنی غلام پر کیا پڑھیں یہ طے نہیں ہے جیسا اس سے پہلے عامل آ گیا ویسا ہی رفع نصب جر کچھ بھی آسکے گا، ہاں البتہ زید جو مضاف الیہ ہے یہ ہمیشہ مجرور ہووے گا، اور مرکب توصیفی میں دونوں جزء کا اعراب یکساں ہے اگر مرفوع پڑھیں گے تو دونوں کو منصوب پڑھیں یا مجرور تو دونوں کو اور یہ دونوں جزء بھی اپنے سے پہلی عبارت کے تابع ہوں گے جیسا عامل کا تقاضہ ویسا پڑھنا پڑے گا۔

مرکب بنائی: اور مرکب منع صرف اور مرکب صوتی تینوں مرکب غیر تقییدی کی قسمیں ہیں کیونکہ ان میں جزء ثانی جزء اول کی قید نہیں ہوتا ہے بہر حال مرکب بنائی ایسے مرکب غیر مفید کو کہتے ہیں جو دو ایسے کلموں سے مل کر بنے جو گنتی کو بتلاتے ہیں اور ان دو کلموں کے بیچ میں کوئی حرف عطف بھی ہو جیسے اَحَدَ عَشَرَ سے تِسْعَةَ عَشَرَ تک کی گنتی کے کلمات جو ۹ ہیں ان کی اصل احدٌ وعشرٌ، اثنان وعشرٌ، ثلثة وعشرٌ الخ تھی یعنی ایک اور دس، دو اور دس، تین اور دس پھر واؤ بیچ میں سے ہٹا کر دونوں کلموں کو ایک کر دیا اب سیدھا ترجمہ گیارہ، بارہ، تیرہ کیا جانے لگا اور دونوں کے دونوں جزء مبنی علی الفتح پڑھے جائیں گے علاوہ (اثنا عشر مذکر کے لئے اور اثنتا عشر مؤنث کے لئے) کے کہ ان دو کلمات میں جزء ثانی یعنی عشر تو مبنی علی الفتح رہے گا اور جزء اول حالت رفعی میں الف کے ساتھ اور نصبی جری میں یاء کے ساتھ پڑھیں گے یعنی اثنا عشر اور اثنی عشر بولیں گے اور معرب پڑھیں گے۔

سوال: اثنا عشر کا اول جزء معرب کیوں بنا؟

جواب: جب اثنان وعشر سے واؤ بیچ سے ہٹا کر دونوں کا ایک کلمہ بنایا تو جیسے واؤ گرایا تو تخفیف کے لئے نون بھی گرا دیا اور اس نون کے گرنے سے یہ مضاف کے مشابہ ہوگیا یعنی جیسے مضاف تثنیہ کے اندر نون گرتا ہے مثلاً غلاما زید جو اصل غلامانِ لِزَیْدٍ تھا اسی طرح اثنان عشر میں گر گیا لہٰذا جو کام مضاف میں ہوتا ہے یعنی نون گرنا وہ یہاں بھی ہوا اور اضافت معرب کا خاصہ ہے لہٰذا یہ بھی معرب قرار دیا گیا یعنی یہ اثنا مضاف کے مشابہ ہوگیا نون گرنے میں لہٰذا جس طرح مضاف معرب بنتا ہے یہ بھی معرب بنے گا یاد رہے کہ مرکب بنائی صرف گیارہ سے انیس تک کے کلمات ہیں باقی سب معرب ہیں جیسا کہ ہدایۃ النحو اور کافیہ میں گنتی کی بحث میں پڑھ لوگے۔

مرکب منع صرف: ایسا مرکب غیر مفید ہے جو دو کلموں کو جوڑ کر بنایا گیا ہو لیکن یہ دو کلمے ایسے نہیں ہوتے جن کے درمیان

واؤ ہوتی ہے جیسا کہ مرکب بنائی میں تھا پس خالی الگ الگ دو کلمے تھے ملا کر اکٹھا نام رکھ دیا مثلاً بَعْلَ (جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے اَتَدْعُوْنَ بَعْلاً وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ اللّٰہَ رَبَّکُمْ کہ تم بعل بت کی عبادت (پوجا) کرتے ہو اور اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ یعنی اللہ کو جو تمہارا پروردگار ہے چھوڑ رہے ہو) یہ حضرت الیاس علی نبینا علیہ السلام کی قوم کا بت تھا جسے وہ پوجتے تھے اور بَکٌّ ایک بادشاہ کا نام ہے جس نے اپنے اور بت کے نام کو ملا کر بَعْلَبَکَّ اس شہر کا نام رکھ دیا جو اس نے بنایا تھا ایسے ہی حَضَرَ مَوْتَ بھی دو کلموں حَضَرَ اور مَوْتَ سے ملا کر ایک شہر کا نام ہو گیا وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ حضرت صالح علی نبینا وعلیہ السلام کی قوم ثمود پر جب عذاب آیا تو حضرت صالح علی نبینا وعلیہ السلام اپنی باقی ماندہ قوم کو جو چار ہزار تھی لے کر جب ایک وادی میں پہونچے تو وہاں پہنچتے ہی حضرت صالح نبی کی موت ہو گئی جس پر اس وادی میں بسنے والوں نے اس بسنے والے شہر کا نام حضر موت ہی رکھ دیا۔ کذا فی تفسیر الخازن پ ۸ رکوع ۱۶ تحت قولہ تعالیٰ والی ثمود اخاھم صٰلِحاً الخ۔

حَضَرَ مَوْتَ : علم ہونے کے بعد اسم بن گیا اسی لئے بعض نے کہا ہے کہ ضاد کو ساکن پڑھا جائے تا کہ اب نام ہونے کے بعد فعل کے مشابہ نہ لگے۔

مرکب منع صرف: کا اعراب کیا ہوگا اس میں دو قول ہیں: (۱) جو مصنف نے بیان کیا ہے یعنی اول جزء کا مبنی برفتحہ پڑھیں اور جزء ثانی کو معرب غیر منصرف پڑھیں۔

سوال: معرب غیر منصرف پڑھنے کا کیا مطلب؟

جواب: حالت رفعی میں صرف ایک ضمہ پڑھیں گے تنوین دے کر نہیں پڑھیں گے نیز جروالی صورت میں ایک فتحہ پڑھیں گے کسرہ دینا منع ہوگا۔ (۲) مرکب منع صرف کے اول جزء کو دوسرے کی طرف مضاف کر دیں گے اور مضاف معرب ہوتا ہی ہے جیسا عامل آوے گا ویسا ہی مضاف کا اعراب آوے گا اور جزء ثانی بھی معرب پڑھیں گے اور اس جزء ثانی کو معرب کرنے کے بعد چاہے منصرف پڑھو یا غیر منصرف، منصرف پڑھو گے تو تینوں حالتوں میں اعراب الگ آوے گا ورنہ حالت جری حالت نصبی کے تابع ہوگی اور بحالت جر بھی نصب پڑھیں گے نیز تنوین بھی نہیں پڑھ سکیں گے۔ بہر حال اس دوسرے قول کے مطابق جھنجھٹ ہے اسی لئے مصنفؒ نے اس قول کو چھوڑ دیا۔

پانچواں مرکب: مرکب صوتی ہے جو کسی کلمہ اور آواز سے مل کر بنتا ہے جیسے سِیْبَوَیْہ اور نِفْطَوَیْہ اول سِیْبُ جو خوارزن کا ایک شہر ہے اور وَیْہ سے بنا ہے جو محض ایک آواز ہے اسی طرح نِفْط بمعنی پیڑول اور وَیْہ کلمہ صوت سے بنا ہے کلمہ صوت کے آخر میں ہونے کی وجہ سے اس کا نام مرکب صوتی پڑ گیا ان دو کلموں (سیبویہ، نفطویہ) کا اعراب یہ ہے کہ ان کے آخر کو مبنی علی الکسر پڑھیں گے (کذا فی رسالہ عمدۃ المرام فی آخر نحو میر)

بدانکہ مرکب غیر مفید: یہاں سے مصنف یہ تنبیہ کرتے ہیں کہ مرکب غیر مفید چونکہ کم از کم دو کلموں سے بنتا ہے تو اس سے دھوکا نہ کھا جانا کہ اس سے جملہ بن جاتا ہے کیونکہ ہر مرکب غیر مفید جملہ کا جزء ہو سکتا ہے مکمل جملہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جملہ کے لئے مسند اور مسند الیہ دونوں ہونے چاہئے اور مرکب غیر مفید چاہے وہ کوئی سا ہی ہو مسند بنے گا یا صرف مسند الیہ نہ کہ دونوں

جیسا کہ آئندہ مثالوں سے جانا جائے گا۔(۱) غلامُ زیدٍ قائمٌ یہ ایسے مرکب غیر مفید کی مثال ہے جس میں مرکب اضافی مسند الیہ بنا ہوا ہے چنانچہ غلامُ زیدٍ مسند الیہ ہے یعنی مبتدا اور قائمٌ مسند یعنی خبر ہے اور پھر جملہ اسمیہ ہو جائے گا، (۲) عندی اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَماً یہ ایسے مرکب غیر مفید کی مثال ہے جس میں مرکب بنائی جملہ کے جزء کا بھی جزء ہے چنانچہ عندی مرکب اضافی ہو کر خبر مقدم اور اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَماً اس میں احد عشر ممیز ہے اور درہما تمیز ہے پھر ممیز تمیز مل کر مبتدا موخر ہو جائے گا تو دیکھو احد عشر یہ تنہا نہ مسند ہے نہ مسند الیہ بلکہ درهماً اپنی تمیز سے مل کر پھر مسند الیہ یعنی مبتدا بنے گا اور عندی مسند یعنی خبر مقدم ہوگی تو دیکھو احد عشر یہ جملہ کے دو جزء میں سے مسند الیہ کے دو جز ممیز تمیز میں سے ایک جزء ہے، لہٰذا اَحَدَ عَشَرَ جملہ کے جزء کا جزء ہو گیا، (۳) جاء بعلبک یہ مرکب غیر مفید کی تیسری قسم (مرکب منع صرف) کے جملہ کا جزء ہونے کی مثال ہے چنانچہ جاء فعل یعنی مسند ہے اور بعلبک فاعل یعنی مسند الیہ ہے پھر مسند اپنے مسند الیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو جائے گا۔

فائدہ: یہاں بعلبک شہر کا آنا ایسے ہی ہے جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ چلتے چلتے سہارنپور آ گیا پھر آگے چلے دیوبند آ گیا تو آنے کا مطلب ہے پڑ جانا یعنی فلاں شہر پڑ گیا اور آ گیا، ایسے ہی کہتے ہیں کہ دھوپ آ گئی یعنی ظاہر ہو گئی۔

سبق ہشتم

فصل بدانکہ ہیچ جملہ کمتر از دو کلمہ نباشد لفظاً چوں ضَرَبَ زَیْدٌ و زَیْدٌ قَائِمٌ یا تقدیراً چوں اِضْرِبْ کہ اَنْتَ درو مستتر ست وازیں بیشتر باشد و بیشتر را حدے نیست بدانکہ چوں کلمات جملہ بسیار باشد اسم و فعل و حرف را با یک دیگر تمیز باید کردن و نظر نمودن کہ معرب ست یا مبنی و عامل ست یا معمول و باید دانستن کہ تعلق کلمات با یک دیگر چگونہ است تا مسند و مسند الیہ پیدا گردد و معنی جملہ بتحقیق معلوم شود۔

ترجمہ: جان تو کہ کوئی جملہ دو کلموں سے کم میں نہیں بنتا ہے چاہے وہ دو کلمے لفظاً ہوں جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ اور زَیْدٌ قَائِمٌ یا تقدیراً جیسے اِضْرِبْ کہ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ہے اور اس سے زیادہ سے بھی بنتا ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے جان تو کہ جب جملہ کے کلمات زیادہ ہوں اسم اور فعل اور حرف کو آپس میں پہچاننا چاہئے اور دیکھ لینا چاہئے کہ معرب ہے یا مبنی اور عامل ہے یا معمول اور جاننا چاہئے کہ کلمات کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح ہے تا کہ مسند اور مسند الیہ ظاہر ہو جائے اور جملہ کے معنی اچھی طرح معلوم ہو جائے۔

حل مضمون: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جملہ میں یہی نہیں کہ صرف دو کلمہ مسند اور مسند الیہ ہی ہوں گے بلکہ دو کلموں سے زیادہ کلمات بھی جملہ میں ہو سکتے ہیں جملہ میں لفظاً دو کلمہ ہونے کی مثال ضَرَبَ زَیْدٌ اور زَیْدٌ قَائِمٌ ایک جملہ فعلیہ ہے اور دوسرا اسمیہ یہ دونوں مثالیں ایسی ہیں جس میں جملہ کے دونوں کلمہ بولنے میں آ رہے ہیں اس کے برخلاف اِضْرِبْ بولنے میں تو ایک کلمہ ہے لیکن اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے تو تقدیری یعنی ماننے کے اعتبار سے دو ہیں تو دو کلمہ کا ہونا عام ہے چاہے وہ

بولنے اور پڑھنے میں دو ہوں یا بولنے پڑھنے میں تو ایک ہو مگر دوسرا کلمہ بھی ذہن میں اس میں مان رکھا ہو۔

فائدہ: کسی لفظ کو صرف لفظوں میں ختم کرنا نیت میں باقی رکھنے کو تقدیر یا تقدیری کہتے ہیں اور لفظ اور نیت دونوں میں ختم کرنے کو حذف بولتے ہیں یا محذوف۔

وازیں بیشتر باشد: یعنی جملہ دو کلمہ سے زیادہ سے بھی مرکب ہوتا ہے لیکن کتنے زیادہ تک ہو سکتا ہے اس کی کوئی حد مقرر نہیں چنانچہ تین سے مرکب ہونے کی مثال ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْراً چار سے مرکب ہونے کی ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْراً ضَرْباً اور پانچ سے مرکب ہونے کی ضَرَبَ زَیْدًا عمراً ضَرْباً شَدِیْداً اور چھ سے مرکب ہونے کی ضرب زید عمراً ضرباً شدیداً فی دارہ اور سات سے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْراً ضَرْباً شَدِیْداً فِی دَارِہٖ اَمَامَ الْاَمِیْرِ اور آٹھ سے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْراً ضَرْباً شَدِیْداً فِی دَارِہٖ اَمَامَ الْاَمِیْرِ تَادِیْباً اور نو سے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْراً ضَرْباً شَدِیْداً فِی دَارِہٖ اَمَامَ الْاَمِیْرِ تَادِیْباً وَسَوْطاً اور دس سے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْراً ضَرْباً شَدِیْداً فِی دَارِہٖ اَمَامَ الْاَمِیْرِ تَادِیْباً وَسَوْطاً رَاکِباً، پوری مثال کا ترجمہ اس طرح ہے مارا زید نے عمر کو سخت مارنا اس کے گھر میں بادشاہ کے سامنے ادب سکھانے کے لئے کوڑے کے ساتھ سوار ہونے کی حالت میں۔

بدانکہ چوں کلمات جملہ بسیار باشد الخ: ابھی اوپر جو مثال دس کلموں سے جملہ بننے کی آئی ہے اس سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ بعض مرتبہ جملہ میں بہت کلمات ہو جاتے ہیں تو ایسے وقت میں ان کلمات میں یہ جاننا ضروری ہے کہ کون اسم ہے کون فعل اور کون حرف اور دیکھنا پڑے گا کہ کون ان میں معرب ہے اور کون مبنی یعنی کس کلمہ پر اعراب بدل کے لانا ہے اور کس پر نہیں پھر ان میں کون عمل کر رہا ہے اور کس میں کر رہا ہے اور جاننا پڑے گا کہ یہ کلمات آپس میں کیا تعلق رکھتے ہیں چنانچہ یہی جملہ جو دس کلمات پر مشتمل ہے یہ جملہ فعلیہ ہے تو اس میں ضَرَبَ فعل یعنی مسند ہے اور زَیْدٌ فاعل یعنی مسند الیہ ہے اور عمراً مفعول بہ ہے ضَرْباً مفعول مطلق ہے اور شدیداً اسی ضَرْباً کی صفت ہے فِی دَارِہٖ مفعول فیہ ہے امام الامیر یہ بھی مفعول فیہ ہے تادیباً مفعول لہ ہے اور وَسَوْطاً مفعول معہ ہے اور راکباً حال ہے، تو دیکھئے اس جملہ میں صحیح ترجمہ کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری کہ کون کلمہ فاعل ہے تا کہ اس کے ترجمہ میں ''نے'' لگ سکے اور کون مفعول تا کہ اس کے ترجمہ میں ''کو'' لگ سکے پھر کون مفعول مطلق ہے تا کہ اس کا ترجمہ مفعول مطلق والا کیا جا سکے کون مفعول فیہ ہے تا کہ اس کا ترجمہ مفعول فیہ والا کر سکے اور حال کا حال والا، اور مفعول لہ کا مفعول لہ والا مفعول معہ کا مفعول معہ والا بغیر ان گذشتہ باتوں کے جانے کوئی صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا یہ تو جملہ فعلیہ کا حال ہے، اسی طرح جملہ اسمیہ میں کبھی کبھی مسند الیہ اکٹھے کئی کلمات کو بنایا جاتا ہے، اور یہی حال مسند کا بھی ہے کہ بعض دفعہ مسند یعنی خبریں کئی کئی ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر ہم کہیں وسیم، نسیم، خالد، عبدالرحمٰن کھیلتے ہیں، ہنستے ہیں، پڑھتے ہی نہیں، تو اس جملہ میں مسند الیہ یعنی مبتدا چار ناموں کو بنایا گیا ہے اور ان سے جس چیز کو جوڑا گیا یعنی مسند اور خبر تین ہیں تو اس میں جب تک یہ نہ جانے کہ مسند الیہ کہاں تک ہوا اور مسند کہاں تک تب تک نہ کسی اردو جملہ کی صحیح عربی بنائی جا سکتی ہے اور نہ کسی عربی جملہ کی صحیح اردو کی جا سکتی ہے، فتدبر وتفکر۔

سبق نہم

فصل- بدانکہ علامت اسم آنست کہ الف ولام یا حرف جر دراوّلش باشد چوں اَلْحَمْدُ وبِزَیْدٍ یا تنوین درآخرش باشد چوں زَیْدٌ یا مسندالیہ باشد چوں زَیْدٌ قَائِمٌ یا مضاف باشد چوں غُلَامُ زَیْدٍ یا مُصَغّر باشد چوں قُرَیْشٌ یا منسوب باشد چوں بغدادِیٌّ یا مثنیٰ باشد چوں رَجُلَانِ یا مجموع باشد چوں رِجَالٌ یا موصوف باشد چوں جَاءَ رَجُلٌ عَالِمٌ یا تائے متحرک بدو پیوندد چوں ضَارِبَۃٌ. **وعلامت فعل آنست** کہ قد دراولش باشد چوں قَدْ ضَرَبَ یا سین باشد چوں سَیَضْرِبُ یا سوف باشد چوں سَوْفَ یَضْرِبُ یا حرف جزم بود چوں لَمْ یَضْرِبْ یا ضمیر مرفوع متصل بدو پیوندد چوں ضَرَبْتُ َ ِ یا تائے ساکن چوں ضَرَبَتْ یا امر باشد چوں اِضْرِبْ یا نہی باشد چوں لَا تَضْرِبْ.- **وعلامت حرف آنست** کہ ہیچ علامتے از علامات اسم وفعل درو نبود۔

ترجمہ: جان تو کہ اسم کی علامت وہ ہے کہ الف اور لام یا حرف جر اس کے اول میں ہو جیسے اَلْحَمْدُ اور بِزَیْدٍ یا تنوین اس کے آخر میں ہو جیسے زَیْدٌ یا مسندالیہ ہو جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ یا مضاف ہو جیسے غُلَامُ زَیْدٍ یا تصغیر لایا ہوا ہو جیسے قُرَیْشٌ یا منسوب ہو جیسے بغدادِیٌّ یا تثنیہ ہو جیسے رَجُلَانِ یا جمع ہو جیسے رِجَالٌ یا موصوف ہو جیسے جَاءَ رَجُلٌ عَالِمٌ یا تائے متحرک اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو جیسے ضَارِبَۃٌ. اور علامت فعل وہ ہے کہ قد اس کے شروع میں ہو جیسے قَدْ ضَرَبَ یا سین ہو جیسے سَیَضْرِبُ یا سوف ہو جیسے سَوْفَ یَضْرِبُ یا حرف جزم ہو جیسے لَمْ یَضْرِبْ یا ضمیر مرفوع متصل اس سے جڑی ہوئی ہو جیسے ضَرَبْتُ، ضَرَبْتِ، ضَرَبْتُ یا تائے ساکن ہو جیسے ضَرَبَتْ یا امر ہو جیسے اِضْرِبْ یا نہی ہو جیسے لَا تَضْرِبْ. اور حرف کی علامت وہ ہے کہ اسم اور فعل کی علامت میں سے کوئی علامت اس میں نہ ہو۔

حل مضمون: **بدانکہ علامات اسم**: یہاں سے مصنف اسم وفعل حرف کی علامات اس لئے ذکر کررہے ہیں کہ خود ان کی تعریفوں سے انکا پتہ لگانا آسان نہیں ہے خاص طور سے مبتدی اور شروع شروع پڑھنے والے کو بے حد مشکل ہے اس لئے کچھ علامات اور نشانیاں ذکر کئے دیتے ہیں جن سے یہ پہچان ہو سکے کہ ان علامات والا اسم ہے اور ان علامات والا فعل چنانچہ مصنف کے بیان کے مطابق اسم کی گیارہ علامتیں ہیں پھر یہ علامات دو قسم کی ہیں: بعض تو لفظی ہیں اور بعض معنوی۔ لفظی علامت وہ ہے جو بولنے پڑھنے لکھنے میں آوے جیسے اَلْحَمْدُ میں الف لام اور بِزَیْدٍ میں باحرف جر ہے اور معنوی علامت سے مراد یہ ہے کہ وہ بولنے پڑھنے لکھنے میں تو نہ آئے البتہ ذہن ذہن میں عبارت کو دیکھ کر اس کا پتہ چل جاتا ہو جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ میں زید کا مسند الیہ ہونا یا غُلَامُ زَیْدٍ میں غُلام کا مضاف ہونا کہ معنوی علامات ہیں۔

الف لام: یادر ہے کہ الف لام کی دو قسمیں ہیں: (۱) زائدہ جو محض کسی کلمہ پر خوبصورتی کے لئے لایا جاتا ہے اور اس سے تعریف یعنی معرفہ بنانا وغیرہ کا فائدہ نہ لیا جاوے جیسے اَلْفَتحُ اور اَلْکَسْرُ اس طرح کا الف لام اسم کا خاصہ نہیں ہے کہ اسی پہ داخل ہو بلکہ فعل پر بھی آسکتا ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے وَمِنْ جُحْرِہٖ بالشَّیحَۃِ الْیَقْصَعُ ترجمہ اور جنگلی چوہے کے بلوں میں سے ایک بل شیحہ نام کی گھاس ہے جس میں سے وہ مٹی نکال رہا ہے اس میں الیَقْصَعُ فعل ہے جس پر الف لام آرہا ہے اور یَقْصَعُ دراصل یَتَقَصَّعُ ہے، (۲) غیر زائدہ جس کو داخل کرکے تعریف کا فائدہ حاصل کیا جائے یہ الف لام دو طرح کا ہے (۱) اسمی جو الذی کے معنی میں ہوتا ہے اور یہی وہ الف لام ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر آیا کرتا ہے اور ہمیشہ الـــذی کے معنی میں ہوتا ہے، (۲) حرفی جو چار قسم پر ہے: (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد ذہنی (۴) عہد خارجی۔

(۱) **الف لام جنســی** وہ ہے کہ جس کلمہ پہ وہ داخل ہو اس سے ماہیت مراد ہو افراد مراد نہیں جیسے الــرَّجُلُ خَیْرٌ مِنَ الْـمَرْءَۃِ یعنی مردوں کی کوالٹی عورتوں کی کوالٹی سے بہتر ہے، مطلب یہ ہے کہ عام طور سے مردوں کی ماہیت اور مشینری عورتوں کے مقابلہ میں بڑھیا ہی ہے اور جو قوت، حوصلہ اور سمجھ مردوں میں پایا جاتا ہے اس کے مقابلہ میں عورتوں میں نہیں ہے، اسی لئے اہم ذمہ داریاں مثلاً جمعہ، عیدین پڑھنا یا قاضی اور جج بننا، بادشاہ بننا عورتوں سے متعلق نہیں کیا تو یہ حکم ماہیت پر ہے افراد پر نہیں چونکہ اگر افراد پر حکم ہو تو مطلب یہ بنتا ہے کہ ہر ہر مرد ہر ہر عورت سے بہتر ہے حالانکہ یہ غلط ہے کتنی عورتیں مردوں سے بڑھ جاتی ہیں چنانچہ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے خطبات میں ذکر کیا ہے کہ ہندوستان میں حمیدہ نام کی ایک پہلوان عورت تھی جس کے مقابلے سے تمام پہلوان عاجز تھے تو ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی فرد عورت کا مرد سے بڑھ جائے لیکن جہاں تک ماہیت اور مشینری کوالٹی اور برادری کی بات ہے مردانہ قوتیں مردوں کی قوتیں اور صلاحیتیں زنانہ برادری سے بہتر ہوتی ہیں بہرحال حکم ماہیت رجولیت پر ہے اگر افراد پر حکم ہوتا تو مطلب یہ ہوتا کہ ہر ہر مرد ہر ہر عورت سے بہتر ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۲) **الف لام استغراقی** وہ ہے جہاں الف لام داخل ہوئے کلمہ سے فقط ماہیت مراد نہ لی جائے بلکہ اس حیثیت سے مراد لی جائے کہ وہ اپنے سب افراد میں پائی جارہی ہو، جیسے اِنَّ الانسان لفی خُسْر اِلَّا الَّذِیْنَ الخ یہاں انَّ الانسان سے ہر وہ فرد مراد ہے جس کے اندر انسانی ماہیت اور حقیقت ہو اگر بالفرض پتھر میں بھی یہ ماہیت ہوئی تو وہ بھی انسان کلی کا فرد کہلائے گا بخلاف الف لام جنسی کے کہ اس میں حکم ماہیت پر ہوتا ہے افراد بالکل ذہن میں نہیں ہوتے بہرحال الف لام استغراقی میں ماہیت کے سب افراد میں پائے جانے کے اعتبار سے حکم ہوتا ہے خالی ماہیت پر نہیں ہوتا اس لئے الانســان سے آیت کے اندر سب ہی انسان مراد ہیں کیونکہ اگر سب مراد نہ ہو تو آگے الا الـذین آمنوا الخ کے ذریعہ جو اہل ایمان کو خسارہ سے نکالا ہے وہ نکالنا صحیح نہ بیٹھتا کیونکہ خروج کے لئے دخول شرط ہے اور دخول کے لئے استغراقی مراد لینا شرط ہے تاکہ بالیقین اس میں داخل ہونا معلوم ہو جائے۔

(۳) **الف لام عہد خارجی** وہ ہے کہ جس پر یہ الف لام داخل ہو اس سے مراد ایسی ماہیت ہو جو ایسے معین فرد میں پائی جارہی ہے کہ وہ فرد متکلم اور مخاطب دونوں کو معلوم ہو جیسے فعصیٰ فرعون الرسول میں الرسول پر الف لام عہد خارجی

ہے اس طرح کہ فرعون نے جس فرد میں وصف رسالت پائے جانے پر نافرمانی کی وہ فرد متکلم یعنی اللہ تعالی اور مخاطب یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو معلوم ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تو آیت میں فعصیٰ فرعونُ موسیٰ کے بجائے فرعون الرسول کہا کیونکہ اس میں بھی کوئی اشتباہ نہ تھا خصوصاً اس لئے بھی کہ فرعون جو نافرمانی کرسکتا ہے وہ ایسے رسول ہی کرسکتا ہے جو اس کے زمانہ میں تھے اور اس کے زمانہ میں ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی تھے اور یا ایسے ہی ہے جیسا کہ دو بچے آپس میں کہیں آؤ بھائی (درخت) کے نیچے کھیلیں گے تو کہنے والا اور سننے والا دونوں جان رہے ہیں کہ وہ درخت کونسا ہے جس کے نیچے کھیلا کرتے ہیں۔

(۴) **الف لام عہد ذہنی** وہ ہے کہ جس کے مدخول سے ایسی ماہیت مراد ہو جو کسی فرد غیر معین میں پائی جاوے جیسے اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ حضرت یعقوب علیٰ نبینا علیہ السلام نے اپنے بیٹے یوسف کے کھا جانے کا اندیشہ جس بھیڑیے پر ظاہر کر رہے ہیں وہ کوئی متعین بھیڑیا نہ تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ بھیڑیے کی ماہیت والا کوئی جانور کہیں اس کو کھا نہ جائے۔

سوال: اسی خاص بھیڑیے والی ماہیت کے جانور سے ہی کیونکر حضرت یعقوبؑ نے اندیشہ ظاہر کیا؟

جواب: اس علاقہ میں بھیڑیے زیادہ ہوں گے، جیسا کہ جہاں سانپ زیادہ ہوں ہم کہہ دیتے ہیں وہاں نہ جایئے سانپ کھا لے گا تو سانپ متعین نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہاں نہ جاؤ کہیں سانپ جیسی چیز یعنی خود سانپ ہی تجھ کو نہ کھالے، جبکہ وہاں سانپ زیادہ نکلتے رہتے ہوں۔

یا مضاف باشد: بعض نحویوں نے مضاف الیہ کو بھی اسم ہی کا خاصہ مانا ہے تو ان کے نزدیک مضاف اور مضاف الیہ دونوں ہی اسم کی علامت ہیں مگر یَوْمَ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ کو لے کر اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں یوم کا مضاف الیہ یَنْفَعُ فعل بن رہا ہے؟

جواب: یہاں ینفع فعل نفع مصدر کے معنی میں ہے اور مصدر اسم ہوتا ہے اور بعض نحوی یوں کہتے ہیں اس آیت کو دیکھ کر کہ مضاف الیہ اسم کا خاصہ نہیں بلکہ فعل اور جملہ فعلیہ دونوں مضاف الیہ ہوسکتے ہیں۔

فائدہ: یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ میں اختیار ہے چاہے یوم کا مضاف الیہ صرف ینفع فعل کو کہو یا پورے جملہ کو۔

یا مُصَغَّرْ باشد مصغر بمعنی تصغیر لایا ہوا یعنی کسی اسم کو ایسے وزن پر کردینا کہ اس سے کسی شے کی حقارت یا چھوٹا پن ظاہر ہوتا ہو رُجَیْلٌ (چھوٹا آدمی) رَجُلٌ کی تصغیر ہے اور جعفر بمعنی نہر کی تصغیر جُعَیْفِرٌ ہے (چھوٹی نہر) اور قُرَیْطِیْسٌ قِرْطَاسٌ کی تصغیر ہے بمعنی کاغذ ان مثالوں میں ہی تصغیر کے اوزان آگئے یعنی فُعَیْلٌ فُعَیْعِلٌ فُعَیْعِیْلٌ تین حرفی کلمہ کی تصغیر کے لئے فُعَیْلٌ کا وزن ہے اور چار حرفی اور پانچ حرفی کلموں کی تصغیر کے لئے فُعَیْعِلٌ آتا ہے جیسے جَعْفَرٌ سے جُعَیْفِرٌ اور سَفَرْجَلٌ سے سُفَیْرِجٌ یاد رہے کہ خماسی میں بوقت تصغیر پانچواں حرف گر جاتا ہے اور فُعَیْعِیْلٌ ایسے کلمہ کی تصغیر ہے جس کا چوتھا حرف مدہ یا لین ہو جیسے مفتاح سے مُفَیْتِیْحٌ۔

فائدہ: اگر مؤنث سماعی ہو اور تین حرفی ہو تو اس کی تصغیر میں تا بھی بڑھا دیتے ہیں جیسے شمسٌ سے شُمَیْسَةٌ اور زیادہ تر یہ بھی

ہوتا ہے کہ کلمہ کے زائد حرف کو حذف کر کے تصغیر لا دیتے ہیں اور اس کو تصغیر ترخیم کہتے ہیں جیسے اَزْهَرُ سے زُهَيْرٌ اور حَارِثٌ سے حُرَيْثٌ، قُرَيْشٌ عرب کے سب سے بڑے قبیلہ کا نام ہے یہ قَرْشٌ کی تصغیر ہے اور قَرْشٌ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھاتی ہے اور اس کو کوئی مچھلی نہیں کھاتی، اور وہ تمام مچھلیوں پر غالب ہے جیسے یہ مچھلی غالب ہے اسی طرح قبیلۂ قریش بھی عرب کے تمام قبیلوں سے بڑا ہے، اور سب سے زیادہ قوت والا، اور سب پر غالب تھا اور تصغیر اسم کے ساتھ اس لئے خاص ہے کہ معنی فعل وحرف تصغیر کے لائق نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ مار چھوٹی بڑی نہیں ہوتی اور نہ میں اور سے سے جو اندریت اور ابتداء سمجھ میں آتی ہے اس میں بھی تصغیر کے معنی نہیں آتے اور نہ چلتے۔

یا منسوب باشد: منسوب نسبت سے بمعنی جوڑا ہوا جب کسی کو کسی سے جوڑنا ہو تو جس سے جوڑنا ہے اس کے آخر میں یاء مشدد لگا دیا کرتے ہیں مثلاً کسی شخص کو بغداد سے جوڑنا تو بغدادی کہیں گے یا دیوبند سے جوڑنا ہے تو دیوبندی بولیں گے، نسبت کے قواعد مصباح اللغات کے اول میں بالتفصیل ہیں۔

فائدہ: بغداد اصل میں باغ داد تھا دادفارسی کا لفظ ہے بمعنی انصاف اور باغ داد کا مطلب ہوا انصاف کا باغ چونکہ نوشیرواں بادشاہ بغداد شہر کے آباد ہونے سے پہلے ایک باغ میں مظلوموں کا انصاف کیا کرتا تھا ایک زمانہ کے بعد جب یہاں آبادی ہوئی تو اس کا بغداد ہی نام پڑگیا اور الف بوجہ کثرت استعمال حذف ہوگیا۔

سوال: عربی شہر کا عجمی نام یعنی فارسی میں کیسے پڑ گیا؟

جواب: نوشیرواں بادشاہ چونکہ ایران کا تھا جہاں فارسی زبان بولتے ہیں ممکن ہے اسی لئے یہ فارسی نام چل پڑا ہو۔ اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں فارسی بھی رہ چکی ہے۔

یا مجموع باشد:

سوال: تثنیہ، جمع اسم ہی کا خاصہ کہاں ہے فعل بھی تثنیہ، جمع ہوتا ہے؟

جواب: فعل تو ہمیشہ واحد ہی ہوتا ہے چنانچہ ضَرَبَ یا مار تو ایک ہی ہوتی ہے البتہ ایسے کرنے والے کبھی دو کبھی زیادہ کبھی مرد کبھی عورت کبھی مخاطب کبھی متکلم ہوجاتا ہے تو فعل تثنیہ، جمع میں جو الف واؤ آتا ہے وہ فاعل کے تثنیہ، جمع بتلانے کے لئے ہے نہ کہ فعل کے۔ پس الف ضَرَبَا میں تثنیہ کی ظاہری ضمیر ہے جو اس کا فاعل ہے اور فاعل اسم ہوتا ہے اسی طرح واؤ ضَرَبُوْا میں جمع کی ضمیر بارز ہے جس کو فاعل کہا جائے گا، فاعل کے تثنیہ جمع ہونے کی وجہ سے فعل کو بھی تثنیہ، جمع کہہ دیا گیا۔

یا تاء متحرک بدو پیوندد: سوال: ضَرَبْتَ میں تاء متحرک ہے حالانکہ فعل ہے؟

جواب: ایسی تاء متحرکہ مراد ہے جو حالت وقف میں ہا ہوجاتی ہے جیسے ضَارِبَةٌ میں ہے اور ضَرَبْتَ کی تاء ایسی نہیں ہے۔

حرف جزم: حروف جزم پانچ ہیں لَمْ، لَمَّا، لام امر، لاء نہی، اِن شرطیہ جس کلمہ پر یہ ہوں گے وہ بھی فعل ہوگا۔

یا ضمیر مرفوع متصل: ضمیر مرفوع متصل یعنی جو بارز ہو یہ بھی فعل کی علامت اور خاصہ ہے بخلاف ضمیر منصوب متصل کے کہ وہ غیر فعل کے ساتھ بھی آجاتی ہے جیسے اِنَّــــــا، رہی ضمیر مجرور متصل وہ اسم اور حرف دونوں کے ساتھ لگتی ہے جیسے غُلامی اور لی یا علیہ یا فیہ۔

سبق دہم

فصل: بدانکہ جملہ کلماتِ عرب بردوقسم است معرب ومبنی **معرب** آنست کہ آخرش باختلاف عوامل مختلف شود چوں زَیْدٌ درجاءَ نی زَیْدٌ ورَأَیْتُ زَیْداً ومَرَرْتُ بِزَیْدٍ جَآءَ عامل است **وزید** معرب است **وضمہ** اعراب **ودال** محل اعراب **ومبنی** آنست کہ آخرش باختلاف عوامل مختلف نشود چوں هٰؤُلَآءِ کہ درحالتِ رفع ونصب وجر یکساں ست۔

ترجمہ: جان تو کہ عرب کے سب کلمات دوقسم پر ہیں معرب اور مبنی **معرب** وہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے مختلف ہوجاتا ہو جیسے زَیْدٌ ہے جاءَ نی زَیْدٌ ورَأَیْتُ زَیْداً ومَرَرْتُ بزَیْدٍ میں جَآءَ عامل ہے زید معرب ہے ضمہ اعراب ہے دوال اعراب کی جگہ ہے اور **مبنی** وہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدے سے مختلف نہ ہوتا ہو جیسے هٰؤُلَآءِ کہ رفع نصب اور جر کی حالت میں ایک ہی طرح ہے۔

حل مضمون: **معرب آنست** یعنی معرب وہ کلمہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے پر بدل جائے یعنی کبھی کسی عامل کے آنے سے اس کے آخر میں رفع ہوجائے اور کبھی کسی عامل کے آنے سے اس کے آخر میں نصب آجائے اور کبھی کسی عامل کے آنے سے اس کے آخر میں جرآجائے جیسا کہ جاءَ نی زَیْدٌ ورَأَیْتُ زَیْداً ومَرَرْتُ بِزَیْدٍ میں لفظ ''زید'' معرب ہے پہلے جملہ میں اس پر جَاءَ کا فاعل ہونے کی وجہ سے ضمہ آگیا، اور دوسرے جملہ میں مفعول ہونے کی وجہ سے فتحہ آگیا اور تیسرے جملہ میں ''با'' کی وجہ سے اس پر کسرہ ہے تو لفظ زید معرب کہلائے گا، اور دال پہ جو پیش ہے اس کو اعراب کہیں گے اور خود دال محل اعراب کہلائے گا۔

فائدہ: ''عامل'' کہتے ہیں جس کی وجہ سے کلمہ کا آخر بدلتا رہے جیسا کہ گذشتہ مثال میں جَاءَ اور رَأَیْتُ اور باء حرف جر ہیں۔ ''اعراب'' وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سے معرب کے اخیر کا بدلتا جاتا جائے جیسے گذشتہ مثال میں زید پہ پہلے دوپیش آئے پھر دوزبر اور پھر دوزیر آئے اور اس کا اعراب بالحرکت ہے اس کے برخلاف کبھی اعراب واؤ، الف، یا بھی بنتے ہیں جیسے جَاءَ اَبُوْکَ رَأَیْتُ اَبَاکَ مَرَرْتُ بِاَبِیْکَ میں لفظ اَبٌ کے ساتھ پہلے واؤ آیا پھر الف اور پھر یاء آئی واؤ نے ابوک کا فاعل ہونا ظاہر کیا الف نے مفعول ہونا ظاہر کیا، اور ب نے مجرور ہونا ظاہر کیا اور اس کا نام اعراب بالحرف ہے، اعراب کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں چونکہ اعراب چاہے وہ بالحرف ہو یا بالحرکت کے ذریعہ پتا چل جاتا ہے کہ کون فاعل ہے کون مفعول ہے اور کون مضاف الیہ اس لئے اعراب کو اعراب کہا جاتا ہے۔

فائدہ ۲: مصنف نے یہاں معرب کی تعریف جو کی ہے وہ بجائے تعریف کے اس کا حکم ہے کیونکہ عوامل کے بدلنے سے اس کے

اخیر کا بدلنا یہ حقیقتاً کلمہ کے معرب ہونے کا اثر اور نتیجہ ہے اگر کوئی کلمہ معرب نہ ہو بلکہ مبنی ہو تو اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے نہیں بدلے گا اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مبنی کی جو یہاں پر تعریف کی ہے وہ حقیقتاً تعریف نہیں بلکہ اس کا حکم ہے۔

سوال: مصنف نے معرب مبنی کی تعریف کو چھوڑ کر حکم کو کیوں ذکر کیا؟

جواب: مبتدیوں کی سہولت کی خاطر ایسا کیا ہے کیونکہ معرب اور مبنی کو ان کی حقیقی تعریف سے سمجھنا اور پہچاننا دشوار تھا اور حکم کے ذریعہ پہچاننا آسان کیونکہ معرب کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ وہ کلمہ جو اپنے عامل کے ساتھ جڑ گیا ہو اور مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو اسی سے مبنی کی تعریف بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ مبنی وہ کلمہ ہے جو اپنے عامل کے ساتھ نہ جڑا ہو چنانچہ نام گنانے کے وقت جو نام ہم ذکر کریں گے مثلاً عَمْرٌ، زَيْدٌ، بَكْرٌ، خَالِدٌ ان کا آخر مبنی علی السکون ہوگا اور کلام میں جب یہ اپنے عامل کے ساتھ جڑ جائیں گے تب ان پر اعراب جاری ہوگا مثلاً جَاءَ کے ساتھ جوڑنے سے زَيْدٌ بولیں گے اور رَأَيْتُ کے ساتھ جوڑنے سے زَيْداً کہیں گے اور جب تک کسی کلمہ کو کلام میں لاکر فاعل مفعول مضاف الیہ نہیں بناؤ گے اس پر ضمہ فتحہ کسرہ کچھ بھی نہیں آئے گا صرف مبنی علی السکون پڑھے جائیں گے اور یہی حال عربی گنتی کا ہے کہ شمار کرتے وقت وَاحِدْ، اِثْنَان، ثَلَاثَہ، اَرْبَعَہْ، خَمْسَہ مبنی علی السکون کرکے چھوڑ دیں گے کیونکہ بغیر ترکیب میں آئے ہوئے نہ یہ مبتدا ہیں نہ خبر نہ فاعل نہ مفعول لہٰذا ان پہ اعراب آنے کا کوئی مطلب نہیں۔ دوسرا جز مبنی کی تعریف میں یہ ہے کہ وہ مبنی اصل کے مشابہ ہو اب دیکھئے مبنی اصل کے مشابہ ہونے کو سمجھنا کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ پہلے تو یہ جاننا پڑے گا کہ مبنی اصل کیا کیا چیزیں ہیں اور ان کے مشابہ ہونا کس چیز میں ہے یہ ایک تفصیل طلب بات تھی جیسا کہ اگلے سبق میں ہم ذکر کریں گے اس لئے مصنف نے معرب مبنی کی اصل تعریف کو چھوڑ کر سیدھا سادھا جو حکم تھا اس کو بیان کردیا کہ بھائی جس کلمہ پر فاعل مفعول اور مضاف الیہ ہونے کی حالت میں الگ الگ اعراب آئے اس کو معرب سمجھو اور جہاں ایسا نہ ہو اس کو مبنی سمجھو چنانچہ جَاءَ نِیْ اور رَأَيْتُ اور باحرف جر کے بعد جب زید کو رکھا تو اس کا اخیر بدل گیا اور دٌ دً دٍ تین طرح پڑھا گیا مگر انہی تین عاملوں کے بعد اگر هٰؤُلَاءِ کو رکھے تو اس کے اخیر میں جو ہمزہ ہے ہر حال میں اس پر زیر ہی پڑھا جا رہا ہے جس سے ہم جان گئے کہ هٰـــؤُلَاءِ جب عامل کے اختلاف سے اس کا اخیر نہیں بدلا تو یہ مبنی ہے اور زید کا اخیر بدل گیا تو وہ معرب ہے مبنیٌ یہ بناءٌ سے بنا ہے جس کے معنی ہے اٹل رہنا اور نہ بدلنا چونکہ مبنی کلمہ ایک ہی اعراب پر اٹل رہتا ہے اس لئے اس کو مبنی کہتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

مبنی آں باشد کہ ماند بر قرار
معرب آں باشد کہ گردد بار بار

سبق یازدہم

فصل: بدانکہ جملہ حروف مبنی است واز افعال فعل ماضی وامر حاضر معروف وفعل مضارع بانونہائے جمع مؤنث وبانونہائے تاکید نیز مبنی است بدانکہ اسم غیر متمکن مبنی است واما اسم متمکن معرب است بشرطِ آنکہ درترکیب واقع شود وفعل مضارع معرب است بشرط آنکہ ازنونہائے جمع مؤنث ونون تاکید خالی باشد پس درکلام عرب بیش ازایں دوقسم معرب نیست باقی ہمہ مبنی است واسم غیر متمکن اسمے است کہ با مبنی اصل مشابہت دارد ومبنی اصل سہ چیز است فعل ماضی امر حاضر معروف وجملہ حروف واسم متمکن اسمے است کہ بامبنی اصل مشابہ نباشد۔

ترجمہ: جان تو کہ تمام حروف مبنی ہیں اور افعال میں سے فعل ماضی اور امر حاضر معروف اور فعل مضارع جمع مؤنث کے نون کے ساتھ اور تاکید کے نون کے ساتھ بھی مبنی ہے جان تو کہ اسم غیر متمکن مبنی ہے اور بہر حال اسم متمکن معرب ہے اس شرط کے ساتھ کہ ترکیب میں واقع ہو اور فعل مضارع معرب ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ جمع مؤنث کے نون سے اور نون تاکید سے خالی ہو پس کلام عرب میں ان دوقسموں سے زیادہ معرب نہیں ہے باقی سب مبنی ہیں اور اسم غیر متمکن ایسا اسم ہے جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہت رکھے اور مبنی اصل تین چیز ہیں فعل ماضی اور امر حاضر معروف اور تمام حروف اور اسم متمکن ایسا اسم ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو۔

حل مضمون: حروف سے مراد عام ہے چاہے وہ مبانی ہوں یا معانی۔

سوال: مبانی اور معانی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مبانی تو کہتے ہیں ان حروف کو جن کے معنی تو کچھ نہیں ہوتے البتہ ان سے ملا کر گفتگو اور کلام تیار ہوتا ہو جیسے الف ب ت ث حروف تہجی کہ ان انتیس حرفوں سے ہی عربی گفتگو بنتی ہے کوئی بھی بول یا گفتگو جب بنے گا تو ان ۲۹ میں سے ہی حرف آویں گے۔ اور معانی نام ہے ان حروف کا جو معنی بھی رکھتے ہوں جیسے کہ حروف جار اور حروف استفہام هَلْ، مَنْ یا لَمْ اور لَنْ حروف ناصبہ اور جازمہ کیونکہ هَلْ اور لَمْ کلام میں آنے کے بعد بھی اپنی حالت پر رہے گا کوئی تبدیلی قبول نہیں کرے گا اسی طرح معانی سے عام مراد ہے خواہ وہ عاملہ ہوں یا غیر عاملہ گویا سب طرح کے حروف مبنی ہیں پھر چونکہ حروف فعل اور اسم میں تعلق پیدا کرنے کے لئے ہوتے ہیں جیسے سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اِلَی الْکُوْفَہ چلا میں بصرہ سے کوفہ تک اس مثال میں مِنْ اور اِلٰی فعل یعنی سیر کا تعلق ظاہر کرنے کے لئے ہیں کہ وہ بصرہ سے شروع ہو کر کوفہ پر ختم ہوگئی حروف اس لئے نہیں ہوتے کہ وہ فاعل مفعول یا مضاف الیہ بنیں اور اعراب کو وہ چیز قبول کرتی ہے جو ان تین میں سے کوئی ایک بن سکے اور یہی حال افعال کا ہے کہ وہ بھی فاعل

مفعول اور مضاف الیہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے جو اعراب قبول کرنے کے لئے ضروری ہے اسی لئے افعال بھی مبنی ہیں اس لئے کبھی نہیں پاؤ گے کہ فعل نے فاعل ہونے کی وجہ سے رفع قبول کرلیا ہو یا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب لے لیا ہو یا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اس پر جرآ گیا ہو یہ سب تو اسم ہی کے اوصاف ہیں اور اسم ہی کا خاصہ ہے کہ اس نے فاعل بن کر رفع لے لیا یا مفعول بن کر نصب اور مضاف الیہ بن کر جر۔

بانونہائے جمع مؤنث: افعال میں سے فعل ماضی تو اپنے تمام صیغوں کے ساتھ مبنی ہے اور فعل مضارع میں تفصیل ہے اگر فعل مضارع ایسا ہو جس کے اخیر میں نون تاکید ثقیلہ اور خفیفہ نہ ہو تو اس کے چودہ صیغوں میں سے صرف دو صیغیں (۱) یَفْعَلْنَ جمع مؤنث غائب (۲) تَفْعَلْنَ جمع مؤنث حاضر مبنی ہوں گے چنانچہ یہ دونوں صیغیں لَمْ اور لَنْ لگنے پر بھی ایک ہی حالت پر رہیں گے بخلاف باقی بارہ صیغوں کے کہ ان میں لَم لگنے سے کہیں تو نصب اور جزم آئے گا اور کہیں ان کے اخیر کا نون گر جائے گا۔

سوال: فعل مضارع میں دو صیغیں یَفْعَلْنَ تَفْعَلْنَ ہی کیوں مبنی ہیں؟

جواب: ان دونوں صیغوں کا نون ماضی کے نون جمع مؤنث کے مشابہ ہونے کی وجہ سے (کہ دونوں ہی جمع مؤنث کے لئے ہیں) اپنے ماقبل سکون چاہتا ہے اس لئے یہ صیغیں اعراب کو قبول نہیں کریں گے ہر جگہ جمع مؤنث کے نون کا ماقبل ساکن ہی ہونا ضروری ہے لہٰذا معرب ہونے کا کوئی مطلب نہیں اور اگر مضارع وہ ہو جس کے اخیر میں نون تاکید لگا ہوا ہو چاہے وہ ثقیلہ ہو یا خفیفہ نیز مضارع معروف ہو یا مجہول ایسے ہی چاہے امر کے صیغیں ہوں یا نہی سب صیغیں مبنی ہوں گے یعنی لفظوں میں کوئی تغیر نہیں ہوگا اور مبنی قرار دیئے جائیں گے۔

سوال: فعل کے اخیر میں نون تاکید آگیا اس کے مبنی ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: جس فعل کے آخر میں نون تاکید ہے اس پر اعراب کی دو ہی صورتیں ہیں (۱) نون تاکید سے پہلے اعراب لائے تو اعراب کا بیچ کلمہ میں آنا لازم آئے گا کیونکہ نون تاکید اپنے ماقبل کے ساتھ گہرے جوڑ کی وجہ سے اسی کا حصہ بن گیا اور اگر خود نون تاکید پر اعراب لائے تو اعراب کا اس کلمہ پر آنا لازم آئے گا جو حقیقتاً دوسرا کلمہ ہے نیز یہ نون مبنی ہے اس لئے اعراب کو قبول نہیں کرے گا۔

اسم متمکن: متمکن بمعنی جگہ پکڑنے والا یعنی قوی اور طاقت ور اسم متمکن معرب ہی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اعراب قبول کرنے کی قوت اور طاقت رکھتا ہے بخلاف اسم غیر متمکن کے کہ وہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتا اسی لئے اسم غیر متمکن مبنی کو کہتے ہیں۔

در ترکیب واقع شود: ماقبل میں بتایا جاچکا ہے کہ جن کلمات کو کلام میں لاکر باقاعدہ فاعل مفعول مضاف الیہ نہ بنایا گیا ہو اور ان کے ساتھ عامل نہ جوڑا گیا ہو تب تک وہ کلمات مبنی علی السکون ہی پڑھے جاتے ہیں جیسے زید، عمر، بکر، خالد کہ یہ جب تک فاعل مفعول وغیرہ نہ بنائے جائیں نہ یہ مرفوع ہوں گے نہ منصوب نہ مجرور ہاں اگر جَآءَ زَیْدٌ کہو گے تو اب زَیْدٌ معرب کہلائے گا کیونکہ اسے کلام میں لاکر فاعل بنا دیا گیا اور اس کے ساتھ جَآءَ عامل جوڑ دیا ایسے ہی رَأَیْتُ زَیْداً میں رَأَیْتُ فعل با

فاعل اور زَیْــداً مفعول بہ ہے جو معرب ہے اور نصب کو قبول کر رہا ہے تو ترکیب میں آنے کے بعد اسماء متمکنہ (اعراب قبول کرنے والے اسماء) معرب ہو جاتے ہیں اور اس سے پہلے مبنی علی السکون رہتے ہیں ایسے ہی غُلَامُ زَیْــدٍ میں زید تو معرب ہے کیونکہ ترکیب میں آ کر غلام کا مضاف الیہ بن گیا اور مجرور ہو گا اور غلام مضاف اس کا عامل کہلائے گا لیکن خود لفظِ غلام زید کے ساتھ جوڑنے کی وجہ سے ترکیب اور کلام میں تو آ گیا مگر اس کا عامل خود کا کوئی نہیں ہے لہٰذا یہ لفظ غلام بھی مبنی بنے گا اور معرب نہیں کہلائے گا، تو اعراب قبول کرنے والیں اسماء (اسماء متمکنہ) ان کو معرب قرار دینے کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) اس کلمہ کو کلام اور ترکیب میں لانا (۲) اس کے ساتھ اس کے عامل کا پایا جانا کسی ایک شرط کے ختم ہونے پر اسماء متمکنہ مبنی ہی کہلاتے رہیں گے ان کو معرب نہیں کہا جا سکتا۔

فــائــده: اس میں اختلاف ہے کہ ترکیب واقع ہونے سے پہلے اسماء متمکنہ کو معرب کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ علامہ زمخشری کے نزدیک کہہ سکتے ہیں کیونکہ آئندہ چل کر یعنی کلام میں عامل کے ساتھ لا کر ان پر اعراب لایا جائے گا اس لئے ان کو معرب کہنا صحیح ہے جیسا کہ حاجی کو حج میں جانے سے پہلے ہی حاجی کہنے لگتے ہیں حالانکہ وہ حج کرنے کے بعد حاجی بنے گا اسی طرح کہتے ہیں آٹا پسوالو تو ابھی سے گندم کو آٹا اس لئے کہہ دیا کہ آئندہ پس کر اس کا آٹا ہی بن جائے گا اور علامہ ابن حاجب کافیہ کے مصنف کے نزدیک جب تک کلمہ ترکیب میں نہ آ جائے اور اس کے ساتھ اس کا عامل نہ پایا جائے تب تک اس کو معرب نہیں کہا جائے گا کیونکہ اعراب قبول کرنے کی صلاحیت جبھی پیدا ہو گی جب اس کو کلام میں لا کر اس کا عامل اس کے ساتھ ذکر کر دیا جائے اور اس کی جگہ متعین ہو جائے تا کہ پھر اس پر اسی جیسا اعراب لایا جاوے رفع یا نصب یا جر، تو علامہ ابن حاجب کے نزدیک کلمہ کا اس حال میں ہونا ضروری ہے کہ اگر اس پر فی الحال ہی اعراب رکھیں تو رکھا جا سکے اور کیا اعراب رکھا جائے گا اس کا بھی پتا چل سکے، اور یہ جبھی ہو سکتا ہے جبکہ کلمہ کلام میں جڑ جائے اس کے ساتھ اس کا عامل آ جائے اور عامل کے آنے سے یہ بھی طے ہو جائے کہ کیا اعراب دیں گے رہا خود اعراب تو وہ آنا باقی ہے تو ان دونوں قولوں میں ابن حاجب کا قول حقیقت پر مبنی ہے، اور علامہ زمخشری کا قول مجاز کہلائے گا اور دونوں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں صرف حقیقت اور مجاز کا فرق ہے بالکل ایسے ہی جیسے کسی بچہ کو ابھی سے اس لئے حافظ کہنے لگے کہ وہ آئندہ حافظ بن جائے گا اور دوسرا کہے کہ یہ حافظ کے لقب کا مستحق جب ہو گا جب حفظ مکمل کرے گا تو جو حافظ حافظ ہونے کے بعد کہتا ہے تو وہ حقیقت پر ہے اور جو اس بنا پر حافظ کہتا ہے کہ آئندہ بن جائے گا اس نے مجاز کو اپنایا اور عرف میں دونوں کا ہی رواج ہے۔

اسم غیر متمکن اسمیت: اسم غیر متمکن کے لفظی معنی ہے اعراب نہ قبول کرنے والا اسم اور یہ وہ اسماء ہوتے ہیں جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں پھر مبنی اصل اس کو کہتے ہیں جو اپنی اصل بناوٹ اور وضع میں یعنی اپنے بننے کے زمانہ سے ہی مبنی ہو کسی کے ساتھ مشابہت رکھنے کی وجہ سے مبنی نہ ہوں اور یہ اس طرح کی تین چیزیں ہیں: (۱) فعل ماضی (۲) امر حاضر معروف (۳) حروف، چاہے وہ حروف مبانی ہوں یا حروف معانی، پھر معانی میں چاہے عاملہ ہوں یا غیر عاملہ، پھر اسم غیر متمکن کی

مبنی اصل کے ساتھ مشابہت کئی طرح کی ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱)　اسم متمکن مبنی اصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے اَیْنَ تَجْلِس میں اَیْنَ ہمزہ استفہام کی جگہ پر ہے۔ یعنی اَیْنَ میں ہمزہ کی طرح استفہام کے معنی پائے جاتے ہیں۔

(۲)　اسم متمکن مبنی اصل کے مشابہ ہو جیسے مبہمات یعنی اسماء اشارہ وموصولہ کہ اشارہ حسیہ یا صفت یا صلہ کے محتاج ہوتے ہیں مثل حروف کے ان کے متعلقات میں۔

(۳)　اسم متمکن مبنی اصل کے موقع میں واقع ہو جیسے نَزَالِ اِنْزِلْ امر کے موقع میں واقع ہوتا ہے۔ یعنی اس کے معنی دیتا ہے۔

(۴)　اسم متمکن ہم شکل اس اسم کے ہو جو مبنی اصل کی جگہ میں واقع ہوتا ہے جیسے فَجَارِ (زنا کار) کہ نَزَالِ کے ہم شکل اور ہم وزن ہے اور نزال جگہ میں اِنْزِلْ امر مبنی اصل کے ہے۔

(۵)　اسم متمکن اس اسم کی جگہ میں واقع ہو جو مبنی اصل کے مشابہ ہے جیسے منادیٰ مضموم یَا زَیْدُ میں کہ وہ ک خطاب اسمیہ کی جگہ میں واقع ہے کیونکہ یَازَیْدُ اَدْعُوْکَ کے معنی میں ہے اور کاف خطاب اسمیہ مشابہ ہے کاف حرفیہ کے۔

(۶)　اسم متمکن مضاف مبنی اصل کی طرف بلا واسطہ ہو جیسے یوم کی ینفع الصادقین کی طرف یا بواسطہ جملہ کی طرف مضاف ہو اور جملہ بقول صاحب مفصل مبنی ہوتا ہے یعنی جملہ باواسطہ مضاف الیہ بنے جیسے مِنْ عَذَابِ یَوْمَئِذٍ میں یوم بواسطہ اذ مضاف ہے کہ اصل اذ کان کذا ہے بروایت قراءت نافع یوم منصوب ہے ورنہ بروایت حفصؒ معرب مجرور ہوگا کیونکہ عذاب کا مضاف الیہ ہے۔

(۷)　معنی اسمی معنی حرفی کو متضمن ہو جیسے اَحَدَ عَشَرَ تا تِسْعَةَ عَشَرَ مرکب بنائی ہے کہ اَحَدَ عَشَرَ معنی میں اَحَدٌ وعَشَرَ کے ہے اسی لئے گیارہ کا ترجمہ ہوگا جو اَحَدٌ وعَشْرٌ کا ہوتا ہے۔

(۸)　اصل وضع کے لحاظ سے تین حرف سے کم ہو جیسے مَنْ، مَا، اِذْ، تو جن جن کلمات میں ان آٹھ مذکورہ بالا مشابہتوں میں سے کوئی مشابہت ہوگی وہ سب کلمات مبنی ہو جائیں گے مبنی ہی کہلاویں گے اور مبنی ہی پڑھیں جاویں گے۔

فائدہ: مناسبت کی چار قسمیں ہیں: (۱) مجانست (۲) مماثلت (۳) مشاکلت (۴) مشابہت۔

مجانست: دو چیزوں کے جنس میں شریک ہونے کو کہتے ہیں جیسے انسان اور بیل دونوں کی جنس ایک ہے یعنی حیوان ہونا۔

مماثلت: دو چیزوں کے نوع میں شریک ہونے کو کہتے ہیں جیسے زید عمرو بکر سب کی نوع انسان ہے۔

مشاکلت: دو چیزوں کا شکل وصورت میں ایک ہونا جیسے گھوڑا اور تصویر اس کی۔

مشابہت: دو چیزوں کے وصف لازم میں شریک ہونے کو کہتے ہیں جیسے شیر اور بہادر آدمی دونوں بہادری میں شریک ہیں پھر مناسبت مطلقاً کسی بھی چیز میں شریک ہونے کو کہتے ہیں خواہ وصف لازم ہو یا اس کے علاوہ یہی وجہ ہے کہ مناسبت عام ہے مشابہت سے اور مشابہت خاص ہے۔

سوال: مبنی الاصل کے مشابہ کلمات کون کون سے ہیں اور ان کو مبنی الاصل سے کیا مشابہت ہے بتائیے؟
جواب: ہم بتا چکے ہیں کہ مبنی اصل کے مشابہ کلمات کو اسم غیر متمکن بھی کہتے ہیں اب اسم غیر متمکن ہیں کتنے اس کے لئے اگلے سبق میں تفصیل آرہی ہے کہ جو اسماء غیر متمکن ہیں یعنی مبنی الاصل کے مشابہ ہیں وہ آٹھ قسم پر ہیں:
(۱) ضمیریں (۲) اسماء اشارات (۳) اسماء موصولات (۴) اسماء افعال (۵) اسماء اصوات (۶) اسماء ظروف (۷) اسماء کنایات (۸) مرکب بنائی، ہم اگلے سبق میں ان شاء اللہ یہ بتاتے چلیں گے کہ ان آٹھ قسموں میں ہر قسم کس مبنی الاصل کے مشابہ ہے اور کس چیز میں ہے۔

سبق دوازدہم

فصل: بدانکہ اسم غیر متمکن ہشت قسم است: **اول مضمرات** چوں اَنَا من مرد و زن و ضَرَبْتُ زدم من و اِیَّایَ خاص مرا و ضَـرَبَنِیْ بزد مرا و لِیْ مرا ایں ہفتاد ضمیر است **چہاردہ مرفوع متصل**: ضَـرَبْـتُ، ضَـرَبْـنَا، ضَرَبْتَ، ضَرَبْتُمَا، ضَرَبْتُمْ، ضَرَبْتِ، ضَرَبْتُمَا، ضَرَبْتُنَّ، ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوْا، ضَرَبَتْ، ضَرَبَتَا، ضَرَبْنَ۔ **وچہاردہ مرفوع منفصل**: اَنَا، نَـحْنُ، اَنْـتَ، اَنْتُـمَـا، اَنْـتُمْ، اَنْـتِ، اَنْتُـمَـا، اَنْتُـنَّ، هُوَ، هُمَا، هُمْ، هِیَ، هُمَا، هُنَّ. **وچہاردہ منصوب متصل**: ضَـرَبَـنِیْ، ضَـرَبَـنَا، ضَرَبَکَ، ضَرَبَکُمَا، ضَرَبَکُمْ، ضَرَبَکِ، ضَـرَبَـکُـمَـا، ضَـرَبَـکُنَّ، ضَـرَبَـهٗ، ضَـرَبَهُـمَا، ضَرَبَهُمْ، ضَرَبَهَا، ضَرَبَهُمَا، ضَرَبَهُنَّ۔ **وچہاردہ منصوب منفصل**: اِیَّایَ، اِیَّانَا، اِیَّاکَ، اِیَّاکُمَا، اِیَّاکُمْ، اِیَّاکِ، اِیَّاکُمَا، اِیَّـاکُنَّ، اِیَّاهُ، اِیَّاهُمَا، اِیَّاهُمْ، اِیَّاهَا، اِیَّاهُمَا، اِیَّاهُنَّ۔ **وچہاردہ مجرور متصل**: لِیْ، لَنَا، لَکَ، لَکُمَا، لَکُمْ، لَکِ، لَکُمَا، لَکُنَّ، لَهٗ، لَهُمَا، لَهُمْ، لَهَا، لَهُمَا، لَهُنَّ۔

ترجمہ: جان تو کہ اسم غیر متمکن کی آٹھ قسم ہیں اول قسم ضمیریں جیسے اَنَا میں مرد و عورت اور ضَـرَبْتُ میں نے مارا اور اِیَّایَ خاص مجھ کو ضَـرَبَنِیْ مارا اس نے مجھ کو اور لِیْ میرے لئے۔ اور یہ ستر ضمیریں ہیں (۱) **چودہ مرفوع متصل** جیسے: مارا میں نے، مارا ہم نے، مارا تو نے، مارا تم دو نے، مارا تم سب نے، مارا تو ایک عورت نے، مارا تم دو عورتوں نے، مارا تم سب عورتوں نے، مارا اس ایک مرد نے، مارا ان دو مردوں نے، مارا ان سب مردوں نے، مارا اس ایک عورت نے، مارا ان دو عورتوں نے، مارا ان سب عورتوں نے، (۲) **چودہ مرفوع منفصل** جیسے: میں، ہم، تو ایک مرد، تم دو مرد، تم سب مرد، تو ایک

عورت، تم دو عورتیں، تم سب عورتیں، وہ ایک مرد، وہ دو مرد، وہ سب مرد، وہ ایک عورت، وہ دو عورتیں، وہ سب عورتیں، (۳) **چودہ منصوب متصل** جیسے: مارا اس ایک مرد نے مجھ کو، مارا اس ایک مرد نے ہم کو، مارا اس ایک مرد نے تجھ ایک مرد کو، مارا اس ایک مرد نے تم دو مردوں کو، مارا اس ایک مرد نے تم سب مردوں کو، مارا اس ایک مرد نے تجھ ایک عورت کو، مارا اس ایک مرد نے تم دو عورتوں کو، مارا اس ایک مرد نے تم سب عورتوں کو، مارا اس ایک مرد نے اس ایک مرد کو، مارا اس ایک مرد نے ان دو مردوں کو، مارا اس ایک مرد نے ان سب مردوں کو، مارا اس ایک مرد نے اس ایک عورت کو، مارا اس ایک مرد نے ان دو عورتوں کو، مارا اس ایک مرد نے ان سب عورتوں کو، (۴) **چودہ منصوب منفصل** جیسے: مجھ کو، ہم کو، تجھ ایک مرد کو، تم دو مردوں کو، تم سب مردوں کو، تجھ ایک عورت کو، تم دو عورتوں کو، تم سب عورتوں کو، اس ایک مرد کو، ان دو مردوں کو، ان سب مردوں کو، اس ایک عورت کو، ان دو عورتوں کو، ان سب عورتوں کو، (۵) **چودہ مجرور متصل** جیسے: میرے لئے، ہمارے لئے، تجھ ایک مرد کے لئے، تم دو مردوں کے لئے، تم سب مردوں کے لئے، تجھ ایک عورت کے لئے، تم دو عورتوں کے لئے، تم سب عورتوں کے لئے، اس ایک مرد کے لئے، ان دو مردوں کے لئے، ان سب مردوں کے لئے، اس ایک عورت کے لئے، ان دو عورتوں کے لئے، ان سب عورتوں کے لئے۔

حل مضمون: مُضْمَرَاتٌ اول میم کے ضمہ کے ساتھ اور دوسرے کے فتحہ کے ساتھ مُضْمَرٌ بمعنی پوشیدہ کی جمع ہے ضمیر وہ لفظ کہلاتا ہے جو اصل نام کے بدلہ میں بول کر کسی کی ذات مراد لی جائے، جیسے ہم زید یا خالد کے بجائے اس کو ''اس'' یا ''وہ'' یا ''تو'' یا ''تم'' یا خالد اپنے کو ''میں'' یا ''مجھ'' کہے اسی لئے ضمیر کی تین قسمیں ہیں، غائب، حاضر، متکلم اگر کسی ضمیر سے غائب کی ذات مراد لی گئی تو اس کو غائب کی ضمیر کہیں گے اور اگر حاضر شخص مرد و عورت کی ذات مراد لی گئی تو اسے حاضر کی ضمیر کہیں گے اور خود اپنی یا اپنوں کی ذات مراد لی گئی تو اسے متکلم کی ضمیر کہیں گے، اور ضمیریں صیغوں کی طرح چودہ ہی ہیں ویسے قاعدہ اور عقل کے لحاظ سے صیغے بھی اٹھارہ ہونے چاہئے تھے اور ضمیریں بھی اٹھارہ اس طرح کہ جب متکلم بات کرتا ہے یا تو وہ تنہا کرے گا گفتگو یا اور کو بھی ساتھ لگا کر گفتگو کرے گا اور اگر وہ تنہا کے بجائے اور کو بھی شامل کرے گا تو اس کو متکلم مع الغیر کہتے ہیں تو اب متکلم اور گفتگو کرنے والا یا تو مرد ہوگا یا عورت اگر مرد ہے تو اس کی تین شکل ایک مرد ہو وہ گفتگو کرنے والا جیسے کہے میں نے کھانا کھالیا، (۲) دو ہوں اس طرح کے اور ایک کو شامل کر کے کہے مثلاً ہم دونوں نے نماز پڑھ لی (۳) دو سے زیادہ ہوں وہ گفتگو کرنے والے مثلاً اوروں کو ملا کر کہے ہم سب مردوں نے روزہ رکھا اسی طرح عورت ایک تنہا بولے یا اپنے ساتھ ایک اور کو ملا کر کہے ہم دونوں بہنیں ہیں یا دو سے زیادہ کو ملا کر کہے ہم سب عورتوں نے نماز پڑھ لی، تو متکلم مرد ہو تو اس کے لئے بھی واحد، تثنیہ، جمع تین صیغے درکار ہیں اور عورت ہو تو اس کے لئے بھی واحد، تثنیہ، جمع تین صیغے چاہئیں لیکن متکلم کے لئے بھی صیغے صرف دو ہیں اور ضمیریں بھی دو ہی ہیں انہی دو سے چھ صیغوں اور چھ ضمیروں کا کام لیا جاتا ہے چنانچہ واحد متکلم مذکر ہو یا مؤنث دونوں کا ایک ہی صیغہ ہے اور ضمیر بھی دونوں کے لئے ایک ہی ہے یعنی اَنَا۔

سوال: پہچان کیسے ہوگی کہ اَنَا سے مراد عورت ہے یا مرد؟
جواب: متکلم تو سامنے ہی ہوگا اس لئے پتہ چل جائے گا کہ کون ہے؟ بولنے والا مذکر ہے یا مؤنث اسی طرح متکلم مع الغیر کے صیغے چار ہونے چاہئے تھے۔(۱) تثنیہ مذکر متکلم (۲) جمع مذکر متکلم (۳) تثنیہ مؤنث متکلم (۴) جمع مؤنث متکلم یعنی مرد صرف ایک اور کو ملا کر بولتے تو اس کے لئے ایک صیغہ اور دو سے زیادہ کو ملا کر بولتے تو اس کے لئے ایک صیغہ اسی طرح عورت اپنے ساتھ ایک اور عورت کو ملا کر کہے تو اس کے لئے ایک صیغہ چاہئے دو سے زیادہ عورتوں کی طرف سے کہے تو اس کے لئے الگ صیغہ چاہئے مگر ان چاروں کے لئے ایک صیغہ بنا دیا اور ایک ہی ضمیر یعنی نَحْنُ کیونکہ جس طرح ہم اردو میں دو عورتیں یا دو مرد یا دو سے زیادہ عورتیں اور مرد بولیں تو تنہا کافی ہو جاتا ہے اس میں کسی قسم کی گڑبڑ نہیں ہوتی کیونکہ پتا چل جاتا ہے کہ کتنوں کی طرف سے کہہ رہا ہے اور جن کی طرف سے کہہ رہا ہے وہ صرف مرد ہیں یا صرف عورتیں یا دونوں ہی ہیں۔
یہ تو تفصیل متکلم کے چھ صیغوں اور ضمیروں کی ہے اسی طرح حال مخاطب کے صیغوں کا ہے اور ضمیروں کا بھی کہ جب کسی سامنے موجود کے بارے میں ہم کچھ کہنا چاہیں گے مثلاً تو نے کھالیا یا تو نے نماز پڑھ لی تو یہ سامنے موجود بھی چھ طرح کے ہیں ایک مرد ہو (۲) دو مرد ہوں (۳) دو سے زیادہ تین یا اس سے زیادہ مرد ہوں (۴) ایک عورت ہو (۵) دو عورتیں ہوں (۶) دو سے زیادہ یعنی تین یا اس سے اوپر عورتیں ہوں تو ان کے لئے عربی زبان میں ہر ایک کے لئے الگ الگ چھ صیغے اور چھ ضمیریں ہیں اسی طرح غائب کے بارے میں جب کوئی خبر دیں گے تو اس کے لئے بھی چھ صیغے ہیں یا تو وہ مرد ہوگا یا عورت جس کے بارے میں ہم خبر دینا چاہتے ہیں پھر مرد ہونے کی شکل میں ایک ہو یا دو ہوں یا دو سے زیادہ ایک کے لئے ایک صیغہ دو کے لئے دوسرا صیغہ اور تین یا تین سے زیادہ کے لئے تیسرا صیغہ چاہئے ایسے ہی عورت ایک ہوگی یا دو یا دو سے زائد ایک عورت ہونے کی شکل میں ایک چوتھا صیغہ دو ہونے کی صورت میں دوسرا پانچواں اور دو سے زائد ہونے کی شکل میں تیسرا چھٹا صیغہ ہوگا۔ بہر حال جب صیغے چھ غائب کے چھ حاضر کے اور دو متکلم کے کل چودہ ہو گئے تو ضمیریں بھی ان کے لئے چودہ ہی طے ہوئیں۔
سوال: فَعَلْتُمَا جو تثنیہ حاضر کا صیغہ ہے یہ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے ہی بولا جاتا ہے تو گڑبڑی رہے گی؟
جواب: حاضر کے لئے جب اس صیغہ کو بولا جائے گا تو وہ سامنے ہی ہوں گے لہٰذا متکلم اور سامع کو پتہ چل جائے گا کہ جنہیں کہا جا رہا ہے وہ مرد ہیں یا عورتیں، لہٰذا کوئی التباس نہ ہوگا۔
مرفوع متصل: دیکھئے ضَرَبْتُ کی گردان میں ایک تو فعل ہے یعنی ضَرَبَ اور باقی تُ اور نَا، تَ، تُمَا یہ سب ضمیریں ہیں اور فاعل ہیں چونکہ یہ فعل کے ساتھ مل کر آ رہی ہیں اس لئے ان کو متصل کہہ دیا اور مرفوع اس لئے کہ فاعل بن رہی ہے اور فاعل مرفوع ہوا کرتا ہے اس لئے ان ضمیروں کو مرفوع متصل کہہ دیا، پھر اس ضمیر کی دو قسمیں ہیں: (۱) بارز یعنی ظاہر اور لفظوں میں موجود جیسے ضَرَبْتُ میں تُ ہے (۲) مستتر یعنی چھپی ہوئی جیسے ضَرَبَ میں هُوَ موجود ہے اور ضَرَبَتْ میں هِيَ موجود ہے۔
ماضی کے صیغوں میں صرف ان دو صیغوں میں ضمیر مستتر ہے باقی سب صیغوں میں بارز ضمیر ہے اور مضارع کے صرف ان پانچ

صیغوں میں مستتر ہوتی ہے جن میں نون تثنیہ اور جمع کا نہیں آتا یعنی (۱) یَضْرِبُ واحد مذکر غائب اس میں ھو مستتر ہے (۲) تَضْرِبُ واحد مؤنث غائب جس میں ھِیَ موجود ہے یعنی چھپی ہوئی ہے (۳) تَضْرِبُ واحد مذکر حاضر جس میں اَنْتَ ہے (۴) اَضْرِبُ واحد متکلم جس میں اَنَا ہے اور (۵) نَضْرِبُ جس میں نَحْنُ ہے۔

فائدہ ۱: ضَرَبَ اور ضَرَبَتْ میں اگر فاعل اسم ظاہر آجائے پھر ان میں ضمیر پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں ہوتی البتہ اگر اسم ظاہر ضَرَبَ اور ضَرَبَتْ سے پہلے لایا گیا اب لازماً ان کے اندر ضمیر مانی جائے گی جیسے زَیْدٌ ضَرَبَ کیونکہ زید اب مبتدا ہوگا اور ضَرَبَ فعل ضمیر اس میں ھو فاعل پھر زَیْدٌ کی خبر بن جائے گا۔ اسی طرح زَیْنَبُ ضَرَبَتْ میں زَیْنَبُ مبتدا اور ضَرَبَتْ فعل ضمیر اس کے اندر ھِیَ فاعل فعل فاعل سے مل کر زَیْنَبُ کی خبر بن جائے گی۔

فائدہ ۲: ضَرَبُوْا ماضی کے جمع مذکر غائب میں واو ضمیر کے بعد الف لکھنا چاہئے تاکہ اس واو جمع کا عطف والے واو سے امتیاز رہے۔

فائدہ ۳: ضَرَبَتَا میں "ت" تو علامت مؤنث ہے اور فاعل ہے اور الف تثنیہ ہونے کو بتلانے کے لئے ہے۔

مرفوع منفصل: اَنَا، نَحْنُ، اَنْتَ، اَنْتُمَا ان ضمیروں کو مرفوع منفصل کہتے ہیں، مرفوع تو اس لئے کہ یہ مبتدا یا خبر یا فاعل ہوتی ہیں اور یہ تینوں مرفوع ہوتے ہیں اور منفصل بمعنی جدا، الگ کیونکہ کسی فعل کے ساتھ مل کر آنے کے بجائے تنہا مستقل طور سے استعمال ہوتی ہیں۔

منصوب متصل: ضَرَبَنِیْ ضَرَبَنَا میں ضَرَبَ کو چھوڑ کر جو "ی" "نا" "ک" "کما" باقی بچے ہیں یہ منصوب متصل کی ضمیریں کہلاتی ہیں کیونکہ یہ سب ضمیریں مفعول کی ہیں اور فاعل ضَرَبَ واحد غائب میں ھو بن جائے گا، ہاں ضَرَبَنِیْ میں ب، ی کے درمیان جو نون ہے اس کو نون وقایہ کہتے ہیں کیونکہ وقایہ بمعنی حفاظت کے ہیں چونکہ یہ نون اگر نہ ہوتا تو ضَرَبَ ماضی کا صیغہ ہے جو مبنی علی الفتحہ ہوتی ہے اِدھری اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے اس کا تقاضہ تھا کہ "ب" پر زیر آتا اس لئے نون بیچ میں لے آئے تاکہ "ی" سے پہلے زیر بھی آجائے اور ماضی کا مبنی علی الفتحہ ہونا بھی باقی رہے ضَرَبَنِیْ کا ترجمہ ہوگا مارا اس نے مجھ کو تمام ضمیروں میں کو لگے گا جیسے ہم کو، تم کو، ان کو اگر حروف مشبہ بالفعل اِنَّ اَنَّ کے بعد یہ ضمیریں آویں تب بھی منصوب کہلاوے گی کیونکہ حروف مشبہ بالفعل کا اسم منصوب ہوا کرتا ہے۔

منصوب منفصل: اِیَّایَ، اِیَّانَا کی ضمیروں کو منصوب منفصل کی ضمیریں کہتے ہیں منصوب تو اس لئے کہ یہ سب ضمیریں مفعول بہ ہوتی ہیں اور منفصل بمعنی جدا کیونکہ فعل سے الگ کر کے استعمال کی جاتی ہیں جیسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم۔

مجرور متصل: ی، نا، ک اور کما الخ ان ضمیروں پر اگر حرف جر یا مضاف داخل ہو تو یہ مجرور کہلائے گی کیونکہ یہ یا تو مجرور بنیں گی یا مضاف الیہ اور مضاف الیہ بھی مجرور ہی ہوتا ہے اور متصل اس لئے کہا کہ وہ ضمیر حرف جر یا مضاف الیہ سے ملی ہوئی

ہوگی الگ نہیں ہوگی۔

سوال: عقل کا تقاضہ تھا کہ مرفوع منصوب کی جس طرح دو قسمیں بنی ہیں متصل منفصل مجرور کی اس طرح کیوں نہیں؟

جواب: اگر حرف جر سے یا مضاف سے الگ کر کے ضمیروں کو لاؤ گے تو پھر وہ مجرور ہی نہ رہے گی اور اگر ملا کر لاؤ گے تو پھر مجرور تو ہو جائے گی مگر بجائے انفصال کے اتصال ہو جائے گا اور منفصل کے بجائے پھر وہی متصل ہوں گی اس لئے مجرور میں ایک ہی قسم رہے گی، حرف جر سے مجرور ہونے کی مثال لِیْ لَنَا ہے اور مضاف سے مجرور ہونے کی مثال ہے غُلَامِیْ، غُلَامُنَا۔

فائدہ: ضمیر مرفوع متصل حقیقت میں کوئی علیحدہ ضمیریں نہیں ہیں بلکہ مرفوع منفصل والی ضمیروں میں سے ایک ایک یا دو دو حرف لے کر فعل کے آخر میں لگا دیئے ہیں جیسے ضَرَبْتَ میں اَنْتَ سے ت لے لیا اور ضَرَبْتُمَا میں اَنْتُمَا سے تُمَا لے لیا۔

سوال: ضَرَبْتُ میں آپ نے اَنَا سے کچھ بھی نہیں لیا بلکہ تُ مضموم لے رکھی ہے؟

جواب: اَنَا سے کوئی حرف اس لئے نہیں لیا کہ اگر الف لیتے تو ضَرَبَا تثنیہ مذکر سے التباس ہو جاتا اور اگر نون لیتے تو ضَرَبْنَ جمع مؤنث غائب سے التباس ہو جاتا اس لئے ت لگا دی اور پھر اس کو ضمہ دے دیا تا کہ ضَرَبْتَ اور ضَرَبْتِ سے التباس نہ ہو ایسے ہی ضَرَبْنَا جمع متکلم میں نَحْنُ کا نون تو لگا ہی ہے ساتھ میں الف بھی بڑھا دیا تا کہ ضَرَبْنَ جمع مؤنث غائب سے فرق رہے اور ضَرَبُوْا میں هُمُوْ کا واؤ لگا دیا کیونکہ هُمْ کو کبھی هُمُوْ واؤ کے ساتھ بھی بولتے ہیں اسی طرح ضمیر منصوب متصل کوئی علیحدہ ضمیر نہیں بلکہ اِیَّاکَ الخ کی منفصل ضمیروں سے لے کر ایک ایک یا دو دو حرف فعل کے آخر میں لگا دیئے جیسے ضَرَبَکَ میں اِیَّاکَ کا کاف لگا دیا اسی طرح ضمیر مجرور متصل کوئی علیحدہ ضمیر نہیں بلکہ منصوب منفصل سے ایک ایک یا دو دو حرف لے کر حرف جر یا مضاف کے اخیر میں لگا دیئے جیسے: لَکَ، لَکُمَا، غُلَامُکَ، غُلَامُکُمَا۔

سوال: آپ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اسم غیر متمکن کی آٹھ قسموں میں سے ہر قسم مبنی اصل کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت رکھتی ہے جس کی وجہ سے وہ مبنی ہو جاتی ہے تو بتلایئے کہ ضمیروں کو مبنی اصل سے کیا مشابہت ہے؟ تا کہ ان کا مبنی ہونا مانا جائے۔

جواب: تمام ضمیریں حروف کے مشابہ ہیں محتاج ہونے میں جیسا کہ بغیر اور کسی کلمہ کو ملائے ان کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اسی طرح ضمیروں کا حال ہے چنانچہ غائب کی ضمیر جب لائی جائے گی جب کہ اس سے پہلے اس شخص یا اس چیز کا ذکر آ جائے جس کی طرف وہ ضمیر لوٹ رہی ہے جیسے میں نے پانی پیا اور وہ گرم تھا تو وہ سے مراد وہ چیز ہوگی جس کا پہلے جملہ میں ذکر آ چکا ہے یعنی پانی اسی طرح امر حاضر یا متکلم کی ضمیر ہے تو اس کی محتاج ہے کہ ان کے لانے سے پہلے اس متکلم یا حاضر شخص کا معلوم ہونا ضروری ہے جس کو حاضر، متکلم کی ضمیر سے مراد لیا گیا ہے چنانچہ "تو" اور "میں" کہنے سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ "تو" اور "میں" سے کون مراد ہے؟

سبق سیزدہم

دوم اسماء اشارات ذَا، و ذَان، و ذَیْنِ، و تا، و تِیْ، و تِہٗ، و ذِہٗ، و ذِھِیْ، و تِھِیْ، و تَانِ، و تَیْنِ، و اُوْلَآءِ بہ مَدّ، و اُوْلٰی بہ قَصر۔ **سوم اسماء موصولہ** اَلَّذِیْ، اللَّذان، و اللَّذَیْنِ، و الَّذِیْنَ، الَّتِیْ، اللَّتَان، و اللَّتَیْنِ، و اللَّائِیْ و اللَّوَاتِیْ و مَا و مَنْ و اَیٌّ و اَیَّۃٌ و الف لام بمعنی الَّذِیْ دراسم فاعل واسم مفعول چوں الضَّارِبُ و المَضْرُوْبُ و ذُوْ بمعنی الَّذِی درلغت بنی طے نحو جَآءَ نِیْ ذُوْ ضَرَبَکَ بدانکہ اَیٌّ و اَیَّۃٌ معرب است۔

ترجمہ: دوسرے اسماء اشارات ذَا، ذَان، ذَیْنِ، تا، تِیْ، تِہٗ، ذِہٗ، ذِہٖ، تِھِیْ، تَانِ، تَیْنِ، اُوْلَآءِ کھینچنے کے ساتھ اور اُوْلٰی کھینچے بغیر۔

تیسرے اسماء موصولہ: اَلَّذِیْ، اللَّذانِ، اَلَّذَیْنِ، و الَّذِیْنَ، و الَّتِیْ، اللَّتَانِ، اللَّتَیْنِ، اللَّائِیْ اور اللَّوَاتِیْ اور مَا اور مَنْ اور اَیٌّ اور اَیَّۃٌ اور الف لام الَّذِیْ کے معنی میں قبیلہ بنو طے کی زبان میں جیسے جَآءَ نِیْ ذُوْ ضَرَبَکَ جان تو کہ اَیٌّ اور اَیَّۃٌ معرب ہے۔

حل مضمون: اسماء جمع اسم کی ہے اور اشارات اشارہ کی جمع ہے یعنی وہ اسماء جن کے ذریعہ کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس لفظ سے اشارہ کیا جائے اس کو اسم اشارہ کہتے ہیں اور جس کی طرف اشارہ کیا جائے اس کو مشار الیہ کہتے ہیں مشار الیہ کے معنی ہی ہے وہ چیز جس کی طرف اشارہ کیا گیا یہاں جو اسماء اشارہ بیان کئے گئے ہیں یہ دراصل مادہ اور اصل ہیں ان تمام اسماء اشارات کی جو عربی میں استعمال کئے جاتے ہیں چناں چہ کل اسماء اشارات بارہ ہیں اس طرح۔

واحد	تثنیہ	تثنیہ	جمع
قریب مذکر ھٰذا	ھٰذان تثنیہ حالت رفعی	ھٰذَیْن تثنیہ حالت نصبی وجری	ھٰؤُلَآءِ جمع مذکر و مؤنث قریب
قریب مؤنث ھٰذِہٖ	ھَاتَان تثنیہ مؤنث حالت رفعی	ھَاتَیْن تثنیہ مؤنث حالت نصبی وجری	ھٰؤُلَآءِ جمع مذکر و مؤنث قریب
بعید مذکر ذٰلِکَ	ذَانِکَ تثنیہ حالت رفعی	ذَیْنِکَ تثنیہ حالت نصبی وجری	اُوْلٰئِکَ جمع مذکر و مؤنث بعید
بعید مؤنث تِلْکَ	تَانِکَ تثنیہ مؤنث حالت رفعی	تَیْنِکَ تثنیہ مؤنث حالت نصبی وجری	اُوْلٰئِکَ جمع مذکر و مؤنث بعید

دیکھئے یہ ذکر کردہ اسماء اشارات عربی میں چلتے ہیں ان کو ضرور یاد کر لینا چاہئے آپ کی کتاب میں جو اسماء اشارات ہیں ان میں کسی کے شروع میں ہائے تنبیہ بڑھا رکھی ہے اور کسی کے آخر میں خطاب کی ضمیریں جن سے بارہ اسماء اشارات بن گئے ہیں یہاں اسماء اشارات کا ذکر بطور مادہ اور اصل کے ہے اصل شکل میں اس طرح ہیں جس طرح اوپر نقشہ میں بتائے گئے۔

سوال: اسم اشارہ سے پہلے ہائے تنبیہ کیوں لگاتے ہیں؟

جواب: اس ہاء کے ذریعہ مخاطب کو مشار الیہ پر تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے یعنی ہاء کے ذریعہ اسے خبردار کیا جاتا ہے اور پہلے ہی جگایا جاتا ہے تاکہ اشارہ کرنے پر اس چیز کو اچھی طرح جان لے جس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے چنانچہ اردو میں بھی ہم اسی طرح کرتے ہیں کہ اسم اشارہ سے پہلے اس طرح کا لفظ لے آتے ہیں جس سے وہ باخبر ہو جائے اور مشار الیہ کو اچھی طرح جان لے چنانچہ کہا کرتے ہیں اجی اجی اس کو دیکھئے کہ اس میں اجی اجی ہائے تنبیہ کی جگہ ہے۔

سوال: یہ بھی بتایئے کہ مخاطب کی ضمیر اسم اشارہ کے اخیر میں کیوں جوڑتے ہیں؟

جواب: یہ تو ظاہر ہے کہ اشارہ ہم جب بھی کریں گے تو وہ غائب کے لئے تو ہوگا نہیں اگر ہوگا تو حاضر اور مخاطب کے لئے ہوگا اور مخاطب کی ضمیریں چھ ہیں کَ کُمَا کُمْ کِ کُمَا کُنَّ تو ہم جس مخاطب کے لئے اشارہ کریں گے اسی کی ضمیر لے آئیں گے کہیں کَ کہیں کُمَا کہیں کِ اور کہیں کُنَّ چنانچہ اُوْلٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں اُوْلَآءِ اسم اشارہ بعید ہے جس کا مشار الیہ وہ متقی حضرات ہیں جن کا ذکر ھُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ میں آچکا ہے اور جس ذات کو اشارہ کر کے بتلایا جا رہا ہے وہ نبی پاک ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ آپ کے یہ بڑی بڑی صفات والے متقی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی ہیں جو کامیاب ہیں۔

اب آپ اپنی کتاب میں ذکر کردہ اسماء اشارات کو سمجھ لیجئے (۱) ذَا بمعنی ایک مرد واحد مذکر کے لئے قریب ہو یا بعید (۲) ذَانِ بمعنی دو مرد تثنیہ مذکر کے لئے قریب ہو یا بعید حالت رفعی میں، ذَیْنِ یہ بھی تثنیہ مذکر کے لئے ہے قریب یا بعید حالت نصبی و جری میں (۳) تَا و تِیْ و تِہٖ و ذِہٖ و ذِھِیْ و تِھِیْ یہ چھ الفاظ واحد مؤنث کے لئے ہیں قریب ہو یا بعید (۴) تَانِ یہ تثنیہ مؤنث کے لئے ہے قریب ہو یا بعید حالت رفعی میں اور تَیْنِ یہ بھی تثنیہ مؤنث کے لئے ہے قریب ہو یا بعید مگر حالت نصبی اور جری میں اُوْلَآءِ یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے ہے لیکن قریب کی صورت میں اور ترجمہ ہوگا یہ سب مرد یا سب عورتیں (۵) اُولٰی اس کے اخیر میں الف مقصورہ ہے جس کو کھینچا نہیں جائے گا یہ بھی جمع مذکر و مؤنث دونوں کے لئے ہے دور والی شکل میں ترجمہ ہوگا وہ سب مرد یا عورتیں۔

تیسرے اسماء موصولہ: اسم موصول وہ اسم کہلاتا ہے جس کے بعد ایک جملہ خبریہ ہو بغیر اس جملہ خبریہ کے اسم موصول ماقبل کا جزء کامل نہیں بن سکتا یعنی جب تک اسم موصول کے ساتھ اس کے بعد والے جملہ کو نہ ملائیں گے تب تک وہ نہ مبتدا بن سکتا ہے اور نہ کسی کا فاعل اور نہ کسی کا مفعول اور یہ جملہ جو اسم موصول کے بعد آنا ضروری ہے اس کو صلہ کہتے ہیں گویا اسم موصول جب

تک اپنے صلہ سے نہ مل لے تو وہ کسی کا فاعل یا مفعول نہیں بنے گا موصول کے معنی ہے جس کے ساتھ ملے اور صلہ کے معنی ہے جو ملے جیسے جَاءَ نِیْ الَّذِیْ ضَرَبَکَ میں اَلَّذِیْ اسم موصول ہے اور یہ ضَرَبَ کے ساتھ مل کر جَاءَ کا فاعل بنے گا اگر صرف اَلَّذِیْ کو فاعل بنائیں گے اور ضَرَبَ کو اس کے ساتھ نہ جوڑا تو بات ادھوری رہ جائے گی کیونکہ اَلَّذِیْ تک ترجمہ یہ ہے آیا میرے پاس وہ تو وہ سے کون مراد ہے سمجھ میں نہیں آئے گا اور جب ضَرَبَکَ کہدیا تو بات مکمل ہوگئی کہ آنے والا وہ ہے جس نے تجھ کو مارا ہے پھر اسم موصول کے بعد والے جملہ میں ضرور ایک ضمیر ہونی چاہئے جو اسم موصول کی طرف لوٹتی رہے اور اس لوٹنے والی ضمیر کو اہل نحو عائد کہتے ہیں کیونکہ عائد کے معنی ہی ہے لوٹنے والا۔

اسماءموصولہ کی وضاحت

(۱) اَلَّذِیْ واحد مذکر کے لئے بمعنی ''وہ'' یا ''جو'' (۲) اَلَّذَانِ تثنیہ مذکر کے لئے حالت رفعی میں اور اَلَّذَیْنِ تثنیہ مذکر کے لئے حالت نصبی وجری میں یہ دونوں بھی بمعنی ''وہ'' اور ''جو'' ہیں (۳) اَلَّذِیْنَ یہ جمع مذکر کے لئے بمعنی ''وہ'' اور ''جو'' (۴) اَلَّتِیْ واحد مؤنث کے لئے بمعنی ''وہ'' اور ''جو'' اَلَّتَانِ یہ تثنیہ مؤنث کے لئے حالت رفعی میں ہے اور اَلَّتَیْنِ یہ تثنیہ مؤنث کے لئے حالت نصبی اور جری میں ہے ان کے معنی ''وہ'' اور ''جو'' کے ہوں گے، (۶) اَللَّاتِیْ اَللَّوَاتِیْ اَللَّائِیْ یہ تینوں جمع مؤنث کے لئے اس کے معنی بھی ''وہ'' اور ''جو'' کے ہوں گے (۷) مَا عقل نہ رکھنے والی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ترجمہ اس کا ''وہ'' یا ''کیا'' ہوا کرتا ہے (۸) مَنْ عقل رکھنے والی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے چاہے وہ انسان ہو یا جنات یا فرشتیں یا اللہ اس کا ترجمہ ''وہ'' اور ''کون'' سے ہوگا (۹) اَیٌّ واحد مذکر کے لئے بمعنی کونسا (۱۰) اَیَّةٌ واحد مؤنث کے لئے بمعنی کونسی (۱۱) اَلْ یہ جیسے صیغے پر داخل ہوگا ویسے ہی اسم موصول کے معنی میں ہوجائے گا چنانچہ اَلضَّارِبُ میں اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے اَلضَّارِبَۃُ میں اَلَّتِیْ کے معنی میں ہے اور اَلضَّارِبَانِ میں اَلَّذَانِ تثنیہ مؤنث اسم موصول کے معنی میں ہے بس خلاصہ یہ ہے کہ اسم فاعل اور اسم مفعول کے جس صیغہ پر یہ الف آئے گا اسی اسم موصول کے معنی میں لے لیں گے نیز دو بات اور یاد رکھو (۱) اَلَّذِیْ، اَلَّتِیْ وغیرہ کے معنی میں صرف وہ الف لام آتا ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول میں لگتا ہے۔

(۲) اَلضَّارِبُ کی یا کوئی بھی اسم فاعل کا صیغہ ہو اصل نکالتے وقت ماضی معروف کا صیغہ آئے گا جیسے اَلضَّارِب اَلَّذِیْ ضَرَبَ کے معنی میں ہے یعنی وہ شخص جس نے مارا اور اَلضَّارِبَانِ اَلَّذَانِ ضَرَبَا کے معنی میں ہے اسی طرح اسم مفعول کی اصل نکالتے وقت ماضی مجہول کا صیغہ آئے گا چنانچہ المضروب اَلَّذِیْ ضُرِبَ کے معنی میں ہے اور اَلْمَضْرُوْبَۃُ اَلَّتِیْ ضُرِبَتْ کے معنی میں ہے اور اَلْمَضْرُوْبَانِ اَلَّذَانِ ضُرِبَا کے معنی میں ہے۔

(۱۲) ذو یہ بھی الف لام کی طرح عام ہے کبھی اَلَّذِیْ کے معنی میں اور کبھی اَلَّتِیْ کے معنی میں ایسے ہی کبھی اَلَّذَانِ کے

معنی میں آیا کرتا ہے پھر ذو کے دو معنی ہے:

(۱) بمعنی "صاحب" اور "والا" اس معنی والا ذو معرب ہے جس کا ذکر عنقریب اسماء ستہ مکبرہ میں آئے گا اور یہ ذو بدلتا رہے گا کبھی واؤ کے ساتھ ذو کہیں گے اور کبھی الف کے ساتھ ذا اور کبھی یا کے ساتھ ذی بولیں گے اور جو اَلَّذِیْ کے معنی میں آتا ہے وہ مبنی ہے اور بدلا نہیں کرتا نہ حالت رفعی میں نہ نصبی میں نہ جری میں جیسے جَاءَ نِیْ ذُوْ قَامَ، رَأَیْتُ ذُوْ قَامَ، وَمَرَرْتُ بِذُوْ قَامَ اور اس ذو کو ذو طائیہ کہتے ہیں کیونکہ ذو کا اَلَّذِیْ کے معنی میں آنا صرف قبیلہ بنو طے کے یہاں ہے۔

فائدہ: مَا اور مَنْ اور اَلْ اور ذُوْ طائیہ واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب حالتوں میں پڑھنے میں یکساں رہیں گے البتہ اصل ان کی وہ نکلے گی جو مراد ہو۔

اَیٌّ و اَیَّةٌ معرب است

سوال: اسم غیر متمکن کی آٹھوں قسمیں مبنی ہیں اور اَیٌّ اور اَیَّةٌ معرب ہیں جیسا کہ خود مصنف کہہ رہے ہیں تو معرب چیز کو مبنی کے بیان میں کیوں لائے؟

جواب: اَیٌّ اور اَیَّةٌ کی استعمال کے اعتبار سے چار حالتیں ہیں اس طرح کہ اَیٌّ اور اَیَّةٌ اسم موصول ہے اور ہر قسم موصول کے بعد ایک جملہ ہوتا ہے جس کو صلہ کہتے ہیں تو اس صلہ کا شروع یعنی جملہ کا اول حصہ جس کو مبتدا کہتے ہیں یا تو محذوف ہوگا یا مذکور ہوگا پھر محذوف ہونے کی شکل میں اَیٌّ اور اَیَّةٌ مضاف ہوں گے یا نہیں ہوں گے اسی طرح مذکور ہونے کی صورت میں بھی یا تو اَیٌّ اور اَیَّةٌ مضاف ہوں گے یا نہیں یہ کل چار صورتیں ہوگی۔ اس طرح

(۱) اَیٌّ اور اَیَّةٌ مضاف نہ ہوں اور صلہ کا اول حصہ مذکور ہو جیسے اَیٌّ هُوَ قَائِمٌ.

(۲) مضاف نہ ہو اور نہ صلہ کا شروع مذکور ہو جیسے اَیٌّ قَائِمٌ.

(۳) اَیٌّ اور اَیَّةٌ مضاف ہوں اور صلہ بننے والے جملہ کا اول حصہ مذکور ہو جیسے اَیُّهُمْ هُوَ قَائِمٌ.

(۴) اَیٌّ اور اَیَّةٌ مضاف ہوں اور صلہ بننے والے جملہ کا شروع مذکور نہ ہو جیسے اَیُّهُمْ قَائِمٌ.

یہ چوتھی صورت وہ ہے جس میں اَیٌّ اور اَیَّةٌ مبنی ہوں گے اور اسی کے لحاظ سے ان کو مبنیات میں ذکر کر دیا۔

سوال: اسماء اشارات اور موصولات کس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی بنے ہیں؟

جواب: حروف کی مشابہت کی وجہ سے کیونکہ جیسے حروف بغیر اپنے متعلق کے مکمل معنی نہیں دیتے اسی طرح اسماء اشارات بغیر اپنے مشارالیہ کے اور موصولات بغیر صلہ کے مکمل نہیں ہوتے نہ کسی کا فاعل بن سکتے ہیں نہ مبتدا نہ خبر۔

سبق چہاردہم

چہارم اسماء افعال وآں بردو قسم است **اول** بمعنی امر حاضر چوں رُوَيْدَ وبَلْهَ وحَيَّهَلْ وهَلُمَّ **دوم** بمعنی فعل ماضی چوں هَيْهَاتَ وشَتَّانَ، **پنجم اسماء اصوات** چوں أُحْ أُحْ وأُفْ وبَخْ ونَخْ وغَاقِ، **ششم اسماء ظروف** ظرف زمان چوں إِذْ وإِذَا ومَتٰى وكَيْفَ وأَيَّانَ وأَمْسِ ومُذْ ومُنْذُ وقَطُّ وعَوْضُ وقَبْلُ وبَعْدُ، وقتیکہ مضاف باشند ومضاف الیہ محذوف منوی باشد وظرف مکان چوں حَيْثُ وقُدَّامُ وتَحْتُ وفَوْقُ وقتیکہ مضاف باشند ومضاف الیہ محذوف منوی باشد، **هفتم اسماء کنایات** چوں كَمْ وكَذَا کنایہ از عدد وكَيْتَ وذَيْتَ کنایہ از حدیث، **هشتم مرکب بنائی** چوں أَحَدَ عَشَرَ۔

ترجمہ: چوتھے **اسماء افعال** اور وہ دو قسم پر ہیں **اول** امر حاضر کے معنی میں جیسے رُوَيْدَ وبَلْهَ وحَيَّهَلْ وهَلُمَّ **دوسرے** فعل ماضی کے معنی میں جیسے هَيْهَاتَ اور شَتَّانَ، **پانچویں اسماء اصوات** جیسے أُحْ أُحْ وأُفْ وبَخْ ونَخْ وغَاقِ، **چھٹے اسماء ظروف** ظرف زمان جیسے إِذْ وإِذَا ومَتٰى وكَيْفَ وأَيَّانَ وأَمْسِ ومُذْ ومُنْذُ وقَطُّ وعَوْضُ وقَبْلُ وبَعْدُ، جس وقت کہ مضاف ہوں اور مضاف الیہ محذوف منوی ہو اور ظرف مکان جیسے حَيْثُ وقُدَّامُ وتَحْتُ وفَوْقُ جس وقت کہ مضاف ہوں اور مضاف الیہ محذوف منوی ہو، **ساتویں اسماء کنایات** جیسے كَمْ وكَذَا کنایہ ہے عدد سے اور كَيْتَ وذَيْتَ کنایہ ہے بات سے، **آٹھویں مرکب بنائی** جیسے أَحَدَ عَشَرَ۔

حل مضمون: چہارم اسماء افعال، اسماء افعال ان اسماء کو کہتے ہیں جو لفظوں میں تو اسم ہوں اور معنی میں فعل کے ہوں اسی سے اسماء افعال کو اسماء افعال کہنے کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ دیکھنے میں یہ اسم ہیں اور ترجمہ ان کا فعل امر حاضر یا فعل ماضی والا ہوگا بمعنی **امر حاضر** جیسے رُوَيْدَ أَمْهِلْ کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے رُوَيْدَ زَيْدًا تو زید کو مہلت دے رُوَيْدَ اسم فعل ہے بمعنی أَمْهِلْ امر حاضر أَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل زَيْدًا مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو جائے گا، (۲) بَلْهَ بمعنی دع (چھوڑ تو) جیسے بَلْهَ زَيْدًا تو زید کو چھوڑ دے (۳) حَيَّهَلْ بمعنی اِئْتِ (آ تو) جیسے حَيَّهَلِ الصَّلٰوةَ (آ تو نماز کو) (۴) هَلُمَّ یہ بھی اِئْتِ کے معنی میں ہے بمعنی آ تو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول هَلُمَّ إِلَيْنَا (آ تو ہماری طرف) ان کے علاوہ اور بھی اسماء افعال ہیں جو امر حاضر کے معنی میں آتے ہیں: دُونَكَ بمعنی خُذْ (پکڑ تو) جیسے دُونَكَ زَيْدًا پکڑ تو زید کو، (۲) هَا بمعنی خُذْ (پکڑ تو) جیسے هَا زَيْدًا پکڑ تو زید کو (۳) آمِيْنَ بمعنی اِسْتَجِبْ (قبول کر تو) (۴) قَطُّ قاف کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بمعنی اِنْتَهِ (رک جا تو) (۵) عَلَيْكَ بمعنی اِلْزَمْ (لازم پکڑ تو) (۶) صَهْ بمعنی اُسْكُتْ (خاموش ہو جا تو) (۷)

مَهْ بمعنی اُكْفُفْ (رک جاتو)(۸) اَمَامَکَ بمعنی اِحْذَرْ (بچو) جیسے اَمَامَکَ زَیْداً (زید سے بچتے رہو) **بمعنی فعل ماضی** جیسے هَیْهَاتَ بمعنی بَعُدَ (دور ہوا) جیسے هَیْهَاتَ زَیْدٌ (دور ہوا زید)(۲) شَتَّانَ بمعنی اِفْتَرَقَ (جدا ہوا) جیسے شَتَّانَ زَیْدٌ وعَمْرٌو (زید اور عمرو جدا ہو گئے)۔

فائدہ ۱: اسماء افعال کی تعریف کرتے ہوئے جو ہم نے یوں تعریف کی ہے کہ وہ اسماء ہیں جو امر یا ماضی کے معنی میں ہوں اس میں اسماء کہنے سے امر حاضر اور ماضی نکل جائیں گے کیونکہ وہ افعال میں سے ہیں۔

فائدہ ۲: اسماء افعال کا امر یا ماضی کے معنی میں ہونا وضعا ہی ہے یعنی شروع ہی سے جب سے یہ کلمات ہیں ان کے اندر امر اور ماضی کے معنی لئے جاتے ہیں لہٰذا زَیْدٌ ضَارِبٌ اَمْسِ میں اگر کوئی کہنے لگے کہ ضَارِبٌ بھی ماضی کے زمانہ پر دلالت کر رہا ہے یعنی یہ مار گذشتہ زمانہ میں ہو چکی اور دلیل اس پر لفظ اَمْسِ ہے جو ضَارِبٌ کے ساتھ لایا گیا ہے۔

جواب: ضَارِبٌ میں مار کا گذشتہ زمانہ میں ہونا اَمْسِ سے سمجھ میں آیا ہے نہ کہ ضَارِبٌ کے صیغے سے کیونکہ ضَارِبٌ اپنی وضع اور بناوٹ کے لحاظ سے کسی زمانہ پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ اسماء افعال کرتے ہیں لہٰذا اس مثال کو لے کر اعتراض غلط ہے۔

سوال: اسماء افعال کے مبنی ہونے کی وجہ بتایئے؟

جواب: ہر اسم فعل یا تو امر حاضر کے معنی میں ہوگا یا ماضی کے اور یہ دونوں مبنی اصل میں لہٰذا اسماء افعال مبنی اصل کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مبنی الاصل کے مشابہ ہو گئے اور مبنی قرار دیئے گئے۔

اسماء اصوات: اصوات صَوْتٌ کی جمع ہے بمعنی آواز اور اسماء اصوات وہ اسماء کہلاتے ہیں جن سے کسی آواز کو نقل کیا جائے یا کسی چوپائے وغیرہ کو ان کے ذریعہ آواز دی جائے اُحْ اُحْ یہ الفاظ کھانسی کے وقت نکلتے ہیں اُفْ یہ لفظ درد کے وقت نکلتا ہے بَخْ یہ لفظ خوشی کے وقت نکلتا ہے نَخَّ یہ لفظ اونٹ کو سُلانے یا بٹھانے کے وقت بولا جاتا ہے غَاق اس لفظ کو کوے کی آواز کی نقل کے وقت بولتے ہیں، وَیْ تعجب یا برا بھلا کہتے وقت بولا جاتا ہے۔

سوال: اسماء اصوات مبنی کیوں ہیں؟

جواب: ماقبل میں مبنی ہونے کی دو شکلیں بتائی تھیں (۱) کوئی کلمہ مبنی اصل کے مشابہ ہو (۲) وہ کلمہ کلام اور ترکیب میں نہ لایا گیا ہو اور اسماء اصوات سب کے سب عام طور سے تنہا ہی بولے جاتے ہیں باقاعدہ فاعل مفعول نہیں بنتے لہٰذا بوجہ ترکیب میں نہ آنے کے یہ مبنی ہوں گے۔

سوال: پھر ترکیب میں آنے پر ان کو معرب ہونا چاہئے مثلاً تم کہو قَالَ زَیْدٌ غَاق زید نے غاق کہا ایسے ہی قَالَ زَیْدٌ نَخَّ کہ یہاں قال اور نَخَّ ترکیب میں آکر مفعول ہو رہے ہیں لہٰذا ان کو معرب کہنا چاہئے؟

جواب: یہ ہر حال میں مبنی ہی رہیں گے اور ان میں اعراب کی تبدیلی نہیں ہوگی کیونکہ اصل ان میں استعمال بے ترکیب والا ہے اگر کسی جگہ ترکیب میں آ بھی گئے تو ان کو اسی حال پر رکھا جائے گا جس میں وہ بلا ترکیب کے تھے یعنی مبنی ہی پڑھے جائیں گے

معرب نہیں بنیں گے کیونکہ ترکیب میں لاتے وقت بھی یہ وہی اسماء اصوات ہیں جو بلا ترکیب کے بولے جاتے ہیں، یعنی ان کی سابقہ حالت کا اعتبار ہوگا۔

اسماء ظروف: یعنی ظرف بننے والے اسماء ظروف ظرف کی جمع ہے بمعنی برتن اور وہ چیز جس میں کوئی چیز سما جائے یہاں ظروف سے مراد وہ الفاظ ہیں جو وقت اور جگہ کو بتلاتے ہیں کیونکہ کوئی بھی فعل یا کام کسی نہ کسی جگہ اور وقت میں ہی ہوا کرتا ہے اگر کوئی لفظ زمانے کو بتلائے تو ظرف زمان کہتے ہیں اور جو مکان اور جگہ کو بتلائے اس کو ظرف مکان کہتے ہیں اِذْ یہ زمانہ ماضی کے لئے آتا ہے بمعنی جس وقت جیسے جِئْتُکَ اِذْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ (آیا میں تیرے پاس جب سورج نکل گیا) اِذْ ہمیشہ زمانہ ماضی کے لئے آتا ہے چاہے ماضی پہ داخل ہو یا مضارع پر اور اِذْ مبنی ہے حرف کے مشابہ ہونے کی وجہ سے یعنی جیسا کہ بعض حروف دو حرفوں سے مل کر بنتے ہیں جیسا کہ لفظ مِنْ اسی طرح یہ بھی دو حرفی ہے۔

(۲) **اِذا** اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) زمانیہ (۲) مکانیہ اِذَا کی ان دو قسموں میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں اور یہ دونوں اِذَا فعل پر داخل ہوتے ہیں اور زمانہ مستقبل کے لئے آتے ہیں چاہے ماضی پر ہی کیوں نہ داخل ہوں جیسے اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ (جس وقت اللہ کی مدد آجاوے) اور چونکہ ان دونوں میں اِذَا حرف شرط کے معنی میں پائے جاتے ہیں اس لئے اِذَا مبنی ہوگا۔

سوال: حرف شرط کے معنی کو اِذَا کیسے شامل ہے؟

جواب: جس طرح حرف شرط ایک چیز کے ہونے پر دوسری چیز کے ہونے کو بتلاتا ہے جیسے اِنْ کَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُوْدٌ اس میں سورج نکلنے پر دن کے موجود ہونے کو بتایا گیا ہے یہی بات اِذَا میں ہے جیسے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (کہ جب نماز کے لئے اٹھو پہلے وضو کرلو)۔

(۳) **اِذَا مَفَاجَاتِیَه** جو ناگاہ اور اچانک کے معنی میں آتا ہے اب اس میں شرط کے معنی نہیں ہوتے جیسے خَرَجْتُ فَاِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ (نکلا میں کہ اچانک درندہ کھڑا تھا) اِذَا مفاجاتیہ کے بعد ہمیشہ جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔

سوال: اذا مفاجاتیہ میں جب حرف شرط کے معنی نہیں ہوتے تو اب مبنی کیوں ہے؟

جواب: جس طرح بغیر دوسرے کلمہ کے ملائے اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے یہی حال اس اذا کا ہے کہ جب تک اس سے جملہ نہ جڑ جائے مطلب سمجھ میں نہیں آئے گا۔

(۳) **متٰی** یہ زمانہ ماضی اور مستقبل دونوں کے لئے آتا ہے پھر کبھی استفہامیہ ہوتا ہے بمعنی کس وقت جیسے مَتٰی تُسَافِرُ (تو کب سفر کرے گا) اور کبھی شرطیہ ہوتا ہے بمعنی جب یا جس وقت جیسے مَتٰی تَصُمْ اَصُمْ (جب تو روزہ رکھے گا میں روزہ رکھوں گا) مَتٰی صرف زمان کے لئے ہوتا ہے مکان کے لئے بالکل نہیں اور مَتٰی استفہامیہ ہو یا شرطیہ دونوں صورتوں میں مبنی ہے، حرف شرط اور حرف استفہام کے معنی کے اپنے اندر ہونے کی وجہ سے۔

(۴) **کیف** حال پوچھنے کے لئے آیا کرتا ہے جیسے کَیْفَ حَالُکَ تمہارا حال کیسا ہے پھر کیف کے ظرف ہونے میں اختلاف

ہے چنانچہ شیخ رضی فرماتے ہیں کہ اخفش نحوی کے یہاں یہ ظرف ہے علی جارّہ کے معنی میں ہے ظرف اور جار مجرور دونوں آپس میں اس چیز میں اکٹھے ہیں کہ دونوں کو متعلق چاہئے چنانچہ کَیْفَ زَیْدٌ کی اصل امام اخفش کے یہاں اَزَیْدٌ علٰی حَالِ الصِّحَۃِ اَمْ علٰی حَالِ السُّقْمِ بنتی ہے یعنی زید حالت تندرستی پر ہے، یا حالت بیماری پر، اور سیبویہ کے نزدیک کیف اسم ہے نہ کہ ظرف اور علامہ زمخشری کے نزدیک ظرف تو نہیں ہے ہاں اس کا قائم مقام ہے اور یہ مبنی ہے کیونکہ اس میں حرف استفہام کے معنی موجود ہے۔

(۵) اَیَّانَ زمانہ مستقبل کے لئے ہے اور استفہام کے معنی دیتا ہے بمعنی کب اور کس وقت جیسے اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ (کب ہے جزا کا دن) یہ بھی مبنی ہے اپنے اندر حرف استفہام کے معنی ہونے کی وجہ سے۔ متیٰ کا استعمال بمقابلہ ایّان کے زیادہ ہے نیز اَیَّانَ بڑے اور اہم کاموں کے پوچھنے میں استعمال ہوتا ہے جیسے اَیَّانَ یومُ الدین جزاء کا دن یعنی قیامت کب ہے اسی لئے اَیَّانَ نِمْتَ (تو کب سویا) نہیں کہا جائے گا۔

(۶) اَمْسِ بمعنی کل گذشتہ جیسے جَاءَ زَیْدٌ اَمْسِ (زید کل آیا) یہ مبنی ہے کسرہ پر تین شرطوں کے ساتھ (۱) معرفہ ہو[1] (۲) الف لام اس پر داخل نہ ہو (۳) مضاف نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی شرط ختم ہوگئی تو پھر معرب ہوگا اور یہ اس لئے مبنی ہے کہ اس میں ماضی کے معنی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کا وزن فعل امر جیسا ہے چنانچہ اَبْقٰی یُبْقِی اِبْقَاءً سے امر کا صیغہ اَبْقِ بروزن اَمْسِ پایا جارہا ہے۔

(۷) مُذْ و مُنْذُ یہ دونوں حرف کبھی جر دیتے ہیں اور کبھی رفع جس وقت رفع دیتے ہیں تو اسم اور مبتدا ہوتے ہیں نہ کہ حرف جار جیسے مُذْ یَوْمَانِ اس میں مُذْ "اوّلُ الْمُدَّۃِ" یا "جمیعُ الْمُدَّۃِ" کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہو کر مرفوع ہوگا اور یومان بوجہ خبر ہونے کے مرفوع پڑھا جائے گا۔ مکمل مثال یوں ہے مَا رَأَیْتُہٗ مُذْ یَوْمَانِ کبھی ان کے بعد جملہ اسمیہ اور فعلیہ بھی آتا ہے جیسے مازلتُ اَبْغِی الْمَالَ مُذْ اَنَا یَافِعٌ میں جب سے جوان ہوا مال کی تلاش میں رہتا ہوں اور جملہ فعلیہ کی مثال ہے مَاخَرَجْتُ مُذْ سَافَرَ زَیْدٌ جب سے زید سفر میں گیا میں باہر نہیں نکلا۔ (شرح جامی ص: ۲۴۳۔)

اور جب حرف جار اور ظرف بنیں گے تو ان کا مدخول زمانہ ماضی ہو تو مِنْ کے معنی میں ہوں گے اور اگر مدخول زمانہ حال ہو تو فِی کے معنی میں ہوں گے جیسے مَا رَأَیْتُہٗ مُذْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ ای مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ اور مَا رَأَیْتُہٗ مُنْذُ شَہْرٍ ای فِی شَہْرٍ

[1] قال الشیخ الرضی ومن الظروف المبنیۃ اَمْسِ وعلۃ بنائہ تضمنہ للام التعریف وذلک ان کل یوم متقدم علی یوم فھو امسہ فھو کائن فی الاصل نکرۃ ثم لما ارید امس یوم التکلم دخلہ لام التعریف للعھد کما ھو عادۃ کل اسم قصد بہ الی واحد من بین الجماعۃ المسمّاۃ ثم حذفت اللام وقدرت لتبادر فھم کل من یسمع امس مطلقاً من الاضافۃ الی امس یوم التکلم فصار معرفۃ نحو[illegible] امس الاحدث انتھی نیز امس الذاہر وامس الاول بھی بولا جاتا ہے۔ (رضی شرح کافیہ ص: ۱۰۰)

اور رفع کی شکل میں نہ یہ ظرف کہلائیں گے نہ حرف جر بلکہ اسم بنیں گے اور ان کا مدخول اگر زمانہ ماضی ہو تو اول مدت کے معنی میں

ہوں گے اور زمانہ حال ہو جمیع مدت کے لئے آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مُذْ مُنْذُ کے مدخول سے زمانہ ماضی مراد ہوگا یا حال کا اور مستقبل کا بالکل مراد نہیں ہوگا۔

سوال: مُذْ ومُنْذُ کہاں اول مدت کے معنی میں ہوتے ہیں اور کہاں پوری مدت کے معنی میں ہوتے ہیں؟

جواب: ایک علامت تو اوپر ہی ذکر کر دی کہ ان کے مدخول میں زمانہ ماضی کا ارادہ ہو تو ان کا اول المدت ترجمہ ہوگا، اور اگر ان کے مدخول میں زمانہ حال کا ارادہ ہو تو ان کے جمیع المدت کے معنی ہوں گے، اور دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کا مدخول اگر مفرد ہے تو اول مدت کے معنی ہوں گے جیسے: مُذْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ومُنْذُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اور اگر ان کا مدخول تثنیہ یا جمع ہو چکا ہے لفظاً یا معناً جیسا کہ لفظ شَهْرٌ (مہینہ) بہت دنوں پر مشتمل ہے مثلاً تم کہو مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمَانِ او مُنْذُ يَوْمَانِ یا مُذْ شَهْرٍ او مُنْذُ شَهْرٍ تو ایسی جگہ میں پوری مدت کے معنی میں ہوتے ہیں کیونکہ اول مدت ایک دن تو ہو سکتی ہے دو دن یا مہینہ نہیں ہوا کرتا۔

سوال: مُذْ ومُنْذُ مبنی کیوں ہیں؟

جواب: یہ خود اپنے ہی مشابہ ہیں کیونکہ یہ حروف جارہ بھی ہیں اور اسم بھی ہیں تو ساخت اور سائز یعنی بناوٹ میں شریک ہونے کی وجہ سے اسم ہونے کی حالت میں بھی مبنی ہوں گے جیسا کہ حرف جر ہونے کی حالت میں مبنی ہیں۔

(۸) **قَطُّ** قاف کے فتحہ اور ضمہ والی طاء کے ساتھ یہ اکثر استغراق زمانہ ماضی منفی کے لئے آتا ہے بمعنی کبھی جیسے مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا اور کبھی کبھی ماضی کے اثبات کے لئے بھی آجاتا ہے اس کا مبنی ہونا لام استغراقیہ کے معنی کے اس کے اندر پائے جانے کی وجہ سے ہے، اور الف لام استغراقی بوجہ حروف میں سے ہونے کے مبنی ہے۔

(۹) **عَوْضُ** یہ استغراق زمانہ مستقبل منفی کے لئے ہے بمعنی ہرگز و کبھی جیسے لا أَضْرِبُهُ عَوْضُ میں اس کو کبھی نہیں ماروں گا اس کا مبنی ہونا لام استغراق کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

(۱۰) **قَبْلُ** (پہلے) **بَعْدُ** (پیچھے، بعد) ان دونوں کی تین حالت ہیں (۱) ان کا مضاف الیہ لفظوں میں مذکور ہو جیسے جِئْتُ قَبْلَ زَيْدٍ وبَعْدَ عَمْرٍو (۲) ان کا مضاف الیہ بالکلیہ معدوم ہو نہ لفظوں میں موجود ہو نہ ذہن میں جیسے رُبَّ بَعْدٍ كَانَ خَيْراً مِنْ قَبْلٍ، بہت سے بعد پہلے سے بہتر ہوتے ہیں (جیسا کہ کہتے ہیں دیر آید درست آید) ان دونوں صورتوں میں قَبْلُ وبَعْدُ معرب ہوا کرتے ہیں، (۳) مضاف الیہ لفظوں میں نہ ہو ہاں؟ رف ذہن میں ہو اسی کو محذوف منوی کہتے ہیں جیسے أَنَا فِي الصَّلوٰةِ تَكَلَّمْ بَعْدُ کہ میں نماز میں ہوں اس کے بعد بات کرنا تو یہاں بعد کا مضاف الیہ ذہن میں ہے یعنی بَعْدَ الصَّلوٰةِ ایسے ہی خطبہ میں اما بعد کا مضاف الیہ عبارت میں تو نہیں ہے مگر ذہن میں ہوتا ہے ای بعد الحمد والصَّلوٰة ایسے ہی لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ میں مضاف الیہ محذوف منوی ہے ای لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلِ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْ بَعْدِ كُلِّ شَيْءٍ، کہ اللہ ہی کے لئے حکم ہے ہر چیز سے پہلے اور ہر چیز کے بعد۔

سوال: قَبْلُ بَعْدُ کیوں مبنی ہیں؟

جواب: یہ حروف کے مشابہ ہیں کہ جیسے حروف بغیر کلمہ کے ملائے ان کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اسی طرح بغیر مضاف الیہ کے ان کا بھی کام نہیں چلتا۔

وقتیکہ مضاف باشند الخ: کا تعلق صرف قَبْلُ اور بَعْدُ سے ہے۔

محذوف منوی کا مطلب یہ ہے کہ لفظوں میں ختم کر دیا گیا مگر نیت اور دل میں باقی ہو مَنْوِیٌّ مَرْمِیٌّ کے وزن پر اسم مفعول ہے بمعنی نیت اور ارادہ کیا ہوا۔

(۱۴) **ظرف مکان الخ** جو جگہ پر دلالت کریں ان کو ظروف مکان کہتے ہیں۔ حَیْثُ یہ ہمیشہ مضاف ہوا کرتا ہے اکثر تو جملہ اس کا مضاف الیہ بنتا ہے مگر کبھی مفرد بھی اس کا مضاف الیہ ہوسکتا ہے جیسے اَمَّا تَرٰی حَیْثُ سُهَیْلٍ طَالِعًا کہ کیا تجھے سہیل ستارہ کے طلوع کی جگہ معلوم نہیں ہے اس میں سہیل مفرد مضاف الیہ بن رہا ہے جملہ کی طرف مضاف ہونے کی مثال اِجْلِسْ حَیْثُ زَیْدٌ جَالِسٌ بیٹھ جہاں زید بیٹھنے والا ہے یہ مبنی ہے کیونکہ حروف کی طرح ہمیشہ اپنے مضاف الیہ کا محتاج رہتا ہے۔

قُدَّامُ، تَحْتُ، فَوْقُ یہ اسماء لازمۃ الاضافۃ ہیں کہ ہمیشہ مضاف ہو کر استعمال ہوتے ہیں قدّامُ (آگے) تَحْتُ (نیچے) فَوْقُ (اوپر) ان تینوں کے مبنی ہونے کے لئے وہی شرط ہے جو قبل، بعد کے لئے گذر چکی ہے کہ مضاف الیہ لفظوں میں تو نہ ہو ہاں ذہن میں پایا جا رہا ہو اور اس وقت ضمہ پر مبنی ہوں گے، اور اگر ان کا مضاف الیہ مذکور ہے یا نسیا منسیا یعنی بالکل حذف ہے نہ ذہن میں ہے نہ عبارت میں تو ان دو صورتوں میں یہ معرب ہوں گے۔

وقتیکہ مضاف باشند الخ: کا تعلق قدام، تحت، فوق سے ہے فقط۔

اسماء کنایات: کِنَایَةٌ کَنٰی یَکْنِیْ کِنَایَةً بالشیٔ عن کذا یعنی کسی چیز کو بول کر کسی دوسری چیز کا ارادہ کرنا کنایہ میں جس لفظ کو بولتے ہیں اس کے معنی مراد لینے کے بجائے دوسرے اور معنی مراد لیا کرتے ہیں جیسے لمبے ہاتھوں والا کہہ کر کسی کا سخی ہونا مراد لیا کرتے ہیں حقیقی معنی مراد نہیں کہ اس کے ہاتھ لمبے ہوں ایسے ہی زید بہت راکھ والا ہے زیادہ راکھ والا بول کر سخی مراد ہوا کرتا ہے کیونکہ زیادہ راکھ اس کے یہاں ہوگی جس کے یہاں لکڑیاں زیادہ جلتی ہوں اور لکڑی زیادہ اس کے یہاں جلے گی جس کے مہمان زیادہ آتے ہوں اور مہمان اسی کے یہاں زیادہ آئیں گے جو سخی ہو پھر اسماء کنایات سے مبنی والے مراد ہیں کیونکہ مبنیات ہی کا بیان چل رہا ہے فُلَانٌ اور فُلَانَةٌ بھی کنایات ہیں لیکن معرب بننے والے۔

کَمْ و کَذَا ان دونوں سے گول مول اور مبہم گنتی اور تعداد کو مراد لیتے ہیں جیسے کَمْ رُوْبِیَّةً عِنْدَکَ تیرے پاس کتنے روپئے ہیں عندی کذا درھماً میرے پاس اتنے روپئے ہیں تو اتنے اور کتنے مبہم اور غیر متعین تعداد کو ظاہر کرتے ہیں پھر کم کی دو قسمیں ہیں: (۱) استفہامیہ جس کے ذریعہ سے پوچھا جائے جیسے کَمْ دِرْهَماً عِنْدَکَ یا کَمْ فُلُوْساً عِنْدَکَ تیرے پاس کتنے پیسے ہیں، (۲) کَمْ خبریہ یعنی مبہم اور غیر متعین تعداد کو بتلانے کے لئے آتا ہے جیسے کَمْ مَالٍ اَنْفَقْتُ کتنا ہی مال خرچ کر چکا میں **کذا** یہ صرف خبریہ ہوتا ہے جیسے عندی کذا فُلُوْساً میرے پاس اتنے پیسے ہیں، کَیْتَ وذَیْتَ یہ دونوں غیر واضح اور مبہم

بات سے کنایہ کرنے کے لئے ہیں یعنی ان دونوں سے گول مول بات مراد لیا کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں سَمِعْتُ كَيْتَ كَيْتَ (میں نے ایسا ایسا سنا) قُلْتُ ذَيْتَ ذَيْتَ (میں نے ایسے ایسے کہا)۔

سوال: اسماء کنایات مبنی کیوں ہوتے ہیں؟

جواب: كَمْ استفہامیہ ہمزہ استفہام کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اور کم خبریہ کو اس کے تابع کر کے اسے بھی مبنی کہہ دیا اور كذا کاف اور ذا سے بنا ہے جو مبنیات میں سے ہیں پھر دونوں کو ملا کر ایک کلمہ بنالیا، اور كَمْ کے معنی میں ہوتا ہے کیونکہ کتنے اور اتنے یا کتنی اور اتنی دونوں کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے بہر حال یہ بھی مبنی ہیں کیونکہ اس کی ترکیب حروف مبنی سے ہوتی ہے۔

كَيْتَ و ذَيْتَ یہ ہمیشہ مکرر بولے جاتے ہیں جیسا کہ اوپر مثال میں ہے اور ان کا مبنی ہونا اس وجہ سے ہے کہ دراصل ان جملوں کی جگہ ہوتے ہیں جو کسی نے بولے یا سنے ہوں اور جملہ من حیث الجملہ مستقل ہوتا ہے نہ اس کو مبنی کہہ سکتے ہیں نہ معرب مگر پھر بھی جملہ کی جگہ آنے والے لفظ كَيْتَ و ذَيْتَ کو مبنی ہی کہا کیونکہ مانند اس کلمہ کے ہیں جن کو ترکیب میں نہ لایا گیا ہو اور ترکیب میں نہ لایا ہوا مبنی ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی مبنی قرار دیئے گئے۔

مرکب بنائی: نام ہے اَحَدَ عَشَرَ سے تِسْعَةَ عَشَرَ تک کی گنتی کا اور اس کے دونوں جز اس لئے مبنی ہیں کہ اول جز کا اخیر جب دونوں کلموں کو ایک بنا دیا بیچ میں آرہا ہے اور بیچ کلمہ اعراب کو قبول نہیں کرتا اور دوسرا جز اس لئے مبنی ہو گیا کہ اس کے ساتھ حرف واو جو مبنی الاصل ہے پایا جارہا ہے مشتمل بر مبنی بھی مبنی بن گیا (کذا فی حاشیہ نحو میر در بیان مرکب بنائی)

سبق پانزدہم

بدانکہ اسم بر دو ضرب است **معرفہ** و **نکرہ** **معرفہ** آں است کہ موضوع باشد برائے چیزے معین و آں بر ہفت نوع است **اول مضمرات، دوم اعلام** چوں زَيْدٌ و عَمْرٌو، **سوم اسمائے اشارات، چہارم اسماء موصولہ** و ایں دو قسم را مبہمات گویند، **پنجم معرفہ بہ ندا** چوں یا رَجُلُ، **ششم معرفہ بالف ولام** چوں الرَّجل، **ہفتم مضاف بہ یکے ازینہاں** چوں غُلَامُہٗ و غُلَامُ زَيْدٍ و غُلَامُ هٰذا و غُلَامُ الَّذِی عِندِی و غُلَامُ الرَّجُلِ **و نکرہ** آنست کہ موضوع باشد برائے چیزے غیر معین چوں رَجُلٌ و فَرَسٌ۔

ترجمہ: جان تو کہ اسم دو قسم پر ہے، معرفہ و نکرہ معرفہ وہ ہے کہ جس کو معین چیز کے لئے طے کیا گیا ہو اور وہ سات قسم پر ہے اول ضمائر، دوسرے اعلام جیسے زید اور عمرو، تیسرے اسماء اشارات، چوتھے اسماء موصولہ اور ان دونوں قسموں کو مبہمات کہتے ہیں، پانچویں معرفہ حرف ندا کے ساتھ جیسے یَا رَجُلُ، چھٹے معرفہ الف لام کے ساتھ جیسے الرَّجُلُ، ساتویں مضاف ان میں سے کسی

ایک کی طرف جیسے غُلَامُہٗ اور غُلَامُ زَیْدٍ اور غُلَامُ ھٰذَا اور غُلَامُ الَّذِی عندی اور غُلَامُ الرَّجُلِ اور نکرہ وہ ہے جس کو طے کیا گیا ہو غیر متعین چیز کے لئے جیسے کوئی مرد اور کوئی گھوڑا۔

حل مضمون: ضَرْبٌ بمعنی قسم اور نوع ہے معرفۃ عَرَفَ سے مصدر ہے بمعنی پہچاننا، اصطلاح نحو میں اس اسم کو کہتے ہیں جو کسی متعین چیز کے لئے مقرر اور طے کیا گیا ہو جیسے آدمیوں کے نام گاؤں اور شہروں کے نام سب معرفہ ہیں کہ ہر نام ایک متعین آدمی اور متعین گاؤں اور شہر پر بولا جاتا ہے، متعین کا لفظ لا کر نکرہ نکالنا ہے کیونکہ نکرہ میں بھی کسی اسم کو کسی چیز کے لئے طے کیا جاتا ہے مگر معرفہ میں وہ چیز متعین ہوتی ہے نکرہ میں نہیں ہوتی ہے پھر معرفہ کی سات قسمیں ہیں: (۱) مضمرات یعنی ضمیریں ستر کی ستر (۷۰) معرفہ ہوتی ہیں جیسے ھُوَ ھِیَ اَنْتَ اَنْتِ وغیرہ۔

سوال: ھُوَ سے ہر مذکر غائب اور ھی سے ہر مؤنث غائب مراد لیا جاسکتا ہے پھر متعین کے لئے کہاں ضمیریں طے ہوئیں؟

جواب: ہر کوئی ھو ھی سے جب کسی کو مراد لے گا تو اس کے نزدیک وہ متعین ہی ہوگا، تو استعمال میں معرفہ ہیں گرچہ وضع کے اعتبار سے عام ہیں۔

(۲) اَعْلَامٌ عَلَمٌ بمعنی علامت کی جمع ہے کسی معین چیز کے لئے طے کیا ہوا اسم علَم کہا جاتا ہے یعنی اس اسم سے متعین چیز مراد لی گئی ہے جیسے خالد بول کر مخصوص شکل وصورت کا آدمی مراد لیا جائے گا۔

سوال: کبھی ایسا بھی تو ہوجاتا ہے کہ کئی آدمیوں نے اپنے بچے کا نام خالد رکھ لیا ہو تو اب خالد سے ہر کسی کا بچہ مراد ہوسکتا ہے جو متعین نہیں رہا کیا پتہ کونسا خالد ہے؟

جواب: وضع اور طے ایک ہونی ضروری ہے یعنی اپنی اپنی وضع اور طے کے لحاظ سے وہ بس ایک ہی کے لئے طے کیا گیا ہو لہٰذا ہر شخص اپنے ہی خالد کو پکارے گا اور اس کی طے کے لحاظ سے بس وہی شخص مراد ہوگا جس کا اس نے نام رکھا ہے، دوسرا خالد مراد نہیں ہوگا عَلَمٌ کو علم اسی بناء پر کہتے ہیں کہ وہ متعین چیز کے لئے علامت اور نشانی ہے۔

(۳) اسماء اشارہ جیسے ذا و ذان الخ ان کا ذکر آچکا ہے۔

(۴) اسماء موصولہ جیسے الّذی الّذان کا بیان ہوچکا۔

مبہمات گویند الخ: مُبْھَمَۃٌ کی جمع بمعنی پوشیدہ اور گول مول اسماء اشارات اور اسماء موصولات کا ایک نام مبہمات بھی ہے کیونکہ اسم اشارہ اور اسی طرح اسم موصول جب تک اول کے بعد مشار الیہ اور دوسرے کے بعد صلہ نہ لے آوے تو مخاطب کو ان سے جو مراد ہے اس کا پتہ نہیں چلتا چنانچہ ھٰذا صرف کہنے سے کیا معلوم کتاب ہے یا لڑکا ہے یا مسجد ہے یا گھر ہے ہاں جب ھٰذا کے بعد مشار الیہ لے آئیں گے اور ھٰذا الکتاب یا ھٰذا المسجد کہیں گے تو ھٰذا سے کیا مراد ہے سمجھ میں آجائے گا یہی حالت اسم موصول الّذی وغیرہ کا ہے کہ الّذی کے معنی وہ اور جو کے ہیں اب کون وہ اور جو مراد ہے بغیر اس کے صلہ کے سمجھ میں نہیں آئے گا کیونکہ الّذی ہر واحد مذکر کے لئے ہوسکتا ہے کتاب ہو آدمی ہو یا اور کوئی مذکر واحد چیز ہو ہاں جب صلہ آجائے گا

تو اَلَّذِی سے کیا مراد ہے معلوم ہو جائے گا مثلاً جَاءَ الَّذِی آیا وہ ادھورا کلام ہے جب کہا جَاءَ الَّذِی اَشْرَبَکَ الشَّایَ کہ وہ آیا جس نے تجھے چائے پلائی تو اب الّذی کا مصداق متعین ہو گیا یعنی چائے پلانے والا۔

(۵) **معرفه به ندا:** کسی بھی نکرہ اور غیر متعین پر حرف ندا لگانے سے وہ معرفہ ہو جاتا ہے چنانچہ رجلٌ یا ولدٌ ہر مرد اور لڑکے کے لئے ہے لیکن جب ہم نے حرف ندا لگا کر کہا یا رجل اور یا ولد تو اب صرف ایسا آدمی یا لڑکا مراد ہوگا جس کو حرف ندا کے ذریعہ ہم نے آواز لگا کر اپنی طرف متوجہ کیا ہے ہر کوئی مرد یا لڑکا مراد نہیں ہوگا۔

(۶) **معرفه بالف لام:** جس اسم کے شروع میں الف لام ہو اس کے ذریعہ بھی وہ معرفہ ہو جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ الف لام وہ نہ ہو جس کو محض تحسین اور خوبصورتی کے لئے کسی کلمہ پر لایا جاتا ہے جیسے الفَتحُ، الكَسرُ میں اور نہ یہ الف لام عہد ذہنی ہو جو نکرہ کے حکم میں ہے جیسے اِنِّی اَخَافُ اَنْ یَاکُلَهُ الذِّئْبُ میں کہ الذئب سے خواہ کوئی بھی بھیڑیا ہو مراد ہے الف لام کی قسمیں "سبق نمبر" میں آچکی ہیں وہاں دیکھ لیں بہر حال الف لام لگنے سے بھی عام شی متعین ہو جاتی ہے جیسے رجل سے ہر مرد لیکن الرجل سے خاص اور مخصوص مرد مراد ہوگا۔

سوال: مصنف نے مضمرات، اسماء اشارات، اسماء موصولات کی مثالیں کیوں نہیں دیں جیسے اعلام اور معرفہ بہ ندا، معرفہ الف لام کی دی ہیں؟

جواب: اول تین کا ذکر ماقبل میں آچکا ہے تو جانے ہوئے کو جتوانے کی کیا ضرورت تھی۔

(۷) **مضاف بیکے ازینها الخ:** ساتویں قسم معرفہ کی یہ ہے کہ کوئی غیر متعین اسم معرفہ کی پانچ قسموں (ضمیریں، اعلام، اسماء اشارات، اسماء موصولات، معرفہ بہ الف لام) میں سے کسی ایک کا مضاف بن جائے تب بھی یہ نکرہ اور غیر متعین معرفہ اور متعین ہو جائے گا، چنانچہ نکرہ کے ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامُهٗ ہے اور عَلَم کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامُ زَیْدٍ ہے اور اسم اشارہ کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامُ هٰذَا ہے اور اسم موصول کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامُ الَّذِی ہے اور معرف باللام کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامُ الرَّجُلِ ہے اور ایک قسم معرفہ کی یعنی معرفہ بہ ندا ایسی ہے کہ اس کی طرف مضاف ہونا نہیں پایا جاتا اسی لئے مصنف اس کی کوئی مثال نہیں لائے ہیں بہر حال **مضاف بیکے ازینها** سے کل پانچ قسمیں مراد ہیں معرفہ بہ ندا نکل جائے گی۔

ونکرہ آں است: نکرہ معرفہ کی ضد ہے معرفہ کی تعریف جاننے کے بعد نکرہ کی تعریف خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے مگر پھر بھی الگ نکرہ کی تعریف کر رہے ہیں کہ ہر وہ اسم جس سے متعین چیز کے بجائے غیر متعین مراد ہو اور غیر متعین کے لئے ہی اسے طے کیا گیا ہو مثلاً مرد جو رجل کا ترجمہ ہے کسی خاص مخصوص شکل کے مرد کو نہیں کہیں گے بلکہ ہر مرد کو کہہ سکتے ہیں ایسے ہی کتاب ہر کتاب کو برتن ہر برتن کو کہہ سکتے ہیں۔

سبق شانزدہم

بدانکہ اسم بر دو صنف است مذکر و مؤنث **مذکر** آنست کہ در و علامت تانیث نباشد چوں رَجُلٌ **و مؤنث** آنست در و علامت تانیث باشد چوں اِمْرَاءَۃٌ وعلامت تانیث چہار است تاء چوں طَلْحَۃٌ والف مقصورہ چوں حُبْلٰی والف ممدودہ چوں حَمْرَاءُ وتاء مقدرہ چوں اَرْضٌ کہ در اصل اَرْضَۃٌ بودہ است بدلیل اُرَیْضَۃٌ زیرا کہ تصغیر اسماء را با صل خود برد واین را مؤنث سماعی گویند وبدانکہ مؤنث بر دو قسم است حقیقی ولفظی حقیقی آنست کہ بازائے او حیوانے مذکر باشد چوں اِمْرَأَۃٌ کہ بازائے او رَجُلٌ است و نَاقَۃٌ کہ بازائے او جَمَلٌ است ولفظی آنست کہ بازائے او حیوانے مذکر نباشد چوں ظُلْمَۃٌ و قُوَّۃٌ۔

ترجمہ: ازاء مقابل، صنف بمعنی قسم بردے جاتی ہے، مذکر بمعنی نر، جان تو کہ اسم دو قسم پر ہے مذکر و مؤنث مذکر وہ ہے کہ اس میں علامت تانیث کی نہ ہو جیسے رجل اور مؤنث وہ ہے کہ اس میں علامت تانیث ہو جیسے اِمْرَأَۃٌ اور تانیث کی علامت چار ہیں (۱) تا جیسے طَلْحَۃٌ (۲) الف مقصورہ جیسے حُبْلٰی (حاملہ عورت) (۳) الف ممدودہ جیسے حَمْرَاءُ (سرخ رنگ کی عورت) (۴) تائے مقدرہ جیسے اَرْضٌ (زمین) کہ اصل میں اَرْضَۃٌ تھا اُرَیْضَۃٌ کی دلیل سے کیونکہ تصغیر اسموں کو اپنی اصل پر لے جاتی ہے اور اس کو مؤنث سماعی کہتے ہیں اور جان تو کہ مؤنث دو قسم پر ہے حقیقی اور لفظی حقیقی وہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی نر حیوان ہو جیسے اِمْرَأَۃٌ (عورت) کہ اس کے مقابلہ میں رجل (مرد) ہے اور نَاقَۃٌ (اونٹنی) کہ اس کے مقابلہ میں جَمَلٌ (اونٹ) ہے اور لفظی وہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی نر حیوان نہ ہو جیسے ظلمت (تاریکی) اور قُوَّۃٌ (طاقت)۔

حل مضمون: اسم کی قسمیں پہلے بیان کی تھی کہ دو ہیں معرفہ اور نکرہ یہاں پھر دوبارہ اسم کی قسمیں بیان کر رہے ہیں ایسا کیوں؟

جواب: اسم کی جو قسمیں اب بیان کر رہے ہیں وہ مذکر اور تانیث یا نر اور مادہ ہونے کے اعتبار سے کر رہے ہیں تو الگ الگ اعتبار سے اسم کی تقسیم کئی دفعہ ہو سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں چنانچہ ایک تقسیم آگے اور آرہی ہے وہ واحد تثنیہ اور جمع ہونے کے لحاظ سے ہوگی تو ایک ہی چیز کی مختلف اعتبارات سے مختلف قسمیں ہو جائیں اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا ہاں ایک ہی اعتبار سے کرنے پر اعتراض درست تھا چنانچہ ایک ہی آدمی ابا اور دادا دونوں ہو سکتا ہے بیٹے کے لحاظ سے ابا اور پوتے کے لحاظ سے دادا ایسے ہی استاذ اور شاگرد دونوں ہو سکتا ہے کسی کو پڑھایا استاذ بن گیا کسی سے پڑھا شاگرد بن گیا وغیرہ وغیرہ۔

صنف بمعنی قسم اس سے پہلے ضَرْبٌ کا لفظ بولا تھا اور آگے قسم کا آرہا ہے سب کا مطلب ایک ہے محض تفنن اور رنگ برنگا پن اختیار کرنے کے لئے تا کہ ایک ہی لفظ سے اکتاہٹ نہ ہو بدل بدل کر لے آتے ہیں۔

مذکر ذَکَر بمعنی عضو تناسل سے بنا ہے مادہ اور پیشاب گاہ رکھنے والی چیز کے مدمقابل کو مذکر یا نر بولا جاتا ہے یا عضو

تناسل والی چیز کو مذکر اور نر کہتے ہیں اور پیشاب گاہ رکھنے والی کو مادہ اور عورت کہتے ہیں لیکن یہ تو حیوانوں میں ہوتا ہے الفاظ اور اسماء میں مذکر وہ لفظ کہلائے گا جس میں مؤنث ہونے کی لفظی اور تقدیری علامتوں میں سے کوئی علامت نہ ہو اور جس میں ہو یہ علامت تو وہ مؤنث کہلائے گی، اب رہی علامات تانیث تو وہ چار ہیں (۱) تاء اگر مردوں کے نام میں آرہی ہے جیسے طَلْحَةُ میں تو ایسی تاء سے مؤنث کا فائدہ صرف اتنا ہوگا کہ لفظ کے غیر منصرف بنانے میں مدد دے گی چناں چہ طَلْحَةُ دو سبب (تانیث لفظی اور علم) کی وجہ سے غیر منصرف کہلائے گا لیکن صیغہ ہمیشہ ماضی یا مضارع کا مذکر ہی لانا پڑے گا چناں چہ ذَهَبَ طَلْحَةُ کہیں گے ذَهَبَتْ طَلْحَةُ کہنا غلط ہوگا۔

(۲) الف مقصورہ قَصَرَ يَقْصُرُ قَصْرًا سے بمعنی روکنا، تھامنا چونکہ الف مقصورہ کے ادا کرتے وقت بولنے والا اسی پر رک جاتا ہے بخلاف ممدودہ کے کہ اس میں آواز لمبی کرنے کے ساتھ ساتھ آگے ہمزہ پڑھنے کا موقع بھی رہتا ہے الف مقصورہ مؤنث جب بنائے گا جب کہ وہ تین حرفوں کے بعد آئے اسی لئے فتٰی کا الف مقصورہ ہونے کے باوجود مؤنث نہیں بنا رہا ہے بمعنی جوان ایسے ہی دعا کا الف مؤنث نہیں بنے گا نہ لا اِلٰی علٰی کا الف کیونکہ تین حرف کے بعد نہیں ہے۔

(۳) الف ممدود مَدَّ يَمُدُّ مَدًّا بمعنی کھینچنا کیونکہ الف ممدودہ میں مد متصل ہے یعنی الف کے بعد ہمزہ اسی کلمہ میں آنے سے اس کو کھینچا جاتا ہے اس لئے اس کو ممدودہ کہا جاتا ہے، تاء لفظی اور دونوں الفوں سے بننے والے مؤنث کو مؤنث قیاسی کہتے ہیں کیونکہ قیاس بمعنی قاعدہ اور اصل کے ہے تو چونکہ مؤنث قیاسی کا قاعدہ طے ہو گیا کہ جس اسم میں تا اور الف لگے ہوئے پائے جائیں ان کو مؤنث کہہ دو اس وجہ سے اس کا نام مؤنث قیاسی بن گیا اس کے مقابلہ میں آگے مؤنث سماعی آرہا ہے اور سَمَاعٌ بمعنی سننا کیوں کہ مؤنث سماعی جو اسم ہوگا اس میں ظاہری تو کوئی علامت مؤنث ہونے کی نہ ہوگی ہاں اہل عرب اور اہل زبان سے سننے کی وجہ سے اس کو مؤنث مانا جائے گا۔

(۴) تاء مقدرہ الخ یہ مؤنث کی چوتھی علامت ہے جو تاء کسی کے لفظ کے اندر ملحوظ ہو اور مان رکھی ہو اس کو تاء مقدرہ کہتے ہیں یعنی لفظوں میں تو وہ تاء نہیں ہوگی ہاں ذہن میں اس کو مان رکھا ہو جیسے اَرْضٌ، دَارٌ۔

سوال: اَرْضٌ اور دَارٌ میں تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ان میں تاء چھپی ہوئی ہے؟

جواب: کسی کلمہ کے جب تمام اصل حروف جاننے ہوں تو اس کو تصغیر کے وزن پر لے آتے ہیں کیونکہ تصغیر لانے میں اس کے تمام حروف اصلی ظاہر ہو جائیں گے چنانچہ اَرْضٌ اور دَارٌ تین حرفی کلمے ہیں ان کی تصغیر فُعَيْلٌ کے وزن پر آتی ہے تو اَرْضٌ کی تصغیر اُرَيْضَةٌ اور دَارٌ کی دُوَيْرَةٌ آتی ہے جس میں تاء آرہی ہے پتہ چلا کہ ان دونوں لفظوں میں تاء ہے اور یہ اَرْضَةٌ اور دَارَةٌ تھے اور دلیل اس کی تصغیر بن رہی ہے ایسے تمام الفاظ جن میں تاء مقدرہ ہوتی ہے مؤنثات سماعیہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان کے مؤنث ہونے میں کسی قیاس اور قاعدہ کو دخل نہیں صرف اہل زبان سے سننے پر مدار ہے کہ ان کو مؤنث بولتے اور پڑھتے سنا گیا ہے اس لئے ہم بھی مؤنث بولے اور پڑھیں گے۔

فائدہ: (مصباح اللغات) میں مذکر و مؤنث کی بحث شروع کتاب میں تفصیل سے ذکر کی ہے اس کو ضرور دیکھ لیا جائے چند مفید باتیں ہم بھی ذکر کرتے ہیں:

(۱) کچھ الفاظ مؤنث سماعیہ ہیں کہ جن کو مؤنث رکھنا ضروری ہے یہ واجب التانیث مؤنثات سماعیہ کہلاتے ہیں اور کچھ میں دونوں جائز ہے ان کو جائز التانیث مؤنث سماعیہ کہتے ہیں، (۲) اعضاء جسمانی جو جوڑ جوڑ اور جُفتْ ہیں یعنی دو دو ہیں وہ سب مؤنث ہوتے ہیں جیسے عَیْنٌ، اُذُنٌ وغیرہ علاوہ خَدٌّ (رخسار) صَدْغٌ (کنپٹی) مِرْفَقٌ (کہنی) حَاجِبٌ (ابرو) کے، (۳) شراب کے تمام نام مؤنث ہیں، (۴) دوزخ کے تمام نام مؤنث ہیں، (۵) ہوا کے تمام نام مؤنث ہیں علاوہ اِعْصَارٌ کے، (۶) بعض الفاظ میں مذکر و تانیث دونوں جائز ہیں مثلاً شہروں کے نام بتاویل مَوْضَعٌ مذکر اور بتاویل بَلْدَۃٌ مؤنث بن سکتے ہیں ایسے ہی حروف تہجی اب ت وغیرہ بھی مذکر و مؤنث دونوں طرح آتے ہیں ایسے ہی حروف عاملہ مِنْ اِلٰی عَلٰی بھی دونوں طرح استعمال کر سکتے ہیں ہاں جو نام عورتوں کے لئے خاص ہیں جیسے مریم، زینب یا جو الفاظ عورتوں کے ساتھ خاص ہیں ماں، بہن (اُمّ، اُخْتٌ) یا قبیلوں کے نام جیسے قریش یہ ہمیشہ مؤنث سماعی ہوا کرتے ہیں۔

حقیقی آنست الخ یہاں سے مؤنث کی دو اور قسموں کی طرف اشارہ ہے (۱) حقیقی (۲) لفظی۔ حقیقی وہ مؤنث ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی نر اور عضوتناسل والا جانور ہو جیسے اِمْرَأَۃٌ (عورت) کے مقابلہ میں رَجُلٌ (مرد) ہے اور نَاقَۃٌ (اونٹنی) کے مقابلہ میں جَمَلٌ (اونٹ) نر جانور ہے۔

سوال: دو مثالیں حقیقی کی کیوں دی ہیں؟

جواب: مؤنث حقیقی کی دو قسمیں ہیں: (۱) اقویٰ (۲) ادنیٰ کیونکہ انسانوں کی حیوانیت عام جانوروں سے بڑھی ہوئی ہے چنانچہ نَاقَۃٌ کے بمقابلہ اِمْرَأَۃٌ کم حیوانیت رکھنے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سَارَ النَّاقَۃُ تو کہہ سکتے ہیں فعل مذکر لا کر لیکن سَارَ الْمَرْأَۃُ کہنا غلط ہے نیز حیوانوں اور جانوروں میں مذکر و مؤنث دونوں اکثر اغراض میں متحد ہیں چنانچہ ذبح کرنے اور سواری کرنے میں نر اور مادہ برابر ہوتے ہیں بخلاف انسانوں کے کہ ان میں مرد اور عورت کی اغراض پیدائش الگ الگ ہیں اس لئے بہائم کی تانیث آدمیوں سے کمتر ہے۔

لفظی آنست الخ لفظی میں یاء نسبتی ہے بمعنی (والا) اصطلاح میں مؤنث لفظی وہ مؤنث ہے جس کے مقابلہ میں نر جاندار نہ ہو جیسے ظُلْمَۃٌ بمعنی (تاریکی) کہ اس کے مقابلہ میں اگرچہ نُوْرٌ ہے لیکن وہ جاندار نہیں ہے اسی طرح قُوَّۃٌ بمعنی (طاقت) کہ اس کے مقابلہ میں ضُعْفٌ ہے لیکن جاندار نہیں ہے چونکہ اس کے مقابلہ میں نر جاندار نہ ہونے کی وجہ سے اس میں معنی تانیث کے نہیں ہوتے بلکہ صرف باعتبار لفظ تانیث ہوتی ہے کہ لفظ میں علامت تانیث پائی جاتی ہے لہٰذا اس کو مؤنث لفظی کہتے ہیں کیونکہ عضوتناسل جس سے نر اور مادہ بنا کرتے ہیں وہ مؤنث لفظی میں نہیں ہوتے۔

سبق ہفت دہم

الفاظ مشکلہ کی تشریح: ''صنف'' ''قسم'' ''پیوند'' ''ملی ہوئی، جوڑی ہوئی'' ''ابنیہ'' ''بناء کی جمع وزن مجال گنجائش'' ''اطلاق کنند'' ''بولتے ہیں اطلاق کرتے ہیں اَبْنِیَۃٌ اوزان۔ بدانکہ اسم بر سہ صنف است **واحد و مثنی و مجموع واحد** آنست کہ دلالت کند بر یکے چوں رَجُلٌ **و مثنی** آنست کہ دلالت کند بر دو بسبب آں کہ الف یا یائے ماقبل مفتوح و نون مکسورہ بآخرش پیوندد چوں رَجُلَانِ و رَجُلَیْنِ **مجموع آنست** کہ دلالت کند بر بیش از دو بسبب آں کہ تغیرے در واحدش باشد لفظاً چوں رِجَالٌ یا تقدیراً چوں **فُلْک** کہ واحدش نیز **فُلْک** است بر وزن قُفْلٌ و جمعش ہم فُلْک بر وزن اُسْدٌ بدانکہ جمع باعتبار لفظ بر دو قسم است **جمع تکسیر و جمع تصحیح جمع تکسیر** آں است کہ بنائے واحد در وسلامت نباشد چوں رِجَالٌ و مساجدُ، و ابنیۂ جمع تکسیر در ثلاثی بسماع تعلق دارد و قیاس را در و مجالے نیست اما در رباعی و خماسی بر وزن فَعَالِلُ آید چوں جَعْفَرٌ و جَعَافِرُ و جَحْمَرِشٌ و جَحَامِرُ بحذف حرف خامس، **وجمع تصحیح آنست** کہ بنائے واحد در وسلامت ماند و آں بر دو قسم است جمع مذکر و جمع مؤنث **جمع مذکر** آنست کہ واوی ماقبل مضموم یا یائے ماقبل مکسور و نون مفتوح در آخرش پیوندد چوں مُسْلِمُوْنَ و مُسْلِمِیْنَ **وجمع مؤنث** آنست کہ الفے با تائے بآخرش پیوندد چوں مُسْلِمَاتٌ بدانکہ جمع باعتبار معنی بر دو نوع است **جمع قلت و جمع کثرت جمع قلت** آنست کہ بر کم از دہ اطلاق کنند و آں را چہار بناست اَفْعُلٌ مثل اَکْلُبٌ و اَفْعَالٌ چوں اقوال و اَفْعِلَۃٌ مثل اَعْوِنَۃٌ و فِعْلَۃٌ چوں غِلْمَۃٌ و دو جمع تصحیح بے الف و لام یعنی مُسْلِمُوْنَ و مُسْلِمَاتٌ **وجمع کثرت** آنست کہ بر دہ و بیشتر از دہ اطلاق کنند و ابنیۂ آں ہر چہ غیر ازیں شش بناست۔

ترجمہ: جان تو کہ اسم تین قسم پر ہے واحد تثنیہ جمع **واحد** وہ ہے کہ دلالت کرے ایک پر جیسے رَجُلٌ (ایک مرد یا کوئی مرد) اور **تثنیہ** وہ ہے کہ دلالت کرے دو پر اس وجہ سے کہ الف یا یائے ماقبل مفتوح اور نون مکسور اس کے (مفرد) کے آخر میں جوڑ دیں جیسے رَجُلَانِ اور رَجُلَیْنِ (دو مرد) اور **جمع** وہ ہے کہ دلالت کرے دو سے زیادہ پر اس وجہ سے کہ کوئی تبدیلی اس کے واحد میں ہو یا تو لفظاً جیسے رِجَالٌ (بہت سے مرد) یا تقدیراً (بطور فرض اور اعتبار کرنے کے) جیسے فُلْکٌ (کشتیاں) کہ اس کا واحد بھی فُلْکٌ ہے قُفْلٌ (تالا) کے وزن پر

اور اس کی جمع بھی فُلک ہے اُسُدٌ (شیر) کے وزن پر جان تو کہ جمع لفظ کے لحاظ سے دو قسم پر ہے جمع تکسیر اور جمع تصحیح جمع تکسیر وہ ہے کہ واحد کا وزن اس میں سلامت (جوں کا توں) نہ رہے جیسے رِجَالٌ (بہت سے مرد) مَسَاجِدُ (بہت سی مسجدیں) اور جمع تکسیر کے اوزان ثلاثی (کلمہ) میں سننے سے تعلق رکھتے ہیں اور عقل (قاعدہ) کو اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے بہر حال چار حرفی اور پانچ حرفی کلموں میں فَعَالِلُ کے وزن پر آتی ہے جیسے جَعْفَرٌ (نام ایک آدمی کا یا ندی یا نالہ) اور جَعَافِرُ اور جَحْمَرِشٌ (بڑھیا بدشکل عورت) جَحَامِرُ پانچواں حرف حذف کرنے کے ساتھ اور **جمع تصحیح** وہ ہے کہ واحد کا وزن اس میں برقرار رہے اور وہ دو قسم پر ہے جمع مذکر اور جمع مؤنث **جمع مذکر** وہ ہے کہ کوئی واؤ ماقبل مضموم یا کوئی یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح اس کے آخر میں ملا ہوا ہو جیسے مُسْلِمُوْنَ اور مُسْلِمِيْنَ اور **جمع مؤنث** وہ ہے کہ کوئی الف تا کے ساتھ اس کے آخر میں جڑا ہوا ہو جیسے مُسْلِمَاتٌ اور جان تو کہ جمع معنی کے لحاظ سے دو قسم پر ہے جمع قلت جمع کثرت **جمع قلت** وہ ہے کہ دس سے کم پر (تین سے نو تک) اطلاق کریں یعنی بولیں اور اس کے چار وزن ہے اَفْعُلٌ جیسے اَكْلُبٌ اور اَفْعَالٌ جیسے اَقْوَالٌ اور اَفْعِلَةٌ جیسے اَعْوِنَةٌ اور فِعْلَةٌ جیسے غِلْمَةٌ اور دو جمع تصحیح بغیر الف لام کے جیسے مُسْلِمُوْنَ اور مُسْلِمَاتٌ اور **جمع کثرت** وہ ہے کہ دس پر اور دس سے زیادہ پر بولیں اور اس کے اوزان جو کچھ کے ان چھ وزنوں کے علاوہ ہیں۔

حل مضمون: واحد آنست: واحد بمعنی ایک جو اسم یا لفظ ایسا ہو کہ اس سے ایک ہی آدمی یا چیز سمجھی جاوے اس کو واحد کہتے ہیں جیسے رَجُلٌ یا قَلَمٌ ایک مرد یا ایک قلم۔

مثنی آں است الخ مثنی اسم مفعول کا صیغہ ہے ثنی یُثَنِّی تثنیۃً باب تفعیل سے دو یا دوہرا کرنا تثنیہ اس لفظ یا اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں اگر الف اور نون مکسورہ زیادہ کر دیں جیسے رَجُلٌ سے رَجُلَانِ اور قَلَمٌ سے قَلَمَانِ تو اس سے دو مرد یا دو چیز مراد ہونے لگیں یہ تو جب یہ تثنیہ کلمہ فاعل یا نائب فاعل یا مبتدا خبر بنیں یعنی رفعی حالت میں الف نون لگانا پڑتا ہے اور جب حالت نصبی یا جری میں ہو تو پھر کسی کلمہ کے آخر میں یا ماقبل مفتوح اور نون مکسور لگانے سے دو کے معنی پیدا ہو جائیں گے جیسے رَجُلٌ اور قَلَمٌ سے رَجُلَيْنِ یا قَلَمَيْنِ بولیں گے۔

بسبب آنکه: یہ جو کہا کہ کسی مفرد کے آخر میں الف نون یا یاء نون لگانے سے اس کے معنی دو کے بنے ہوں اس سے ایسے تثنیہ کو نکال دیا ہے کہ جو تثنیہ تو ہو لیکن الف نون اور یاء نون لگنے سے تثنیہ نہ بنا ہو مثلاً كِلَا اور كِلْتَا ایسے ہی اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ۔

سوال: كِلَا اور كِلْتَا ایسے ہی اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ اگر تثنیہ نہیں ہیں تو پھر ان کو کیا کہو گے؟

جواب: تثنیہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) حقیقی (۲) صوری (۳) معنوی۔ **حقیقی تثنیہ** اسے کہتے ہیں جس میں تین بات موجود ہوں (۱) اس کا واحد من لفظہ ہو (۲) اس کے آخر میں علامت تثنیہ الف نون یا یاء نون آرہا ہو (۳) اس کے معنی دو کے

ہوں جیسے رَجُلَانِ رَجُلَیْنِ تثنیہ حقیقی کی مثال ہے کہ ان کا واحد من لفظہ بھی ہے یعنی رَجُلٌ اور ان کے آخر میں تثنیہ کی علامت بھی اور معنی بھی دو کے ہوتے ہیں۔

تثنیہ صوری وہ ہے جس میں دو بات ہو اخیر والی یعنی اس کے آخر میں الف نون اور یاء نون ہو اور معنی بھی تثنیہ کے ہوں

تثنیہ معنوی وہ ہے کہ جس میں صرف ایک بات ہو یعنی صرف اس کے معنی تو تثنیہ کے ہیں لیکن نہ اس کا واحد من لفظہٖ ہو اور نہ اس کے آخر میں علامت تثنیہ الف نون وغیرہ ہو تو **جواب** کا حاصل یہ ہے کہ مصنف نے جس تثنیہ کی تعریف کی ہے وہ حقیقی ہے رہا اثنان و اثنتان تو یہ تثنیہ صوری ہیں اور کلا و کلتا تثنیہ معنوی ہیں۔ لہٰذا ہم جس تثنیہ کی تعریف کر رہے ہیں ان کو لے کر اس پر کوئی اشکال نہیں۔

مجموع آنست الخ۔ مجموع بمعنی جمع اور اکٹھا کیا ہوا اصطلاح میں ایسے کلمہ یا لفظ کو کہتے ہیں کہ جس سے دو سے زیادہ آدمی یا چیزوں کو مراد لیا جائے اور یہ دو کو مراد لینا اس بناء پر ہو کہ اس کے واحد میں کوئی تبدیلی کر لی گئی ہو چاہے وہ تبدیلی لفظوں میں ہو جیسے رَجُلٌ میں راء کو کسرہ دیا اور جیم کو فتح اور جیم اور لام کے بیچ میں ایک الف بڑھا دیا تو رِجَالٌ جمع بن گئی تو اس میں رَجُلٌ میں جو واحد ہے تبدیلی کر کے جمع بنی ہے یا وہ تبدیلی لفظوں میں تو کچھ نہ ہو البتہ محض ذہنی اور اعتباری یعنی فرضی ہو جیسے فُلْکٌ بمعنی کشتی اور کشتیاں دونوں ہے کیوں کہ فُلْکٌ واحد بھی جمع بھی ہے جب واحد مانیں گے تو خیال کریں گے کہ یہ قُفْلٌ (بمعنی تالا) کے وزن پر ہے جو مفرد ہے اور جب جمع مانیں گے تو ذہن میں سوچ لیں گے کہ اُسْدٌ (بمعنی بہت سے شیر) اَسَدٌ کی جمع ہے) کے وزن پر ہے جو جمع ہے، اردو میں بھی اس طرح کے لفظ ہیں جو واحد اور جمع دونوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً مرد کا لفظ واحد بھی ہوتا ہے جیسے کہا وہ مرد آ گیا اور جمع بھی جیسے کہیں وہ مرد آ گئے۔ ایسے ہی عربی میں ہِجَانٌ بمعنی سفید اونٹ اور دِلَاصٌ بمعنی چمکدار جیسے دِرْعٌ دِلَاصٌ چمکدار زرہ یہ دونوں لفظ کِنَازٌ بمعنی گٹھے جسم والا کے وزن پر مفرد ہیں اور کِرَامٌ کَرِیْمٌ کی جمع کے وزن پر جمع ہیں تو اعتباری اور تقدیری جمع عربی زبان میں شائع اور ذائع ہے کوئی انوکھی بات نہیں (از کشاف سورہ شعراء رکوع نمبر ۶ تحت قولہ تعالیٰ فی الفلک المشحون)

فائدہ نمبر ا۔ جمع بناتے وقت واحد میں تغیر اور تبدیلی چھ طرح پر ہے:

۱۔ مفرد پر زیادتی بلا مفرد کی شکل بدلے جیسے صِنْوٌ کی جمع صِنْوَانٌ (صِنْوٌ کے اصل معنی ایک ہی جڑ سے دو درخت کا نکلنا اسی لئے کہتے ہیں اَلْعَمُّ صِنْوُ اَبِیْہِ کہ چچا اور باپ دونوں کی جڑ ایک ہے یعنی دادا)

۲۔ مفرد کو کم کر دیں بلا اس کی شکل بدلے جیسے تُخَمَۃٌ سے تُخَمٌ بمعنی بدہضمی۔

۳۔ مفرد کی شکل بدل دیں اس مفرد میں کمی زیادتی کئے بغیر پھر یہ شکل بدلنا یا تو حقیقۃً ہو جیسے اَسَدٌ سے اُسْدٌ یا محض فرضی اور اعتباری ہو جیسے فُلْکٌ میں۔

۴۔ مفرد پر زیادتی ہو مفرد کی شکل بدلنے کے ساتھ جیسے رَجُلٌ سے رِجَالٌ.

۵- مفرد میں کمی کر کے مع تغییر شکل جیسے رسولٌ سے رُسُلٌ .
۶- مفرد میں کمی زیادتی بھی ہو اور شکل بھی بدل جائے جیسے غُلَامٌ سے غِلْمَانٌ)

فائدہ نمبر ۲-جمع کی اور بھی قسمیں ہیں:۱-جمع من غیر لفظہ کہ مفرد کے الفاظ اور ہوں جمع کے اور ہوں جیسے ذُو کی جمع اُولُو بمعنی والے یا اِمْرءة کی جمع نِساءٌ ۔۲-جمع تقدیری یا اعتباری جس کا ذکر فُلْکٌ میں آچکا ہے۔۳-جمع الجمع کہ جمع کی بھی جمع آوے جیسے مَکَانٌ کی جمع اَمْکِنَۃٌ اور اَمْکِنہ کی جمع اَمَاکِنٌ بمعنی جگہ اور اس کو جمع منتہی الجموع بھی کہتے ہیں جس کے دو وزن مساجد و مصابیح مشہور ہیں۔

بداں کہ جمع باعتبار لفظ الخ-یہاں سے بھی جمع کی تقسیم کرتے ہیں اور یہ تقسیم لفظ کے اعتبار سے ہے نہ کہ معنی کے جیسا کہ آئندہ آرہا ہے۔

سوال-لفظ کے اعتبار سے ہونے کا مطلب سمجھایئے۔

جواب-جمع کی دو قسمیں جو یہاں مذکور ہیں وہ جمع تکسیر اور جمع تصحیح ہیں اور یہ دونوں لفظوں کے اندر تغیر و تبدل سے بنتی ہیں چناں چہ اگر واحد ہی کے الفاظ میں ردو بدل کر کے وہ جمع بنے چاہے وہ رد و بدل اس کے حروف میں ہو کم زیادہ کر کے یا اس کی حرکات و سکنات میں تو ایسی جمع کو مکسر کہتے ہیں اور اگر واحد علی حالہ اور جوں کا توں رہے اس میں رد و بدل نہ ہوئی ہو اور پھر واؤ نون یا یٰ نون بڑھا کر بنالیں تو یہ جمع تصحیح یا جمع سالم کہلاتی ہے جیسے مُسْلِمٌ سے مُسْلِمُوْنَ ہے جمع تکسیر اور تصحیح کی تعریف سے ان کی وجہ تسمیہ بھی سمجھ آگئی ہوگی کہ تکسیر بمعنی توڑنا اور تصحیح بمعنی صحیح اور درست رکھنا اول میں واحد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے دوسری میں باقی رہتا ہے۔

وابنیہ جمع تکسیر الخ- جمع تکسیر کس وزن پر آیا کرتی ہے اس کی تفصیل کرتے ہیں کہ جس کلمہ کی جمع تکسیر لاؤ گے یا تو وہ ثلاثی یعنی تین حرفی ہوگا یا رباعی یعنی چار حرفی یا خماسی یعنی پانچ حرف پر مشتمل ہوگا اگر ثلاثی ہے تو اس کا کوئی قاعدہ نہیں ہے تین حرفی کلمہ کی جمع تکسیر کچھ بھی آسکتی ہے البتہ واحد میں تغیر کر کے بنے گی اور واحد میں تغیر چھ طرح کا ہوتا ہے جس کی تفصیل ہم بتا چکے ہیں۔تو ثلاثی کی جمع سماع اور اہل زبان پر موقوف ہے جس ثلاثی کی وہ جو جمع لائیں گے ویسے ہی ہم کو لانی پڑے گی۔کوئی متعین نہیں کہ فلاں وزن پر لے آئیں گے ہاں رباعی اور خماسی کا قاعدہ طے ہے کہ فَعَالِلُ کے وزن پر آیا کرتی ہے جیسے جَعْفَرٌ سے جَعَافِرُ اور جُحْمُرِشٌ سے جحامر خماسی کی جمع میں دو قول ہیں۔۱-پانچواں حرف حذف کر کے لائیں گے جیسے جحمرش سے شین گرا کر جحامر لاتے ہیں۔۲-حرف زوائد جن کا مجموعہ الیوم تنساہ ہے میں سے کسی کو حذف کر کے جیسے جحمرش میں میم زوائد میں سے ہے کو گرا کر جحارشُ لائیں گے۔

سوال-فرزدق کی جمع فرازق آتی ہے دال گرا کر حالاں کہ دال حروف زوائد میں سے نہیں ہے۔

جواب-دال حروف زوائد میں سے اگر چہ نہیں ہے لیکن تے حرف زائد کے مشابہ ہے مخرج میں کیوں کہ دونوں زبان کی نوک

ثایا علیا کی جڑ سے نکلتے ہیں اور مشابہ بزوائد کا حکم بھی کرنے میں زوائد ہی کی طرح مانا گیا ہے فلا اشکال۔

جمع تصحیح -جس کا دوسرا نام جمع سالم بھی ہے کی دو قسمیں ہیں:۱-جمع مذکر۔۲-جمع مؤنث واحد کے وزن میں واؤ نون یا ی نون لگنے سے جو جمع بنے وہ مذکر کہلاتی ہے کیوں کہ مردوں کے لیے استعمال ہوتی ہے اور جو جمع واحد میں الف تا لگنے سے بنے اس کو جمع مؤنث کہتے ہیں کیوں کہ عورتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جیسے **مسلمون** اور **مسلمات**.

سوال-جمع مذکر کی جمع واؤ نون یا یا نون کے علاوہ الف تاء سے بھی آتی ہے جیسے **صافن** بمعنی ایسا گھوڑا جو تین ٹانگوں اور چوتھی کے صرف کھر پر کھڑا ہو کی جمع صافنات اور خالی بمعنی خالی کی خالیات ۔ایسا کیوں؟

جواب-جمع مذکر اگر غیر عاقل ہو تو اس کی آسکتی ہے۔

بداں کہ جمع باعتبار معنی الخ یہ تقسیم جمع کی معنی کے اعتبار سے ہے کیوں کہ کسی جمع سے کتنے اشخاص یا چیزیں مراد ہوں گی اس کی تفصیل یہاں سے کر رہے ہیں۔

سوال-یہ تقسیم معنی کے لحاظ سے ہے کیسے؟

جواب -معنی کہتے ہیں کسی بھی لفظ سے جو کچھ تم مراد لو تو ان جمعوں میں بھی یہی بتایا جائے گا کہ جمع **قلت** میں تو تین سے نو تک اشخاص یا چیزیں مراد لیجا سکتی ہیں اور جمع کثرت میں ایک قول کے مطابق دس اور اس سے اوپر کا عدد مراد ہوگا اور دوسرے قول کے مطابق گیارہ یا اس سے اوپر کے افراد مراد ہوں گے جمع **قلت** کے اوزان چھ ہیں چار تو جمع مکسر والے:(۱)اَفْعُلٌ جیسے کَلْبٌ بمعنی کتا کی جمع اَکْلُبٌ ۔(۲)افعالٌ جیسے اَقْوالٌ قول بمعنی گفتگو کی جمع (۳)اَفْعِلَۃٌ جیسے اَعْوِنَۃٌ عوان بمعنی آدھی عمر کا(۴) فِعْلَۃٌ جیسے غِلْمَۃٌ غلام کی جمع اور دو جمع تصحیح کے یعنی جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم یہ بھی جمع قلت میں ہی شمار ہیں مگر شرط یہ ہے کہ الف لام ان پر نہ ہو جیسے **مسلمون** اور **مسلمات** کیوں کہ الف لام ہونے کی صورت میں یا تو الف لام جنسی ہوگا یا استغراقی جس سے یہ دونوں جمع کثرت کے وزن بن جائیں گے جیسا کہ قرآن ان المسلمین والمسلمات الخ میں ہے۔

جمع کثرت کے اوزان:-اوپر کے چھ جمع قلت کے اوزان کے علاوہ سب جمع کثرت کے ہیں پھر بھی اگر جمع کثرت کے اوزان جاننے ہوں تو مصباح اللغات کے مقدمہ میں تفصیل سے موجود ہیں۔

سوال-لفظ قُرُوْءٌ جو قرآن میں **والمطلقات یتربصن** بِاَنْفُسِھِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوْءٍ میں ہے یہ جمع قلت کا وزن نہیں ہے حالاں کہ ثلثۃ کے لفظ کا اس کے ساتھ ہونا قرینہ ہے کہ اس سے جمع قلت مرداہے۔

جواب-کبھی جمع کثرت کا وزن جمع قلت کے لیے بھی لے لیا جاتا ہے۔

فائدہ- قرْءٌ کا لفظ اضداد میں سے ہے بمعنی حیض بھی آتا ہے اور بمعنی طہر بھی اس آیت میں حنفیہ کے نزدیک بمعنی حیض ہے اور عند الشافعیہ بمعنی طہر اور پاکی ہے۔

سبق ہیژدہم

فصل بداں کہ اعراب اسم سہ است رفع ونصب وجر اسم متمکن باعتبار وجوہ اعراب بر شانزدہ قسم است **اول** مفرد منصرف صحیح چوں زَیْدٌ **دوم** مفرد منصرف جاری مجرائے صحیح چوں دَلْوٌ **سوم** جمع مکسر منصرف صحیح چوں رِجَالٌ رفع شان بضمہ باشد ونصب بفتح وجر بکسرہ چوں جَاءَ نِیْ زَیْدٌ وَدَلْوٌ ورِجَالٌ وَرَأَیْتُ زَیْداً وَدَلْواً و رِجَالاً وَمَرَرْتُ بِزَیْدٍ وَدَلْوٍ وَرِجَالٍ **چھارم** جمع مؤنث سالم رفعش بضمہ باشد ونصب وجر بکسرہ چوں ھُنَّ مُسْلِمَاتٌ وَرَأَیْتُ مُسْلِمَاتٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ۔

ترجمہ- جان تو کہ اسم کے اعراب تین ہیں۔(۱) رفع (۲) نصب۔(۳) جر اسم متمکن اعراب کی صورتوں کے لحاظ سے سولہ قسم پر ہے۔**اول** مفرد منصرف صحیح جیسے زَیْدٌ۔**دوم** مفرد منصرف قائم مقام صحیح جیسے دَلْوٌ **سوم** جمع مکسر منصرف صحیح جیسے رِجَالٌ ان کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدٌ وَدَلْوٌ ورِجَالٌ اور رَأَیْتُ زَیْداً وَدَلْواً و رِجَالاً اور وَمَرَرْتُ بِزَیْدٍ وَدَلْوٍ وَرِجَالٍ **چھارم** جمع مؤنث سالم اس کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب وجر کسرہ کے ساتھ ہوگا جیسے ھُنَّ مُسْلِمَاتٌ وَرَأَیْتُ مُسْلِمَاتٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ۔

حل مضمون- یہاں سے مصنفؒ بتلاتے ہیں کہ اعراب کتنے ہیں اور جہاں وہ آئیں گے وہ جگہ کتنی ہیں چناں چہ اعراب تو تین ہیں رفع، نصب، جر اور اسم متمکن بمعنی اعراب قبول کرنے والا اسم) جس کو معرب بھی کہتے ہیں تو گویا معرب یا جس کلمہ پر اعراب آئے وہ سولہ طرح کے ہیں۔ ۱-وہ کلمہ جس پر اعراب لانا چاہتے ہیں ان آئندہ صفات والا ہو۔ ۱-مفرد ہو یعنی تثنیہ جمع نہ ہو کیوں کہ تثنیہ جمع کا اعراب آئندہ آرہا ہے۔ ۲-منصرف ہو یعنی غیر منصرف نہ ہو جس میں دو سبب یا ایک سبب دو کے قائم مقام والا ہوا کرتا ہے کیوں کہ غیر منصرف کلمہ کا اعراب عنقریب آرہا ہے۔ ۳-صحیح ہو یعنی معتل نہ ہو کہ اس کے آخر میں حرف علت ہو جیسا کہ اسم مقصور اور اسم منقوص میں ہوا کرتا ہے کیوں کہ مقصور اور منقوص کلمات کا اعراب بھی آگے آئے گا۔

فائدہ- صحیح اہل نحو کے نزدیک وہ کلمہ کہلاتا ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو خواہ بیچ اور شروع میں ہوتا رہے چناں چہ قَوْلٌ صحیح کہلائے گا عند النحویین کیوں کہ ان کے یہاں اعراب کا تعلق آخری حرف سے ہے لہٰذا اگر آخری حرف صحیح ہوگیا یعنی حرف علت اس کے آخر میں نہ ہوا تو اعراب کا آنا ممتنع نہیں بنے گا اور اہل صرف کے یہاں صحیح کلمہ وہ بنتا ہے کہ جس کے فاء عین لام تین حرف اصلی کی جگہ نہ حرف علت ہو ورنہ معتل کہلائے گا اور نہ ہمزہ ہو ورنہ مہموز کہلائے گا اور نہ ڈبل حرف ہو ورنہ مضاعف بن جائے گا۔ کیوں کہ عند الصرفیین تینوں اصلی حروف کی جگہ میں کسی کی جگہ بھی حرف علت یا ہمزہ یا ڈبل حرف آنے سے کلمہ کی

ساخت اور بناوٹ میں فرق پڑتا ہے لہٰذا ان کے یہاں صحیح ہونے سے نکل جائے گا)

بہر حال جس کلمہ میں تین بات موجود ہوں۔(۱) مفرد ہونا۔(۲) منصرف ہونا۔(۳) صحیح ہونا تو اس کا اعراب بالحرکۃ ہوگا یعنی زبر زیر پیش کے ساتھ آئے گا اور حقیقی ہوگا یعنی سب حالتوں میں الگ الگ اعراب آئے گا کوئی حالت کسی کے تابع نہیں ہوگی، چناں چہ کہیں گے جاءَ زیدٌ و رایتُ زیداً و مَرَرْتُ بزیدٍ حالت رفعی میں زیدٌ دو پیش کے ساتھ پڑھیں گے اور نصی میں زیداً دو زبر کے ساتھ اور حالت جری میں زیدٍ دو زیر کے ساتھ پڑھیں گے۔

سوال - کوئی کلمہ حالت رفعی یا نصبی یا جری میں کب کب شمار ہوگا اور کس طرح سمجھیں گے کہ حالت رفعی میں ہے یا حالت نصی میں ہے یا حالت جری میں ہے۔

جواب - مرفوعات آٹھ ہیں منصوبات بارہ ہیں اور مجرورات دو ہیں تو جو کلمے مرفوع ہوں گے وہ سب حالت رفعی میں کہلائیں گے اور جو منصوب ہوں گے وہ حالت نصی میں شمار ہوں گے اسی طرح مجرور کلمے حالت جری میں کہلائیں گے۔

سوال - کلمہ کب کب مرفوع کہلائے گا۔

جواب - اگر آٹھ حالتوں میں کوئی ایک حالت طاری ہو تو وہ مرفوع کہلائے گا مثلاً فاعل بنے یا نائب فاعل یا مبتدا یا خبر یا انَّ کانَّ حروف مشبہ بالفعل کی خبر بنے یا افعال ناقصہ کان صار کا اسم ہو یا لاء نفی جنس کی خبر بنے یا ما اور لا مشابہ بلیس کا اسم ہو تو ان سب حالتوں میں آنے والا کلمہ حالت رفعی میں کہلائے گا اسی طرح اگر کوئی کلمہ بارہ حالتوں میں سے کسی حالت میں آئے مثلاً مفعول مطلق بنے، یا مفعول بہ یا مفعول فیہ یا مفعول لہ یا مفعول معہ یا حال یا تمیز یا مستثنیٰ یا حروف مشبہ بالفعل اِنَّ اَنَّ وغیرہ کا اسم ہو یا افعال ناقصہ کان وغیرہ کی خبر ہو یا لاء نفی جنس کا اسم ہو یا ما لا مشابہ بلیس کی خبر بنے تو وہ حالت نصی میں کہلائے گا ایسے ہی جو کلمہ مضاف الیہ ہے یا حرف جر کے بعد آئے مجرور ہوگا اور حالت جری میں کہلائے گا۔

موم مفرد منصرف جاري مجرائي صحيح الخ یہاں سے دوسرا محل اور جگہ بتلاتے ہیں جس پر اعراب آئے گا یعنی وہ کلمہ مفرد بھی ہو منصرف ہو اور صحیح تو نہ ہو لیکن صحیح کی طرح ہو جاری مجری بمعنی قائم مقام ہے صحیح کی تعریف تو اول قسم میں آچکی ہاں قائم مقام صحیح یا صحیح کی طرح کلمہ کس کو کہیں گے اس کو جانئے کہ جو کلمہ ایسا ہو کہ اس کے آخر یا لام کلمہ کی جگہ میں حرف علت ہو اور اس سے پہلے ساکن ہو جیسے دلوٌ اور ظبیٌ وہ قائم مقام صحیح کہلاتا ہے۔

سوال - یہ کلمہ کس چیز میں صحیح کے قائم مقام ہے؟

جواب - تعلیل کو قبول نہ کرنے میں یعنی اس طرح کے کلمہ کا آخری حرف علت نہیں گرا کرتا کیوں کہ حرف علت عام طور سے ثقل اور بھاری پن کی وجہ سے گرتا ہے اور جہاں حرف علت سے پہلے ساکن موجود ہو وہاں ثقل نہیں ہوتا تو حرف علت بھی نہیں گرتا لہٰذا ایسے کلمہ کا حرف علت مثل حرف صحیح کے اعراب قبول کرلے گا اور کوئی دقت نہ ہوگی چناں چہ کہیں گے جاءنی دلوٌ و رایت دلواً و مررت بدلوٍ۔ اس میں دلوٌ قائم مقام صحیح والا کلمہ ہے اور تینوں حالتوں میں اعراب حقیقی قبول کر رہا ہے۔

سوم جمع مکسر منصرف الخ- تیسرا محل اور جگہ اعراب آنے کی اس طرح کا کلمہ ہے کہ جمع ہو لیکن مکسر والی جمع تصحیح (جمع سالم) نہ ہو کیوں کہ اس کا اعراب آئندہ آرہا ہے نیز جمع مکسر بھی دو ہیں منصرف غیر منصرف یہاں منصرف والی جمع مکسر مراد ہے کیوں کہ غیر منصرف جمع مکسر کا اعراب غیر منصرف والا ہوگا جس کا بیان پانچویں نمبر پر آرہا ہے۔

سوال- جمع مکسر منصرف والی اور غیر منصرف والی کی پہچان کیا ہے؟

جواب- جو جمع فَعَالِلُ فَعَالِيْلُ کے وزن پر آجائے جیسے اَكَالِبُ (کلب کی جمع الجمع ہے بمعنی کتا) یا اَنَاعِيْمُ (نَعَمٌ بمعنی چوپایہ کی جمع الجمع) تو یہ غیر منصرف ہوں گی باقی سب منصرف ہوتی ہیں۔

بہر حال جمع مکسر غیر منصرف کلمہ کا اعراب اپنے ماقبل کی دو قسموں (مفرد منصرف صحیح ۲- مفرد منصرف قائم مقام صحیح) کی طرح اعراب بالحرکت حقیقی ہوگا جیسے جاء رجالٌ و رأیتُ رِجالاً و مررتُ بِرِجَالٍ. رجالٌ فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں ہے اور رجالاً مفعول بہ ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے اور رجالٍ حرف جر کی وجہ سے حالت جری میں ہے **فافهم وتدبّر**۔

سوال- جب مفرد منصرف صحیح اور جاری مجریٰ صحیح اور جمع مکسر کا اعراب ایک ہی ہے تو پھر اعراب کے لحاظ سے سولہ شکلیں کہاں ہوئیں چودہ ہوئی فقط؟

جواب- اعراب کی شکلیں سولہ ۱۶ ہونے سے ان کے محل کی شکلیں مراد ہیں (یعنی وہ جگہیں جن پر اعراب آتا ہے) اور محل یقیناً الگ الگ ہیں چاہے چند محلوں کا اعراب ایک ہو یا الگ الگ۔

چہارم جمع مؤنث سالم الخ- جمع تصحیح جس کا دوسرا نام جمع سالم بھی ہے کی دو قسمیں ہیں: ۱- جمع مذکر سالم ۲- جمع مؤنث سالم اول قسم کا بیان آئندہ دسویں نمبر پر آرہا ہے یہاں صرف جمع مؤنث سالم کا بیان ہے۔

سوال- جمع مؤنث سالم کسے کہتے ہیں اور کیسے بنتی ہے؟

جواب- جو جمع الف اور تاء لگا کر بنے وہ جمع مؤنث سالم ہو جاتی ہے خواہ اس کا واحد مذکر ہو یا مؤنث چناں چہ مرفوع منصوب مجرور کی جمع مرفوعات، منصوبات، مجرورات الف تاء کے ساتھ آتی ہے حالاں کہ ان کا واحد مذکر ہے کیوں کہ غیر عاقل مذکر کی جمع میں گنجائش ہے کہ الف تاء سے آجائے کما مرّ۔

بہر حال مسلمات جو مسلِمَةٌ کی جمع ہے جمع مؤنث سالم ہے اس کا اعراب بھی بالحرکۃ ہوتا ہے چناں چہ حالت رفعی میں ضمہ اور نصبی جری میں کسرہ ہوگا چناں چہ کہیں گے هُنَّ مسلماتٌ وَرَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ هن جمع مؤنث غائب کی ضمیر ہے مبتدا مسلماتٌ خبر ہو جائے گی مسلمات خبر ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں ہے اور دوسرا مسلماتٍ مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے اور تیسرا مجرور بحرف جر ہونے کی وجہ سے حالت جری میں ہے۔

سوال- جمع مؤنث سالم میں حالت نصبی کو حالت جری کے تابع کیوں کیا؟

جواب -جمع مؤنث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی کیوں کہ مؤنث تو مذکر سے ہی بنتا ہے تو جمع مذکر سالم اصل میں بھی نصبی جری کے تابع ہے لہٰذا فرع بھی ایسا ہی کردیا اور جہاں کلمہ میں کوئی حالت کسی کے تابع ہو جائے اس کو اعراب حکمی کہتے ہیں۔

سبق نوزدہم

پنجم غیر منصرف وآں اسمیت کہ دو سبب از اسباب منع صرف درو باشد واسباب منع صرف نہ است (۱) عدل (۲) ووصف (۳) وتانیث، (۴) ومعرفہ، (۵) وعجمہ (۶) وجمع ،(۷) وترکیب (۸) ووزن فعل، (۹) والف نون زائدتان چوں کہ عُمَرُ وَاَحْمَرُ وطَلْحَةُ وزَیْنَبُ وابْرٰھِیْمُ ومَسَاجِدُ ومَعْدِیْکَرَبُ وَاَحْمَدُ وعِمْرانُ رفعش بضمہ باشد نصب وجر بفتحہ چوں جاءَ عُمَرُ وَرَأیْتُ عُمَرَ وَمَرَرْتُ بِعُمَرَ.

ترجمہ عبارت-پانچواں (اسم معرب) غیر منصرف ہے اور وہ ایسا اسم ہے کہ دو سبب غیر منصرف کے اسباب میں سے اس میں ہوں اور غیر منصرف کے اسباب نو ہیں عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ اور عجمہ اور جمع اور ترکیب اور وزن فعل اور الف نون زائدتان جیسے عمرُ اور احمرُ اور طلحةُ اور زینبُ اور ابرھیمُ اور مساجدُ اور معدیکَرَبُ اور اَحْمَدُ اور عِمْرانُ اسم غیر منصرف کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب اور جر فتحہ کے ساتھ جیسے جاءَ عُمَرُ وَرَأیْتُ عُمَرَ وَمَرَرْتُ بِعُمَرَ۔

حل مضمون -غیر منصرف از انصراف بمعنی پھرنا جو کلمہ تینوں حرکتیں زبر زیر پیش اور تنوین سب کو قبول کرلے اس کو **منصرف** کہتے ہیں اور جو کلمہ ایسا ہو کہ زیر اور تنوین کو قبول نہیں کرتا اس کو کلمہ غیر منصرف کہتے ہیں، مگر یہ حکم ہے غیر منصرف کا کہ اس پر تنوین اور کسرہ نہیں آتا اصل تعریف غیر منصرف کی یہ ہے کہ جس میں غیر منصرف کے نو اسباب میں سے دو سبب موجود ہوں یا ایک ایسا سبب موجود ہو جو دو سببوں کے قائم مقام ہو اور ان نو میں دو سببوں کے قائم مقام بن جائے نے والے صرف دو سبب ہیں۔۱-تانیث بالالف المقصورہ والممدودہ۔۲-جمع منتہی الجموع اب نمبر وار ہر سبب کی تشریح لکھی جاتی ہے۔

(۱) **عدل** بمعنی کترانا اور اعراض کرنا اصطلاح میں عدل نام ہے کسی لفظ اور کلمہ کا اپنی اصلی ہیئت وشکل سے چھوڑ کر دوسری شکل وصورت میں آجانا مثلاً اُحَاد ، مثنی ثُلٰثُ رُبَاعَ خُمَاس اسی طرح عشار تک یہ سب کلمے اپنی اصل حالت سے دوسری حالت میں ہیں۔

سوال-ان سب کی وہ اصلی حالت کیا تھی؟

جواب-اُحَادُ اصل میں احدٌ احدٌ ڈبل لفظ تھا ایسے میں ہی مَثْنیٰ اثنان اثنان تھا ثُلٰث ثلثةٌ ثلثةٌ تھا۔

سوال-کیسے معلوم ہوا کہ یہ یوں ڈبل ڈبل تھے؟

جواب -ان کے ترجمے سے معلوم ہوا کیوں کہ اُحَادَ ایک ایک کے معنی میں ہے چناں چہ کہتے ہیں اتوا یاجاءُ وْ اُحَادَ وہ ایک ایک آئے، ایسے مثنی بمعنی دودواور ثُلثَ بمعنی تین تین آتا ہے تو معنی کسی لفظ کے ڈبل جبھی ہوسکتے ہیں جب کہ پہلے اس کا لفظ ڈبل ہو کیوں کہ معنی کا تکرار اور ڈبل ہونا لفظ کے تکرار اور ڈبل ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے اس لیے ہم بھی مجبور ہوئے کہ ان الفاظ میں عدل ہے، یعنی اپنی اصلی حالت سے ہٹ کر اب دوسری حالت میں موجود ہیں جیسا کہ عقلاً ابھی بتایا گیا ہے پھر عدل کی دو قسمیں ہیں۔(۱) عدل تحقیقی (۲) تقدیری جہاں کہیں عقل بھی اس کی تائید کردے کہ یہ لفظ پہلے اس حالت میں ہوگا اور اب اس حالت میں ہے اس کا نام عدل حقیقی ہے کیوں کہ واقعۃً ہی عدول پایا گیا اور ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا پایا گیا اور اگر محض فرضی اور تقدیری عدول اور خروج مانا گیا تو اس کا نام عدل تقدیری ہے مثلاً عُمَرُ اور زُفَر کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور کسی کلمہ کو غیر منصرف پڑھنے کے لئے نو اسباب میں سے دو کا اس میں ہونا ضروری ہے تو عمر زفر میں ایک سبب علمیت تو مل گیا دوسرا کوئی تھا نہیں اور نہ ان میں عدل تحقیقی ہے کیوں کہ ان کا معدول عنہ یعنی جس حالت سے نکل آئے ہوں کچھ بھی نہیں ہے تو اب مجبوری میں تا کہ غیر منصرف رہنا ان کا درست رہے کہنا پڑا کہ عدل ہے مگر تحقیقی کے بجائے عدل تقدیری مانیں گے یعنی ہم معدول عنہ فرضی بنالیں گے کہ عمر عامر سے نکلا اور زُفَر زَافِر سے نکلا۔

سوال -یوں فرضی معدول عنہ تو کسی بھی لفظ کا مان کر اس میں عدل کہہ دو گے؟

جواب -نہیں ایسا نہیں ہیں جو عامر سے عدول کر کے عمرُ کہنا پڑا یا زافر سے ہٹ کر زفر کہنا پڑا یہ اس لئے کہ عامر اور زافرُ صفت بھی بنتے ہیں تو عامر کہتے وقت بہت ممکن تھا کہ التباس ہوجاتا کہ یہ نام ہے یا صفت چناں چہ ضارب اگر کسی کا نام رکھ دیا پتہ نہیں چلے گا بطور نام کے بول رہے ہیں یا بطور صفت کے تو اس لئے ہمیں کہنا پڑا کہ شاید التباس سے بچنے کے لئے عامر کے بجائے عمر کہا جانے لگا۔ اب ہر اس کلمہ میں جس کو اہل عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں اگر بظاہر ایک ہی سبب ہے تو دوسرا عدل بنالینا پڑے گا چاہے حقیقی ہو یا تقدیری حقیقی ہوجائے تو بہت اچھی بات ہے ورنہ خلاف قیاس اور عقل بھی معدول عنہ بنانے پر مجبور ہوں گے اور یہ مجبوری اسی لئے ہے کہ ہر غیر منصرف کے لئے دو سبب ضروری ہیں مگر فرضی عدل اور معدول عنہ میں کوئی نہ کوئی مناسبت ضرور جھلکتی ہو بے تکا اور بے ڈھنگا معدول عنہ فرض کرنے سے کام نہیں بنے گا كَمَا عَلِمْتَ آنِفاً۔

سوال - اُحَاد اور ثُنی وغیرہ میں ایک سبب عدل تو ہوگیا دوسرا کیا ہے؟

جواب -وصف ہے کیوں کہ ایک ایک ہو کے آنا یا دو دو ہو کے آنا صفت اور وصفی معنی لئے ہوئے ہے۔

۲-**وصف** دراصل نام ہے ذات مع الوصف کا یعنی ایسا کلمہ جس کے اندر دو بات ہوں ذات بھی سمجھ میں آئے اور اسکا وصف اور خوبی بھی جیسے اَحْمَرُ لال رنگ کا آدمی اس میں آدمی کی ذات اور اسکا لال ہونا دونوں سمجھا جاتا ہے ایسے ہی گھڑی ساز ایسا شخص جس میں گھڑی سنوارنے اور بنانے کا بھی کمال اور خوبی ہو پھر وصف کے غیر منصرف کا سبب بننا اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ لفظ اپنی اصل اور ذات میں صفت کے معنی دینے کے لئے بنا ہوچکا ہے بعد میں پھر کسی کا نام بھی ہوجائے لہٰذا جو لفظ اصلاً وصفی معنی کے

لئے نہ بنا ہو بلکہ بعد میں عارضی طور سے وصفی معنی اس میں پیدا ہو گئے ہوں تو یہ وصفیت کام نہیں کرے گی اور نہ ہی غیر منصرف کا سبب ہو سکتی ہے اسی لئے اسود بمعنی کالے رنگ کا اور قم بمعنی چتکبرا یہ دونوں لفظ اصلاً ہر کالی چیز اور چتکبری چیز کے لئے بنے ہیں گو بعد میں اس رنگ کے سانپوں کے نام بنا دیئے گئے مگر یہ غیر منصرف ہی رہیں گے کیوں کہ اصلاً تو یہ نام نہ تھے بعد میں ہوئے تو ارقم اسود میں ایک سبب غیر منصرف کا وصف ہے دوسرا وزن فعل ہے۔ اس کے برخلاف اربع ایک خاص عدد کا نام ہے جو تین سے اوپر پانچ سے نیچے ہو بعد میں یہ صفت کا کام بھی دینے لگا جیسے مررت بنسوۃ اربع کہ میں ایسی عورتوں کے پاس سے گذرا جو چار ہونے کے ساتھ موصوف تھیں تو اسکا چار ہونے کو بتانا محض عارضی ہے لہذا اس کو باوجود اس میں وصفی معنی اور وزن فعل ہونے کے منصرف ہی پڑھیں گے کیوں کہ وصفی معنی اس میں شروع سے نہیں ہیں بعد میں پیدا ہوئے ہیں استعمال میں آ کر ورنہ وضع اس کی مخصوص چار کے عدد کے لئے ہی ہے۔

(۳) **تانیث** - کسی لفظ کا مؤنث ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہوا کرتا ہے پھر مونث ہونا کبھی اس تاء کے ساتھ ہوتا ہے جو لفظوں میں ہوتی ہے تاء لفظی سے مؤنث ہونے والے لفظ کے لئے غیر منصرف کا سبب بننا اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ علم اور نام ہو جیسے طلحة غیر منصرف ہے تانیث لفظی اور علم ہونے کی وجہ سے اور تانیث معنوی ہے تو علم ہونا تو شرط ہی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ کلمہ یا تو تین حرف سے زائد ہو جیسے زَیْنَبُ (عورت کا نام) اور اگر تین حرفی ہے تو بیچ کا حرف متحرک ہونا چاہیے جیسے سَقَرُ (بمعنی دوزخ) یا پھر وہ کلمہ عجمی ہو جیسے ماہُ و جورُ (دونوں شہر کے نام ہیں) اور اگر تانیث الف ممدودہ یا الف مقصورہ کے ساتھ ہو تو اب کسی شرط کی ضرورت نہیں تنہا یہ دونوں الف دو سببوں کے قائم مقام ہیں جیسے حَمْرَاءُ (سرخ رنگ والی عورت) اور حُبْلیٰ (حاملہ عورت) دونوں لفظ غیر منصرف ہیں صرف الف تانیث کی وجہ سے۔

(۴) **معرفہ** - چوتھا سبب غیر منصرف کا یہ ہے کہ کلمہ معرفہ ہو معرفہ کی سات قسمیں گذر چکی ہیں جو سب معرفہ ہی ہیں لیکن غیر منصرف کا سبب ان معرفوں میں سے صرف علمیت یعنی نام ہونا بنا کرتا ہے۔

سوال - باقی قسمیں کیوں نہیں بن سکتی؟

جواب - معرفہ کی دوسری قسمیں مثلاً ضمیریں اسماء اشارات موصولات یہ تو مبنیات میں چلے گئے اور غیر منصرف ہونا معرب کلمہ کا کام ہے اور معرف باللام اور اضافت یہ غیر منصرف کو بھی منصرف یا اس کے حکم میں کر دیتے ہیں اس لئے بس علمیت ہی غیر منصرف کا سبب رہے گی۔

(۵) **عجمہ** - غیر عربی زبان کے لفظ کو عجمہ کہتے ہیں دوسری زبان کا لفظ بھی اہل عرب کو گراں بار کرتا ہے اس لئے عجمہ کو غیر منصرف اور بلا کسرہ و تنوین والا بنا کر استعمال کرتے ہیں عجمہ کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کو اہل عرب علم بنا کر اپنی زبان میں لائے ہوں خواہ وہ پہلے سے علم تھا یا نہیں تھا جیسے قالون رومی زبان کا لفظ ہے بمعنی جید اور بہترین کے بعد میں یہ ایک قاری کا نام پڑ گیا کہ ان کی قراءت عمدہ تھی ہاں عجمہ کے علم ہونے کے ساتھ ساتھ دو شرطوں میں سے ایک شرط اور

بھی ضروری ہے۔ ۱-وہ کلمہ تین حرفوں سے زائد ہو جیسے ابراھیم میں علیت اور عجمی ہے، لہٰذا علیت اور عجمۃ کی وجہ سے غیر منصرف پڑھیں گے۔ ۲-اگر وہ کلمہ تین ہی حرفی ہے تو بیچ کا حرف متحرک ہونا ضروری ہے جیسے کہ شَتَرُ ایک قلعہ کا نام ہے علم اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور دوسری شرط متحرک الاوسط بھی اس میں موجود ہے بخلاف لَجامٌ بمعنی لگام گھوڑے کی کہ یہ عجمی تو ہے مگر علم نہیں ہے لہٰذا منصرف ہی رہے گا اور نوح بھی منصرف رہے گا کیوں کہ نہ تین حرف سے زائد ہے نہ متحرک الاوسط ہے۔

(۶) **جمع**-غیر منصرف کا چھٹا سبب ہے لیکن ہر جمع غیر منصرف کا سبب نہیں ہوتی ہے، بلکہ خاص جمع جس کو منتہی الجموع کہتے ہیں پھر جمع منتہی الجموع وہ جمع کہلاتی ہے کہ اسکا اول اور دوسرا حرف مفتوح ہو اور تیسرا الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہوں جیسے مَسَاجِدُ مسجد کی جمع اَصَاغِرُ اصغر بمعنی چھوٹے کی جمع اور ضوارِبُ ضاربٌ کی جمع، اور دوابٌّ دابۃ کی جمع بمعنی چوپایہ اور اگر الف کے بعد تین حرف ہوں تو وہ بھی جمع منتہی الجموع ہوتی ہے جیسے مصابیح مگر ان تین حرفوں میں بیچ کا حرف ساکن ہو اور یہ جمع منتہی الجموع ایسی بھی نہ ہو جو ھا بننے والی تاء کو قبول کرے، لہٰذا صَیاقِلَۃٌ اور فرازنۃ غیر منصرف نہیں ہوں گے کیوں کہ ان کے اخیر میں ھا بننے والی تاء ہے، **فائدہ**: صیقلٌ بمعنی تلوار کو تیز کرنے والا جمع صیاقلۃ اور صیاقل ہے، فِرزان بمعنی شطرنج کا وہ مہرہ جس کو اردو میں وزیر کہتے ہیں (از بین السطور کافیہ) کی جمع فَرَازِنَۃ ہے اور اشاعرۃ بھی منصرف رہے گا اخیر میں تاء ہونے کی وجہ سے اور یہ اشعری کی جمع ہے ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن اشعری کے مسلک پر ہو جیسا کہ فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ کے مقلد کو حنفی کہتے ہیں۔

فائدہ-جمع منتہی الجموع کے جو دو وزن اوپر بتائے گئے ہیں ان وزنوں کی آگے اور جمع تکسیر تو نہیں آسکتی ہے ہاں اس کی جمع سالم آسکتی ہے جیسے اَیْمَنُ بمعنی داہنی جانب کی جمع اَیامِنُ. جمع تکسیر ہے اس کی جمع سالم ایامِنِیْنَ آتی ہے یا صاحبۃ بمعنی بیوی کی جمع صواحب پھر صواحب کی صواحبات ہے۔

سوال-جمع منتہی الجموع تنہا ہی کیوں غیر منصرف کا سبب بنجاتی ہے؟

جواب-بعض جمع تکسیر تو وہ ہیں جو ڈبل جمع آتی ہیں جیسے کلبٌ جمع اکلُبٌ پھر اکالب تو دو دفعہ جمع آرہی ہے لیکن بعض جمع جیسے مسجد کی مساجد یہ حقیقۃً تو ڈبل جمع نہیں ہے لیکن حکماً ہے کہ یہ جمع بھی اس جمع کے وزن پر ہے جو ڈبل آتی ہے لہٰذا دو مرتبہ جمع آنے سے دو سببوں کے قائم مقام سمجھی گئیں۔

(۷) **ترکیب**- سے مراد کسی کلمہ کا ایسے دو یا دو زائد کلموں سے بنانا کہ ان دو یا زائد کلموں میں واؤ حرف نہ آتا ہو جیسے مرکب بنائی احدعشر میں واؤ آتا ہے مثلاً بعلبک بَعلٌ بت اور بک بادشاہ کا نام تھا پھر اس شہر کا نام پڑ گیا جو بک بادشاہ نے بنایا تھا تو اپنے اور بت کے نام کو لیکر شہر کا نام رکھ دیا ایسے ہی کلکتہ دو لفظوں سے ملا کر نام رکھ دیا ہے کالی ایک بت تھا اور کُتا بنگلہ زبان میں بمعنی صاحب اور والے کے ہے تو مطلب ہوا کالی بت والا شہر یعنی وہ شہر جس میں کالی نام کا بت ہے بعد میں رفتہ رفتہ کالی کتا سے کلکتہ ہو گیا۔ دیکھئے اردو زبان کی چوتھی کتاب میں) بہر حال ترکیب بھی غیر منصرف کا سبب ہے اور لفظ

بعلبک غیر منصرف پڑھا جائے گا ترکیب اور علمیت کی وجہ سے۔

فائدہ۔ سبق ہفتم میں ترکیب یا مرکب کی قسمیں چھ بتائی جا چکی ہیں ان چھ میں سے صرف ایک قسم جس کو مرکب منع صرف اور امتزاجی کہتے ہیں غیر منصرف کا سبب بنا کرتی ہے اور یہاں ترکیب سے یہی قسم مراد ہے۔

سوال۔ باقی قسمیں کیوں نہیں بنتی؟

جواب۔ مرکب اضافی اضافت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے غیر منصرف کو بھی منصرف کر دیتی ہے اور مرکب توصیفی بھی اسی کے حکم میں ہے کیوں کہ دونوں میں جزء دوم اول کے لئے قید بنتا ہے رہی مرکب اسنادی جس کو جملہ بھی کہتے ہیں یہ مبنیات میں سے ہے کیوں کہ جملہ مبنی ہوا کرتا ہے ایسے ہی مرکب صوری اور مرکب بنائی یا تعدادی یہ دونوں بھی مبنی ہیں لہذا پانچ کے نکلنے کے بعد بس یہ چھٹی قسم ہی غیر منصرف کا سبب ہے مثال اس کی اوپر آ چکی ہے۔ **معدی کرب** بھی اس کی مثال کتابوں میں آتی ہے جو معدی اور کرب دو اسموں کو جوڑ کر ایک شخص کا نام بنایا گیا ہے۔ معدیکرب علمیت اور ترکیب امتزاجی کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

(۸) **وزن فعل۔** یعنی فعل والے وزن پر جو اسم ہوگا اس کو بھی غیر منصرف پڑھیں گے، کیوں کہ اپنے وزن کے علاوہ دوسرے کے وزن پر ہونا بھی ثقل کا سبب ہے لہٰذا اس کو غیر منصرف بنا دیا کہ جر اور تنوین نہ پڑھنے کی سہولت ہوگی پھر وزن فعل کے لئے ضروری ہے کہ وہ وزن اول فعل کے ساتھ خاص ہو اسم میں جب آیا ہو تو فعل سے ہی لیا گیا ہو ورنہ غیر منصرف کا سبب نہیں بنے گا اور اگر وہ وزن ایسا ہے کہ اسم اور فعل دونوں میں چلتا ہے تو پھر شرط یہ ہے کہ اس کے شروع میں حروف اَتَین جو مضارع کے شروع میں لگتے ہیں ان میں سے کوئی حرف اس کے اول میں ہو، اور ساتھ ساتھ یہ بھی بات ہے کہ حروف اتین شروع میں ہونے کے ساتھ وہ کلمہ ایسا ہو کہ اس کے آخر میں تاء نہ لگتی ہو ورنہ غیر منصرف کا سبب نہ بن سکے گا اول کی مثال **شَمَّرَ** ہے جو ایک تیز رفتار گھوڑے کا نام پڑ گیا کہ یہ علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے **شمّر تشمیر** باب تفعیل سے بمعنی دامن سمیٹنا ماضی کا واحد غائب تھا پھر تیز رفتار گھوڑے کا نام رکھ دیا کیوں کہ تیز رفتاری کے وقت دامن سمیٹا جاتا ہی ہے۔

سوال۔ بَقَّمَ جو سرخ رنگ کا نام ہے یا شَلَّمَ جو ملک شام کا نام ہے یہ دونوں وزن پہلے سے ہی اسم میں پائے جا رہے ہیں حالاں کہ یہ بھی غیر منصرف پڑھے جاتے ہیں جبکہ شرط مفقود ہے۔

جواب۔ یہ دونوں عجمی لفظ ہیں اور ہماری گفتگو عربی زبان میں ہے کہ اس میں وہ پہلے سے فعل کا وزن ہی ہو اسم میں یہ وزن نہ چلتا ہو دوسری شرط کی مثال احمد (ایک آدمی کا نام ہے) اور یَشْکُرُ (قبیلہ کا نام ہے) اور تَغْلِبُ (قبیلہ کا نام ہے نَرْجِسُ بمعنی نرگس یہ چاروں لفظ ہیں کہ ان میں اتین کے حرف شروع میں ہیں اور وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف رہیں گے لیکن یَعْمَلٌ باوجودی حرف اتین میں شروع میں ہونے کے منصرف رہے گا کیوں کہ ساتھ میں تاء قبول نہ کرنے کی شرط بھی ضروری ہے اور یَعْمَلُ تا کو قبول کرتا ہے چناں چہ بولتے ہیں نَاقَةٌ یَعْمَلَةٌ وہ اونٹنی جو بوجھ اٹھانے اور چلنے میں چست اور قوی ہو۔

(۹) **الف نون زائدتان۔** یعنی زائد ہونے والے الف نون بھی غیر منصرف کا سبب ہیں لیکن جس کلمہ میں یا اسم میں الف نون

ہوں گے اس کی دو قسمیں ہیں: ۱-ذات ۲-ذات مع الوصف۔ جس اسم سے صرف کسی کی ذات مراد ہوتی ہے اور اس سے اس کا کوئی وصف نہ سمجھا جاتا ہو اس کو اسم ذات کہتے ہیں اور اگر ذات بھی اور وصف بھی اس سے سمجھا جاوے تو وہ اسم صفت کہلاتا ہے جیسے عمران سے خالی وہ آدمی سمجھا جائے گا جس کا یہ نام ہے اور سکران بمعنی نشہ والا آدمی اور اس کا نشہ والا ہونا دونوں سمجھ میں آتا ہے اسم ذات کے اخیر میں اگر الف نون آئیں تو اس کا نام اور علم ہونا ضروری ہے تب غیر منصرف کا سبب بنے گا جیسے عمران میں علمیت اور الف نون زائدتان دو سبب ہونے سے غیر منصرف رہے گا اور سعدان جو ایک گھاس کا نام ہے منصرف ہوگا باوجودیکہ اس کے آخر میں الف نون بھی ہے کیوں کہ یہ نام نہیں ہے یعنی علم نہیں ہے اور اگر اسم صفت ہو تو اس کے آخر میں الف نون بھی آکر جب غیر منصرف بنادیں گے جب کہ اس کا مؤنث اخیر میں تاء والا نہ ہو جیسے سکران جس کا مؤنث سکری بروزن فعلیٰ ہے اسی لئے ندمان جس کے دو معنی ہیں۔ ۱-مصاحب بمعنی ہم نشین اور ساتھ میں اٹھنے بیٹھنے والا ۲-بمعنی شرمندہ جب اس کے معنی اول مراد لیں تو یہ منصرف پڑھا جائے گا کیوں کہ شرط ختم ہے کیوں کہ اب اس کا مؤنث ندمانۃ (ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی) بنے گا ندمیٰ نہیں بنے گا اور جب یہ دوسرے معنی میں ہو تو پھر اس کا مؤنث ندمیٰ آتا ہے تو اب غیر منصرف (بفتح النون) پڑھا جائے گا۔

فائدہ-غیر منصرف کے نو اسباب مکمل ہو چکے جہاں ان میں سے کسی کلمہ میں دو سبب یا ایک دو کے قائم مقام پایا گیا تو وہ کلمہ غیر منصرف ہوگا اور غیر منصرف کے بجائے حکماً وہ منصرف بن جائے گا کہ کسرہ اس پر آسکتا ہے۔ یعنی اب اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھیں گے۔ ۲-غیر منصرف کلمہ پر جب الف لام آوے یا وہ مضاف بنے تو اب اس پر کسرہ آجائے گا اور غیر منصرف کے بجائے حکماً وہ منصرف بن جائے گا یعنی کسرہ اس پر آسکتا ہے جیسے اذھبوا الی المساجد تم مسجدوں میں چلو یا ذھبتُ الی مساجد کم میں مساجد مضاف مکسور ہے۔

رفعش بضمہ باشد الخ یعنی غیر منصرف پر حالت رفعی میں ضمہ لادیں گے بغیر تنوین کے جیسے جاء عمرُ اور حالت نصبی وجری میں فتح آئے گا جیسے رایتُ عُمَرَ و مَرَرْتُ بِعُمَرَ اس میں حالت جری کو نصبی کے تابع کیا ہے کہ جیسے حالت نصبی میں فتحہ آئے گا جری میں بھی آئے گا۔

چوں عمرُ الخ جس ترتیب سے اسباب منع صرف کو بیان کیا اسی ترتیب سے مثال بھی ہر ایک کی موجود ہے چناں چہ عُمر عدل کی احمر وصف کی طلحۃ تانیث کی زینب معرفہ کی وھکذا الی الآخر۔

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

سبق بستم

ششم اسمائے ستہ مکبرہ دروقتیکہ مضاف باشد بغیر یائے متکلم چوں اَبٌ و اَخٌ وَحَمٌ وھَنٌ وفَمٌ وذومالٍ رفع شاں بواؤ باشد ونصب بالف وجر بیا چوں جاءَ ابوکَ وَرَاَیتُ اباکَ ومَرَرْتُ بابِیکَ **ھفتم** مثنّٰی چوں رجلان **ھشتم** کِلَا و کِلْتَا مضاف بمضمر **نھم** اِثْنَانِ و اِثْنَتَانِ رفع شاں بالف باشد ونصب وجر بیائے ماقبل مفتوح چوں جَاءَ رَجُلَانِ و کِلَاھُمَا واثنان وَرَاَیْتُ رَجُلَیْنِ و کِلَیْھِمَا وَاثْنَیْنِ وَمَرَرْتُ بِرَجُلَیْنِ وَکِلَیْھِمَا وَاثْنَیْنِ **دھم** جمع مذکر سالم چوں مُسْلِمُوْنَ **یازدھم** اُلُوْ **دوازدھم** عِشْرُوْنَ تاتسعون رفع شاں بواؤ ماقبل مضموم باشد ونصب وجر بیائے ماقبل مکسور چوں جَآءَ مُسْلِمُوْنَ وَاُوْلُوْ مالٍ وَعِشْرُوْنَ رَجُلاً وَرَاَیْتُ مُسْلِمِیْنَ وَاُولِیْ مالٍ وَعِشْرُوْنَ رجلاً ومررتُ بِمُسْلِمِیْنَ واُوْلِی مال وعشرین رجلاً۔

ترجمہ عبارت- چھٹے اسماء ستہ مکبرہ ۔ جس وقت میں کہ مضاف ہوں یٔ متکلم کے علاوہ کی طرف جیسے ابٌ (باپ) اور اخٌ (بھائی) اور حَمٌ (دیور یا جیٹھ یا خسر) اور ھنٌ (شرمگاہ مرد کی ہو یا عورت کی) اور فمٌ (منہ) اور ذو مال (مال والا) ان کا رفع واؤ کے ساتھ ہوگا اور نصب الف کے ساتھ ہوگا اور جر یاء کے ساتھ جیسے جاء ابوکَ (آیا تیرا ابا) اور رَاَیت اباکَ (دیکھا میں نے تیرے ابا کو) اور مررْتُ بابیکَ (گذرا میں تیرے ابا کے پاس سے) **ساتویں (تثنیہ حقیقی)** جیسے رجلان (دو مرد) **آٹھویں (تثنیہ معنوی)** جیسے کلا بمعنی دونوں مرد اور کلتا بمعنی دونوں عورتیں جب کہ مضاف ہوں یہ ضمیر کی طرف۔ **نویں (تثنیہ صوری)** اثنان بمعنی دو مرد اور اثنتان بمعنی دو عورتیں ان کا رفع الف کے ساتھ ہوگا اور نصب جر یا ماقبل مفتوح کے ساتھ ہوگا جیسے جاء رجلان و کلاھما و اثنان اور رأیت رجلین و کلیھما و اثنین اور مررت برجلین و کلیھما و اثنین۔ **دسویں جمع مذکر سالم** (حقیقی) جیسے مسلمون **گیارھویں (جمع معنوی)** جیسے اُولو۔ **بارھویں (جمع صوری)** جیسے عشرون سے تسعون تک ان کا رفع واؤ ماقبل مضموم کے ساتھ ہوگا اور نصب اور جر یا ماقبل مکسور کے ساتھ ہوگا جیسے جاء مُسْلِمُوْنَ وَاُلُوْمَالٍ وعِشْرُوْنَ رجلاً ورَاَیتُ مُسْلِمِیْنَ واُوْلِی مَالٍ وَّ عِشْرِیْنَ رَجُلاً ومررْتُ بِمُسْلِمِیْنَ واُوْلِی مَالٍ وعِشْرِیْنَ رَجُلاً۔

حل مضمون - اسماء ستہ مکبرہ یہاں سے مصنف اعراب بالحرف لفظی کی جگہ بتلاتے ہیں کہ وہ کہاں آیا کرتا ہے اسماء اسم کی جمع ہے ستہ بمعنی چھ مکبرہ مصغرہ کی ضد ہے مصغرہ کہتے ہیں کسی کلمہ کو اسم تصغیر کے وزن پر کر دینا جس سے اس کے معنی میں چھوٹے پن کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں جیسے قمر بمعنی چاند اور قُمَیْرٌ جو اسم تصغیر ہے بمعنی چھوٹا سا چاند تو جس اسم کی تصغیر آ گئی اس آئی ہوئی

تصغیر کو مصغر کہتے ہیں اور جس کو بغیر تصغیر کے اس کے حال پر چھوڑیں رکھیں اس کو مکبرہ کہتے ہیں جیسے اوپر کی مثال میں قمر مکبرہ ہے اور قُمیر مصغرہ ہے زیادہ تفصیل اسم کی علامتوں میں سبق نہم میں یا مصغر باشد کے تحت گذر چکی ہے بہر حال اسماء ستہ مکبرہ سے چھ اسم اَبٌ اَخٌ حَمٌ هَنٌ فَمٌ ذُوْ مَالٍ مراد ہیں ان میں سے چار (اَبٌ اَخٌ حَمٌ هَنٌ) ناقص واوی ہیں جس کلمہ کے لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو اس کو ناقص واوی کہتے ہیں چناں چہ ان کی اصل اَبَوٌ اَخَوٌ حَمَوٌ هَنَوٌ تھی اہل عرب خلاف قیاس واؤ حذف کر کے استعمال کرتے ہیں اور فم اجوف واوی ہے جس جملہ کی عین کی جگہ واؤ آجاوے اس کو اجوف واوی کہتے ہیں چناں چہ فم دراصل فوہ تھا آخر سے خلاف قیاس ہا کو حذف کر دیا پھر کلمہ دو حرفی بچا ادھر اس کے آخر میں واو حرف علت آ گیا جو گرنے کے در پہ رہتا ہے لہذا واو کو غیر حرف علت یعنی میم سے بدل دیا کیوں کہ میم اور واؤ دونوں ہی ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں لیکن لفظ فمٌ جب مضاف بنے گا تو اس کا واؤ لوٹ آئے گا ذو لفیف مقرون ہے کیوں کہ یہ اصلا میں ذو و تھا ایک واؤ گر گئی۔ اور باقی ماندہ واؤ پہ ضمہ کو ذال سے دے دیا۔

سوال۔ لفیف مقرون کسے کہتے ہیں؟

جواب۔۔ جس کلمہ میں اس کے عین اور لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو جیسے طوی یطوی میں اس کو لفیف مقرون کہتے ہیں بہر حال مذکورہ بالا اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب بالحرف ہے اور لفظی ہے کیوں کہ اعراب بالحرف تقدیری کا بیان آگے سولہویں قسم میں آئے گا چناں چہ جب یہ چھ اسماء حالت رفعی میں ہوں گے تو واؤ آئے گا جیسے جَاءَ اَبُوْكَ اور حالت نصبی میں الف آئے گا جیسے رَأَيْتُ اَبَاكَ اور ان کی حالت جری کی پہچان یہ ہے کہ ان کے اخیر میں ی آئے گی جیسے مَرَرْتُ بِاَبِيْكَ۔

سوال۔ مصنف نے ان چھ اسماء میں صرف ذو کے بعد ہی اسکا مضاف الیہ مال کیوں بڑھایا؟

جواب۔ یہ بتانے کے لئے کہ ذو کا مضاف الیہ ہمیشہ اسم جنس ہی ہوگا اسم ضمیر نہیں ہوسکتا۔

سوال۔ اسم جنس کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ اسم جنس وہ ہے کہ کسی لفظ کو بلا افراد کے ذہن میں رکھے کسی مفہوم کلی کے لئے وضع کیا ہو جیسے اسد حیوان مفترس (پھاڑ کھانے والا جانور) کے لئے ہے دوسرے الفاظ میں لفظ کو جس کیلئے وضع کیا گیا یہ ان چیزوں میں سے لاعلی التعیین کسی کو بھی مراد لے سکیں جیسے رجلٌ سے ہر کوئی مرد اور فرس سے ہر کوئی گھوڑا مراد ہوسکتا ہے تو ذو واضع نے اس لیے وضع کیا کہ جب ہم کسی اسم جنس نکرہ کو کسی کے لئے ثابت کریں تو ذو کو لگا کر ثابت کریں مثلا زید کو گھر والا یا علم والا بتانا چاہیں تو زیدٌ ذو بیت اور زید ذو علم کہنا پڑے گا بغیر ذو لگائے بیت اور علم کو زید کے لئے اگر ثابت کریں گے تو فٹ نہیں بیٹھے گا اور بیت کا زید کی خبر بننا درست نہیں ہوگا چناں چہ زَيْدٌ بَيْتٌ (زید گھر ہے) نہیں بولا جائے گا اگر بولیں گے تو زَيْدٌ ذُوْ بَيْتٍ (زید گھر والا ہے) بولیں گے تو واضع نے ذو کو جب وضع ہی اس لے کیا ہے کہ کسی اسم جنس کے ساتھ لگا کر خبر بنایا جاوے اس لئے مصنف نے بھی ذو مال میں مال کا لفظ بڑھا کر بتلا دیا کہ اس کا مضاف الیہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی اسم نکرہ ہوگا نہ کہ اسم ضمیر بخلاف اس کے پانچ ساتھیوں کے کہ ان

کا مضاف الیہ اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں بنجاتے ہیں البتہ کبھی کبھی ذو کا مضاف الیہ ضمیر بھی ہو جاتی ہے جیسے جاء زیدٌ و ذُوْہُ "آیا زید اور اس کے گھر والے)

تنبیہ - اسماء ستہ مکبرہ کا جو اعراب بتلایا گیا وہ چار شرطوں کے ساتھ مشروط ہے:۱- مکبرہ ہوں یعنی ان کی تصغیر بنا کر استعمال نہ کئے گئے ہوں کیوں کہ بحالت تصغیر ان کا اعراب مفرد منصرف صحیح کلمہ کی طرح اعراب بالحرکت ہوگا جیسے جاء نِیْ اُبَیٌّ وَرَاَیْتُ ابیاً و مَرَرْتُ بابیٍّ ۔۲- یہ اسماء مفرد ہوں تثنیہ جمع نہ ہوں ورنہ اس کا اعراب تثنیہ اور جمع والا ہوگا تثنیہ کی مثال جاء نی اخوان ورایت اَخَوَیْن و مَرَرْتُ باخوین اور جمع کی مثال جائنی اخوۃٌ ورایت اخوۃً و مررتُ باخوۃٍ یہ مثال جمع کی ان کی جمع کے جمع مکسر لانے کی صورت میں ہے ورنہ جمع سالم لانے میں جمع سالم کا اعراب لائے جائے گا کما سیاتی ذکرہ۔۳- یہ اسماء مضاف ہوں ورنہ ان کا اعراب بالحرکت ہوگا جیسے جاء نی اخٌ ورایت اخاً و مررتُ باخٍ ۔۴- ان کی اضافت یٔ متکلم کے علاوہ کی طرف ہو کیوں کہ یٔ متکلم کی طرف اگر ان کی اضافت ہوئی تو اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوگا۔ جیسے جاء اَبِیْ ورایتُ اَبِیْ و مررتُ بابی۔ **هفتم مثنی** - یاد رکھئے تثنیہ کی تین قسمیں ہیں۔۱- حقیقی ۔۲- صوری ۔۳- معنوی جس تثنیہ میں تین بات ہوں وہ حقیقی ہے:۱- تثنیہ والے الفاظ سے ہی اس کا کوئی مفرد ہو۔۲- اس کی صورت تثنیہ کی ہو اس طرح کہ اس کے آخر میں الف نون یا ئی نون ہو۔۳- اس کے معنی تثنیہ یعنی دو کے ہوں جیسے رجلان میں تینوں باتیں موجود ہیں کہ واحد تثنیہ کے الفاظ ہی سے رجلٌ آ رہا ہے اور اس کی صورت اور معنی بھی تثنیہ والے ہیں۔

تثنیہ صوری - وہ ہے جس میں دو بات ہوں۔۱- اس کی صورت تثنیہ کی ہو۔۲- معنی اس کے تثنیہ کے ہوں لیکن اس کا واحد من لفظہ نہ ہو جیسے اثنان اور اثنتان

تثنیہ معنوی وہ ہے جس میں صرف ایک بات ہو یعنی اس کے معنی تو تثنیہ کے ہوں لیکن اس کی صورت تثنیہ کی نہ ہو اور نہ اس کا کوئی واحد مِنْ لفظِہٖ ہو جیسے کِلا اور کِلْتَا کہ ان کا نہ کوئی واحد ہے جو انہی کے الفاظ سے ہو اور نہ ان کی صورت تثنیہ کی ہے کہ الف نون دونوں ان کے آخر میں ہوں، **کلا اور کلتا مضاف بمضمر - سوال** - مصنف نے تثنیہ کی تین قسموں میں سے کِلا اور کِلتاَ کے لئے ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی شرط کیوں لگائی۔ **جواب** - یہاں جو اعراب تثنیہ کا بیان کیا جا رہا ہے وہ اعراب کِلا اور کِلتا کا جب ہی ہے جب یہ دونوں ضمیر کی طرف مضاف ہوں ورنہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہونے کی شکل میں ان کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوگا، اور بجائے حرف کے حرکت کے ساتھ ہوگا جیسے جَاءَ کِلاَ الرَّجُلَیْنِ وَرَاَیْتُ کِلاَ الرَّجُلَیْنِ وَ مَرَرْتُ بِکِلاَ الرَّجُلَیْنِ

دھم جمع مذکر سالم - تثنیہ کی طرح جمع مذکر سالم کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) حقیقی (۲) صوری (۳) معنوی ان کی تعریفیں تثنیہ کی قسموں کی تعریف سے ذرا سی ترمیم کے ساتھ خود بخود معلوم ہو سکتی ہیں بس ہم مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں **جمع حقیقی** کی مثال مُسلِمُونَ ہے جس میں تین بات موجود ہیں اسکا واحد من لفظہ مسلمٌ ہے اس کی صورت واؤ نون کی

وجہ سے جمع والی ہے اور اس کے معنی بھی جمع کے ہیں یعنی بہت سے مسلمان۔ **جمع صوری**۔ کی مثال عِشرُون ہے جس میں دو (۲) بات موجود ہیں صورت اور معنیٰ اس میں دونوں جمع والے ہیں لیکن اس کا واحد مِن لَفظِہٖ نہیں ہے **سوال**۔ عِشرُونَ کا واحد من لفظہٖ تو موجود ہے عشرۃ **جواب**۔ عالیجناب عشرون کو عشرۃ کی جمع کہہ ہی نہیں سکتے دو وجہ سے عِشرُونَ متعین عدد انیس (۱۹) سے اوپر اور اکیس (۲۱) سے نیچے کے عدد کیلئے خاص ہے اور جمع میں یہ نہیں ہوا کرتا کہ اس سے کوئی خاص عدد مراد لیا جاتا ہو (۲) اگر آپ عَشرَۃٌ کو عِشرُونَ کا واحد کہو گے تو پھر عِشرُونَ کے معنیٰ بجائے بیس (۲۰) کے تیس (۳۰) کرنے پڑ جائیں گے اور وہ اس طرح کہ آپ کے کہنے کے مطابق جب عِشرُونَ عَشرَۃٌ کی جمع ہو تو ہر جمع کم سے کم تین تو اس میں مراد لیا جاتا ہی ہے تو عِشرُونَ میں تین عَشرَۃٌ ہو گئے اور دس دس کے تین تیس (۳۰) ہو جاتے ہیں جس سے اب عِشرُون تیس کے معنیٰ میں ہو گیا ایسے ہی ثلاثون اگر اس کا واحد ثَلاَ ثَۃٌ مان لے تو ثَلاثُونَ نَو کے معنیٰ میں ہو جائے گا لہٰذا عِشرُونَ ہو یا ثَلاثُونَ کسی بھی دہائی کا کوئی واحد نہیں ہے ، **جمع معنوی کی مثال**۔ اُولُو ہے جس کے معنیٰ صرف جمع کے ہیں یعنی والے، نہ اسکا کوئی واحد ہے اور نہ اس کے آخر واؤ نون ہے۔ **سوال**۔ اسکا واحد ذُو ہے۔ **جواب**۔ ہے تو لیکن مِن لَفظِہٖ نہیں ہے۔

سبق بست و یکم

سیز دھم اسم مقصور۔ وآں اسمی است کہ در آخرش الف مقصورہ باشد چوں موسیٰ۔ **چھار دھم۔ غیر جمع مذکر سالم۔ مضاف بیائے متکلم** چوں غُلامِیُ رفع شاں بتقدیر ضمہ باشد ونصب بتقدیر فتحہ وجر بتقدیر کسرہ و در لفظ ہمیشہ یکساں باشد چوں جاءَ مُوسیٰ و غُلاَمِیُ و رَأیتُ مُوسیٰ و غُلاَمِیُ وَمَرَرْتُ بمُوسیٰ و غُلاَمِیُ **پانزدھم۔ اسم منقوص**۔ وآں اسمیست کہ آخرش یائے ما قبل مکسور باشد چوں قاضِی رفعش بتقدیر ضمہ باشد ونصبش بفتحہ لفظی وجرش بتقدیر کسرہ چوں جاءَ القاضِیُ ورَأیتُ القاضِیَ وَمَرَرْتُ بِالقاضِیُ

ترجمہ عبارت۔ تیرھویں۔ اسم مقصور اور وہ ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے موسیٰ **چودھویں۔ جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی بھی اسم جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو رہا ہو** جیسے غُلامِیُ ان دونوں قسموں کا رفع تقدیری ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب تقدیری فتحہ کے ساتھ اور جر تقدیری کسرہ کے ساتھ اور بولنے میں ہمیشہ ایک ہی طرح ہوں گے جیسے۔ جاءَ مُوسیٰ وَ غُلامِیُ ، وَرَأیتُ مُوسیٰ وَ غُلامِیُ وَ مَرَرْتُ بِمُوسیٰ وَ غُلامِیُ. **پندرھویں۔ اسم منقوص**۔ اور وہ ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر یائے ما قبل مکسور ہو جیسے قاضِی اس کا رفع تقدیری ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب لفظی فتحہ کے ساتھ اور اس کا جر

تقدیری کسرہ کے ساتھ جیسے جاءَ القاضِیُ وَ رَایتُ القاضِیَ و مَرَرْتُ بِالقاضِیْ.

حلِّ مضمون: یہاں سے مصنف اعراب تقدیری کی جگہ بتلاتے ہیں کہ اعراب تقدیری کبھی حرکت کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی حرف کے ساتھ اعراب بالحرکت اصل ہوا کرتا ہے۔ اور اعراب بالحرف اس کی فرع اس لئے یہاں پہلے اعراب تقدیری بالحرکت کا بیان ہے رہا اعراب تقدیری بالحرف کہ اس کا بیان سولہویں قسم میں آرہا ہے بہر حال جن جگہوں میں اعراب تقدیری بالحرکت آئے گا وہ دو جگہ ہیں (۱) وہ کلمہ اسم مقصور ہو یعنی اسکے آخر میں نہ کھینچے والا **الف** آوے خواہ وہ **الف** موجود ہو جیسے مُوسیٰ اور اَلْعَصا جب الف لام کے ساتھ ہو یا وہ الف حذف کر دیا گیا ہو جیسے **عصاً** (بغیر الف لام کے) کہ اصل میں **عصو** تھا جس کو **عصوُن** بھی لکھ سکتے ہیں کیوں کہ تنوین در حقیقت نون ساکن ہوتا ہے پھر واو پر ضمہ دشوار تھا حذف کر دیا واوٗ اور تنوین (یا نون ساکن) میں اجتماع ساکنین ہونے سے واوٗ گر گئی **عَصاً** یا **عَصَنْ** رہ گیا یہ تو حالت رفعی میں ہے نصبی میں اور جری میں بھی واوٗ متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے واوٗ الف سے بدل جائے گا اور پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے گر جائے گا اور تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا خواہ رفعی ہو یا نصبی ہو یا جری حالت، کیوں کہ تعلیل کے بعد ایک طرح بن رہے ہیں بہر حال جب **عَصا** پر الف لام ہو تب بھی اعراب کو قبول نہ کرے گا کیونکہ اخیر الف ہے جو حرکت کو قبول نہیں کرتا اور بغیر الف لام کے بھی **عَصاً** اعراب قبول نہیں کر سکتا کیونکہ اب ع ص اور تنوین ہے الف حذف ہو گیا نہ تو اعراب ص پر دے سکتے کیونکہ درمیان کا حرف ہے اور اعراب اخیر حرف پر آتا ہے اور نہ تنوین کے ذریعہ اعراب آسکتا ہے کیونکہ تنوین حقیقۃ میں علیحدہ حرف ہے۔ سوال۔ عَصاً بغیر الف لام والے کا الف کہاں چلا گیا۔ **جواب**۔ عَصاً اصل میں عَصَوٌ تھا جس کو عَصَوُنْ (تنوین کے بجائے نون ساکن سے بھی لکھ سکتے ہیں) پھر قاعدہ پایا گیا واوٗ متحرک ماقبل مفتوح واوٗ الف سے بدل گیا تو **عَصَانْ** ہو گیا پھر الف اور نون میں جو در حقیقت تنوین ہے اجتماع ساکنین پایا گیا الف حذف ہو گیا عَصَنْ یا عَصاً بچ گیا پھر **عصاً** پر جب الف لام آئے گا تنوین ختم ہو جائے گی اور اجتماع ساکنین نہ رہنے سے الف واپس آجائیگا اور جب الف لام نہیں رہے گا تو تنوین آجائیگی الف اجتماع ساکنین کی بناء پر گر جائے گا۔ (۲) وہ کلمہ یٓ متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے لیکن وہ کلمہ جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو تو اس میں بھی ہر حالت میں رفعی ہو یا نصبی یا جری تقدیری اعراب آتا ہے۔ **سوال**۔ اسمیں تقدیری اعراب کیوں آئیگا۔ **جواب**۔ یٓ ہمیشہ اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے جس کی وجہ سے تینوں حالتوں میں یٓ اپنے ماقبل کسرہ چاہیگی لہذا اب کسی اعراب کے آنیکی گنجائش نہیں۔ **سوال**۔ حالت رفعی اور نصبی میں تو اعراب لفظی نہ ہوتا جس کی وجہ سے تقدیری کہنا پڑتا ہے سمجھ میں آتا ہے لیکن حالت جری میں اعراب یٓ ماقبل مکسور ہوتا ہے اور وہ اب بھی ہے۔ **جواب**۔ یہ یٓ کے ماقبل کسرہ عامل کی وجہ سے نہیں ہے یہ تو خود یاء کی چاہت ہے اور اگر اس کو عامل کا بھی اثر کہو تو ایک اثر کے لئے دو (۲) مؤثر ہو جائیں گے جو غلط ہے لہٰذا جب یا سے پہلے کسرہ پہلے ہی آگیا عامل کی وجہ سے نہیں آیا تو اب **اعراب تقدیری** ہی کہنا پڑے گا۔

پانزدھم : اسم منقوص : جس کلمہ کے لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو اس کو ناقص یا منقوص کہتے ہیں پھر یہاں اسم منقوص سے ایسا کلمہ مراد ہے کہ جس کے آخر میں ی ماقبل مکسور ہو، خواہ وہ ی برقرار ہو جیسے معرّف باللام القاضی یا یاء گر گئی ہو جیسے بغیر الف لام کے قاض، پیچھے عصًا اور العصا میں جو الف کے حذف اور باقی رہنے کے بارے میں تفصیل آئی ہے وہی قاضٍ القاضی میں بھی چلے گی کیونکہ قاض کی اصل قاضیٌ یا قاضِیُنْ ہے ی پر ضمہ دشوار ہونے کی وجہ سے گرا کر ساکن کر دی گئی ی اور تنوین میں اجتماع ساکنین ہو گیا ی گر گئی قاضٍ یا قاضِنْ رہ گیا جب الف لام قاض پر آئے گا تو تنوین چلی گئی ی واپس ہو جائیگی جیسے القاضی میں ہے اور جب الف لام ہٹ جائے گا تو تنوین واپس ہو جائیگی اور ی گر جائی گے مثل عَصاً کے۔ **سوال** : قاضٍ کا اعراب بھی تینوں حالتوں میں مثل عصاً کے تقدیری ہونا چاہئے تھا حالانکہ صرف حالت رفعی و جری میں ہے نہ کہ نصبی میں۔ **جواب** ۔: عَصاً میں اعراب لفظی نہ ہونے اور تقدیری ہونے کی وجہ تینوں حالتوں میں موجود ہے اور قاضٍ صرف رفعی اور جری میں ہے نہ کہ نصبی میں۔ **سوال** ۔: کیسے سمجھایئے۔ **جواب** : قاضٍ جس کی اصل قاضیٌ (یا قاضِیُنْ) ہے اس میں تقدیری اعراب کی وجہ یہ ہے کہ ی حرف علت ضعیف ہے جو قوی حرکت ضمہ یا کسرہ کو برداشت نہیں کر سکتی لہٰذا ضمہ اور کسرہ کی حرکات گرا دی گئیں جس سے یاء ساکن ہوئی پھر اجتماع ساکنین ہوا ی حذف ہو گئی اور حالت رفعی و جری کو بتلانے والی حرکت نہ رہی تو اعراب تقدیری ہو گیا بخلاف حالت نصبی کے کہ اس میں قاضٍ کی اصل قاضیاً یا قاضِیَنْ بنتی ہے جس میں یاء پر فتحہ ہے اور فتحہ اخف الحرکات ہے جس کے ہٹانے کی ضرورت نہیں لہٰذا اب اعراب لفظی ہو گا نہ کہ تقدیری۔ بہر حال قاض میں تینوں حالتوں میں اعراب تو الگ الگ آ سکتا تھا قاضیٌ قاضیاً قاضیٍ. لیکن ثقل پیدا ہو جاتا جس سے بچنے کے لئے حالت رفعی و جری میں اعراب تقدیری رکھا گیا پس نصبی میں لفظی ہی رہا بوجہ ثقل نہ ہونے کے بخلاف عصاً اور غلامی کے کہ ان میں سرے سے اعراب آ ہی نہیں سکتا کما مرّ من قبلُ اسی لئے صاحب شرح جامی نے موسیٰ اور عصا کے اعراب کے بارے میں متعذر کہا یعنی ممنوع ہے آ ہی نہیں سکتا اور قاضٍ اور مسلمیَّ جو سولہویں قسم ہے کے اعراب کے بارے میں ثقیل کہا ہے۔ کہ اعراب آ جائیگا مگر بھاری پن کی وجہ سے لفظی رکھنے کے بجائے تقدیری رکھا گیا۔

سبق بست و دوم

شانزدھم ۔: جمع مذکر سالم مضاف بیائے متکلم چوں مُسلمیَّ رفعش بتقدیر واوَ باشد و نصب و جرش بیاء ماقبل مکسور چوں ھٰؤُلاءِ مُسْلِمِیَّ کہ دراصل مُسْلِمُوْنَیَ بود باضافت ساقط شد واوَ و یاء جمع شدہ بودند و سابق ساکن بود، واوَ را بیا بدل کردند و یا را در یا ادغام کردند مُسْلِمِیَّ شد، ضمہ میم را بکسرہ بدل کردند و رَأَیْتُ مُسْلِمِیَّ وَ مَرَرْتُ بِمُسْلِمِیَّ

ترجمہ عبارت: سولھویں۔ جمع مذکر سالم جبکہ وہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے مُسْلِمِیَّ کہ اصل میں مُسْلِمُوْنَیَ تھا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا واؤ اور یاء جمع ہو گئے تھے اور پہلا ساکن تھا واؤ کو یاء سے بدل کر دیا اور یاء کا یاء میں ادغام کر دیا مُسْلِمُیَّ ہو گیا میم کے ضمہ کو کسرہ سے بدل کر دیا اور رَاَیْتُ مُسْلِمِیَّ وَ مَرَرْتُ بِمُسْلِمِیَّ۔

حل مضمون: شانزدھم۔ جمع مذکر سالم مضاف الخ، یہاں سے مصنفؒ اعراب تقدیری بحرف کا محل بتلاتے ہیں یعنی جمع مذکر سالم جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس کی حالت رفعی تقدیری واؤ کے ساتھ ہوگی اور حالت نصبی و جری یائے ماقبل مکسور کے ساتھ ہوگی جیسے ھٰٓؤُلَاءِ مُسْلِمِیَّ یہ حالت رفعی کی مثال ہے ھٰٓؤُلَاءِ مبتدا مُسْلِمِیَّ خبر یہ اصل میں مُسْلِمُوْنَ ی تھا نون بوجہ اضافت گر گیا مُسْلِمُوْ یَ ہوا واؤ اور یا ایک کلمہ میں جمع ہوئیں پہلا ساکن تھا واؤ کو یاء کر کے یا کا یا میں ادغام کر دیا مُسْلِمُیَّ ہوا پھر میم کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا مُسْلِمِیَّ ہوا پس اس سے جو علامت رفع واؤ تھی باقی نہیں رہی لہٰذا اس کا اعراب بحالت رفع بتقدیر واؤ ہوگا رَاَیْتُ مُسْلِمِیَّ حالت نصبی کی مثال ہے مَرَرْتُ بِمُسْلِمِیَّ حالت جری کی مثال ہے یہ دونوں اصل میں مُسْلِمِیْنَ یَ تھے نون بوجہ اضافت گر گیا مُسْلِمِیْ یَ ہوا دو ی ایک کلمہ میں جمع ہوئیں یا کو یا میں ادغام کر دیا مُسْلِمِیَّ ہوا پس ان میں علامت نصب و جر جو یائے ساکن ہے باقی ہے اس کی صورت گو تینوں حالتوں میں ایک سی ہے لیکن رفع میں چونکہ واؤ نہ رہا لہٰذا اس حالت میں اعراب تقدیری ہوا بخلاف حالت نصب و جر کے کہ ان میں یا جو علامت نصب و جر ہے اگر چہ یا میں مدغم ہوگئی ہے لیکن وہ اپنے حال پر باقی ہے اور اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہوئی لہٰذا ان دونوں حالتوں میں اعراب لفظی ہوگا۔

تتمہ مفیدہ

اسم متمکن جس کو معرب بھی کہتے ہیں یہ جیسا کہ صاحب نحو میر نے بتایا ہے سولہ طرح کا ہوتا ہے جس طرح کا معرب ہوگا اسی طرح کا اس پر اعراب آجائے گا چنانچہ وہ معرب کلمہ اگر مفرد ہے اور مفرد میں بھی منصرف صحیح یا منصرف قائم مقام صحیح ہے یا جمع مکسر ہے تو ان تینوں قسم کا اعراب ایک ہی طرح سے آتا ہے یعنی حالت رفعی میں ضمہ اور نصبی میں فتحہ اور جری میں کسرہ اور اگر وہ معرب کلمہ مفرد غیر منصرف ہے تو اس کی حالت رفعی ضمہ کے ساتھ ہوگی نصبی اور جری دونوں فتحہ کے ساتھ ہوں گی اور اگر وہ معرب کلمہ اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہو تو ایسے کلمات کا اعراب چند شروط کے ساتھ یہ ہے کہ ان کی حالت رفعی واؤ کے ساتھ اور نصبی الف کے ساتھ اور جری یاء کے ساتھ ہوتی ہے اور اگر وہ معرب کلمہ تثنیہ ہے تو حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ اور حالت نصبی و جری میں یا ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ ہوا کرتا ہے اور یہ ہر تثنیہ کا اعراب ہے خواہ وہ حقیقی ہو یا صوری یا معنوی اور اگر وہ معرب کلمہ جمع ہے چاہے وہ جمع حقیقی ہو یا صوری یا معنوی اس کی حالت رفعی واؤ ماقبل مضموم اور نون مفتوح کے ساتھ ہوگی اور حالت نصبی و جری یاء ماقبل مکسور اور

نون مفتوح کے ساتھ ہوتی ہے اور اگر وہ معرب کلمہ ایسا ہے کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہے یا اس کی اضافت یاء کی طرف ہے بشرطیکہ وہ جمع مذکر سالم نہ ہو جو یاء کی طرف مضاف ہو رہا ہے تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوگا۔ ایسے ہی اگر وہ معرب کلمہ اسم منقوص ہو جیسے القاضی یا الداعی تو ایسے معرب کلمہ کا اعراب حالت رفعی و جری میں تقدیری اعراب ہوگا اور نصبی میں لفظی ہوگا اس تفصیل سے اعراب کا مختلف طرح ہونا سمجھ میں آرہا ہے کہ کہیں وہ حرف کے ساتھ ہوگا کہیں حرکت کے ساتھ ہوگا اور کہیں ایک حالت کو دوسری کے تابع کر دیا ہے اور کہیں یہ اعراب لفظی ہے اور کہیں تقدیری ہے اس لئے اب ہم اعراب کی قسموں کا ذکر کرتے ہیں چناں چہ جانئے کہ اعراب کی کئی قسمیں ہیں:

۱- ذاتی ۲- وصفی، اعراب بالحرف کو اعراب ذاتی اور اعراب بالحرکت کو اعراب وصفی کہتے ہیں دوسری تقسیم اعراب کی حقیقی حکمی کے اعتبار سے ہے اگر سب حالتوں میں اعراب الگ الگ ہے تو وہ اعراب حقیقی کہلاتا ہے اور کوئی حالت کسی کے تابع ہو تو وہ اعراب حکمی کہلاتا ہے اور تیسری تقسیم یہ ہے کہ اعراب کبھی لفظی ہوتا ہے کبھی تقدیری جو اعراب بولنے اور ادا کرنے میں آئے وہ لفظی کہلاتا ہے وار اگر صرف رٹ کر لیا اور مان لیا تو وہ تقدیری کہلاتا ہے ایک اعراب وہ بھی ہے جس کو محلی کہتے ہیں بعض نے تقدیری اعراب کو ہی محلی کہہ دیا جو بالکل غلط ہے کیوں کہ اعراب تقدیری معربات میں چلتا ہے اور محلی مبنیات میں چلتا ہے چناں چہ اعراب محلی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس جگہ وہ مبنی کلمہ آتا ہے وہ اگر رفع کی ہے تو اس کلمہ کو مرفوع خیال کر لیا جائے گا نصب کی ہے تو منصوب سمجھ لیں گے خواہ فی نفسہ وہ کلمہ مرفوع اور منصوب نہ بھی پڑھا جا رہا ہو جیسے جاءَ ھؤلاءِ رَأیتُ ھؤلاءِ میں کہ ھؤلاءِ یوں تو مبنی علی الکسر ہے لیکن جاء کا فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور رایت کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے اگر چہ پڑھنے میں مکسور ہے۔

ملاحظہ: اعراب بالحرکت اعراب اصلی کہلاتا ہے اور اعراب بالحرف اعراب فرعی کہلاتا ہے۔

تقسیم اعراب کی کہانی

یاد رہے کہ نحات نے جب معرب کلمات پر اعراب تقسیم کیا تو اس کے اعراب تو چھ تھے تین اعراب بالحرکۃ ۱- ضمہ ۲- فتحہ ۳-- کسرہ اور تین اعراب بالحروف ۱- واؤ ۲- الف ۳- یاء اور لینے والے تھے نو تین مفرد تین تثنیہ تین جمع (شاید) (تین مفرد سے مراد:- مفرد منصرف صحیح ۲- منفرد منصرف قائم مقام صحیح ۳- مفرد غیر منصرف

تین تثنیہ سے مراد- تثنیہ حقیقی جیسے رجلان ۲- تثنیہ صوری جیسے اثنان واثنتان ۳- تثنیہ معنوی جیسے کلا اور کلتا

تین جمع سے مراد:- جمع جمع حقیقی جیسے مسلمون ۲- جمع صوری جیسے عشرون ۳- جمع معنوی جیسے اُولُو)

جن کی تفصیل ابھی اوپر تتمہ کے شروع میں آچکی ہے بہر حال لینے والوں میں سے سب سے پہلے مفرد آیا اس نے کہا کہ میں اصل ہوں کہ تثنیہ جمع میرے سے ہی بنتے ہیں اس لئے اعراب اصلی یعنی اعراب بالحرکت میرا حصہ ہے اور تینوں

حرکتوں ضمہ فتحہ کسرہ کو لیکر بھاگ گیا۔ اور اپنی تینوں حالتوں کے لئے ان کو طے کرلیا۔ آگے اعراب تین رہے واؤ الف یا، مانگنے والے چھ تین تثنیہ تین جمع اب اگر یہ تینوں اعراب تثنیہ کو دیں تو جمع رہ جاتی ہے اور جمع کو دیں تو تثنیہ رہ جاتا ہے اور اگر دونوں کو اکٹھا دیدیں اِسے بھی اُسے بھی تو اس سے التباس ہوگا اور پہچان نہ رہی گی باہم مشورہ سے یہ طے کردیا کہ پہلے ان دونوں کی حالت رفعی کا اعراب طے کردیں کیوں کہ حالت رفعی عمدہ اور اصل ہوتی ہے نصبی اور جری حالتیں فرع اور فضلہ ہوتی ہیں چناں چہ تثنیہ کے لیے حالت رفعی میں الف طے کردیا اور جمع کی حالت رفعی کے لئے واؤ رکھ دیا تثنیہ کے لئے الف اس لئے طے کیا کہ افعال میں بھی تثنیہ کے صیغوں میں حالت رفعی میں الف ہی آتا ہے جیسے یَضْرِبَانِ تضربان اور جمع کے لیے واؤ کیوں کہ افعال میں بھی جمع کے صیغوں میں واؤ آتا ہے جیسے یضربون ، تضربون.

اب اعراب ایک رہ گیا یعنی صرف یاء اور مانگنے والے چار ہیں تثنیہ کی حالت نصبی وجری اور جمع کی حالت نصبی و جری، تو مجبوراً یہ یاء تثنیہ اور جمع کی دونوں کی حالت جری کے لئے طے کردی اصل کے موافق کیوں کہ حالت جری میں اسماء ستہ مکبرہ میں بھی یاء آتی ہے اب **سوال** ہوا کہ جب دونوں کی حالت جری یاء سے ہوگئی تو پہچان کیسے ہوگی تثنیہ جمع کی تو **جواب** یہ دیا کہ یاء کے ماقبل جو حرکت دیں گے وہ الگ الگ کردیں گے تثنیہ میں یاء کے ماقبل فتحہ آئے گا اور جمع میں کسرہ آئے گا فلا التباس۔

سوال - برعکس کیوں نہ کردیا۔

جواب - تثنیہ کثیرہ ہیں کہ چار ہیں: ۱- تثنیہ مذکر غائب، ۲- تثنیہ مؤنث غائب۔ ۳- تثنیہ مذکر حاضر۔ ۴- تثنیہ مؤنث حاضر۔ اور جمع صرف دو ہیں: ۱- جمع مذکر غائب۔ ۲- جمع مذکر حاضر۔ رہی جمع مؤنث غائب اور جمع مؤنث حاضر یہ دونوں تو مبنی ہوتے ہیں تو کثیر کو خفیف دے دیا اور قلیل کو ثقیل دے دیا تاکہ توازن برقرار رہے تو کسرہ ثقیل ہے اس لئے وہ جمع کے لائق تھا اور فتحہ خفیف ہے وہ تثنیہ کے لائق تھا،

سوال - پھر تثنیہ کے نون کو کسرہ کیوں دیا اور جمع کے نون کو فتحہ کیوں دیا۔

جواب - تثنیہ کے نون کو کسرہ اس لئے دیا کہ تثنیہ زیادہ خفیف نہ ہوجائے اور جمع کے نون کو فتحہ اس لئے دیا کہ وہ زیادہ ثقیل نہ ہوجائے۔

سوال - پھر اس فرق کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ تثنیہ میں یاء کے ماقبل فتحہ دیں اور جمع میں یاء کے ماقبل کسرہ دیں کیوں کہ دونوں کے نون کی حرکت سے ہی التباس دفع ہورہا ہے۔

جواب - نون تثنیہ اور جمع کلمہ کے آخر میں ہمیشہ نہیں رہتا بوقت اضافت گر بھی جاتا ہے اس لئے اگر یاء کے ماقبل کی حرکت میں اختلاف نہ کریں تو التباس اور خلل ہونے کا اندیشہ تھا اب نحویوں کے پاس اعراب کوئی نہ رہا اور مانگنے والے ابھی دو ہیں ۱- تثنیہ کی حالت نصبی ۲- جمع کی حالت نصبی اس لئے مجبوراً ان دونوں کو ان کی حالت جری کے تابع کردیا کہ جو اعراب تثنیہ جمع کا حالت جری میں ہے وہی انکی نصبی میں بھی رہے گا۔

سوال۔تثنیہ جمع کی حالت نصبی کو جری کے بجائے حالت رفعی کے تابع کیوں نہ کیا۔
جواب - حالت رفعی عمدہ ہوتی ہے اور حالت نصبی وجری دونوں کلام میں فضلہ اور فالتو ہوتے ہیں اس لئے حالت نصبی کا جری سے تو جوڑ ہے حالت رفعی سے نہیں ہے۔اس لئے رفعی کے تابع نہیں کیا۔

سبق بست وسوم

فصل۔بدانکہ اعراب مضارع سہ است رفع ونصب وجزم فعل مضارع باعتبار وجوہ اعراب بر چہار قسم است **اوّل صحیح مجرد** از ضمیر بارز مرفوع برائے تثنیہ وجمع مذکر وبرائے واحد مؤنث مخاطبہ رفعش بضمہ باشد ونصب بفتحہ وجزم بسکون چوں هُوَ یَضرِبُ ولَنْ یَضرِبَ ولَمْ یَضرِبْ. **دوم**، **مفرد معتل واوی**: چوں یَغْزُوْ ویائی چوں یَرْمِیْ رفعش بتقدیر ضمہ باشد ونصب بفتحہ لفظی وجزم بحذف لام چوں هُوَ یَغْزُوْ وو یَرْمِیْ ولَنْ یَغْزُوَ وَلَنْ یَرْمِیَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یَرْمِ۔ **سوم**۔ **مفرد معتل الفی**۔ چوں یَرْضٰی رفعش بتقدیر ضمہ باشد ونصب بتقدیر فتحہ وجزم بحذف لام چوں هُوَ یَرْضٰی ولَنْ یَرْضٰی ولَمْ یَرْضَ. **چہارم**۔ **صحیح یا معتل باضمائر و نونہائے مذکورہ** رفع شان باثبات نون باشد چناں کہ در تثنیہ گوئی هما یَضرِبَانِ وَیَغْزُوَانِ وَیَرْمِیَانِ وَ یَرْضَیَانِ ودر جمع مذکر گوئی هم یَضرِبُوْنَ و یَغْزُوْنَ وَیَرْمُوْنَ وَیَرْضَوْنَ ودر مفرد مؤنث حاضر گوئی اَنتِ تَضرِبِینَ وَ تَغْزِینَ وَ تَرْمِیْنَ وَتَرْضَیْنَ ونصب وجزم بحذف نون چنانکہ در تثنیہ گوئی لَنْ یَضرِبَا وَلَنْ یَغْزُوَا وَلَنْ یَرْمِیَا وَلَنْ یَرْضَیَا وَلَمْ یَضرِبَا وَلَمْ یَغْزُوَا وَلَمْ یَرْمِیَا وَلَمْ یَرْضَیَا ودر جمع مذکر گوئی لَنْ یَضرِبُوْ ولَنْ یَغْزُوْ ولَنْ یَرْمُوْا وَلَنْ یَرْضَوْا وَلَمْ یَضرِبُوْا وَلَمْ یَغْزُوْ وَلَمْ یَرْمُوْا وَلَمْ یَرْضَوْا ودر مونث حاضر گوئی لَنْ تَضرِبِیْ وَلَنْ تَغْزِیْ وَلَن تَرْمِیْ وَلَن تَرْضَیْ وَلَم تَضرِبِی وَلَمْ تَغْزِی وَلَمْ تَرْمِیْ وَلَمْ تَرْضَی.

ترجمہ عبارت۔جان تو کہ فعل مضارع کے اعراب تین ہیں رفع نصب جزم فعل مضارع اعراب کی صورتوں کے لحاظ سے چار قسم پر ہے اوّل (ایسا مضارع جو) صحیح ہو اور اُن ضمیر مرفوع بارز سے خالی ہو جو (چاروں) تثنیہ اور جمع مذکر (حاضر وغائب) اور واحد مؤنث حاضر کے واسطے ہوتی ہیں اسطرح کے مضارع کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب فتحہ کے ساتھ اور جزم سکون کے ساتھ جیسے هُوَ یَضرِبُ ولَنْ یَضرِبَ ولَمْ یَضرِبْ. **دوسرے مفرد معتل**

واوی جیسے یَغْزُوْ اور یَرْمِیْ اس کا رفع تقدیری ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب لفظی فتحہ کے ساتھ اور جزم لام کے حذف کے ساتھ جیسے ھُوَ یَغْزُوْ وَیَرْمِیْ وَلَنْ یَغْزُوَ وَلَنْ یَرْمِیَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یَرْمِ. **تیسرے مفرد معتل الفی** اسکا رفع تقدیری ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب تقدیری فتحہ کے ساتھ اور جزم لام کے حذف کے ساتھ جیسے ھُوَ یَرْضیٰ وَ لَنْ یَرْضیٰ اور وَلَمْ یَرْضَ **چوتھے صحیح یا معتل** ۔ مذکورہ ضمیروں اور نونوں کے ساتھ ان کا رفع نون کے باقی رکھنے کے ساتھ ہوگا جیسا کہ تثنیہ میں کہے تو ھُمَا یَضْرِبَانِ وَیَغْزُوَانِ وَیَرْمِیَانِ وَ یَرْضَیَانِ اور جمع مذکر میں کہے تو ھُمْ یَضْرِبُوْنَ وَیَغْزُوْنَ وَیَرْمُوْنَ وَیَرْضَوْنَ اور واحد مؤنث حاضر میں کہے تو اَنْتِ تَضْرِبِیْنَ وَتَغْزِیْنَ وَتَرْمِیْنَ وَتَرْضَیْنَ اور نصب و جزم نون کے ختم کرنے کے ساتھ جیسا کہ تثنیہ میں کہے تو لَنْ یَضْرِبَا وَلَنْ یَغْزُوَا وَلَنْ یَرْمِیَا وَلَنْ یَرْضَیَا وَلَمْ یَضْرِبَا وَلَمْ یَغْزُوَا وَلَمْ یَرْمِیَا وَلَمْ یَرْضَیَا اور جمع مذکر میں کہے تو ،لَنْ یَضْرِبُوْا وَلَنْ یَغْزُوْا وَلَنْ یَرْمُوْا وَلَنْ یَرْضَوْا وَلَمْ یَضْرِبُوْا وَلَمْ یَغْزُوْا وَلَمْ یَرْمُوْا وَلَمْ یَرْضَوْا واحد مؤنث حاضر میں کہے تو لَنْ تَضْرِبِیْ وَلَنْ تَغْزِیْ وَلَنْ تَرْمِیْ وَلَنْ تَرْضَیْ وَ لَمْ تَضْرِبِیْ وَلَمْ تَغْزِیْ وَلَمْ تَرْمِیْ وَلَمْ تَرْضَیْ ..

حل مضمون: اسم معرب کا اعراب کیا ہوا کرتا ہے اس کے بیان کرنے کے بعد اب یہاں سے مصنف فعل مضارع کا اعراب ذکر کرتے ہیں پھر چونکہ فعل مضارع کئی طرح کا ہوتا ہے (۱) **صحیح** صرف لام کلمہ کی جگہ کوئی حرف علت نہ ہو جیسے یَضْرِبُ یَنْصُرُ میں ہے اس کا اعراب اور طرح ہے (۲) **مُعْتَل** یعنی لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو پھر وہ حرف علت خواہ واؤ ہو جیسے یَدْعُوْ اور یَغْزُوْ میں ہے یا ئی ہو جیسے یَرْمِیْ میں یا الف ہو جیسے کہ یَرْضیٰ میں ہے

فائدہ ۔ صحیح اور معتل کی اوپر والی تعریفیں نحویوں کے یہاں ہے کیونکہ نحوی فقط اس آخری حرف سے بحث کرتا ہے جس پر اعراب آتا ہے لہذا اگر لام کلمہ کی جگہ حرف علت نہیں ہے تو صحیح کہلائے گا اگر اور جگہ حرف علت ہو تو معتل نہیں کہیں گے بلکہ صحیح ہی کہلائے گا اور صرفیوں کے نزدیک صحیح وہ ہے کہ ف ع ل کسی بھی جگہ نہ حرف علت ہو نہ ہمزہ ہو نہ مشدد حرف ہو اگر کسی بھی جگہ حرف علت ہو تو اس کو بجائے صحیح کے معتل کہا جاویگا جیسے وَعَدَ یَسَرَ وغیرہ اور اگر ہمزہ ہوگی تو اس کو مہموز کہتے ہیں جیسے اَکَلَ اور حرف مشدد ہو تو اس کو مضاعف کہے ہیں جیسے مَدَّ یَمُدُّ بہر حال اگر آخر میں حرف علت نہیں ہے تو ایسے مضارع کے اعراب کی تفصیل یہ ہے کہ مضارع کے چودہ صیغے آتے ہیں جن میں سے دو صیغے یَفْعَلْنَ تَفْعَلْنَ (جمع مؤنث غائب حاضر) کومبنی ہونے کی وجہ سے الگ نکال دو آگے بارہ صیغے رہتے ہیں جن میں سات صیغے ایسے ہیں کہ جنکے آخر میں نون بھی ہے اور ضمیر بارز مرفوع بھی ہے مثلا چار تو تثنیہ یَفْعَلَانِ تثنیہ مذکر غائب تَفْعَلَانِ تثنیہ مؤنث غائب اور تَفْعَلَانِ تثنیہ مذکر حاضر تَفْعَلَانِ تثنیہ مؤنث حاضر ان میں الف ضمیر بارز مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے اور دو یَفْعَلُوْنَ تَفْعَلُوْنَ جمع

مذکر غائب و حاضر ان میں واؤ ضمیر بارز مرفوع ہے اور ایک تَفْعَلِیْنَ واحد مؤنث حاضر میں ی ضمیر بارز مرفوع ہے اور نون سب کے آخر میں ہے ہی ان سات صیغوں کو الگ کرو دو کیونکہ ان کا اعراب کیا ہوگا اس کو مصنف **چہارم صحیح یا معتل یا ضمائر الخ** ۔سے بیان کریں گے بہر حال اب وہ صیغے رہ گئے جنمیں ضمیر بارز مرفوع اور نون اخیر میں نہیں ہوا کرتا یا ایسے پانچ صیغے ہیں (۱) یَضْرِبُ واحد مذکر غائب (۲) تَضْرِبُ واحد مؤنث غائب (۳) تَضْرِبُ واحد مذکر حاضر (۴) اَضْرِبُ واحد متکلم (۵) نَضْرِبُ جمع متکلم یہ پانچ صیغے اگر صحیح ہوں یعنی حرف علت اخیر میں لام کلمہ کی جگہ ان میں نہ ہو تو رفعش بضمہ باشد الخ یعنی حالت رفعی ضمہ کے ساتھ ہے جیسے هُوَ یَضْرِبُ یَضْرِبُ هُوَ کی خبر ہے اور مرفوع ہے اس لئے بَ پر ضمہ آ گیا۔ اور حالت نصبی فتحہ کے ساتھ ہوگی جیسے لَنْ یَضْرِبَ لَنْ کی وجہ سے نصب کی حالت میں ہے اور بَ پر فتحہ ہے اور حالت جزمی جزم یعنی سکون کے ساتھ ہوگی جیسے، لَمْ یَضْرِبْ لَمْ کی وجہ سے حالت جزمی میں ہے اور ب ساکن ہو رہا ہے۔

دوم مفرد معتل واوی و یائی ۔یہ مضارع صحیح کے بعد مضارع کی دوسری اور تیسری شکل ہے کہ مضارع مُعْتَل ہو اور حرف علت لام کلمہ کی جگہ واؤ یا یاء ہو نیز مضارع مفرد ہو تثنیہ جمع نہ ہو کیونکہ تثنیہ جمع خواہ معتل ہو یا صحیح سب کا اعراب آگے چوتھی قسم میں اکٹھا ہی آ رہا ہے۔ بہر حال جو مضارع مفرد ہو معتل ہو (اس میں پانچوں وہ صیغے داخل ہیں جن کے آخر میں ضمیر بارز مرفوع اور نون نہیں آتا ہے) ان کا اعراب حالت رفعی میں تقدیری ضمہ ہے جیسے هُوَ یَغْزُوْ یہ معتل واوی کی حالت رفعی کی مثال ہے هُوَ یَرْمِیْ معتل یائی کی حالت رفعی کی مثال ہے اور لَنْ یَغْزُوَ یہ معتل واوی کی حالت نصبی کی مثال ہے اور حالت نصبی میں لفظی فتحہ ہوتا ہے لَنْ یَرْمِیَ معتل یائی کی حالت نصبی کی مثال ہے جس میں فتحہ ہوتا ہے لَمْ یَغْزُ یہ بلا واؤ کے معتل واوی جزمی کی مثال ہے وَلَمْ یَرْمِ بلا یاء کے معتل یائی جزمی کی مثال ہے۔ اور حالت جزمی میں لام کلمہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ان میں ہے۔

سوم مفرد معتل الفی :۔ تیسری شکل معتل کی یہ ہے کہ لام کلمہ کی جگہ حرف علت الف ہو (یاد رکھنا چاہئے کہ معتل الفی صرفیوں کے یہاں ہوتا ہی نہیں ہے کیونکہ جہاں کہیں ہمیں لام کلمہ کی جگہ حرف علت نظر آتا ہے وہ در حقیقت واؤ یا یاء سے بدلا ہوا ہوتا ہے تو معتل کی بس دو ہی قسمیں ہیں واوی یا یائی چناں چہ یَرْضٰی اصل میں یَرْضَوُ تھا علامت مضارع لگنے سے واؤ چوتھی جگہ میں آ گئی جو یاء سے بدل جاتی ہے اور پھر یاء کو ماقبل میں فتحہ کی وجہ سے الف بدل دیا لیکن چونکہ نحوی ظاہری حالت سے بحث کرتا ہے اصل حقیقت پر نہیں جاتا اس لئے نحویوں کے یہاں جہاں اخیر میں الف ہے خواہ وہ اصل میں واؤ تھا یا یاء اس کو معتل الفی کہہ دیا بہر حال جس مضارع کے آخر میں الف ہو اس کا اعراب یہ ہے کہ حالت رفعی میں تقدیری ضمہ اور نصبی میں تقدیری فتحہ اور جزمی میں لام کلمہ ختم ہو جائے گا۔

سوال۔: الف آخر میں ہونے کی حالت میں تقدیری اعراب کیوں ہوتا ہے۔
جواب۔: الف کا ساکن ہونا واجب ہے اگر حرکت دیں گے تو وہ بجائے الف کے ہمزہ ہو جائیگا اس لئے مجبوراً اعراب تقدیری ہی رکھنا پڑیگا جیسے هُوَ يرضىٰ حالت رفعی کی مثال ہے یہاں ہم بس مان لیں گے کہ یرضیٰ ھو کی خبر ہونے سے حالت رفعی میں ہے اور اس کا مرفوع ہونا تقدیری ہے الف آخر میں ہونے کی وجہ سے ضمہ نہ دیکھنے میں آئے گا نہ بولنے میں آئے گا اور لَمْ يَرْضَ حالت جزمی کی مثال ہے کہ الف گر گیا لَمْ کی وجہ سے بہر حال مضارع کی چار حالتیں آچکی ہیں (۱) صحیح (۲) معتل واوی (۳) معتل یائی (۴) معتل الفی ، یہ تفصیل پانچ صیغوں سے متعلق اعراب کی ہے کَمَا بَيَّنَّا.

چهارم صحیح یا معتل باضمائر الخ ۔: یہاں سے ان سات صیغوں کا اعراب بیان کرتے ہیں جن کے آخر میں نون اور ضمیر بارز مرفوع ہو عام ہے کہ یہ سات صیغے صحیح ہوں یا معتل یعنی خواہ ان کے اخیر میں حرف صحیح ہو یا حرف علت دونوں کا اعراب ایک طرح ہے اور وہ یہ ہے کہ ان ساتوں میں حالت رفعی میں نون رہے گا کیونکہ یہ نون بے نون کے صیغوں کے ضمہ کے بدلہ میں ہے لہٰذا جیسے پانچ صیغوں میں جو بغیر نون کے ہوتے ہیں حالت رفعی میں ضمہ آتا ہے اس طرح نون والے صیغوں میں حالت رفعی میں یہ نون ہی ضمہ کے درجہ میں ہے لہٰذا حالت رفعی نون کو برقرار رکھنے کے ساتھ ہوگی۔ جیسے تثنیہ کی مثال هُمَا يَضْرِبَانِ وَيَغْزُوَانِ وَيَرْمِيَانِ وَيَرْضَيَانِ چار مثالیں علی الترتیب مضارع صحیح معتل واوی، معتل یائی، معتل الفی، کی ہیں اور جمع میں بولے گا تو هُمْ يَضْرِبُوْنَ وَيَغْزُوْنَ وَ يَرْمُوْنَ وَيَرْضَوْنَ یہ بھی چاروں طرح کے مضارع کی حالت رفعی میں جمع کی مثالیں ہیں اور واحد مونث حاضر میں کہے گا تو اَنْتِ تَضْرِبِيْنَ وَتَغْزِيْنَ وَ تَرْمِيْنَ وَ تَرْضَيْنَ یہ چاروں طرح کے مضارع کی واحد مونث حاضر کی مثالیں ہیں حالت رفعی میں۔

ونصب وجزم بحذف نون ۔: جیسا کہ تثنیہ میں کہے تو لَنْ يَضْرِبَا وَلَنْ يَغْزُوَا وَلَنْ يَرْمِيَا وَلَنْ يَرْضَيَا وَلَمْ يَضْرِبَا وَلَمْ يَغْزُوَا وَلَمْ يَرْمِيَا وَلَمْ يَرْضَيَا یہ چاروں قسم کے مضارع کی حالت نصبی و جزمی دونوں میں تثنیہ کی مثالیں ہیں۔ اور جمع مذکر میں کہے تو لَنْ يَضْرِبُوْ وَلَنْ يَغْزُوْ وَلَنْ يَرْمُوْا وَلَنْ يَرْضَوْا وَلَمْ يَضْرِبُوْا وَلَمْ يَغْزُوْ وَلَمْ يَرْمُوْا وَلَمْ يَرْضَوْا حالت نصبی و جزمی دونوں کی چاروں قسم کے مضارع کی جمع مذکر کی مثالیں ہیں اور واحد مونث حاضر میں کہے تو لَنْ تَضْرِبِيْ وَلَنْ تَغْزِيْ وَلَنْ تَرْمِيْ وَلَنْ تَرْضَيْ وَ لَمْ تَضْرِبِيْ وَلَمْ تَغْزِيْ وَلَمْ تَرْمِيْ وَلَمْ تَرْضَيْ ۔ واحد مونث حاضر کی چاروں قسم کے مضارع کی حالت نصبی و جزمی کی مثالیں ہیں۔

سبق بست وچہارم

فصل - بداں کہ عوامل اعراب بردو قسم است، لفظی ومعنوی لفظی بر سہ قسم است حروف وافعال واسماء وایں را در سہ باب یاد کنیم انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب اول در حروف عاملہ

ودر و دو فصل است **فصل اول** (درحروف عاملہ دراسم) وآں پنج قسم است **قسم اول** حروف جرو آں ہفت دہ است با و من والی وحتی وفی و لام ورُبَّ وواو قسم وتائے قسم وعن وعلی و کاف تشبیہ ومذ و منذ وحاشا وخلا وعدا ایں حروف دراسم روند وآخرش را جر کنند چوں اَلْمَالُ لِزَیْدٍ۔ **دوم**- حروف مشبہ بہ فعل وآں شش است اِنَّ واَنَّ وکَاَنَّ ولٰکِنَّ وَلَیْتَ وَلَعَلَّ ایں حروف را اسمی باید منصوب وخبرے مرفوع چوں اِنَّ زَیْداً قَائِمٌ زید را اسم انَّ گویند وقائمٌ راخبرِانَّ بداں کہ اِنَّ واَنَّ حروف تحقیق است وکاَنَّ حروف تشبیہ ولٰکِنَّ حرف استدراک ولَیْتَ حرف تمنی ولَعَلَّ حرف ترجی۔ **سوم** مَا ولا اَلمشبَّھتَان بِلَیْسَ وآں عمل لیس می کنند چناں کہ گوئی مَازَیْدٌ قَائِماً زیدٌ اسم ما است وقائماً خبرِ او۔

ترجمہ عبارت- جان تو کہ اعراب کے عوامل دو قسم پر ہیں لفظی اور معنوی لفظی تین قسم پر ہے (۱) حروف (۲) افعال (۳) اسماء اوران کو تین بابوں میں بیان کریں گے ہم، انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلا باب عمل کرنے والے حروف کے بیان میں

اوراس میں دو فصل ہیں، **پہلی فصل اسم میں عمل کرنے والے حروف کے بیان میں** اور وہ حروف پانچ قسم ہیں۔ **پہلی قسم** -حروف جار اور وہ سترہ ہیں با ، مِنْ ، اِلٰی ، حتّیٰ ، فِیْ ، لاَمْ ، رُبَّ ، واؤ قسم ، تائے قسم ، عن ، علیٰ ، کاَ ف تشبیہ ، مُذْ ، مُنْذُ ، حاَشاَ ، خلاَ ، عَداَ ، یہ حروف اسم میں داخل ہوتے ہیں اور اسکے آخر کو جر کرتے ہیں جیسے اَلْماَلُ لِزَیْدٍ ۔**دوسری قسم**۔حروف مشبہ بالفعل اور وہ چھ ہیں۔ انَّ ، اَنَّ ، کَاَنَّ ، لٰکِنَّ ، لَیْتَ ، لَعَلَّ ۔ ان حروف کو ایک اسم چاہئے منصوب اور ایک خبر مرفوع جیسے اِنَّ زَیداً قاَئِمٌ ، زید کو اِنَّ کا اسم کہتے ہیں اور قاَ ئِمٌ کو اِنَّ کی خبر جان تو کہ اِ نَّ اور اَنَّ حروف تحقیق ہیں اور کَاَ نَّ حرف تشبیہ اور لٰکِنَّ حرف استدراک ہے اور لَیْتَ حرف تمنّیٰ اور لَعَلَّ

حرف ترجی ہے۔ **تیسری قسم** ۔ایسے ما اور لاؔ ہیں جو لَیْسَ کی طرح ہیں اور وہ لیس والا عمل کرتے ہیں جیسا کہ کہے تو مَا زَیْدٌ قَائِمًا، زیدٌ مَاؔ کا اسم ہے اور قائِمًا اس کی خبر ہے۔

حلِّ مضمون۔ عوامل عامل کی جمع ہے جس کلمہ کی وجہ سے اعراب رفع نصب جر آوے اس کو عامل کہتے ہیں لفظی بمعنی لفظ والا معنوی بمعنی معنی والا۔ دونوں میں یاء نسبت کی ہے جس کے معنی والے کے ہوتے ہیں، بہر حال عامل لفظی وہ ہوتا ہے جو بولنے لکھنے میں آوے اور اگر صرف ذہن ذہن میں سمجھا جاوے اس کو عامل معنوی کہتے ہیں چنانچہ آئندہ تفصیل آوے گی کہ مبتدا اور خبر کا عامل معنوی ہوتا ہے کیونکہ بظاہر عبارت میں کوئی کلمہ ایسا نہیں موجود ہوتا ہے جسکو مبتدا اور خبر کا عامل کہہ دیں حالانکہ رفع ان دونوں پہ آرہا ہے تو رفع عمل ہے اور کوئی عمل بلا عامل کے نہیں ہوا کرتا اس لئے اہل نحو نے مجبوراً یہ کہہ دیا کہ ان کا عامل معنوی ہے مبتدا خبر کو چھوڑ کر جہاں کہیں کوئی رفع یا نصب یا جر ملے گا تو وہ ضرور کسی عامل کا اثر ہوگا پھر لفظوں میں جو عامل ہوگا وہ کبھی حروف میں سے ہوتا ہے اور کبھی افعال میں سے اور کبھی اسماء میں سے، مصنف نے ہر ایک کو الگ الگ بابوں میں بیان کیا ہے جس کی وجہ سے تین باب ہوگئے۔ **باب اولؔ درحروف عامله، باب دومؔ در عمل افعال، باب سومؔ در عمل اسماء عامله الخ** ۔ان تینوں بابوں کی تفصیل کے بعد پھر نحو میر میں عامل معنوی کو بیان کریں گے۔ **فصل اول در حروف عامله الخ۔ حروف عامله** کی دو قسمیں ہیں (۱) حروف عاملہ در اسم (۲) حروف عاملہ در فعل۔ اول کی پانچ قسمیں ہیں (۱) حروف جر، (۲) حروف مشبہ بفعل (۳) ما و لا مشابہ بلیس (۴) لاء نفی جنس (۵) حروف ندا، اور قسم دوم کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ حروف جو فعل مضارع کو نصب کرتے ہیں (۲) وہ حروف جو فعل مضارع کو جزم کرتے ہیں۔ یہ باب اول میں جو کچھ ہے اس کا خلاصہ ہے۔ **حروف جر آں هفت ده است الخ** ۔حروف جر کو ایک شاعر نے شعر میں بھی جمع کر دیا ہے۔ بَاوَ تَاوَ کَافَ لَامُ و وَاوُ مُنذُ مُذُ خَلاَ . رُبَّ حَاشَا ، مِنْ ، عَدَا فِی عَنْ عَلیٰ ، حتّٰی ، اِلیٰ.

سوال۔ حروف جر کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔

جواب۔ جَرٌّ ، یَجُرُّ ، جَرًّا ، باب نصر سے بمعنی کھینچنا کیونکہ یہ حروف اپنے سے پہلے فعل یا شبہ فعل کو کھینچ کر اس اسم تک پہنچاتے ہیں جس پر یہ حروف داخل ہوتے ہوں۔ مثلاً مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، میں باء حرف جر نے مُرور بمعنی گذرنا کو زید تک پہنچا دیا کہ یہ گذرنا زید کے پاس کو ہوا ہے (۱) پہلا حرف جر ب ہے جس پر یہ داخل ہوگا اس پر زیر پڑھیں گے جیسے۔ مَرَرْتُ بِزَیْدٍ میں زید باء کی وجہ سے مجرور ہے، یہی باء فعل لازم کو متعدی کرنے کے لئے بھی آتا ہے جیسے ذَهَبَ زَیْدٌ (زید چلا گیا) پھر کہا ذَهَبْتُ بِزَیْدٍ میں زید کو لے گیا تو باء کی وجہ سے جانے کے بجائے لے جانے کے معنی میں ہوگیا، ایسے ہی کبھی باء استعانت کے لئے بھی آتا ہے، یعنی فاعل اس اسم سے جس پر باء آرہا ہے اپنے فعل میں مدد لیگا جیسے۔ کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ میں نے قلم کی مدد سے لکھا، اس میں متکلم نے قلم کے ذریعہ اپنے لکھنے کے کام میں مدد لی ہے، ایسے ہی باء مقابلہ کے لئے بھی آتی ہے جیسے اشْتَرَیْتُ الْقَلَمَ بِعِشْرِیْنَ رُوبِیَّۃً ، میں نے قلم بیس روپے کے بدلہ میں خریدا، (۲) مِنْ یہ کس چیز کی شروعات کو بتانے کیلئے ہوتا ہے جیسے

سِرْتُ مِنْ سَهَارَنْفُوْر میں سہارنپور سے چلا اور صُمْتُ مِنْ يَوْمِ السَّبْتُ میں نے ہار کے دن سے روزہ رکھا کبھی مِنْ بعض اور کچھ کے معنیٰ بھی دیتا ہے جیسے اَخَذْتُ مِنَ الفُلُوْس میں نے کچھ پیسے لئے، اور بھی کئے معنوں کیلئے آتا ہے جیسا کہ شرح مائۃ عامل میں تفصیل ہے (۳) اِلیٰ یہ کسی کام کی انتہاء اور اخیر ہونے کو بتلاتا ہے جیسے سِرْتُ اِلیٰ دِلْهِیْ میں دلی تک چلا کہ یہ چلنا دلی تک ہوا ایسے ہی قرآن میں ہے ثُمَّ اَتِمُّوْ الصِّيَامَ اِلیٰ اللَّيْل (کہ روزوں کو رات تک پورا کرو) (۴) حتّٰی یہ الیٰ کی طرح انتہاء فعل کیلئے ہے جیسے نِمْتُ البَارِحَةَ حَتّٰی الصَّبَاحَ کہ میں گذشتہ رات صبح تک سویا حتّٰی صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے الیٰ اسم ضمیر اور اسم ظاہر دونوں پر آتا ہے اسی لئے الیه کہنا ٹھیک ہے نہ کہ حتّاہُ۔ ایک حتّٰی عاطفہ بھی ہوتا ہے وہ جر نہیں دیا کرتا (۵) فِیْ یہ کسی چیز کے کسی کے اندر ہونے کو بتلاتا ہے جس کو ظرفیت بھی کہتے ہیں جیسے المَاءُ فِی الکُوْبِ پانی گلاس میں ہے (۶) لام یہ جس پر داخل ہوتا اپنے سے پہلی چیز کو اس کے لئے خاص کر دیتا ہے۔ جیسے المَالُ لِزَيْدٍ مال زید کا ہے ایسے ہی الجُلُّ لِلْفَرَسِ جھول گھوڑے کا ہوتا ہے پہلی مثال میں مال کو زید کے ساتھ خاص کیا اور دوسری میں جھول کو گھوڑے کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن خاص ہونے کے دو مطلب ہیں (۱) وہ اس کا ہے یعنی اسکا مالک ہے (۲) بطور استعمال کے کہ جھول گھوڑے کے ساتھ خاص ہے یعنی اسی کو اُڑھایا جاتا ہے، پھر لام کبھی علت اور وجہ بتانے کیلئے بھی آتا ہے جیسے خَرَجْتُ لِمَخَافَتِكَ میں تیرے ڈر کی وجہ سے باہر نکل گیا ایسے ہی ضَرَبْتُ لِلتَّادِيْبِ میں نے برائے تربیت وتہذیب اس کو مارا اول مثال میں نکلنے کی علت خوف اور ڈر ہے دوسری میں مارنے کی علت مہذب اور سلیقہ مند بنانا ہے، یاد رہے کہ لام جارہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور ایک لام لام استغاثہ بھی ہوتا ہے وہ مفتوح رہتا ہے۔ سوال استغاثہ کا مطلب کیا ہے جواب استغاثہ بمعنیٰ فریاد چاہنا مدد چاہنا جب کوئی کسی سے مدد مانگنا چاہتا ہے تو اس کو اس کے نام پر لام مفتوحہ اور حرف ندا لگا کر پکارے گا مثلاً کہے گا یَا لَزَيْدٍ، ارے زید یا کہے گا یَا لَلّٰهِ ہائے رے اللہ یعنی اے اللہ یا اے زید میری مدد کر، لام جارہ۔ اسم ضمیر پر آنے کی صورت میں مفتوح پڑھا جاتا ہے جیسے لَهُ، لَكَ، وغیرہ علاوہ یٓ ضمیر متکلم کے کہ اس پر داخل ہونے کی صورت میں مجرور رہیگا جیسے لِیْ، (۷) رُبَّ حسب موقع کم اور زیادہ دونوں معنیٰ کے لئے آتا ہے لیکن زیادہ تر کمی کے معنیٰ کے لئے مشہور ہے جیسے رُبَّ رَجُلٍ كَرِيْمٍ لَقِيْتُهُ بہت کم بزرگ لوگوں سے ملاقات ہوئی مطلب یہ ہے کہ شاندار آدمی بہت کم ہیں کیونکہ کم سے ملاقات ہونے کا مطلب ہی ہے کہ ہیں ہی کم زیادہ ہوتے تو زیادہ سے ملاقات ہوتی۔ اور زیادہ کے معنیٰ کی مثال رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كفرو لَوْ كَانُوْ مُسْلِمِيْنَ، بار بار کافر قیامت میں تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے پھر رُبَّ میں سولہ لغت ہیں یعنی سولہ طریقے پر پڑھا گیا ہے جیسا کہ ہدایۃ النحو (صفحہ ۱۰۴ حاشیہ ۲) میں ہے۔ (۸) واؤ قسم واؤ جس کے معنیٰ قسم کے ہوتے ہیں یہ بھی حرف جر ہے مگر ہمیشہ اسم ظاہر پر آتا ہے جیسے واللّٰه والرحمان اللہ کی قسم رحمن کی قسم اسم ضمیر پر نہیں آتا چناں نچہ نہیں کہا جائیگا (وك)، اور کبھی یہ عطف کیلئے آتا ہے اب حرف جار نہ رہے گا (۹) تاء قسم بھی حرف جر ہے مگر صرف لفظ اللّٰهُ پر آتا ہے جیسے تَا اللّٰه اللہ کی قسم تاالرَّحْمان کہنا غلط ہے (۱۰) عَنْ بمعنیٰ مجاوزۃ اور گذرنا یعنی عن جس پر داخل ہوگا اس سے گذر کروہ چیز اور کسی طرف چلی گئی جیسے رَمَيْتُ السَّهْمَ

عَنِ الْقَوْسِ اِلَى الصَّيْدِ میں نے تیر کو کمان سے شکار کی طرف پھینکا (۱۱) عَلٰی برائے استعلاء اور اوپر کے معنی میں آتا ہے خواہ اوپر ہو حقیقۃ ہو یا مجازاً جیسے زَيْدٌ عَلَى السَّقْفِ زید چھت پر ہے یہ حقیقت کی مثال ہے عَلَى الزَّيْدِ دَيْنٌ زید کے اوپر قرض ہے یعنی اس کے ذمہ ہے یہ مجاز کی مثال ہے (۱۲) کاف تشبیہ ، تشبیہ کہتے ہیں کسی کو کسی جیسا بتانا جیسے زَيْدٌ كَالْاَسَدِ زید شیر جیسا ہے یعنی بہادری میں، (۱۳۔۱۴) مُذْ وَ مُنْذُ یہ اسم بھی ہوتے ہیں اور حروف میں سے بھی جب اسم ہوں گے تو ظروف مبنیہ میں سے بنتے ہیں جیسا کہ سبق چہاردہم میں بیان ہو چکا ہے اور جب حرف جر ہوتے ہیں تو کبھی تو یہ زمانہ گذشتہ میں کسی چیز کی ابتداء کو بتائیں گے کہ کب سے ہے اور اب ان کے معنی مِنْ یعنی سے کے ہوتے ہیں مثلاً ماہ شعبان میں کہو مَا رَاَيْتُهٗ مذ رجب میں نے اس کو ماہ رجب سے نہیں دیکھا تو نہ دیکھنا گذشتہ زمانہ میں ماہ رجب سے ہے اور کبھی یہ زمانہ کی ابتداء اور انتہا بتائے بغیر زمانہ حال کو بتلاتے ہیں اور اب فی کے معنی میں ہوں گے جیسے مارایتهٗ مُذْ شَهْرِنَا ای فی شهرنا میں نے اس کو اپنے اس مہینے میں نہیں دیکھا۔ (۱۵) حاشا (۱۶) خلا (۱۷) عدا ، یہ تینوں بمعنی علاوہ اور سوا کے آتے ہیں اور برائے استثناء ہوتے ہیں یعنی کسی چیز کو کسی حکم سے علیحدہ کرنے کے لئے مثلاً جاء القوم خلا زَيْدٍ وحاشا عَمْرٍو وعَدَا بَكْرٍ میرے پاس لوگ آئے علاوہ زید کے اور سوائے عمرو کے اور علاوہ بکر کے یہ حرف جر بھی ہیں اور کبھی ان سے نصب بھی آتا ہے اب یہ فعل ہوں گے ضمیر ان میں پوشیدہ فاعل بنے گی۔

حروف مشبہ بالفعل، یعنی وہ چھ حرف جو فعل کی طرح ہیں۔

سوال، یہ حروف فعل جیسے کس بات میں ہیں۔

جواب، جس طرح فعل تین حرفی چار حرفی پانچ حرفی یعنی ثلاثی ، رباعی خماسی ہوتے ہیں ان میں کوئی تو تین حرفی ہیں جیسے، اِنَّ ، اَنَّ ، اور لَيْتَ اور کوئی چار حرفی ہے جیسے لَعَلَّ اور كَاَنَّ اور کوئی پانچ حرفی ہوتا ہے جیسے۔ لٰكِنَّ (۲) فعل کی طرح سب مبنی بر فتحہ ہیں (۳) جس طرح فعل متعدی کے بعد دو کلموں میں سے ایک مرفوع اور ایک منصوب ہوتا ہے اس طرح ان کے بعد بھی (۴) ہر ایک ان میں سے فعل کے معنی میں ہے جیسے اِنَّ اَنَّ بمعنی حَقَّقْتُ و اَكَّدْتُ كَاَنَّ بمعنی شَبَّهْتُ لٰكِنَّ بمعنی اِسْتَدْرَكْتُ لَيْتَ بمعنی تَمَنَّيْتُ اور لَعَلَّ بمعنی تَرَجَّيْتُ ۔ ہے یہ تمام حروف مبتدا خبر والے جملہ پر داخل ہو کر ان میں سے اول کو اپنا اسم دوسرے کو اپنی خبر بنا لیتے ہیں پھر اسم منصوب ہو جائے گا خبر علی حالہ مرفوع رہے گی اِنَّ و اَنَّ حروف تحقیق الخ تحقیق کہتے ہیں کسی بات میں پختگی پیدا کرنے کو یہ دونوں حرف جملہ کے مضمون میں پختگی اور پکا پن پیدا کرنے کے لئے آتے ہیں۔

سوال ۔ مضمون جملہ کسے کہتے ہیں۔

جواب۔ کسی جملہ میں جو بھی بات کہی جاوے وہ اس جملہ کا مضمون کہلاتا ہے جیسے اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ میں زید کا کھڑا ہونا یہ جملہ کا مضمون ہے اور مضمون جملہ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو لفظ خبر ہو اس کا مصدر نکال کر مبتدا کا مضاف بنا دو جیسے یہاں قائم خبر کا

مصدر قِیَامُ نکال کر مبتدا کا مضاف بنا کر قِیَامُ زَیدٍ بن جائیگا بہر حال اِنَّ اَنَّ مبتدا کے بارے میں جو خبر ہوتی ہے اس کے اس سے جڑنے کو پختہ اور یقینی بناتا ہے کہ یقیناً زید کا کھڑا ہونا پایا گیا ہے۔ **کَاَنَّ حرف تشبیہ** ہے اردو میں کَاَنَّ کا ترجمہ گویا کہ ہے جب کسی کو کسی بات میں کسی جیسا بتانا ہوتا ہے تو یہ لفظ آتا ہے جیسے کَاَنَّ زَیْدًا لَاَسَدٌ (گویا کہ زید شیر ہے) یعنی بہادری میں شیر کی طرح ہے۔

لٰکِنَّ حرف استدراک ۔استدراک کے اصل معنی تلافی مافات کے ہیں یعنی چھٹی ہوئی چیز کی تلافی کرنا اور اصطلاح میں کسی کلام میں جو شک وشبہ ہوا اس کو لفظ لیکن سے دور کرنا مثلاً زید وعمر دونوں دوست ہیں اکٹھے ہی رہتے ہیں اکٹھے ہی جاتے ہیں تو کسی جگہ دونوں تھے کسی نے جب آ کر ذَھَبَ زَیْدٌ کہا خود بخود ذھن میں آئے کہ جب دونوں اکٹھے آتے جاتے ہیں زید کے جانے پر عمرو بھی چلا گیا ہوگا (لٰکِنَّ عَمرًا لَمْ یَذْھَبْ) کہہ کر اس خیال اور وہم کا دفعیہ کر دیا کہ نا نا عمر نہیں گیا جس سے ہوا ہوا وہم ختم ہو گیا۔

لَیْتَ حرف تمنی ۔:کسی چیز کی آرزو اور تمنا کرنے کے لئے آتا ہے جیسے لَیْتَ الشَّبَابَ یَعُوْدُ ۔ کیا اچھا ہوتا کہ جوانی لوٹ آتی۔

لَعَلَّ حرف ترجی ۔:ترجی بمعنی امید اور شاید آتا ہے جیسے لَعَلَّ عَمروًا غَائِبٌ لگتا ہے کہ عمرو نہیں ہے۔لَیْتَ ممکن اور محال (یعنی ہو سکنے والی اور نہ ہو سکنے والی) دونوں کے لئے بولا جاتا ہے لَعَلَّ صرف ممکن کیلئے ہی بولا جاتا ہے اسی لئے لَعَلَّ الشباب یَعُوْدُ نہیں کہہ سکتے کہ جوانی کا لوٹنا محال ہے۔

اِنَّ اَنَّ کَاَنَّ لَیْتَ لٰکِنَّ لَعَلَّ ☆ ناصب اسم ند ورافع در خبر ضدّ ما و لا۔

سوم مَا وَ لَا المشبھتان بلیس الخ ۔ ما اور لا جو لیس جیسے ہیں دو چیز میں (۱) نفی کیلئے آنے میں (۲) عمل میں کہ جو عمل لیس کا ہے یعنی اسم کو رفع اور خبر کو نصب دینا وہی ان دونوں کا بھی ہے پھر ما تو عام ہے معرفہ اور نکرہ دونوں پر آسکتا ہے مثلاً مَا زَیْدٌ قَائِمًا اور مَا رَجُلٌ مُنْطَلِقًا دونوں ٹھیک ہے لیکن لَا صرف نکرہ ہی پر آئیگا جیسے لَارَجُلٌ اَفْضَلَ مِنْکَ ، کوئی آدمی تجھ سے برتر نہیں ہے ایک فرق مَا اور لَا میں اور بھی ہے کہ ما سے حال کی نفی مراد ہوتی ہے اور لا سے عام نفی ہوتی ہے (ہدایۃ النحو صفحہ ۳۱)

فائدہ .: مَا اور لَا کا یہ عمل چار شرطوں کے ساتھ ہے (۱) خبر مبتدا سے مقدم نہ ہو نحو مَا قَائِمٌ زَیْدٌ (۲) مَا کے بعد اِنْ زائدہ نہ ہو (لاء پر اِنْ زائدہ آتا ہی نہیں ہے) جیسے، مَا اِنْ زَیْدٌ قَائِمٌ (۳) مبتدا خبر کے بیچ میں اِلَّا نہ ہو جیسے ۔مَا زَیْدٌ اِلَّا قَائِمٌ (۴) مَا اور لَا کے بعد خبر کا معمول نہ آرہا ہو جیسے مَا عمرًا زید ضاربٌ میں عمروًا ضارِبٌ کا مفعول بن رہا ہے لیکن وہ معمول ظرف اور جار مجرور کے علاوہ ہوں جیسے یہاں عمرًا ہے ورنہ تو ان کا عمل باقی رہے گا جیسے فَمَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْہُ حَاجِزِیْنَ میں اگر ما عمل نہ کرتا حَاجِزُوْنَ واؤ سے ہوتا۔

سبق بست وپنجم

چہارم لائے نفی جنس اسمِ ایں لا اکثر مضاف باشد منصوب وخبرش مرفوع چوں لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ ظَرِيفٌ فِي الدَّارِ واگر نکرہ مفرد باشد مبنی باشد بر فتح چوں لا رجُلَ فِي الدَّارِ واگر بعد او معرفہ باشد تکرارِ لا با معرفہ دیگر لازم باشد ولا ملغی باشد یعنی عمل نکند وآں معرفہ مرفوع باشد بابتداء چوں لاَ زَيْدٌ عِنْدِي وَلاَ عَمْرٌو واگر بعد آں لا نکرہ مفرد باشد مکرر با نکرہ دیگر در پنج وجہ رواست چوں لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللّٰه وَلاَ حَوْلٌ وَلاَ قُوَّةٌ إِلاَّ بِاللّٰه وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةٌ إِلاَّ بِاللّٰه وَلاَ حَوْلٌ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللّٰه وَلاَ حَوْلَ ولاَ قُوَّةً لاَّ بِاللّٰه

ترجمہ۔ چوتھے لائے نفی جنس اس لا کا اسم اکثر مضاف ہوتا ہے منصوب اور اس کی خبر مرفوع جیسے لاَغُلاَمَ رَجُلٍ ظَرِيفٌ فِي الدارِ (نہیں کسی مرد کا غلام عقلمند گھر کے اندر) اور اگر نکرہ مفرد ہو مبنی ہوگا فتحہ پر جیسے لاَ رَجُلَ فِي الدَّارِ (کوئی مرد گھر میں نہیں ہے) اور اگر اس کے بعد معرفہ ہو لا کا دوبارہ لانا دوسرے معرفہ کے ساتھ ضروری ہوگا اور لا بیکار ہوگا یعنی عمل نہیں کرے گا اور وہ معرفہ مرفوع ہوگا مبتدا ہونے کی وجہ سے جیسے لاَ زَيْدٌ عِنْدِيْ وَلاَ عَمْرٌ (نہ زید میرے پاس ہے اور نہ عمرو) اور اگر اس لا کے بعد نکرہ مفرد ہو دوبارہ لایا گیا ہو دوسرے نکرہ کے ساتھ اس میں پانچ صورتیں جائز ہیں (۱) لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللّٰه حول اور قوۃ دونوں فتحہ پر مبنی پڑھے جائیں گے یعنی بلا تنوین کے ایک زبر پڑھیں گے کیونکہ مبنی پر تنوین نہیں آیا کرتی، (۲) وَلاَ حَوْلٌ وَلاَ قُوَّةٌ إِلاَّ بِاللّٰه، دونوں پر تنوین ضمہ والی پڑھیں گے (۳) وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةٌ إِلاَّ بِاللّٰه اول پر ایک زبر دوسرے پر ضمہ کی تنوین پڑھیں گے (۴) وَلاَ حَوْلٌ ولاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللّٰه تیسری شکل کے بالکل الٹا کہ اول پر ضمہ کی تنوین دوسرا مبنی بر فتحہ یعنی ایک زبر کے ساتھ (۵) وَلاَ حَوْلَ ولاَ قُوَّةً الاَّ بِاللّٰه اول مبنی بر فتحہ یعنی ایک زبر کے ساتھ دوسرا فتحہ کی تنوین یعنی دو زبر کے ساتھ پڑھیں گے۔

حل مضمون : لائے نفی جنس کا تسلی بخش اکثر کتابوں میں موجود نہیں ہے ان شاء اللہ ہم یہاں کوشش کریں گے کہ تشفی ہو جائے خواہ بات میں طول ہی کیوں نہ ہو جائے۔ وَاللهُ المعين۔ :

لائے نفی جنس الخ۔ کا اسم کئی قسم کا ہوتا ہے اور سب کا اعراب الگ الگ ہے (۱) لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا (یاد رہے کہ نصب کا لفظ معرب کے اعراب کیلئے بولا جاتا ہے اور فتحہ مبنی کے اعراب کیلئے تو منصوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جو حرکت آئیگی وہ معرب والی ہوگی مبنی والی نہیں اور ایک حرکت کا آنا اس وجہ سے نہیں کہ وہ مبنی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اب یہ اسم مضاف بنے گا اور مضاف پر تنوین نہیں آیا کرتی) بہر حال لائے نفی جنس کے اسم پر نصب آئیگا جبکہ اس اس میں تین شرطیں موجود ہوں

(۱) لا کا اسم لا کے فوراً بعد میں ہو دونوں میں کسی چیز کا فصل نہ ہو (۲) یہ اسم نکرہ ہو معرفہ نہ ہو (۳) مضاف ہو یا مشابہ مضاف جب اکٹھی یہ تین شرطیں لا کے اسم میں موجود ہوں گی تو لا کا اسم منصوب ہوگا جیسے لَاغُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ (کسی مرد کا ایسا غلام نہیں جو عقلمند اور گھر کے اندر ہو یعنی گھر میں موجود غلاموں میں کسی مرد کا بھی غلام عقلمند نہیں ہے بہر حال غلام لا کا اسم ہے متصل بھی ہے نکرہ بھی مضاف بھی ہے تینوں شرطوں کے پائے جانے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا).

سوال: غلام مرکب اضافی ہے نکرہ کہاں ہے.

جواب: غلام کی اضافت نکرہ کی طرف ہے معرفہ کی نہیں لہٰذا نکرہ ہی رہ گیا۔ **لاعشرین درھماً لک** . یہ مشابہ مضاف کی مثال ہے۔

سوال: مشابہ مضاف کسے کہتے ہیں۔

جواب: جو کلمہ ایسا ہو کہ جیسے مضاف اپنے مضاف الیہ کا محتاج ہوتا ہے اور بلا مضاف الیہ کے اس کے معنیٰ ادھورے اور ناقص رہتے ہیں اسی طرح وہ کلمہ بھی بغیر دوسرے کلمہ کے ملائے ناقص ادھورا رہتا ہے چنانچہ مثال مذکورہ میں عشرین مشابہ مضاف ہے کیونکہ صرف یوں کہہ دینا کہ میرے پاس بیس نہیں ہیں بات نہیں بنتی جب تک وہ بیس ہیں کیا اس کی وضاحت نہ کردے کیونکہ خالی بیس ٹوپی، رومال، قلم، روپیہ، کچھ بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا عشرین محتاج ہے ایسے کلمہ کا کہ جو بیس کو بتادے کہ کیا چیز ہے چنانچہ **درھماً** لگا کر بات مکمل ہوگئی کہ وہ بیس درہم ہیں جن کو اپنے پاس نہ ہونیکو بتارہا ہوں اول مثال میں ظریف خبر اول اور **فی الدار** دوسری خبر ہے اور نفی لا کی حقیقت میں خبر پر ہی مراد ہوتی ہے چنانچہ نفی غلام کی نہیں ہے بلکہ عقلمند اور گھر میں سے ہونے والوں کی ہے اگر غلام کی نفی مراد لیں تو مطلب ہوگا کہ کسی مرد کا غلام نہیں جو غلط ہے کیونکہ جب یہ مثال چلی ہے تب تو بہتر ے غلام باندیاں تھیں بہر حال نفی عقلمند اور گھر میں ہونے کی ہے۔

سوال: دو خبریں کیوں لائے مثال **ظریف** تک بھی کافی تھی۔

جواب: جھوٹ سے بچنے کے لئے کیونکہ کسی مرد کا غلام بھی عقلمند نہ ہو محال ہے اس لئے محدود کیا کہ گھر کے اندر والے مرد کے غلاموں کے عقلمند ہونیکی نفی ہے نہ کہ پوری دنیا کے اعتبار سے۔

ترکیب لا . نفی جنس غُلَامَ رَجُلٍ مرکب اضافی ہوکر اسم ظریف خبر اول فی الدار خبر ثانی لاء اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ منفیہ ہوگیا لَاعِشْرِيْنَ دِرْهَماً لَكَ ، میں لا نفی جنس عشرین ممیز درھما تمیز ممیز، تمیز سے مل کر اسم بن جائیگا لک جار مجرور سے مل کر محذوف **ثابت** کے متعلق ہوکر خبر لا اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ منفیہ ہوا، **فائدہ**: جار مجرور ضرور کسی فعل یا شبہ فعل سے جڑ جاتا ہے اگر عبارت میں فعل یا شبہ فعل ہو تو ٹھیک ورنہ محذوف مانتے ہیں اور محذوف فعل یا شبہ فعل عام طور سے چار لفظوں سے مانتے ہیں، كَوْنٌ، ثُبُوْتٌ ، وُجُوْدٌ، حُصُوْلٌ.

افعال عموم نزد ارباب عقول ☆ کون است وثبوت است وجود است وحصول

فائدہ۔ شبہ فعل سے مراد اسم فاعل اسم مفعول، اسم ظرف اسم آلہ، اسم تفضیل۔ اور صفت مشبہ نیز مصدر، ہیں اور ان کے علاوہ فعل ماضی سے لیکر امر و نہی تک کے صیغے فعل کہلاتے ہیں۔

دوسری صورت، لائے نفی جنس کے اسم کی یہ ہے کہ اس کا اسم پہلی دو شرطوں والا تو ہو مگر تیسری شرط ختم ہو یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ رہے ہاں متصل اور نکرہ رہے اسی دوسری صورت کو صاحب نحو میر نے **واگر نکرہ مفرد باشد الخ**۔ سے بیان کیا ہے۔

تنبیہ۔ **مفرد** سے مراد لائے نفی جنس کے بیان میں ایسا کلمہ ہوتا ہے جو مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو لہٰذا اگر لائے نفی جنس کا اسم تثنیہ جمع ہو جاوے تو کوئی بات نہیں ہے بہر حال جو کلمہ پہلی دو شرطوں والا تو ہو لیکن تیسری مضاف یا مشابہ مضاف ہونیکی اس میں نہ ہو تو اس کلمہ کا اعراب یہ ہے کہ لائے نفی جنس کا اسم بننے سے پہلے اس کلمہ کا حالت نصبی میں جو اعراب تھا اسی پر مبنی کر دیں گے مثلاً واحد جیسے رَجُل کلمہ کا اعراب حالت نصبی میں فتحہ ہے تو اس کا اعراب لا کے داخل ہونے کے بعد بھی یعنی لا کا اسم بننے کے بعد بھی فتحہ ہی ہوگا جیسے لاَ رَجُلَ فِی الدارِ۔

سوال۔ رَجُل لا کے اسم بننے سے پہلے حالت نصبی میں تھا اور منصوب تھا یعنی دو زبر والا اب ایک زبر والا کیوں ہے۔

جواب۔ ہم بتا چکے ہیں کہ مبنی پر تنوین نہیں آتی اور اب یہ لا کا اسم بننے کے بعد مبنی ہو گیا اسلئے ایک ہی حرکت فتحہ پر مبنی ہوگا اور اگر وہ کلمہ جو لا کا اسم بن رہا ہے تثنیہ ہو تو حالت نصبی میں تثنیہ کا اعراب یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ تھا وہی اب بھی رہیگا اور اگر **جمع** لا کا اسم ہو تو اگر مونث سالم ہے تو مبنی علی الکسر ہو جائیگی جیسا کہ لا کا اسم بننے سے پہلے تھی اور مبنی ہونیکی وجہ سے تنوین نہ آئیگی اور اگر **جمع مذکر سالم** ہے تو یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح اعراب رہے گا، جیسے تثنیہ کی مثال ہے لاَ مُسلِمَیْنِ لَکَ اور جمع مونث سالم کی لاَ مُسلِماتِ فی الدارِ جمع مذکر سالم کی لاَمُسلِمِیْنَ لک. **تیسری صورت** یہ ہے کہ لا کا اسم ایسا کلمہ بنے جس میں اول دو شرطیں ختم ہیں یعنی لا کا اسم لا سے متصل ہونے کے بجائے فصل والا ہو ایسے ہی بجائے نکرہ کے معرفہ ہو پھر عام ہے کہ دونوں ہی شرطیں ایک دم ختم ہوں یا ایک ہو دوسری نہ ہو یا دوسری ہو پہلی نہ ہو جس کی اب تین شکلیں ہو گئی۔ (۱) لا کا اسم معرفہ بھی ہو مفصول ہو (۲) معرفہ ہو مفصول نہ ہو (۳) مفصول ہو معرفہ نہ پھر ان میں سے ہر ایک شکل کے ساتھ عام ہے کہ وہ مضاف بھی ہو یا نہ ہو اور تین کو دو میں گنا کرنے سے چھ شکلیں بنتی ہیں ان سب شکلوں میں لاء کا اسم مرفوع ہو گا شکلوں کی تفصیل مع امثلہ مندرجہ ذیل ہے۔ (۱) معرفہ بھی ہو مفصول بھی ہو مضاف بھی ہو. لاَفِی الدَّار غُلامُ زیدٍ ولا عمروٍ، (۲) معرفہ ہو مفصول نہ ہو اور مضاف ہو جیسے۔ لا غُلَامُ زَیدٍ فی الدار ولا عمروٍ. (۳) مفصول ہو معرفہ نہ ہو اور مضاف ہو ہی جیسے. لا فی الدار غُلامُ رجل ولا امرءۃٍ (۴) معرفہ بھی ہو مفصول ہو مگر مضاف نہ ہو جیسے لا فی الدار زیدٌ ولا عمروٌ (۵) معرفہ ہو مفصول نہ ہو اور نہ مضاف ہو جیسے۔ لا زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ (۶) مفصول ہو معرفہ نہ ہو اور نہ مضاف ہو جیسے لافی الدار رجلٌ والا امرءۃٌ ان مثالوں میں جہاں اضافت نکرہ کی طرف ہے وہ نکرہ ہی بنے گا بہر حال

ان شکلوں میں لا کا اسم مرفوع بھی ہوگا اور ذیل یعنی مکرر بھی آئیگا۔ لا دونوں بیکار ہوں گے اور اسم وخبر مبتدا خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھیں گے اول مثال کی ترکیب کو دیکھئے فی الدارِ خبر مقدم ہے ثابتۃ کے متعلق ہوکر غلام مضاف زید معطوف علیہ و حرف عطف لا بیکار عمرو معطوف معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر غلام کا مضاف الیہ پھر مبتدا موخر۔

سوال۔ اس میں لا کا اسم ذیل کہاں ہوا ہے۔

جواب۔ اصل عبارت یوں ہے لا فی الدار غُلامُ زید ولاغُلامُ عمر و، اول کی وجہ سے دوسرے میں نہیں لائے لفظ غلام کو۔

واگر بعد آں لا نکرہ مفرد باشد مکرر با نکرہ دیگر درو پنج وجہ روا است الخ۔

یہاں سے لائے نفی جنس کے اسم کی **چوتھی** صورت کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لا بطور عطف مکرر آیا ہو اور اس کے بعد نکرہ مفرد (یعنی نہ مضاف ہو نہ شبہ مضاف) بلافصل کے موجود ہو جیسے لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰہ اس مثال میں لائے نفی جنس مکرر ہے ایک حولَ پر ہے دوسرا قوۃ پر ہے اور درمیان میں واؤ عاطفہ ہے اور دونوں لا کا اسم مفرد بلافصل کے ہے بہر حال اس طرح کی مثال میں پانچ طرح پڑھ سکتے ہیں (۱) لا دونوں جگہ نفی جنس کا مان کر دونوں اسم مبنی بر فتحہ ہوں گے یعنی حولَ اور قوّۃَ پر ایک ایک زبر پڑھیں گے کیونکہ مبنی پر تنوین نہیں آتی ہے پھر یہ جملہ لا حول الخ. ترکیب میں ایک جملہ بھی بن سکتا ہے اور دو بھی جب دو مانو گے تو لا حول کی خبر الابالله محذوف ہوگی جس پر دلیل لا قوۃ کی خبر الا باللّٰہ بنے گی، بالله سے پہلے دونوں جگہ ثابتٌ محذوف ہوگا، حول بمعنی پھرنا، ہٹنا، بچنا ہے پھر کس چیز سے پھرنا ہٹنا مراد ہے؟ یہ محذوف ہے یعنی عن المعصیة اور قوۃ بمعنی طاقت! یعنی نہیں طاقت کس کی یہ محذوف ہے ای علی الطاعة یعنی اطاعت کی اور عبارت مکمل یوں ہوگی لاحَوْلَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ ثَابِتٌ اِلاَّ بِاللّٰه وَلاَ قُوَّةَ عَلَى الطَّاعَةِ ثَابِتٌ اِلاَّ بِاللّٰہ، یعنی گناہ سے بچنا اور طاعت وفرمانبرداری کی قوت بغیر اللہ کے نہیں ہو سکتی بلا توفیق خداوندی نہ گناہ سے بچ سکتا ہے اور نہ کوئی نیک کام ہو سکتا ہے، اسی لئے جب موذن حیَّ علیٰ الصلوٰۃ کہتا ہے کہ نماز کیلئے آجاؤ اور حیَّ علیٰ الفلاح کہتا ہے کہ کامیابی کیلئے آجاؤ تو جواب میں لا حول ولا قوة الا بالله کہنے کا حکم ہے گویا بندہ خدا کے سپرد کرتا ہے کہ معصیت سے بچاؤ اور اطاعت پر آمادگی بلا خدا کے نہیں ہو سکتی، یعنی اللہ ہی مجھے نماز کیلئے آنے کی توفیق بخشے گا، بہر حال باللّٰہ کو ثابتٌ محذوف کے متعلق کریں گے الاَّ بیچ میں حرف حصر کی حیثیت سے آئیگا اور گویا لا حول عن المعصية الا ثابتٌ بالله ولا قوة على الطاعة الا ثابتٌ بالله. عن المعصية. حولَ کے متعلق ہوکر لا کا اسم اور ثابت بالله خبر لا اپنے اسم وخبر سے ملکر معطوف علیہ واؤ حرف عطف علىٰ الطاعة قوة کے متعلق ہوکر لا کا اسم اور ثابتٌ بالله خبر لا اپنے اسم وخبر سے ملکر معطوف معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر جملہ معطوف ہوا، اور اگر ایک ہی جملہ مانیں تو لا نفی جنس، حولَ اسم مع اپنے متعلق عن المعصية کے لا کا اسم لا اپنے اسم سے ملکر معطوف علیہ واؤ حرف عطف لا قوة لا ءِ نفی جنس قوۃ اپنے متعلق على الطاعة سے ملکر اسم لا اپنے اسم سے ملکر معطوف اور لا قوة کا عطف لا حول پر عطفِ مفرد علی المفرد بنے گا اور خبر موجودان جس سے باللّٰہ جڑے گا محذوف مانیں

گے گویا دونوں اسم بمنزلہ مبتدا کے اور موجود ان خبر ہو کر جملہ ہو جائیگا، اور اگر موجود مفرد خبر مانیں جیسا کہ شرح جامی میں ہے وہ بھی چل جائے گا کیوں کہ حول اور قوۃ اگر چہ دو اسم ہیں لیکن لاشیء من هذین الامرین موجود کی تاویل میں ہو جائے گا۔

تنبیه بعض کتابوں میں اِلّا بالله سے پہلے لا احد مانا ہے پھر اس کو مستثنیٰ منہ بنایا ہے جو غلط ہے کیونکہ پھر لا احد لام کے ساتھ ہونے کے بجائے بِاحدٍ ب سے بنے تب مستثنیٰ بنانا صحیح ہوگا چناں چہ بعض نے لا حول و لا قوۃ الا بالله کی عبارت اس طرح نکالی ہے لاَ حَوْلَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ و لا قُوَّةَ عَلَى الطَّاعَةِ بِاِمْدَادِ اَحَدٍ اِلَّا بِاِمْدَادِ الله اس میں بامداد احد مستثنیٰ منہ اور بامداد الله مستثنیٰ بنکر ثابتان محذوف کے متعلق ہو جائیں گے۔ (۲) حولٌ اور قوۃٌ دونوں کو ضمہ کی تنوین کے ساتھ پڑھیں اس وجہ سے کہ لا دونوں جگہ بمعنیٰ لیس ہے یا لا دونوں جگہ ملغیٰ ہو جائیگا اور حول و قوۃ مبتدا ہونیکی وجہ سے مرفوع ہوں گے یہ صورت ناجائز ہوتی ہے بظاہر کیونکہ لا کے اسم میں رفع اور نکرہ یہ جب ٹھیک ہے جو وہ اسم معرفہ اور مفصول دونوں ہوں یا ایک ہو ان میں سے اور یہاں نہ معرفہ ہو نہ مفصول **جواب** اَبِغَيْرِ الله حولٌ و قوۃٌ سوال کے جواب میں آنے کی وجہ سے خلاف قیاس یہ صورت جائز کر دی گئی تا کہ جواب اپنے سوال کے مطابق ہو جائے شرح جامی صفحہ (۱۶۶)۔

سوال۔ حول اور قوۃ نکرہ ہوتے ہوئے مبتدا کیسے ہو جائیں گے۔

جواب: نکرہ اگر محذوف الصفۃ ہو تو مبتدا بن سکتا ہے چنانچہ حول کی صفۃ عن المعصیۃ ہے اور قوۃ کی علی الطاعۃ ہے۔

تنبیه ۔ دھیان رہے کہ لا اور الا صرف حصر پیدا کرنے کیلئے ہیں با قاعدہ استثناء کے لئے نہیں ورنہ اشکال ہوگا کہ الا بالله کو خبر کہتے ہو اور مستثنیٰ بھی حالانکہ مستثنیٰ کلام مکمل ہونے کے بعد آتا ہے اور جملہ اسمیہ مبتدا خبر دونوں سے ہی مکمل بنتا ہے تو استثناء کیسے صحیح ہوا نیز الا بالله مستثنیٰ فقط اس صورت میں ہے جب اس سے پہلے بِاحدٍ ہو ورنہ براہ راست خبر بنے گا نہ یہ کہ مستثنیٰ پہلے اپنے مستثنیٰ منہ سے ملے گا پھر خبر کہیں گے، پھر اس میں کوئی تضاد نہیں کہ کہیں خبر الا بالله کو کہا اور کہیں موجود یا موجود ان کو کیوں کہ یہ آپس میں متعلق اور متعلَّق ہیں ایک کا ذکر دوسرے کو لازم ہے اور خبر واقعۃ دونوں ہی بنیں گے۔ (۳) حولَ پر ایک زبر اور قوۃ پر ضمہ کی تنوین پڑھیں اب اول لانفی جنس ہوگا اور دوسرا لا زائدہ اور قوۃ کا مرفوع ہونا حول کے محل بعید پر معطوف ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

فائدہ : کسی بھی کلمہ کا محل بعید تو وہ ہوتا ہے جو تازہ اور جدید عامل سے پہلے اس کا محل تھا اور اب نیا عامل آنے پر جو حالت اعرابی اس کی ہوتی ہے اس کو محل قریب کہتے ہیں چنانچہ لانفی جنس لگنے سے پہلے یہ کلمات محل رفع میں سمجھے جائیں گے کیونکہ بلا لا کے مبتدا ہوں گے اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے لہٰذا ان کا محل بعید رفع ہے اور لا کے لگنے کے بعد لانفی جنس کا اسم مبنی بر فتحہ ہوتا ہے تو محل قریب مفتوح ہونا ہے تو ہم قوۃ کا عطف محل بعید پر کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس صورت میں بھی چاہے الگ الگ خبر مان کر دو جملے کر لو یا بس الا بالله کو دونوں کی خبر بنا لو پھر الا بالله کا متعلق چاہے موجود ان مان لو چاہے صرف موجودٌ، کما مر

فی الصورۃ الاولیٰ۔(۴) یہ تیسری صورت کے برعکس ہے کہ اول پر ضمہ کی تنوین اور دوسرا مبنی بر فتحہ ہو اس میں اول لا بمعنیٰ لیس کہیں گے اور دوسرا لا نفی جنس کے لئے ہو جائے گا۔(۵) لا حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ ، اول مبنی بر فتحہ اور دوسرا منصوب معرب یعنی حولَ پر ایک زبر قوۃً پر دو زبر پڑھیں گے اول لا نفی جنس مانا جائیگا اور دوسرا لا ملغی ہوگا اور قوۃ کا عطف حولَ کے محل قریب پر ہوگا حول کا محل بعید تو رفع ہے اور قریب مبنی علی الفتح۔

سوال:۔ جب قوّۃ کا عطف حول کے محل قریب پر ہے تو قوۃ کو بھی حول کی طرح مبنی علی الفتح ہو یعنی ایک زبر والا کے ساتھ پڑھو منصوب دو زبر کیوں پڑھتے ہو؟

جواب: حول کا مبنی بر فتح ہونا اور مبنی چیزوں کی طرح نہیں کہ حول کا یہ اعراب فطری اور پیدائشی ہو جیسے کہ ھٰؤلاءِ کا زیر ہے بلکہ لا کی وجہ سے لا کے داخل ہونے کے بعد حولَ مبنی بر فتحہ ہوا ہے تو جیسے معرب پر کسی عامل کیوجہ سے اعراب آتا ہے اس کی طرح ہی حولَ کا فتحہ ہے تو اس میں معرب کی بو ہے اس بو کی وجہ سے اس پر معطوف ہونے والے کو معرب کا اعراب دیا ہے یعنی منصوب اور دو زبر والا کر دیا گیا تو قوّۃ مفتوح نہیں پڑھا جائیگا بلکہ منصوب پڑھا جائے گا۔

سوال: مفتوح اور منصوب میں کیا فرق ہے۔

جواب۔ مبنی کے اعراب کو فتحہ کہتے ہیں اور معرب کے اعراب کو نصب کہتے ہیں فتح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک زبر پڑھیں گے اور نصب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دو زبر پڑھیں جائیں گے۔

سوال: خود حولَ کو جس پر براہ راست لا داخل ہو رہا ہے اس میں یہ اعرابی بو کیوں نہ مان کر اسے منصوب اور دو زبر کے ساتھ نہ پڑھ دیا

جواب: قواعد زبان کے تابع ہوتے ہیں زبان تابع نہیں ہوتی اہل عرب حولَ کو مفتوح اور قوۃً کو منصوب قواعد کے بننے سے پہلے ہی پڑھتے تھے تو اس کے مطابق کوئی قاعدہ تلاش کرنا تھا جس کو اہل نحو نے کھینچ تان کر کے آخر نکالا ہی ہے۔ لہٰذا ہمیں نحویین کا شکر گذار ہونا چاہئے۔

سبق بست و ششم

پنجم حروف ندا وآں پنج است یاَ و اَیاَ و ھَیاَ و اَیْ و ھمزہ مفتوحہ وایں حروف منادیٰ مضاف را نصب کنند چوں یَا عَبْدَ اللّٰہِ ومشابہ مضاف را چوں یَا طَالِعًا جَبَلاً ونکرہ غیر معین را چنانکہ اَعمیٰ گوید یَا رَجُلاً خُذْ بِیَدِیْ ومنادیٰ مفرد معرفہ مبنی باشد بر علامت رفع چوں یَا زَیْدُ و یَا زَیْدَانِ و یَا مُسْلِمُوْنَ و یا مُوْسیٰ و یَا قَاضِیُ بدانکہ اَیْ و ھمزہ برائے نزدیک است و اَیاَ و ھَیاَ برائے دور و یاَ عام است۔

ترجمہ ۔ پانچویں حروف ندا اور وہ پانچ ہیں یا اور اَیَا اور ھَیَا اور اَیْ اور ہمزہ مفتوحہ اور یہ حروف منادیٰ مضاف کو نصب کرتے ہیں جیسے یاَ عَبْدَاللّٰہ (اے اللہ کے بندے) اور مشابہ مضاف کو جیسے یاطَالِعاً جَبَلاً (اے پہاڑ پر چڑھنے والے) اور نکرہ غیر معین کو جیسا کہ اندھا آدمی کہے یارَجُلاً خُذْ بِیَدِیْ (اے رے کوئی آدمی میرا ہاتھ پکڑ لے) اور منادیٰ مفرد معرفہ مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر جیسے یاَ زَیْدُ (اے زید) یازیدان (اے دو زید و) یامسلمون (اے مسلمانوں) یامُوْسیٰ (اے موسیٰ) یا قَاضِیْ (اے قاضی)۔
جان تو کہ اَے اور ہمزہ نزدیک کے لئے ہیں اور اَیَا اور ھَیَا دور کے واسطے ہیں اور یاء عام ہے۔

حل مضمون ۔حروف منادی بھی اسم میں عمل کرتے ہیں جو پانچ ہیں لیکن جس اسم میں عمل کریں گے وہ کئی طرح کا ہوتا ہے (۱) مفرد معرفہ ہو یعنی دو شرطیں اس اسم میں ہوں جس کو منادیٰ بنایا ہے مفرد ہونا، معرفہ ہونا، مفرد۔ سے مراد یہ ہے کہ وہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو یعنی مرکب نہ ہو وہ مفرد مراد نہیں جس کو تثنیہ اور جمع کے مقابلہ میں بولتے ہیں اور واحد کہتے ہیں لہٰذا جب مفرد سے مراد وہ ہے جو مضاف اور شبہ مضاف نہ ہو تو یہ تثنیہ کے خلاف نہیں اگر کوئی منادیٰ تثنیہ اور جمع ہے تو وہ بھی مفرد کہلائیگا بہر حال جس منادیٰ میں یہ دو بات ہوں کہ وہ مفرد ہو اور معرفہ ہو تو اسے منادیٰ کا اعراب اُسی طرح ہوگا جس طرح کہ اس کا اعراب منادیٰ بننے سے پہلے تھا یعنی اگر وہ کلمہ واحد ہو اور صحیح ہو یعنی حرف علت اس کے آخر میں نہ ہو تو اسکا اعراب ضمہ ہوگا جیسے یازَیْدُ میں زید کو مبنی علی الضمہ پڑھیں گے منادیٰ بن جانے کے بعد کیونکہ قبل منادیٰ بننے کے بھی یہی اعراب تھا اور یارَجُـــلُ یہ بھی منادیٰ مفرد معرفہ ہے لیکن یازَیْدُ قبل النداء ہی جو معرفہ ہو اس کی مثال ہے اور یا رجلُ بعد حرف النداء معرفہ کی مثال ہے اور اگر وہ کلمہ تثنیہ ہو یا جمع تو تثنیہ میں الف ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ اور جمع میں و ماقبل مضموم اور نون مفتوحہ اعراب ہوگا جیسا کہ منادیٰ بننے سے پہلے بھی اسکا یہی اعراب تھا جیسے یازیدان اور یازیدون اور اگر منادیٰ اسم مقصور ہو جس کے آخر میں الف مقصورہ ہوتا ہے جیسے موسی تو اس کا اعراب الف کے آخر میں ہونے کی وجہ سے تقدیری اور فرضی ہوگا جیسے یا موسیٰ اور اگر منادیٰ اسم منقوص ہو کہ اسکے لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو جیسے قاضی۔ سبق بستم میں اس کے بارے میں جان چکے ہو کہ حالت رفعی اور جری میں اسکا اعرا ب تقدیری ہوتا ہے تو منادیٰ بننے کے بعد بھی اس کی حالت رفعی کا اعراب تقدیری ضمہ رہے گا جیسے یا قَـاضِیْ یعنی یاء کو ساکن پڑھیں گے مگر حالت رفعی میں ہونے کی وجہ سے اس کا ضمہ تقدیری مانا جائیگا یہ سارا اعراب منادیٰ کے مفرد اور معرفہ ہونے کی صورت میں ہے اب اس کے برعکس تین صورتیں منادیٰ کی اور نکلیں گی (۱) منادیٰ صرف معرفہ ہو مفرد نہ ہو (۲) منادیٰ صرف مفرد ہو معرفہ نہ ہو (۳) منادیٰ نہ مفرد ہو نہ معرفہ ہو ان میں سے ہر ایک کے اعراب کو مع مثال بیان کرتا ہوں۔ اگر اول شکل ہے کہ منادیٰ معرفہ تو ہو مگر مفرد نہ ہو اور جب مفرد نہیں تو پھر مضاف یا شبہ مضاف ضرور ہوگا مضاف اور شبہ مضاف معرفہ ہوتا ہی ہے تو اس کا اعراب منصوب ہوتا ہے۔

سوال۔ نصب معرب کے اعراب کو کہتے ہیں حالانکہ دوسری شکل میں منادیٰ چاہے مضاف ہو یا شبہ مضاف ہو ایک زبر آئیگا نہ کہ تنوین۔

جواب۔ بوجہ اضافت اور اضافت کی مشابہت کے تنوین نہ آئیگی جیسے یاعَبْدَ اللّٰہ یہ منادیٰ مضاف کی مثال ہے اور یا طالِعاً

جَبَلاً یہ مشابہ مضاف کی مثال ہے ان دونوں مثالوں میں منادی معرفہ تو ہے مگر مفرد نہیں ہے۔

سوال- مشابہ مضاف کسے کہتے ہیں۔

جواب- کوئی کلمہ اپنے بعد دوسرے کلمہ کا اسی طرح محتاج ہو جس طرح مضاف اپنے مضاف الیہ کا ہوتا ہے چناں چہ گذشتہ مثال طالعاً جبلاً میں طالِعاً شبہ مضاف ہے کیونکہ اس کے معنیٰ ہے چڑھنے والے کے لیکن کس چیز پہ چڑھنے والا مکان یا سیڑھی یا پہاڑ اسکے ذکر آئے بغیر بات ادھوری اور ناقص رہتی ہے جب جَبَلاً بولا تو بات سمجھ میں آ گئی بالکل ایسے ہی جیسے خالی غُلَامُ ادھوری بات ہے جب تک مضاف الیہ نہ آیا جب زید بڑھادو گے تو سننے والے کی بے قراری ختم ہو جائیگی۔ کہ فلاں یعنی زید کا غلام ہے۔

دوسری شکل، یہ ہے کہ منادیٰ صرف مفرد ہو نہ کہ معرفہ یعنی نہ مضاف ہے اور نہ شبہ مضاف اور بجائے معرفہ کے نکرہ ہو جیسے یا رَجُلاً خُذْ بِیَدِیْ (اے کوئی آدمی میرا ہاتھ پکڑ لو) جب یہ بات اور مقولہ اندھے کے منہ سے نکلے کیونکہ اندھا بوجہ نابینا ہونے کے بغیر پہچانے اَلْغَیْبْ کسی سے بھی اپنے سنبھالنے کی درخواست کر رہا ہے لہٰذا باوجود حرف ندا داخل ہونے کے رَجُلٌ پر معرفہ نہیں بنے گا اس کا اعراب بھی مثل اول شکل کے منصوب ہوتا ہے۔

تیسری شکل۔ یہ ہیکہ منادیٰ نہ مفرد ہو نہ معرفہ ہو جس کی مثال یا طَالِعاً جَبَلاً بھی بن سکتی ہے جبکہ پہاڑ پر چڑھنے والے سے کوئی متعین شخص مراد نہ ہو اس طرح کہ بغیر پہچانے ہی آواز لگائیں" وہ پہاڑ پر چڑھنے والے" اب یہ نکرہ کے حکم میں ہو جائے گا اور جب نکرہ ہو گیا تو معرفہ نہ رہا اور چوں کہ مشابہ مضاف ہے اس لئے مفرد بھی نہ رہا۔ اتو یہ ایسا منادیٰ ہو گیا کہ نہ مفرد ہے نہ معرفہ اس کے علاوہ ایک اور مثال کتابوں میں آتی ہے یا حَسَناً وَجْهُهٗ ظَرِیْفاً اسمیں بھی منادیٰ نہ معرفہ ہے اور باوجود شبہ مضاف ہونے کے نکرہ کے حکم میں ہے۔ اور مفرد بھی نہیں ہے کیوں کہ مشابہ مضاف ہے۔

سوال۔ شبہ مضاف کیسے ہے۔

جواب۔ حَسَناً اُدھورا ہے جب تک اس کے بعد وہ چیز ذکر نہ کر دیں کس کے حُسن کو بتلایا جا رہا ہے جیسے کہ یہاں پر ہے۔

سوال۔ یہ نکرہ کے حکم میں کیسے ہے جبکہ شبہ مضاف ہے۔

جواب۔ ظَرِیْفاً کو نکرہ کی شکل میں لا کر اس کی صفت بنانا دلیل ہے کہ متکلم کے نزدیک حسناً وجہهٗ سے کوئی متعین مراد نہیں ہے ورنہ صفت بشکل معرفہ الظریف بولتا۔ اسی لئے ضروری ہے کہ اگر حسناً وجهٗ سے متعین مراد ہو تو اس کی صفت معرفہ لا دیں (کذافی شرح الجامی)۔

فائدہ: حروف ندا کا عمل خود ہے یا یہ جس کی جگہ پہ ہے یعنی اُدْعُوْ وغیرہ وہ الخ۔

منادیٰ میں عمل کرتا ہے اسمیں تین قول ہیں (۱) عند سیبویہ و جمہور نحات اصل عامل وہ ادعو ہے جس کی جگہ یا حرف ندا آتا ہے (۱) مبرّد نحوی کہتے ہیں کہ خود یا حرف ندا اپنے آپ عامل ہے (۳) ابو علی نحوی کہتے ہیں کہ یا اسم فعل ہے جس کے معنی اُدْعُوْ کے ہیں یعنی ایسا اسم ہے جو فعل کے معنیٰ دیتا ہے جیسے رُوَیْدَ، بَلْهَ، اسماء افعال اسم ہو کر فعل کے معنی دیتے ہیں۔

سبق بست وہفتم

فصل دوم: در حروف عاملہ در فعل مضارع وآں بر دو قسم است (قسم اول) حروفیکہ فعل مضارع رانصب کنند وآں چہار است اول اَن چوں اُرِیْدُ اَنْ تَقُوْمَ واَنْ بافعل بمعنی مصدر باشد یعنی اُرِیْدُ قِیَامَکَ وبدیں سبب اورا مصدریہ گویند (دوم) لَنْ چوں لَنْ یَخْرُجَ زَیْدٌ ولَنْ برائے تاکید نفی است (سوم) کَیْ چوں اَسْلَمْتُ کَیْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ (چہارم) اِذَنْ چوں اِذَنْ اُکْرِمَکَ در جواب کسیکہ گوید اَنَا اٰتِیْکَ غَدًا وبداں کہ اَنْ بعد از شش حروف مقدر باشد وفعل مضارع رانصب کند، حَتّٰی، نحو مَرَرْتُ حَتّٰی اَدْخُلَ الْبَلَدَ، ولام جحد نحو مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ، واوبمعنی اِلٰی اَنْ یا اِلَّا اَنْ، نحو لَاَلْزَمَنَّکَ اَوْ تُعْطِیَنِیْ حَقِّیْ، وواؤ الصرف، ولام کَیْ، وفاء، کہ در جواب شش چیز است امر، ونہی، ونفی، واستفہام، وتمنی، وعرض، و اَمْثِلَتُهَا مَشْهُوْرَةٌ۔

ترجمہ ۔ دوسری فصل ایسے حروف کے بیان میں جو فعل مضارع میں عمل کرتے ہیں اور وہ دو قسم پر ہیں (قسم اول) ایسے حروف جو کہ فعل مضارع کو نصب کرتے ہیں اور وہ چار ہیں، (۱) اَنْ جیسے اُرِیْدُ اَنْ تَقُوْمَ (چاہتا ہوں یہ کہ تو کھڑا ہو جاوے) اور اَنْ فعل کے ساتھ مصدر کے معنیٰ میں ہو جاتا ہے یعنی اُرِیْدُ قِیَامَکَ (چاہتا ہوں میں تیرے کھڑے ہونیکو) اور اسی وجہ سے اس کو مصدریہ کہتے ہیں (۲) لَنْ جیسے لَنْ یَخْرُجَ زَیْدٌ (ہرگز نہیں باہر جائیگا زید) اور لَنْ نفی کی پختگی کیلئے ہے (۳) کَیْ جیسے اَسْلَمْتُ کَیْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ (مسلمان ہوا میں تا کہ جنت میں داخل ہو جاؤں) (۴) اِذَنْ جیسے اِذَنْ اُکْرِمَکَ (تب تو اکرام کروں گا میں تیرا) ایسے آدمی کے جواب میں جو کہے اَنَا اٰتِیْکَ غَدًا (میں آئندہ کل تیرے پاس آؤنگا) اور جان تو کہ اَنْ چھ حروف کے بعد چھپا ہوا ہوتا ہے اور فعل مضارع کو نصب کرتا ہے (۱) حتّٰی جیسے مَرَرْتُ حَتّٰی اَدْخُلَ الْبَلَدَ (گذرتا رہا میں یہاں تک کہ شہر میں اندر داخل ہو گیا میں) (۲) لام جحد جیسے مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ (اللہ بالکل سزا نہ دیویں گے ان کو) (۳) اَوْ جو اِلٰی اَنْ یا اِلَّا اَنْ، کے معنیٰ میں ہو جیسے لَاَلْزَمَنَّکَ اَوْ تُعْطِیَنِیْ حَقِّیْ (میں چمٹا رہوں گا تجھکو یہاں تک کہ دے تو مجھکو میرا حق) (۴) واو صرف کے بعد (۵) لام کَیْ کے بعد (۶) ایسے فاء کے بعد جو چھ چیزوں کے بعد آتا ہے یعنی امر، ونہی، ونفی، واستفہام، وتمنی، وعرض، اور ان کی مثالیں مشہور ہیں۔

حل مضمون : حروف عاملہ کا بیان چل رہا ہے یہاں سے ایسے حروف عاملہ کا بیان ہے جو فعل مضارع میں عمل کرتے ہیں۔

سوال۔ اہل نحو کو فعل سے کیا مطلب؟ وہ تو اسم معرب سے بحث کرتے ہیں۔ **جواب**۔ چونکہ فعل مضارع بھی اکثر صیغوں کے اعتبار سے معرب ہے اسلئے نحوی حضرات اس سے بھی بحث کرتے ہیں اور کلمہ کے آخری حرف سے مضارع میں بھی واسطہ

پڑتا ہے کہ کب مرفوع پڑھیں کب منصوب؟ یاد رہے کہ مضارع پر اگر نصب اور جزم دینے والا کوئی کلمہ نہ آوے تو وہ مرفوع ہوتا ہے اور اگر نصب دینے والا آئے تو منصوب ہوگا اور اگر جزم دینے والا آئے تو وہ مجزوم ہوگا سب سے پہلے ان حروف کو بیان کرتے ہیں جو مضارع کو نصب دیتے ہیں جو چار ہیں (اوّل) اَنْ ہے بمعنی یہ اس کا لفظی عمل یہ ہے کہ جو کلمے بغیر نون والے ہیں ان کا آخر اس سے منصوب ہوگا اور جن کے آخر میں نون اعرابی ہو ان سے نون گرادیگا اور جن صیغوں میں نون مبنی ہے جیسے صیغہ جمع مؤنث غائب اور حاضر ان میں اس کا کچھ بھی عمل ظاہر نہ ہوگا اور **معنوی** عمل یہ ہے کہ یہ اَنْ مضارع کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے جیسے اُرِیْدُ اَنْ تَقُوْمَ (چاہتا ہوں میں کہ کھڑا ہوئے تو) اسمیں اَنْ کی وجہ سے **تَقُوْمَ فعل مصدر قِیَامٌ** کے معنیٰ میں ہوجائیگا اور جو ضمیر اَنْتَ منفصل اس میں پوشیدہ ہے اسکو ضمیر متصل کَ سے بدل کر قِیَامٌ کا مضاف الیہ بنادیں گے اور عبارت اُرِیْدُ قِیَامَکَ ہوجائیگی۔ **سوال**۔ اَنْ فعل کو مصدر کے معنیٰ میں کیوں کرتا ہے۔ **جواب**۔ چونکہ تَقُوْمُ اُرِیْدُ کا مفعول ہے اور مفعول اسم ہوا کرتا ہے نہ کہ فعل اس لئے مصدر کی تاویل میں کر لیتے ہیں تا کہ تقوم کا مفعول بننا درست ہوسکے چنانچہ **قیامک** مرکب اضافی ہوکر اُرِیْدُ کا مفعول ہوجائیگا (۲) لَنْ بمعنی ہرگز، اس کا لفظی عمل تو وہی اَنْ والا ہے البتہ معنوی عمل یہ ہے کہ مضارع کو حال کے زمانہ سے نکال کر خالص مستقبل کیلئے کر دیتا ہے نیز نفی کیلئے ہوگا اور نفی بھی وہ جو مؤکد اور پختہ ہو جیسے لَنْ یَخْرُجَ زَیْدٌ (زید ہرگز نہیں نکلے گا) (۳) کَیْ بمعنی تا کہ، یہ بھی مضارع کو وہی عمل دیتا ہے جو اَنْ دیتا ہے اور یہ سببیت کے لئے ہوتا ہے یعنی اس سے پہلے کی عبارت اس کے مابعد کے لئے ذریعہ اور سبب ہوتی ہے جیسے اَسْلَمْتُ کَیْ اَدْخُلَ الْجَنَّۃَ (میں مسلمان ہوا تا کہ جنت میں داخل ہوجاؤں) (۴) اِذَنْ بمعنی تب اور اس وقت اس کا عمل اَنْ کی طرح ہے البتہ یہ کہ اِذَنْ جواب اور جزا کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور ہمیشہ مستقبل والے مضارع پر داخل ہوگا کیونکہ جواب و جزا زمانہ مستقبل میں پائی جانے والی چیز ہوتی ہے اس لئے جس مضارع پر یہ داخل ہوگا وہ صرف مستقبل کے لئے ہوگا۔ **سوال**۔ جواب جزا بننے کا کیا مطلب ہے؟ **جواب**۔ جیسے سوال کے بعد جواب آیا کرتا ہے اور شرط کے بعد جزاء اس طرح اِذَنْ سے پہلے والے چیز کے بعد وہ چیز آئیگی جو اِذَنْ کے بعد ہے جیسے کوئی کہے اَنَا اٰتِیْکَ غَدًا (کہ میں کل آپ کے پاس آؤں گا) جس پر تم جواب میں کہو گے اِذَنْ اُکْرِمَکَ (تب تو میں آپ کی آؤ بھگت اور تواضع کرونگا)۔

بدانکه۔ اَنْ بعد از شش الخ۔ اَنْ کبھی تو ملفوظ ہوتا ہے جیسا کہ اوپر گذرا اور کبھی مقدر۔ سوال۔ مقدر کسے کہتے ہیں۔ جواب۔ جو ذہن میں تو ہو مگر عبارت میں نہ لادیں بہر حال چھ جگہ مقدر ہوتا ہے (۱) حَتّٰی (بمعنی تا کہ، یہاں تک) کے بعد جیسے مَرَرْتُ حَتّٰی اَدْخُلَ الْبَلَدَ (چلا میں یہاں تک کہ شہر میں اندر آ گیا) (۲) لامِ جحد کے بعد جحد بمعنی انکار کرنا اور لام جحد اس لام کو کہتے ہیں جو کَانَ منفیہ کے بعد مزید نفی کرنے کے لئے آوے جیسے مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ . یعنی دو شکلوں میں اللہ تعالیٰ اس امت کو عذاب نہیں دینے والے ہیں (۱) جبکہ حضور ﷺ ان میں موجود ہوں (۲) جب تک وہ استغفار کرتے والے ہوں بہر حال ما کانَ میں نفی تھی ہی لیعذبهم میں لام لا کر اس کی تاکید اور

پختگی کر دے کہ بالکل اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والا نہیں کہ عذاب دے جب تک آپ ﷺ ہیں یا وہ لوگ استغفار کر رہے ہیں۔(۳) اَوْ بمعنیٰ اِلیٰ اَنْ یا اِلَّا اَنْ :۔ یعنی ایسے اَوْ کے بعد بھی جو اِلیٰ اَنْ یا اِلَّا اَنْ کے معنیٰ میں ہو اَنْ مقدر ہوتا ہے اَوْ تو صرف اِلیٰ یا اِلَّا کے معنیٰ میں ہوگا اور اس کے ساتھ جو اَنْ لگا رکھا ہے یہ وہی ہے جو مقدر ہوگا پورے الی اَنْ یا اِلَّا اَنْ کے معنیٰ میں اَوْ نہیں ہوا کرتا ہتا کہ ایک اَنْ اور مان کر مکرر اَنْ نہ بن جائے۔ جیسے۔ لَاَلْزَمَنَّکَ اَوْ تُعْطِیَنِیْ حَقِّیْ میں تجھے یقیناً لپٹا ہی رہوں گا یہاں تک کہ یا مگر یہ کہ تو مجھ کو میرا حق دیدے اس مثال میں اَوْ کے بعد اَنْ مقدر ہے اصل عبارت اَوْ اَنْ تُعْطِیَنِیْ ہوگی (۴) واو الصرف الخ. واو صرف کے بعد بھی اَنْ مقدر ہوا کرتا ہے۔

سوال۔ واو صرف کس کو کہتے ہیں۔ **جواب** ۔ صرف کے لغوی معنیٰ ہٹانے اور دفع کرنے کے ہیں کیونکہ جہاں یہ واوٗ ہوتا ہے تو یہ اپنے معطوف علیہ کے شروع میں آنے والی چیز کو اپنے معطوف کے اوپر آنے سے ہٹاتا اور منع کرتا ہے جیسے لَا تَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَّ تَاْتِیَ مِثْلَهٗ : عَارٌ عَلَیْکَ اِذَا فَعَلْتَ عَظِیْمٌ ۔(مت روک تو بری عادتوں سے اور کر رہا ہو تو انہی عادتوں کیطرح بڑی عار ہے تجھ پر جب کہ (ایسا) کرے تو) اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو بری عادتوں سے روکنا جب کہ خود انہیں مبتلا ہو یہ بڑی شرم کی بات ہے اور قرآن کے خلاف ہے۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھولے بیٹھے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو بہر حال وَتَاْتِیَ کا واوٗ واو صرف ہے کیونکہ یہ اپنے معطوف علیہ لَا تَنْهَ کے لَا کو اپنے معطوف تَاْتِیَ پر آنے سے روک رہا ہے یعنی بوجہ عطف لَا کا دخول تَاْتِیَ پر نہ مانیں گے ورنہ شعر کا مطلب غلط ہو جائے گا اور شاعر کا جو مقصد ہے وہ نہ رہیگا کیونکہ جب لَا تَاْتِیَ پر داخل مان لیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ بری عادتوں سے نہ روک اور تو ان بری عادتوں کو نہ کر رہا ہو نہ کرنیکی صورت میں تو روکنا صحیح ہو جائیگا پھر عار کی کیا بات ہے ہاں خود بری عادتوں کو کرے اور دوسرے کو روکے یہ غلط ہے تَنْهَ اصل تَنْهیٰ ہے نہی کا صیغہ مجزوم ہوتا ہے اس لئے الف گر گیا نَهیٰ یَنْهیٰ بمعنیٰ روکنا تَاْتِیَ اَتیٰ یَاْتِیْ اِتْیَانًا سے بمعنیٰ کسی چیز پر آنا اور اس کا ارتکاب کرنا عَارٌ موصوف ہے عَظِیْمٌ صفت ہے اِذَا فَعَلْتَ اور عَلَیْکَ ان کے بیچ میں وزن شعر کی وجہ سے آگئے۔ بہر حال واوٗ کے بعد تَاْتِیَ سے پہلے اَنْ مقدر ہوگا نیز اس واوٗ کا نام واو جمعیۃ بھی ہے کیونکہ یہ واوٗ اپنے ماقبل و مابعد کے مضمونوں کے جمع ہونے سے روکتا ہے کہ دونوں بات ایک زمانہ میں جمع نہ ہوں یعنی ایسا نہ کرو کہ وہ بھی کر لو جو واوٗ سے پہلے ہے اور وہ بھی جو واوٗ کے بعد ہے جیسے لَا تَاْکُلِ السَّمَکَ وَ تَشْرَبَ اللَّبَنَ کہ مچھلی کھانا اور دودھ پینا ایک ساتھ منع ہے۔ **سوال**۔ اس واوٗ کے بعد اَنْ کیوں مقدر ہوتا ہے۔ **جواب**۔ واوٗ سے پہلے جملہ انشائیہ ہوتا ہے اور واوٗ کے بعد جملہ خبریہ ان کا عطف آپس میں صحیح کرنے کے لئے (کیونکہ جملہ خبریہ کا عطف انشائیہ پر ناجائز ہے)اَنْ مقدر مانا جاتا ہے تاکہ اَنْ کی وجہ سے فعل مصدر ہو جائے اور پھر اس مصدر کا عطف اس مصدر پر کر دیں جو واوٗ سے پہلے جملہ انشائیہ سے بنایا جائے گا مثلاً مثال مذکور میں اَکْلُ السَّمَکِ اور شُرْبُ اللَّبَنِ مصدر بنالیں گے تاکہ آپس میں ان کا عطف درست ہو جائے چنانچہ لَا تَاْکُلِ السَّمَکَ الخ. جملہ لَا یَجْتَمِعُ مِنْکَ اَکْلُ السَّمَکِ وَ شُرْبُ اللَّبَنِ کے معنیٰ میں

بن جائیگا کہ تجھ سے مچھلی کھانا اور دودھ کا پینا ایک ساتھ نہ پایا جانا چاہئے۔

فائدہ ۔واؤ الصرف کے بعد اَنْ جب مقدر مانا جائیگا جب دو بات اور شرطیں موجود ہوں (۱) واؤ کے ماقبل اور مابعد کے جملوں کے مضمون کا زمانہ ایک ہو یعنی واؤ صرف سے پہلے جو بات کہی گئی وہ اور جو واؤ کے بعد کہی گئی دونوں ایک زمانہ میں پائی جائیں (۲) یہ واؤ صرف چھ چیزوں میں سے کسی ایک کے بعد آوے وہ چھ یہ ہیں امر، ونہی، ونفی، واستفہام، وتمنی، وعرض، ان چھ میں سے ہر ایک کے بعد آنیکی مثالیں علی الترتیب یہ ہیں (۱) **امر** کے بعد جیسے زُرْنِیْ وَاُکْرِمَکَ (۲) **نہی** کے بعد لَا تَاْکُلِ السَّمَکَ وَ تَشْرَبَ اللَّبَنَ (۳) **نفی** کے بعد مَا تَاْتِیْنَا وَ تُحَدِّثَنَا نہیں آتا تو ہمارے پاس جو تو ہم سے بات کرلیا کرے (۴) **استفہام** کے بعد جیسے ھَلْ عِنْدَکَ مَاءٌ وَاُشْرِبَہٗ (۵) **تمنی** کی مثال لَیْتَ لِیْ مَالاً وَ اُنْفِقَہٗ (۶) **عرض** کی مثال اَلَا تَنْزِلُ بِنَا وَ تُصِیْبَ خَیْراً ان چھ مثالوں میں واؤ سے پہلے جملہ انشائیہ ہے بعد کا خبریہ ہے ان کا عطف صحیح کرنے کیلئے واؤ کے بعد ان مقدر ہوگا اور واؤ کے بعد کا فعل بتاویل مصدر ہو کر واؤ کے ماقبل کے جملہ سے بنے مصدر پر معطوف ہو جائیگا اور جیسا جملہ ہوگا مثبت یا منفی ویسے ہی عبارت نکالیں گے مثلاً زُرْنِیْ وَاُکْرِمَکَ کی عبارت لِتَجْتَمِعَ مِنْکَ الزِیارۃُ والاِکْرامُ مِنِّیْ یعنی تیری طرف سے ملاقات ہو جاوے تو میری طرف سے اکرام اور لا تاکل السمک وتشرب اللبن کی عبارت منفی ہوگی ای لَا یَجْتَمِعُ مِنْکَ اَکْلُ السَّمَکِ و شُرْبُ اللَّبَنِ (تیری طرف سے مچھلی کھانا اور دودھ پینا اکٹھا نہ ہونا چاہئے) گویا کہ واؤ بمعنی مصاحبت ہوگا اور دو چیزوں کے اجتماع اور عدم اجتماع کے چاہے جانے کو ظاہر کرے گا چونکہ واؤ اصل عطف کیلئے ہوتا ہے مگر یہاں مصاحبت کے معنیٰ کیلئے ہے اس لئے بعض نے واؤ الصرف کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ یہ واؤ کو وضعی اور اصلی معنیٰ یعنی مطلق جمع سے مصاحبت کی طرف پھیر رہا ہے اس لئے واؤ الصرف کہلاتا ہے۔ (۵) **لام کَیْ** وہ لام کہلاتا ہے جو کَیْ سببیہ کے معنیٰ میں آتا ہے یعنی بمعنی کَیْ ہوگا اور اپنے ماقبل کو اپنے مابعد کے لئے سبب ہونا ظاہر کرے گا جیسے اَسْلَمْتُ لِاَدْخُلَ اَلْجَنَّۃَ میں لام کَیْ ہے اور اسلام لانا دخول جنت کا ذریعہ ہے لَام جحد اور لَام کَیْ صورتاً تو ایک ہوتے ہیں لیکن لام جحد کانَ منفیہ کے بعد ملے گا، کَمَا مَرَّ مِثَالُہٗ، لام کَیْ کیلئے یہ ضروری نہیں دوسرے لام کَیْ علت اور سبب کے لئے ہوتا ہے اگر کلام سے گر گیا تو مطلب گڑبڑ ہو جائیگا لام جحد میں مطلب خلل میں نہیں پڑے گا کیونکہ نفی تو باقی رہے گی البتہ نفی کی تاکید اور پختگی نہیں بنے گی۔

وفا کہ در جواب شش چیز الخ یعنی اس فاء کے بعد بھی اَن مقدر ہوتا ہے جو فاء دو باتوں والا ہو (۱) فاء کا ماقبل اسکے مابعد کے لئے سبب ہو (۲) فاء چھ چیزوں امر، ونہی، ونفی، واستفہام، وتمنی، وعرض، کے بعد آکر ان کا جواب یا جزا بنے اس فاء کے بعد اَن مقدر ماننے کی وجہ وہی ہے جو واؤ میں گذری ہے کہ جملہ خبریہ کا انشائیہ پر عطف صحیح ہو سکے اور فاء کی مثال چھ کی چھ بعینہ وہی ہیں جو واؤ کی آچکی ہے صرف واؤ کی جگہ فاء رکھنا ہے۔ (۱) امر زُرْنِیْ فَاُکْرِمَکَ اسکی اصل عبارت یوں ہے لِیَکُنْ مِنْکَ زِیَارَۃٌ فَاِکْرَامٌ مِنِّیْ (۲) نہی لَا تَشْتِمْنِیْ فَاَضْرِبَکَ ای لَا یَکُنْ مِنْکَ شَتْمٌ فَضَرْبٌ مِنِّیْ (۳) نفی۔مَا

تَاْتِیْنَا فَتُحَدِّثَنَا ای لَیْسَ مِنْکَ اِتْیَانٌ فَتَحْدِیْثُکَ اِیَّانَا یعنی تیری طرف سے آنا نہیں ہوتا جو تیرا بات کرنا ہم سے ہو جا دے، یعنی آیا کرتا کہ تیری ہم سے بات ہوا کرے (۴) استفہام، هَلْ عِنْدَکَ مَاءٌ فَاَشْرَبَهٗ ای هَلْ یَکُوْنُ مِنْکُمْ مَاءٌ شُرْبٌ مِنِّیْ کیا تمہاری طرف سے پانی ہو جائے گا تا کہ میرا پانی ہو جائے (۵) تمنی، لَیْتَ لِیْ مَالاً فَاُنْفِقَهٗ ای لَیْتَ لِیْ ثُبُوْتُ مالٍ فَاِنْفَاقٌ مِنِّیْ کیا اچھا ہوتا کہ میرے لئے مال ہو جائے جس پر میرا خرچ کرنا ہو جاوے (۶) عرض، جیسے اَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِیْبَ خَیْراً ای اَلَا یَکُوْنُ مِنْکَ نُزُوْلٌ فَاِصَابَةُ خَیْرٍ مِنِّیْ یعنی تیری طرف سے آنا کیوں نہیں ہوتا جو تجھے میری طرف سے بھلائی پہنچ جائے یعنی آیا کرتا کہ میری بھلائی تجھے مل سکے ان سب مثالوں میں فاء سببیہ ہے اور فاء کا ماقبل مابعد کیلئے سبب ہے اور جس طرح شرط پر جزا یا سوال پر جواب مرتب ہوتا ہے اسی طرح فاء کے ماقبل پر اسکے مابعد مرتب ہوگا چنانچہ اول مثال میں زیارت پر اکرام اور دوسری میں گالی پر پٹائی اور تیسری میں آنے پر بات چیت اور چوتھی میں پانی ہونے پر اس کا پینا اور پانچویں میں مال ہونے پر خرچ کرنا اور چھٹی میں آنے پر خیر کو پہنچتا پایا جائیگا۔ تنبیہ۔ آپ نے جب یہ جان لیا کہ واؤ الصرف اور فاء دونوں کے بعد اَنْ مقدر ماننے کے لئے ان سے پہلے چھ چیزوں کا ہونا ضروری ہے تو بہتر تھا کہ صاحب نحو میر واؤ الصرف اور فاء دونوں کو ایک جگہ ذکر کرتے درمیان میں لام کَیْ آنے کے بجائے واؤ الصرف سے پہلے اسکا ذکر بہتر تھا اور ممکن ہے کہ کاتب سے یہ غلطی ہوگئی ہو۔

سبق بست و ہشتم

قسم دوم حروفیکه فعل مضارع را بجزم کنند وآں پنج است لَمْ، وَلَمَّا و لامِ امر ولائے نہی و اِنْ شرطیہ چوں لَمْ یَنْصُرْ ولَمَّا یَنْصُرْ ولِیَنْصُرْ ولَا تَنْصُرْ و اِنْ تَنْصُرْ اَنْصُرْ بدانکہ اِنْ در دو جملہ رود چوں اِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ جملہ اول را شرط گویند و جملہ دوم را جزا و اِنْ برائے مستقبل است اگرچہ در ماضی رود چوں اِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ وانیجا جزم تقدیری بود زیرا کہ ماضی معرب نیست وبدانکہ چوں جزائے شرط جملہ اسمیہ باشد یا امر یا نہی یا دعا فا در جزا آوردن لازم بود چنانکہ گوئی اِنْ تَاْتِنِیْ فَاَنْتَ مُکْرَمٌ و اِنْ رَاَیْتَ زَیْداً فَاَکْرِمْهُ و اِنْ اَتَاکَ عَمْرٌو فَلَا تُهِنْهُ وَاِنْ اَکْرَمْتَنِیْ. فَجَزَاکَ اللّٰهُ خَیْراً۔

ترجمہ۔ **دوسری قسم: جو حروف کہ فعل مضارع کو جزم کرتے ہیں** اور وہ پانچ ہیں۔ لَمْ، لَمَّا، لامِ اَمْر، لاءِ نَهْي، اِنْ شرطیہ، جیسے لَمْ یَنْصُرْ اور لَمَّا یَنْصُرْ اور لِیَنْصُرْ اور لَا تَنْصُرْ اور اِنْ تَنْصُرْ اَنْصُرْ. جان تو کہ اِنْ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے جیسے اِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ اول جملہ کو شرط کہتے ہیں اور دوسرے جملہ کو جزاء اور اِنْ

مستقبل کے لئے ہے اگر چہ ماضی پہ داخل ہو جیسے اِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ اور یہاں جزم تقدیری ہوتا ہے کیونکہ ماضی معرب نہیں ہے اور جان تو کہ جب شرط کی جزا جملہ اسمیہ ہو یا امر یا نہی، یا دعاء، فا اسکی جزاء میں لانا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ بولے تو اِنْ تَاْتِنِیْ فَاَنْتَ مُکْرَمٌ (اگر تو میرے پاس آئے گا تو تو عزت کیا جائیگا) (یا خاطر تواضع کیا جائیگا) وَاِنْ رَاَیْتَ زَیْدًا فَاَکْرِمْهُ اور اگر تو زید کو دیکھے تو اسکی عزت اور آؤ بھگت کریجے وَاِنْ اَتَاکَ عَمْرٌو فَلَا تُهِنْهُ اگر عمرو تیرے پاس آئیگا تو اسکی توہین مت کرنا وَاِنْ اَکْرَمْتَنِیْ فَجَزَاکَ اللّٰهُ خَیْرًا اگر تو میرا اکرام کرے گا تو اللہ تعالی تجھے اچھا بدلہ دے گا

حل عبارت۔ حروف جازمہ پانچ ہیں لم، لما، لام امر، لاء نہی، **ان شرطیہ**، ان میں سے لَمْ اور لَمَّا دونوں نفی کے معنیٰ دیتے ہیں لیکن لَمْ کی نفی گذشتہ تمام وقت کی نفی نہیں ہوتی جبکہ لَمَّا میں گذشتہ سے بولنے کے وقت تک کی نفی مراد ہوتی ہے جیسے لَمْ یَنْصُرْ زَیْدٌ زید نے مدد نہیں کی اس میں یہ ظاہر نہیں ہے کہ کب مدد نہیں کی بخلاف لَمَّا یَنْصُرْ زَیْدٌ اس کا ترجمہ ہوگا زید نے ابتک مدد نہیں کی یعنی متکلم کے بولنے تک مدد نہیں پائی گئی گذشتہ زمانہ سے لیکر یہ دونوں لفظًا تو مضارع کو جزم دیتے ہیں اور معنیً مضارع کو ماضی منفی کے معنیٰ میں کردیں گے کہ ترجمہ مضارع کا ماضی والا کرنا ہوگا ایک فرق دونوں میں یہ بھی ہے کہ لَمْ کا فعل حذف نہیں کرسکتے جبکہ لَمَّا کا حذف کرنا جائز ہے چناں چہ نَدِمَ زَیْدٌ و لَمَّا کہہ سکتے ہیں (جو اصل میں ولَمَّا یَنْفَعُهُ النَّدَمُ بنے گا) لیکن نَدِمَ زَیْدٌ وَلَمْ نہیں کہا جاسکتا کبھی لَمَّا اِلَّا کے معنیٰ میں آتا ہے نحو وان کُلٌّ لَمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ. **لام امر**۔ وہ ہے جس سے کام کو طلب کیا جاوے جیسے لِیَنْصُرْ اسے مدد کرنی چاہئے اور یہ مکسور ہوا کرتا ہے لیکن اگر اس سے پہلے واؤ عاطفہ یا فاء یا ثُمَّ آجائے تو ساکن بھی ہوجاتا ہے جیسے فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ اور ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ. اس لام کا ترجمہ چاہئے ہوتا ہے۔ **لاء نہی**۔ وہ ہے جس سے کام کے چھوڑنے کو طلب کیا جاوے جیسے لَا تَکْذِبْ جھوٹ مت بول!

اِنْ شرطیہ۔ بمعنی اگر اس کے بعد دو جملے ہوتے ہیں اوّل کو شرط دوسرے کو جزا کہتے ہیں پہلا جملہ ہمیشہ فعلیہ ہوگا دوسرا اسمیہ اور فعلیہ کوئی سا بھی ہوسکتا ہے جیسے اِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ اگر تو مارے گا تو میں ماروں گا اِنْ دو کام کرتا ہے (۱) لفظی عمل تو جزم دیتا ہے اور معنوی کام یہ ہے کہ مستقبل کے معنیٰ میں کردیگا لیکن ماضی پہ داخل ہوگا اس کا جزم دیکھے گا نہیں محض فرضی اور ذہنی ہوگا کیونکہ ماضی مبنی ہوتی ہے جسکا ادلنا بدلنا نہیں ہوا کرتا البتہ مضارع میں اسکا جزم ظاہر ہوگا جبکہ مضارع ہی شرط و جزاء دونوں ہو یا مضارع صرف شرط بنے اور اگر ماضی شرط ہوگی اور مضارع جزا بن جاوے جیسے اِنْ ضَرَبْتَ اَضْرِبُ میں تو ایسے مضارع میں رفع اور جزم دونوں درست ہیں۔ اِنْ تَاْتِنِیْ فَاَنْتَ مُکْرَمٌ یہ جملہ اسمیہ کے جزا بننے کی مثال ہے جس پر فاء داخل ہوگا ترکیب یہ ہوگی اِنْ حرف شرط تَاْتِ واحد مذکر حاضر مضارع کا اَنْتَ اس میں پوشیدہ فاعل نون وقایہ یٔ متکلم مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر شرط ہوجائے گا فَ جزائیہ اَنْتَ مبتدا مُکْرَمٌ خبر مبتدا خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر جزا شرط اپنی جزاء سے ملکر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو۔ وَاِنْ رَاَیْتَ زَیْدًا فَاَکْرِمْهُ : یہ امر پر فَ جزائیہ کے داخل ہونیکی مثال ہے اس میں رَاَیْتَ زَیْدًا فعل فاعل مفعول

بہ سے مل کر شرط اَکْرِمْهُ فعل امر اپنے فاعل انت پوشیدہ اور ہ مفعول بہ سے ملکر جملہ انشائیہ ہوکر جزا بن جائے گا پھر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوجائے گا۔ وَاِنْ اَتَاکَ عَمْرٌ فَلَا تُهِنْهُ. یہ نہی پر ف جزائیہ کے داخل ہونے کی مثال ہے اتا فعل ک مفعول بہ عمرٌ فاعل جملہ فعلیہ ہوکر شرط ف جزائیہ لا تُهِن نہی کا واحد حاضر مع فاعل ہ مفعول بہ سے ملکر جزاء شرط اپنی جزاء سے ملکر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ وَاِنْ اَکْرَمْتَنِیْ فَجَزَاکَ اللّٰهُ خَیْرًا یہ دعاء پر ف جزائیہ داخل ہونے کی مثال ہے اِن حرف شرط اَکْرَمْتَ فعل با فاعل نون وقایہ ی مفعول بہ فعل فاعل مفعول بہ سے ملکر شرط ف جزائیہ جزا فعل ماضی واحد غائب کَ مفعول بہ اللہ فاعل خَیْرًا دوسرا مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے ملکر جزا شرط جزا سے ملکر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوجائے گا۔

سبق بست ونہم

باب دوم در عمل افعال

بدانکہ ہیچ فعل غیر عامل نیست وافعال در اعمال بر دو گونہ است **قسم اول معروف** بدانکہ فعل معروف خواہ لازم باشد یا متعدی فاعل را برفع کند چوں قَامَ زَیْدٌ و ضَرَبَ عَمْرٌو وشش اسم را نصب کند **اول مفعول مطلق** را چوں قَامَ زَیْدٌ قِیَامًا و ضَرَبَ زَیْدٌ ضَرْبًا **دوم مفعول فیه** را چوں صُمْتُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ و جَلَسْتُ فَوْقَکَ **سوم مفعول معه** را چوں جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ ای مَعَ الْجُبَّاتِ **چهارم مفعول له** را چوں قُمْتُ اِکْرَامًا لِزَیْدٍ و ضَرَبْتُهٗ تَادِیْبًا **پنجم حال** را چوں جَاءَ زَیْدٌ رَاکِبًا **ششم تمیز** را وقتیکہ در نسبت فعل با فاعل ابهامی باشد چوں طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا **اما فعل متعدی** مفعول بہ را نصب کند چوں ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا و ایں عمل فعل لازم را نباشد۔

ترجمہ: دوسرا باب افعال کے عمل کے بیان میں جان تو کہ کوئی فعل غیر عامل نہیں ہے اور افعال عمل دینے میں دو قسم پر ہیں **پہلی قسم معروف** جان تو کہ فعل معروف چاہے لازم ہو یا متعدی فاعل کو رفع کرتا ہے جیسے قَامَ زَیْدٌ و ضَرَبَ عَمْرٌو اور چھ اسم کو نصب کرتا ہے **اول مفعول مطلق** کو جیسے قَامَ زَیْدٌ قِیَامًا و ضَرَبَ زَیْدٌ ضَرْبًا کھڑا ہے زید کھڑا ہونا اور مارا زید نے مارنا **دوم ۔ مفعول فیه** کو جیسے صُمْتُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ میں نے جمعہ کے روز روزہ رکھا و جَلَسْتُ فَوْقَکَ اور میں تیرے اوپر بیٹھا۔ **سوم۔ مفعول معه** کو جیسے جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ ای مَعَ الْجُبَّاتِ آئی سردی جبوں سمیت یعنی مع جبوں کے۔ **چهارم ۔ مفعول له** کو جیسے قُمْتُ اِکْرَامًا لِزَیْدٍ اٹھا میں اکرام کے لئے زید کے اور ضَرَبْتُهٗ تَادِیْبًا مارا

میں نے اس کو سلیقہ مند بنانے کے لئے۔ **پنجم۔ حال** کو جیسے جاءَ زَیْدٌ رَاکِباً آیا زید سوار ہونے کی حالت میں۔ **ششم۔ تمیز** کو جس وقت کہ فعل کے جُوتنے میں فاعل کے ساتھ کوئی پوشیدگی رہے جیسے طَابَ زَیْدٌ نَفْساً زید بڑھیا ہے اچھا ہے مزاج کے اعتبار سے **بہر حال فعل متعدی** مفعول بہ کو نصب کرتا ہے جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْراً اور یہ عمل فعل لازم کا نہیں ہوگا۔

حل مضمون ۔ یہاں سے حروف عاملہ سے فارغ ہونے کے بعد افعال عاملہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ **بدانکہ هیچ فعل الخ**۔ جس فعل کی سب گردانیں آتی ہو ماضی مضارع امر نہی کی اس کو **فعل متصرف** کہتے ہیں یعنی گردان والے فعل اور اگر صرف ماضی یا صرف ماضی مضارع کی گردان آتی ہے تو ایسے فعل کو **غیر متصرف** کہتے ہیں جیسے، عسیٰ، کادَ، ایسے ہی جو فعل فاعل پر مکمل ہو جائے آگے خبر کا محتاج نہ ہو تو **فعل تام** کہلاتا ہے جیسے کانَ مَطَرٌ بارش ہوئی۔ اور اگر خبر کا محتاج ہو تو وہ **فعل ناقص** کہلاتا ہے جیسے کَانَ صَارَ بہر حال افعال عمل دینے کے اعتبار سے دو طرح کے ہیں۔ (۱) **معروف** فعل معروف اس کو کہتے ہیں کہ جس کا فاعل اور کرنے والا ذکر کر دیا جائے چاہے اسم ظاہر کی شکل میں ہو وہ فاعل یا اسم ضمیر کی شکل میں جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ بِما اَکَلَ خَالِدٌ زید نے مارا خالد نے کھالیا اس میں کھانے اور مارنے جو دو فعل ہیں ان کا فاعل بھی زید اور خالد ذکر کر رکھے ہیں اسم ضمیر کی شکل میں فاعل کے ذکر کرنے کی مثال ہے جاءَ زَیْدٌ وَذَهَبَ کہ زید آکر چلا گیا اس میں زید فاعل ہے اسم ظاہر کی شکل میں اور ذَهَبَ کا فاعل بھی معلوم ہے مگر اسم ضمیر کی شکل میں یعنی ھو جس سے مراد زید ہی ہے۔ بہر حال **فعل معروف** کی تعریف سے فعل مجہول خود سمجھ میں آ گیا کہ کسے کہتے ہیں یعنی جب کسی فعل کا فاعل بتایا اور ذکر نہ کیا جائے تو وہ **فعل مجہول** کہلاتا ہے جیسے ضُرِبَ عَمْرٌ عمرو کی پٹائی کر دی گئی کس نے کی اس کا ذکر نہیں ہے تو یہ **مجہول** کہلائے گا ایسے ہی اُکِلَ الرَّغِیْفُ روٹی کھالی گئی مگر کس نے کھائی فاعل نہیں بتایا تو ضُرِبَ اور اُکِلَ فعل **مجہول** ہو گئے۔ **خواہ لازم باشد یا متعدی، فعل لازم** ۔ وہ ہے کہ اس کے وجود میں آنے کے لئے تنہا فاعل کافی ہو سکے کسی اور کی آگے ضرورت نہ رہے جیسے کھڑا ہونا بیٹھنا، سونا یہ تینوں کام انجام پائے جا سکتے ہیں تنہا فاعل ہی سے کھڑے ہونے اور بیٹھنے اور سونے میں وہ اور کا محتاج نہیں ہے خود بخود اپنے آپ ہی وہ کھڑا ہو سکتا ہے بیٹھ سکتا ہے سو سکتا ہے لیکن مارنا تنہا آپ نہیں ہو سکتا جب تک وہ نہ ہو جس کو مارے ایسے ہی کھانا جب ہوگا جب وہ چیز بھی ہو جس کو کھائیگا تو جن افعال اور کاموں کے وجود میں آنے کے لئے علاوہ فاعل کے کسی اور آدمی یا چیز کی ضرورت پڑے ان افعال کو متعدی کہتے ہیں چنانچہ ہنسنا، رونا، جاگنا، بیمار ہونا، مرنا، سب فعل لازم ہیں اور لکھنا پڑھنا دیکھنا بلانا یہ فعل متعدی ہیں کہ جس چیز کو لکھے گا پڑھے گا یا دیکھے گا یا بلائے گا وہ جب تک نہ ہوں گے لکھنا پڑھنا بلانا نہیں ہو سکے گا۔ اسی بات کو اہل نحو یوں کہتے ہیں کہ جس فعل میں علاوہ فاعل کے مفعول بہ کی بھی ضرورت ہو تو وہ متعدی ہے ورنہ لازم ہے۔ **لازم اور متعدی کی وجہ تسمیہ** ۔ یہ ہے کہ لَزِمَ یَلْزَمُ لُزُوْماً کے معنیٰ چمٹنے کے آتے ہیں کیونکہ فعل لازم اپنے فاعل ہی کو چمٹا رہتا ہے اس سے گذر کر آگے مفعول بہ تک نہیں جاتا اس لئے فعل لازم کہلایا اور **متعدی**۔ تَعَدّٰی یَتَعَدّٰی

تَعَدِّیاً سے بمعنی آگے بڑھنا گذرنا کیوں کہ فعل متعدی اپنے فاعل سے گذر کر آگے مفعول بہ تک چلا جاتا ہے اسلئے **متعدی** کہلا
یاقَامَ زَیْدٌ و ضَرَبَ زَیْدٌ **اول** فعل لازم کی **دوسری** فعل متعدی کی مثال ہے تو فعل معروف چاہے لازم ہو چاہے متعدی یہ
دونوں اپنے فاعل کو رفع کرتے ہیں۔ **وشش اسم را بنصب الخ** ۔یعنی فعل معروف کوئی سا ہو لازم یا متعدی یہ دونوں
فاعل کو رفع کریں گے اور چھ اسموں کو نصب کریں گے (۱) مفعول مطلق (۲) مفعول فیہ (۳) مفعول معہٗ (۴) مفعول لہ
(۵) حال (۶) تمیز ان کی سب کی تعریف آگے آئیگی اگلے سبق میں، بہر حال فعل متعدی فعل لازم والا عمل تو اس کا ہوگا ہی مزید
اس کا عمل یہ ہے کہ ان چھ اسموں کے علاوہ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے فعل لازم کا چونکہ مفعول بہ ہوتا ہی نہیں اس لئے مفعول بہ میں
اس کا عمل کیسے ہوسکتا ہے۔

(۱) مفعول مطلق کی مثال قَامَ زَیْدٌ قِیَاماً اور ضَرَبَ زَیْدٌ ضَرْباً ان میں قام فعل لازم ہے جس کا مفعول مطلق قیاماً بن
رہا ہے اور ضرب فعل متعدی ہے جس کا مفعول مطلق ضَرْباً ہے (۲) مفعول فیہ کی مثال صُمْتُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ و جَلَسْتُ
فَوْقَکَ چونکہ مفعول فیہ کہتے ہیں اس جگہ یا وقت کو جس میں وہ کام ہوا تو یوم الجمعۃ وقت کی مثال ہے کہ روزہ جمعہ کے دن ہوا
اور فوقک جگہ کی مثال ہے کہ بیٹھنا تیرے اوپر ہوا، جس لفظ سے جگہ بتلاتے ہیں اس کو ظرف مکان اور جس سے وقت بتلاتے
ہیں اس کو ظرف زمان کہتے ہیں، مصنفؒ نے مفعول فیہ اور باقی پانچ اسموں کی فعل متعدی کی مثالیں صرف مفعول مطلق اور
مفعول لہ کی دی ہیں باقی چھوڑ دیں تاکہ مبتدی کا ذہن زیادہ مثالوں سے الجھن میں نہ پڑے۔ (۳) مفعول معہ۔ سردی چوغوں
سمیت آئی یہ جاءَ الْبَرْدُ و الْجُبَّاتِ کا ترجمہ ہے یعنی سردی جب آتی ہے تو جبے بھی اس کے ساتھ باہر نکل آتے ہیں پہننے کیلئے
اس میں الجبات سے پہلے جو واؤ ہے یہ مع اور ساتھ کے معنی میں ہے تو مفعول معہ وہ ہے جس کے ساتھ اور سمیت کوئی کام ہوا ہو
جیسا کہ یہاں سردی کا آنا مع جبوں کے ہوا ہے۔

سوال ۔الجباتِ مفعول معہ ہے جو منصوب ہوتا ہے حالانکہ یہ مجرور ہے۔ **جواب**۔ یہ جمع مؤنث سالم ہے جسکی حالت نصبی
بوجہ جری کے تابع ہونے کے جر کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا بظاہر مجرور ہے لیکن فی الحقیقۃ منصوب ہی ہے۔ (۴) مفعول لہ وہ ہے جس
کی وجہ سے کوئی کام کیا گیا ہو جیسے قُمْتُ اِکْرَاماً لِزَیْدٍ میرا کھڑا ہونا اس وجہ سے ہوا کہ زید کا اکرام کرنا تھا لِزَیْدٍ متعلق اکرام
کے ہو کر قُمْتُ کا مفعول لہ بن جائیگا اور فعل متعدی کے مفعول لہ ہونیکی مثال ضَرَبْتُهٗ تَادِیْباً ہے کہ ادب سلیقہ پیدا کرنے کے
لئے مارنا ہوا اس میں ہ ضمیر مفعول بہ اور تادیبا مفعول لہ ہو جائیگا (۵) حال وہ ہے کہ جو کسی کی حالت بیان کرے جیسے جَاءَ زَیْدٌ
رَاکِباً کہ زید سوار ہو کر یا سوار ہونیکی حالت میں آیا اس میں راکبا زید کی حالت جو درحقیقت اس کے آنیکی حالت ہے یعنی کہنے
میں تو راکبا زید کا حال ہے مگر حقیقت میں جاءَ کا حال ہے لیکن جاء جڑ رہا ہے زید سے اور پھر جاء سے جڑ رہا ہے راکبا اور
دوست کا دوست دوست ہوتا ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ راکبا زید کا بھی حال ہے کیونکہ آنا حال بنا زید کا اور آنے کا حال بنا

راکبا تو پھر راکباً زید کا حال ہو ہی جائے گا اور یہ اس لئے کہ رہے ہیں راکبا اور ماشیا (یعنی سوار اور پیدل ہو کر) یہ دو قسمیں زید کی نہیں ہیں بلکہ آنے کی ہیں فافهم ۔(٦) **تمییز** بمعنی جدا اور الگ کرنا کیونکہ تمیز اپنے ممیز کے ابہام اور خفا کو دور کر دیتی ہے پھر تمیز جس چیز کا ابہام دور کرے گی یعنی اس کا ممیز دو قسم پر ہے (۱) **ممیز** مفرد ہو جیسے تم کہو **عندی رطل** (رطل چالیس تولہ یعنی آٹھ چھٹانک ہوتا ہے) تو رطل کتنا ہوتا ہے یہ تو معلوم ہے کہ آٹھ چھٹانک یعنی آدھا کلو جس برتن میں آجائے اس کو کہتے ہیں لیکن وہ ہے کس چیز کا بھرا ہوا اس میں ابہام ہے نہ معلوم تیل کا وہ ایک رطل یا گھی کا یا دودھ کا خالی اتنا کہہ دینا کہ میرے پاس ایک لیٹر ہے کافی نہیں جب تک آگے زیتاً یا لبناً یا سمناً (زیتون کا یا دودھ کا یا گھی کا) بول کر وضاحت نہ کرو گے جب تم رطلٌ کے بعد زیتاً لبناً وغیرہ کہہ دو گے تو ابہام ختم ہو جائے گا۔(۲) **ممیز نسبت** ہو نسبت بمعنی تعلق اور جوڑ ہے جب ایک چیز کو دوسرے سے جوڑیں گے تو جس کو جوڑا اس کو منسوب اور جس سے جوڑا اس کو منسوب الیہ کہتے ہیں اور ان کے آپس میں جڑنے کو نسبت بولتے ہیں تو بعض دفعہ جب ہم کسی چیز کو کسی سے جوڑتے ہیں تو یوں دقت رہتی ہے کہ اس نے جو اس کو اس سے جوڑا تو کس اعتبار سے جوڑا کیونکہ وہ جڑنا مختلف طریقے سے ہو سکتا تھا کیا پتہ کس چیز کو ذہن میں رکھ کر جوڑ دیا ہو مثلاً تم زید کو اچھا کہو تو اس کو اچھا کہنا کئی اعتبار سے ہو سکتا ہے ایسے ہی تم زید کو برا کہو تو برا ہونے کو جو زید سے جوڑو گے اس میں ابہام ہے کیونکہ یہ کہنا کہ زید برا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اس لئے برا ہو کہ چور ہے یا اس لئے کہ زانی ہے یا اس لئے کہ وہ شرابی ہے یا اس لئے کہ وہ ظالم ہے تو تم کہو گے **بئس زید سارقاً یا ظالماً یا زانیاً** وغیرہ وغیرہ ایسے ہی اچھا کہو گے زید کو تو وہ بھی مختلف لحاظ رکھتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ بڑھیا مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے ہو اور ہو سکتا ہے کہ پڑوس کے اعتبار سے اچھا ہو ہو سکتا ہے کہ علم اور پڑھنے لکھنے میں اچھا ہو تو جب تم **طاب زیدٌ** کہو کہ زید اچھا ہے اس کے اس اچھائی کی وضاحت کی ضرورت رہے گی کہ وہ جو داراً (پڑوس کے اعتبار سے) نفساً (مزاج کے اعتبار سے) علماً (علم کے اعتبار سے) کس لحاظ سے اچھا ہے تو جب طاب زید نفساً بات واضح ہو گئی کہ وہ اپنے مزاج واخلاق کے اعتبار سے بڑھیا ہے، تو یہاں طاب فعل کو زیدٌ اس کے فاعل سے جوڑنے اور نسبت کرنے میں جو ابہام آیا تھا نفساً نے اس کو دور کر دیا بہر حال صاحب نحو میر نے دوسری قسم کی تمیز جو نسبت سے ابہام دور کرتی ہے کا ذکر کیا ہے اور جو مفرد سے ابہام دور کرتی ہے جس کی مثال عندی رطلٌ زیتا آچکی ہے بیان نہیں کی آگے سبق سی ام (تیسویں ۳۰) مفرد سے ابہام دور کرنے کا ذکر مع مثالوں کے آرہا ہے۔ پھر یاد رہے کہ تمیز میں عمل کرنی والی چیز اول قسم میں تو وہ مفرد ہے جس کا ابہام دور کیا ہے یعنی تمیز کو نصب اپنے ممیز (جو مفرد) سے ہی آئیگا لیکن دوسری قسم میں فعل موجود ہے اسی سے تمیز کا نصب مانا جائے گا۔ پھر یہ مفرد جس سے نصب آیا اور تمیز کا مُمَیَّز کہلایا اسم تام کہلاتا ہے اسم تام کو اسم تام کہنے کی وجہ باب سوم در اسماء عاملہ کی دسویں قسم **اسم تام کو تمیز را بنصب کند** کے تحت ان شاء اللہ آرہی ہے ۔ **فائدہ** تمیز کی پہچان یہ ہے کہ اس کا اپنے مُمَیَّز کی جگہ آنا صحیح بنتا ہو جیسے طَابَ نفسُ زیدٍ یا عِندِی رِطْلُ زَیتٍ کہہ سکتے ہیں۔

سبق سی ام (تیسواں)

فصل بدانکہ فاعل اسمیست کہ پیش از وے فعلی باشد مسند بداں اسم بر طریق قیام فعل بداں اسم چوں زیدٌ در ضَرَبَ زَیْدٌ و **مفعول مطلق** مصدریست کہ واقع شود بعد از فعلی و آں مصدر بمعنی آں فعل باشد چوں ضَرْباً در ضَرَبْتُ ضَرْباً وَقِیَاماً در قُمْتُ قِیَاماً و **مفعول فیه** اسمیست کہ فعل مذکور در وواقع شود او را ظرف گویند وظرف بر دو گونہ است ظرف زمان چوں یَوْمَ در صُمْتُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وظرف مکان چوں عِنْدَ در جَلَسْتُ عِنْدَکَ و**مفعول معه** اسمیست کہ مذکور باشد بعد واو بمعنی مع چوں والجُبَّاتِ در جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ ای مَعَ الْجُبَّاتِ و**مفعول له** اسمیست کہ دلالت کند بر چیزے کہ سبب فعل مذکور باشد چوں اِکْرَاماً در قُمْتُ اِکْرَاماً لِزَیْدٍ و**حال اسمی** است نکرہ کہ دلالت کند بر ہیأت فاعل چوں رَاکِباً در جَاءَ زَیْدٌ رَاکِباً یا بر ہیأت مفعول چوں مَشْدُوْداً در ضَرَبْتُ زَیْداً مَشْدُوْداً یا بر ہیأت ہر دو چوں رَاکِبَیْنِ در لَقِیْتُ زَیْداً رَاکِبَیْنِ وفاعل مفعول را ذو الحال گویند و آں غالباً معرفہ باشد و اگر نکرہ باشد حال را مقدم دارند چوں جَاءَ نِیْ رَاکِباً رَجُلٌ وحال جملہ نیز باشد چناں چہ رَأَیْتُ الْاَمِیْرَ وَھُوَ رَاکِبٌ.

ترجمہ عبارت- جان تو کہ فاعل ایسا اسم ہے کہ اس سے پہلے ایک فعل ہو جڑ رہا ہو وہ فعل اس اسم کے ساتھ فعل کے قائم ہونے کے طریقے پر اس اسم کے ساتھ جیسے زیدٌ ہے ضَرَبَ زَیْدٌ میں اور **مفعول مطلق** ایسا مصدر ہے کہ جو آوے کسی فعل کے بعد اور وہ مصدر اسی فعل کے معنی میں ہو جیسے ضَرْباً ہے ضَرَبْتُ ضَرْباً میں وَقِیَاماً ہے قُمْتُ قِیَاماً میں اور **مفعول فیه** ایسا اسم ہے کہ (اس سے پہلے) ذکر کیا ہوا فعل اس میں پایا جاوے اور اس کو ظرف کہتے ہیں ہیں اور ظرف دو قسم پر ہے **ظرف زمان** جیسے یَوْمَ ہے صُمْتُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ میں اور **ظرف مکان** جیسے عِنْدَ ہے جَلَسْتُ عِنْدَکَ میں اور **مفعول معه** ایسا اسم ہے کہ جو ذکر کیا گیا ہو ایسے واؤ کے بعد جو مع کے معنی میں ہو جیسے والجبات ہے جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ ای مَعَ الْجُبَّاتِ میں اور **مفعول له** ایسا اسم ہے کہ بتلائے ایسی چیز کو کہ جو فعل مذکور کی وجہ ہو جیسے اِکْرَاماً ہے قُمْتُ اِکْرَاماً لِزَیْدٍ میں اور حال ایسا اسم ہے کہ نکرہ ہو بتلاتا ہو فاعل کی حالتوں کو جیسے راکباً ہے جَاءَ زَیْدٌ رَاکِباً میں یا مفعول کی حالتوں کو جیسے مَشْدُوْداً ہے ضَرَبْتُ زَیْداً مَشْدُوْداً (مارا میں نے زید کو باندھ کر) میں یا دونوں کی حالتوں کو جیسے رَاکِبَیْنِ ہے لَقِیْتُ زَیْداً رَاکِبَیْنِ میں (ملا میں زید سے دراں حالیکہ ہم دونوں سوار تھے) میں اور فاعل اور مفعول کو ذوالحال کہتے ہیں اور وہ یعنی ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اور اگر (کبھی) نکرہ ہوتا ہے تو حال کو پہلے رکھتے ہیں جیسے جَاءَ نِیْ رَاکِباً رَجُلٌ

(آیا میرے پاس سوار ہو کر ایک مرد) اور حال جملہ بھی ہوتا ہے جیسے رَاَیْتُ الْاَمِیْرَ وَھُوَ رَاکِبٌ (دیکھا میں نے بادشاہ کو دراں حالیکہ وہ سوار تھا)

حل مضمون

فاعل اسمیت الخ: فاعل کی تعریف کر رہے ہیں کہ فاعل ایسا اسم ہے کہ جس سے پہلے کوئی فعل ہو اور وہ فعل اس اسم کے ساتھ قائم ہو اسم کو فاعل مجازا کہہ دیا کیونکہ حقیقت میں اسم کا مسمّٰی فاعل بنتا ہے نہ کہ خود وہ اسم جیسے زید اسم ہے مگر اس سے ذات زید مراد ہے خود ز، ی، د سے مرکب لفظ یا اسم مراد نہیں ہے، بہرحال فاعل کام کرنے والے کو کہتے ہیں جہاں فعل فاعل ہوں گے وہاں وہ فعل اس فاعل سے جڑے گا یا وہ فاعل اس فعل کا کرنے والا سمجھا جائے گا لیکن فعل کے اپنے فاعل کے ساتھ جڑنے کی دو شکلیں ہیں (۱) برطریق قیام۔ (۲) برطریق صدور، **فعل لازم** میں تو یہ جڑنا اپنے فاعل کے ساتھ برطریق قیام ہوگا اور **فعل متعدی** میں برطریق صدور ہوگا۔ **سوال** برطریق قیام اور برطریق صدور کا کیا مطلب ہے؟ **جواب** قیام کے معنی ہیں تھمنا ٹھہرنا اور صدور کے معنی ہیں نکلنا اگر فعل اپنے فاعل ہی کے ساتھ تھم گیا ٹھہر گیا آگے نہ بڑھا جیسے مَاتَ یا مَرِضَ یا نَامَ زَیْدٌ کہ زید مر گیا یا بیمار ہو گیا یا سو گیا ان میں موت، بیماری اور سونا، مرنے والے بیمار ہونے والے اور سونے والے کے ساتھ قائم اور تھا ہوا ہے آگے کسی اور کی طرف نہیں بڑھے تو یہاں یہ چیزیں اپنے فاعل کے ساتھ برطریق قیام پائی جا رہی ہیں اور یہ ایسا ان فعلوں میں ہوتا ہے جو لازم ہوں اور مفعول بہ کے محتاج نہیں اور اگر وہ فعل یا کام فاعل سے نکل کر آگے کسی اور چیز یا شخص تک پہنچے تو اس کو برطریق صدور کہیں گے جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا یا اَکَلَ زَیْدٌ رَغِیْفًا (زید نے روٹی کو کھایا) تو مارنا اور کھانا زید سے نکل کر عمر اور روٹی پر پڑ رہے ہیں اور یہ ان فعلوں میں ہوگا جو متعدی ہوتے ہیں **مفعول مطلق** وہ مصدر کہلاتا ہے جو کسی فعل کے بعد آوے اور ہو بھی اسی فعل کے معنی میں جس کے بعد آ رہا ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا میں ضَرْبًا مصدر ہے اور اپنے سے پہلے فعل ضَرَبْتُ ہی کے معنی میں ہے، لہٰذا اس کو مفعول مطلق کہیں گے **سوال** ضَرْبًا مصدر ضَرَبْتُ فعل کے معنی میں کیسے ہو سکتا ہے، کیونکہ فعل سے تو بیک وقت تین چیزیں سمجھ میں آتی ہے (۱) مصدری معنی یعنی مارنا یا پڑھنا لکھنا جو اصل مصدر کے معنی ہوتے ہیں جس سے فعل بنا تو ہر فعل میں ایک تو اپنے مصدر کے معنی ہوتے ہیں چنانچہ ضَرَبْتُ میں ضَرْبًا والے مار کے معنی موجود ہیں (۲) ہر فعل میں زمانہ بھی ہوتا ہے فعل ماضی ہوا تو ماضی کا زمانہ سمجھ میں آئے گا اور فعل مضارع ہوا تو مستقبل یا حال کا زمانہ سمجھ میں آئے گا، چنانچہ یہاں ضَرَبْتُ میں ماضی کا زمانہ ہے کہ یہ مار ہو چکی ہے (۳) ہر فعل اور کام کے لئے کسی نہ کسی فاعل سے جڑنا ضروری ہے **جس کو نسبت الی فاعل ما** کہتے ہیں تو یہاں بھی مار متکلم سے جڑی ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مفعول مطلق میں مصدر اپنے فعل کے معنی میں کیسے ہو سکتا ہے کیوں کہ مصدر تو صرف معنی مصدری یعنی مار کو بتلا رہا ہے اس میں زمانہ یا کسی فاعل سے جڑنا اس کا تو تصور بھی نہیں ہوتا **جواب** مفعول مطلق میں مصدر کا اپنے سے پہلے فعل کے معنی میں ہونے کا مطلب صرف اس جز یعنی معنی مصدری کے اعتبار سے مراد ہے تینوں اجزاء کے اعتبار سے نہیں ہے

قُمْتُ قِیَامًا میں قِیَامًا مصدر اور قُمْتُ فعل دونوں کھڑے ہونے کے معنی میں ہیں بعد از فعلہ، اس قید سے اس مصدر کو نکال دیا جو کسی فعل کے بعد نہ آوے، کیونکہ وہ مفعول مطلق نہیں کہلائے گا جیسے اَلضَّرْبُ وَاقِعٌ عَلٰی زَیْدٍ میں پھر یاد رہے کہ مفعول بننے والا مصدر اپنے سے پہلے فعل کے معنی میں ہونا شرط ہے اگر لفظوں یا باب کے اعتبار سے فعل سے الگ ہو گیا تب بھی وہ مفعول مطلق ہی کہلائے گا لفظوں میں الگ ہونے کی مثال قَعَدْتُ جُلُوْسًا (بیٹھا میں بیٹھنا) قُعُوْدٌ اور جُلُوْسٌ دونوں ہم معنی ہیں بمعنی بیٹھنا، اور باب کے اعتبار سے الگ ہونے کی مثال ہے اَنْبَتَ اللّٰہُ نَبَاتًا اگایا اللہ نے اگانا اَنْبَتَ کا باب اِفْعَال ہے اور نَبَاتٌ ثلاثی مجرد نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے لیکن اِنْبَاتٌ اور نَبَاتٌ دونوں کے معنی اُگنے کے ہیں لہٰذا مفعول مطلق ہونا درست ہے۔

فائدہ: مفعول مطلق تین فائدوں کے لئے ہوتا ہے (۱) تاکید (۲) نوع (۳) عدد، جب مفعول مطلق تاکید کے لئے آتا ہے تو وہ اپنے حال پر مصدر ہی رہے گا کسی اور وزن پر کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا اس نے مارا ہے مارا یعنی واقعی مارا ہے اردو اور عربی میں جب کوئی کسی کی بات کو یوں ہی سمجھے یقین نہ کرے تو اسے دو دفعہ کہہ کر پکا کیا جاتا ہے اور یقین دلایا جاتا ہے اس لئے مار کا ذکر دو دفعہ کیا گیا کہ یقیناً یہ فعل اور کام مار والا ہوا ہے، اور **مفعول مطلق نوعی** وہ کہلاتا ہے جو فعل کو کسی کی طرح کرنے یا ہونے کو ظاہر کرے یعنی ہیئت اور نوع کو ظاہر کرے اس قسم کے مفعول مطلق کو فِعْلَةٌ کے وزن پر لایا کرتے ہیں جیسے مَشٰی مِشْیَةَ الْمُخْتَالِ وہ متکبر کی چال چلا ایسے ہی جَلَسَ جِلْسَةَ الْقَارِیْ وہ قاری صاحب کی طرح بیٹھا اور **مفعول عددی** کو فَعْلَةٌ کے وزن پر لاتے ہیں یعنی بفتح الفاء اور مفعول عددی کو اسم مَرَّةٌ بھی کہتے ہیں جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبَةً میں نے ایک پٹائی کی یا ضَرَبْتُ ضَرْبَتَیْنِ میں نے دو پٹائیاں کی ایسے ہی جَلَسْتُ جَلْسَةً میں ایک نشست بیٹھا یا جَلْسَتَیْنِ میں دو نشست بیٹھا، یاد رہے کہ مفعول مطلق تاکیدی میں بھی مثل مفعول مطلق عددی اور نوعی کے تثنیہ جمع نہیں آیا کرتا

مفعول فیہ اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی کام ہوا ہو مفعول فیہ کا دوسرا نام ظرف بھی ہے جس کی دو قسمیں ہیں (۱) **ظرف زمان** (۲) **ظرف مکان**، ظرف بمعنی برتن چونکہ جس وقت یا جس جگہ میں کوئی کام ہوا گویا وہ جگہ یا وقت اس فعل اور کام کے لئے مثل برتن کے ہوگی فعل سے اصطلاحی فعل یعنی صیغہ اور کلمہ مراد نہیں ہے بلکہ فعل لغوی یعنی کام مراد ہے **فعل مذکور** کی قید سے ایسے اسماء زمان و مکان نکل جاویں گے جن سے پہلے فعل ذکر نہ کیا گیا ہو جیسے یَوْمُ الْجُمُعَةِ یَوْمٌ طَیِّبٌ کہ جمعہ کا دن شاندار دن ہے تو یَوْمُ الْجُمُعَةِ اس مثال میں مبتدا ہے۔

اصطلاحی مفعول فیہ نہ بنے گا کیونکہ فعل مذکور کے بعد نہیں ہے ہاں چونکہ یَوْمُ الْجُمُعَةِ زمانہ ہے جس میں کوئی نہ کوئی کام ضرور کیا گیا ہوگا اس لحاظ سے ظرف زمان کہلایا جا سکتا ہے۔

مفعول معہ: وہ اسم ہے کہ جو ایسے واؤ کے بعد لایا جاوے جو مع اور ساتھ کے معنی میں ہو، جیسے جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ پھر واؤ بمعنی مع کے بعد جو چیز آوے گی یعنی مفعول معہ کبھی تو اس کو فاعل کے ساتھ لگایا جاتا ہے کہ جیسا اسی مثال میں اور کبھی

مفعول بہ کے ساتھ لگایا جاتا ہے، جیسے کہیں كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ کہ تجھ کو مع زید کے ایک درہم بہت ہے تو اس میں زَيْدًا مفعول معہ کو کَ ضمیر جو مفعول بہ ہے کے ساتھ لگایا ہے یعنی کبھی مفعول معہ مصاحب اور ساتھی بنے گا فاعل کا اور کبھی مفعول بہ کا، **بعد از واو** کہہ کر ان اسموں کو نکالنا ہے جن کو واؤ بمعنی مع کے علاوہ کسی اور سے ساتھی بنا گیا ہو مثلاً مع سے جیسے جِئْتُ مَعَ زَيْدٍ کہ اس میں زَيْدٍ کو مفعول معہ نہیں کہیں گے ایسے ہی واؤ اور فاء کے بعد جیسے جَآءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو یا زَيْدٌ فَعَمْرٌو ان میں واؤ اور فاء کے بعد والے کو مفعول معہ نہیں کہیں گے بہر حال مفعول معہ کبھی تو فاعل کا مصاحب ہوگا یعنی وہ کام فاعل اور مفعول معہ دونوں سے ہوا جیسے آنا سردی اور جبّوں دونوں کا ہوا اور کبھی مفعول بہ کا مصاحب ہوگا یعنی دونوں پر وہ فعل واقع ہوگا جیسے مخاطب اور زید دونوں کو ایک درہم کافی ہوگا۔

مفعول لہ: وہ ہے کہ جس کی وجہ سے کوئی کام ہوا ہو جیسے قُمْتُ اِكْرَامًا لِزَيْدٍ میں کھڑا ہونا اکرام کی وجہ سے ہوا پھر کبھی مفعول لہ حاصل کرنے کے لئے وہ کام کیا جاتا ہے جیسے ضَرَبْتُهٗ تَادِيْبًا سلیقہ پیدا کرنے کے لئے جو مفعول لہ ہے مار کی گئی اور کبھی مفعول لہ موجود ہونے کی وجہ سے وہ فعل وجود میں آیا جیسے قَعَدَ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں لڑائی سے بوجہ بزدلی کے بیٹھ گیا یعنی بزدلی موجود ہونے کی وجہ سے جو مفعول لہ ہے یعنی فعل مذکور کا سبب ہے قعود اور بیٹھنا پایا گیا۔

حال: وہ ہے جو کسی کی حالت کو بیان کرے پھر جس کی حالت کو بیان کرے جس کو ذوالحال (حال والا) کہیں گے کبھی وہ فاعل ہوگا کبھی مفعول بہ اور کبھی دونوں جیسے جَآءَ زَيْدٌ رَاكِبًا فاعل کی حالت بیان کرنے کی مثال ہے کہ زید ذوالحال رَاكِبًا حال ذوالحال حال سے مل کر جاء کا فاعل ہو کر جملہ فعلیہ ہو جائے گا، اور ضَرَبْتُ زَيْدًا مَشْدُوْدًا مفعول کی حالت بیان کرنے کی مثال ہے کہ زید جو مفعول بہ ہے جب اس کی پٹائی ہوئی تو وہ بندھا ہوا تھا اس میں زید ذوالحال اپنے مشدودًا حال سے مل کر مفعول بہ ہو جائے گا، اور لَقِيْتُ زَيْدًا رَاكِبَيْنِ فاعل ومفعول دونوں کی حالت بیان کرنے کے لئے کہ متکلم کی زید سے ملاقات اس حال میں ہوئی کہ دونوں ہی سوار تھے تُ ضمیر اور زید دونوں پہلے ذوالحال ہوں گے اور پھر اپنے حال راکبین سے مل کر لَقِيَ فعل کے فاعل اور مفعول بہ بنیں گے پھر فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو جائے گا، ذوالحال ذو بمعنی والا حال بمعنی حالت صفت جس کی حال بیان کی جاتی ہے اس کو ذوالحال کہتے ہیں، کیونکہ وہ حال والا ہوتا ہے اور جس لفظ سے حالت بیان کریں اس کو حال کہتے ہیں **وآں غالبا معرفہ باشد** ذوالحال کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ اکثر اور غالبا معرفہ ہوتا ہے اگر کبھی نکرہ ہوگا تو اب حال بجائے مؤخر کے مقدم لانا ہوگا۔

سوال نکرہ کی صورت میں ذوالحال حال کی ترتیب کیوں بدل دی۔

جواب جب حال ایسے ذوالحال کی حال بیان کرے گا جو حالت نصبی میں ہو جیسے رَاَيْتُ رَجُلًا رَاكِبًا کہ اس میں رَجُلًا ذوالحال ہے اور بوجہ مفعول بہ ہونے کے منصوب ہے تو اب ان میں ذوالحال حال اور چاہے موصوف صفت دونوں ترکیبیں درست ہیں تو پتہ نہ چلتا کہ ذوالحال حال بنائیں یا موصوف صفت اس لئے پہچان رکھنے کے لئے ترتیب بدل دی، کیونکہ بدلی ہوئی

ترتیب میں پھر موصوف صفت کی ترکیب نہیں چلی گی، کیونکہ صفت اپنے موصوف سے پہلے نہیں آتی ہے۔

سوال پھر حالت نصبی کے علاوہ حال اپنی ترتیبی حالت پر بعد میں ذوالحال کے رہنا چاہئے تھا۔

جواب التباس تو واقعی صرف حالت نصبی میں ہی ہوتا ہے، کیونکہ حالت رفعی وجری میں حال منصوب ہوگا اور ذوالحال مرفوع ومجرور جس میں موصوف صفت بننے کا احتمال ختم ہو جاتا ہے کیونکہ موصوف صفت کا اعراب ہمیشہ ایک ہونا ضروری ہے تو اس میں اپنی ترتیب رہتے ہوئے بھی التباس نہ تھا لیکن آسانی کے لئے سب حالتوں کا ایک ہی حکم کر دیا کہ جب حال نکرہ ہوگا تو ذوالحال سے مقدم رہے گا، **وحال جمله نیز باشد** حال مفرد بھی تثنیہ بھی ہوتا ہے جمع بھی اور جملہ بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ خبریہ ہو پھر خبریہ چاہے اسمیہ ہو جائے یا فعلیہ اسمیہ کی مثال کتاب میں ہے رَأَیْتُ الْاَمِیْرَ وَهُوَ رَاکِبٌ میں نے بادشاہ کو دیکھا دراں حالانکہ وہ سوار تھا اس میں ھو مبتدا راکب خبر پھر جملہ ہو کر حال ہے اور اس سے پہلے واؤ حالیہ کہلاتا ہے فعلیہ کی مثال ہے جَآءَ زَیْدٌ یَضْحَکُ زید ہنستا ہوا آیا، یَضْحَکُ فعل فاعل سے مل کر جملہ ہو کر حال ہے زَیْدٌ کا جب حال جملہ بنے تو جملہ چونکہ مستقل ہوتا ہے تو ماقبل ذوالحال سے رابطہ کے لئے اب واؤ اور ضمیر دونوں یا صرف واؤ لایا جاتا ہے یہ تو جملہ اسمیہ میں ہوگا اور جملہ فعلیہ میں اگر مضارع مثبت ہو تو فقط ضمیر لانی ہوگی اور اگر مضارع منفیہ ہو یا ماضی خواہ مثبت یا منفی تو واؤ اور ضمیر یا کوئی ایک لاتے ہیں۔

فائدہ: حال جس طرح فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے کبھی ان کے متعلق کی حالت بیان کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے ضَرَبْتُ زَیْدًا قَائِمًا اَبُوْہُ (مارا میں نے زید کو جب کہ اس کا ابا کھڑا تھا)

سبق سی ویکم

وتمیز اسمیست کہ رفع ابہام کند از عدد چوں عِنْدِیْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا یا از وزن چوں عِنْدِیْ رِطْلٌ زَیْتًا یا از کیل چوں عِنْدِیْ قَفِیْزَانِ بُرًّا یا از مساحت چوں مَا فِی السَّمَآءِ قَدْرُ رَاحَةٍ سَحَابًا **ومفعول به** اسمیست کہ فعلِ فاعل برو واقع شود چوں ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًوا بدانکہ ایں ہمہ منصوبات بعد از تمامی جملہ باشد و جملہ بفعل و فاعل تمام شود بدیں سبب گویند کہ اَلْمَنْصُوْبُ فَضْلَةٌ.

ترجمہ عبارت - اور **تمیز** ایسا اسم ہے کہ جو ابہام کا دفعیہ کرتا ہے گنتی سے جیسے عِنْدِیْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا یا تول سے جیسے عِنْدِیْ رِطْلٌ زَیْتًا (میرے پاس ایک رطل ہے زیتون تیل کا) یا ناپ سے جیسے عِنْدِیْ قَفِیْزَانِ بُرًّا جیسے (میرے پاس دو قفیز ہیں گیہوں کے) یا پیمائش سے جیسے مَا فِی السَّمَآءِ قَدْرُ رَاحَةٍ سَحَابًا (آسمان میں ہتھیلی کے برابر بھی بادل نہیں ہے) اور **مفعول به** ایسا اسم ہے کہ فاعل کا فعل اس پر واقع ہو جیسے ضَرَبَ زَیْدًا عَمْرًوا زید نے عمرو کی پٹائی کی جان لو کہ یہ سب

منصوبات جملہ کے مکمل ہونے کے بعد آتے ہیں اور جملہ فعل فاعل سے مکمل ہو جاتا ہے اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ منصوبات (جملہ سے) فالتو چیز ہے۔

حل مضمون- یہاں سے **تمییز** کا بیان ہے کہ جو ابہام اور گول مول پنے کو دور کرے پھر جس کا ابہام دور کرے اس کو **مُمیَّز** بصیغہ اسم مفعول کہتے ہیں اور جو ابہام کو دور کرے اس کو ممیِّز بکسر الیاء بصیغہ اسم فاعل یا تمییز (مصدر تفعیل کے وزن پر) کہتے ہیں پھر جس کا ابہام دور کیا جاتا ہے یعنی مُمَیَّز کی دو قسم ہیں یا تو مُمَیَّز **مفرد** ہوگا، یا **غیر مفرد**۔

سوال مفرد غیر مفرد کا مطلب کیا ہے۔

جواب تمیز کے بیان میں **مفرد** سے مراد یہ ہے کہ جملہ یا شبہ جملہ یا مضاف نہ ہو یعنی جس کا ابہام دور کر رہے ہو یعنی **مُمَیَّز** وہ نسبت نہ ہو جو جملہ یا شبہ جملہ یا مضاف الیہ میں پائی جاتی ہے، کیونکہ جملہ یا شبہ جملہ میں فعل کی فاعل کی طرف نسبت میں جو ابہام ہے یا مضاف کی نسبت میں مضاف الیہ سے جو ابہام ہے اسی قسم کے ابہام کا نام **غیر مفرد** کا ابہام کہلائے گا، کیونکہ نسبت نام ہے دو چیزوں کے آپسی تعلق کا جو مرکبات میں ہی ہو تی ہے خواہ وہ مرکب تام ہو جیسے جملہ یا شبہ جملہ یا مرکب ناقص ہو جیسے کہ مرکب اضافی طاب زیدٌ نفسًا جملہ میں ابہام کی مثال ہے زید افضل ابًا یہ شبہ جملہ میں ابہام کی ہے اور اَعْجَبَنِیْ طِیْبُہٗ نَفْسًا مضاف مضاف الیہ میں ابہام کی مثال ہے، اور **مفرد** کا ابہام یہ ہے کہ اس میں جو چیز سماتی ہے یا بھری جاتی ہے اس کا پتہ نہیں ہے کہ وہ کیا چیز ہے اور کس چیز سے بھری ہوتی ہے، بہرحال **غیر مفرد** یا یوں کہو کہ نسبت کے ابہام کا ذکر اور اس کی مثال سبق بست ونہم میں آچکی تھی، اب یہاں مصنف صرف **مفرد** کے ابہام دور کرنے والی تمیز کا بیان کر رہے ہیں، پھر **مفرد** سے ابہام دور کرنا یا تو **مقدار** سے ہوگا یا **غیر مقدار** سے۔

سوال مقدار اور **غیر مقدار** کا کیا مطلب ہے۔

جواب مقدار کہتے ہیں جس سے کسی چیز کا ناپ یا تول یا عدد یا اندازہ معلوم ہو جائے **مِقْدَار** اسم آلہ ہے مایُقَدَّرُ به الشَّیْئُ جس سے کسی چیز کا اندازہ کیا جاوے اس کو **مقدار** کہتے ہیں لیکن اب زبردست **اعتراض** یہ ہے کہ مقدار کی جو مثالیں ہیں مثلاً عِنْدِیْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا اور عِنْدِیْ رِطْلٌ زَيْتًا اور عِنْدِیْ قَفِيْزَانِ بُرًّا ان سب کے اندر ابہام مقدار میں تو ہے نہیں، کیونکہ اَحَدَ عَشَرَ اور رِطْلٌ اور قَفِيْزَان مقدار کو بتا رہے ہیں اور صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اول مثال میں گیارہ دوسری میں ایک رطل اور تیسری میں دو قفیز اس کے پاس ہیں اور ابہام اول مثال میں اس میں ہے کہ وہ گیارہ ہے کیا چیز اسی طرح دوسری میں **مقدار** تو معلوم ہے کہ ایک رطل ہے لیکن وہ رطل ہے کس چیز کا اس کا پتہ نہیں تھا زیتًا سے اس کا پتہ کرا کے ابہام دور کیا ہے تو تمہارا یہ کہنا کہ مصنف یہاں سے مقدار کے ابہام دور کرنے کی مثالیں ذکر کر رہے ہیں کیسے درست ہے **جواب مقدار** سے مراد یہاں مُقَدَّرٌ بصیغہ اسم مفعول ہے یعنی جس کی **مقدار** بتائی گئی یا جس کا اندازہ بتایا گیا ہے تو گویا عِنْدِیْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا میں مقدار تو معلوم ہے کہ گیارہ ہے لیکن کس کی مقدار ہے گیارہ وہ مجہول اور مبہم ہے پھر دِرْهَمًا سے طے کر دیا کہ وہ گیارہ

عددوالی چیز درہم ہے ایسے ہی عندی رطل زیتا میں مقدار تو معلوم ہے کہ ایک رطل ہے لیکن کس چیز کا ہے یہ رطل اور کس کی مقدار ایک رطل بتائی جارہی ہے وہ مبہم ہے جس کو زیتًا سے دفع کیا ہے بہر حال چیزوں کی مقدار جاننے کے مختلف طریقے ہیں:

(۱) **بذریعہ عدد** یعنی گن کر۔

(۲) **بذریعہ وزن** یعنی تول کر جیسے کلو رطل آدھی کلو کا ہوتا ہے، کیونکہ رطل کی مقدار ۴۰ تولہ لکھی ہے اور پہلے زمانہ میں اسی ۸۰ تولہ کا سیر پکا ہوتا تھا جس کو کلو کہا جاتا تھا تو اس حساب سے رطل آدھی کلو کے وزن کو کہتے ہیں اور منّ بمعنی سیر اور سیر بھی پکا جو اسی تولہ کا ہوتا ہے تو منوان تثنیہ ہے یعنی دو منّ اور دو سیر اب منوان سید ھا دو کلو کا وزن بن گیا بہر حال رطل اور منوان دونوں وزن اور تول کی مثالیں ہیں۔

(۳) **بذریعہ کیل** یعنی ناپ کر جیسے پاؤ آدھا کلو دودھ یا تیل ناپ کر لیتے ہیں بہر حال قفیز بارہ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع پونے دو کلو کا، کیوں کہ فطرہ جو دیا جاتا ہے وہ ایک صاع ہوتا ہے جو تقریبًا پونے دو کلو بنتا ہے اس لحاظ سے بارہ صاع تقریبًا ۲۱ کلو کا ہوتا ہے دو قفیز ۴۲ کلو کے ہو جائیں گے یہ صرف تقریبی وزن ہے ورنہ تحقیقی اس سے کم بنے گا کیونکہ صاع کی یہ مقدار جو صدقۃ الفطر میں ہے اور دی جاتی ہے محض تقریبی ہے نہ کہ تحقیقی بہر حال قفیز ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ ناپ کر دیا جاتا ہے تو عندی قفیزان میں مقدار تو طے ہے کہ دو قفیز ہیں لیکن کس چیز کے ہیں یہ دو قفیز چاول کے یا گندم یا اور کسی چیز کے اس میں ابہام ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کہہ دیا کرتے ہیں میرے پاس دو بوریاں ہیں لیکن کہیں کی اس میں ابہام ہے جب اس کے بعد کہا چاول یا گندم کی تو ابہام ختم ہو گیا۔

(۴) **بذریعہ مساحت** ناپ کر پھر ناپ کبھی تو برتن سے ہوتا ہے جس کو کیل کہتے ہیں اور کبھی گز فیتا یا ہاتھ سے یہاں دوسرے والا ناپ مراد ہے اس کی مثال ہے عندی ذراعٌ ثوبًا کہ میرے پاس ایک ہاتھ کپڑا ہے یا مافی السماء قدر راحة سحابًا کہ آسمان میں ہتھیلی کے برابر بھی بادل نہیں ہے، **ذراع** کہنی سے ہاتھ کی بیچ کی انگلی کے اخیر تک کو کہتے ہیں۔

(۵) **بذریعہ مقیاس** یعنی محض انکل اور اندازہ سے کسی چیز کی مقدار معلوم کرنا اس کو مقیاس کہتے ہیں جیسے عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے زُبْدًا بضم الزاء وسکون الباء مکھن جب یہ کہا کہ کھجور پر اسی کے برابر ہے تو ابہام ہوا کہ کھجور پر اسی کے برابر کیا ہے اس ابہام کو دور کیا کہ وہ مکھن ہے۔

بہر حال مقدار کی پانچ قسمیں ہو گئی ہیں (۱) عدد (۲) وزن (۳) کیل (۴) مساحت (۵) مقیاس ان پانچوں سے یہاں اسم مفعول کے معنی لینے ہوں گے یعنی معدود اور موزون اور مکیل اور ممسوح اور مقیس کیونکہ ابہام بجائے عدد کے معدود میں اور بجائے وزن کے موزون میں اور بجائے کیل کے مکیل میں اور بجائے مساحت کے ممسوح میں اور بجائے مقیاس کے مقیس میں ہے بہر حال **مقدار** سے ابہام دور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز سے ابہام دور کرے جو مقدار کی پانچ قسموں میں سے کسی مقدار کو بتلاتی اور ظاہر کرتی ہے او ر وہ ابہام ایسی چیز سے دور کیا جن سے مقدار کا کوئی پتہ نہیں چلتا تو وہ

غیر مقدار سے ابہام دور کرنا کہلائے گا جیسے عندی خاتم حدیدا میرے پاس انگوٹھی ہے لیکن چاندی کی یا سونے کی یا لوہے کی ابہام تھا جس کو حدیداً سے ختم کر دیا، پھر یاد رہے کہ **مفرد غیر مقدار** کی تمیز یہ منصوب مفرد ہے لیکن عام طور سے مجرور مضاف الیہ ہی تمیز آیا کرتی ہے جیسے عندی خاتم حدید میرے پاس لوہے کی انگوٹھی ہے **مفعول بہ اسمیت** جس کے ساتھ وہ کام ہوا یا جس کے ساتھ پایا گیا ہو اس کو مفعول بہ کہتے ہیں جیسے ضَرِبَ زَیْدٌ الشَّایَ زید نے چائے پی یہ پیا چائے کا ہوا لہٰذا چائے معول بہ کہلائے گا کیونکہ پینا اسی پر واقع ہوا ہے اسی طرح کَتَبَ زَیْدٌ رِسَالَۃً زید نے ایک خط لکھا یہ لکھنا خط کا ہوا لہٰذا خط مفعول بہ ہے۔

بدانکہ ایں ھمہ: فَضْلَۃٌ بفتح الباء فالتو اور زائد چیز کو کہتے ہیں فعل فاعل کے علاوہ جتنے مفعول ہیں خواہ وہ مفعول مطلق ہو یا بہ ہو یا لہ یا معہ یا فیہ یا حال یا تمیز یا مستثنیٰ یہ سب اصل جملہ سے فالتو شمار کئے جاتے ہیں اور سب کے سب منصوب ہوتے ہیں اسی لئے کسی بھی جملہ میں فعل کے بعد فاعل یا نائب فاعل کو رفع دے کر باقی سب چیزوں کو منصوب پڑھو کسی جھجک کی ضرورت نہیں ہے بس نائب فاعل اور فاعل کا دھیان رکھو کہ ان کو رفع آ جائے **سوال** فعل فاعل کے علاوہ اور چیزوں کو فالتو کیوں بتادیا **جواب** جملہ چاہے فعلیہ ہو اور چاہے اسمیہ متکلم اور سامع کے پیش نظر دونوں میں یہ بات ہوئی ہے کہ کیا کام ہوا اور کس نے کیا اور کیا خبر ہے اور کس کے متعلق ہے اول جملہ فعلیہ میں ہوتا ہے اور دوسری بات اسمیہ میں ہوتی ہے تو جب کسی نے دونوں چیزیں بتلا دیں اصل مقصود حاصل ہو گیا کہ فلاں کام فلاں نے کیا اور فلاں خبر فلاں سے متعلق ہے، اب یہ کہ وہ کام کب کیا اور کہاں کیا (یعنی مفعول فیہ کا ذکر) اور کس حال میں کیا (یعنی حال کا ذکر) اور کس کے ساتھ کیا (یعنی مفعول معہ کا ذکر) اور وہ کام کس پر واقع ہوا (یعنی مفعول بہ کا ذکر) اور کس وجہ سے وہ کام کیا (یعنی مفعول لہ) وغیرہ سب چیزیں مقصود بالذات بہت کم ہوتی ہیں الا ماشاء اللہ کبھی کبھار مقصود ہو گئی تو ہو گئیں ورنہ عام طور سے زیادتی فائدہ کے لئے ان کو لایا جاتا ہے اصل مقصود مسند اور مسند الیہ سے حاصل ہو جاتا ہے جملہ اسمیہ میں مبتدا مسند الیہ خبر مسند کہلاتی ہے اور جملہ فعلیہ میں فعل مسند فاعل مسند الیہ کہلاتا ہے۔

سبق سی و دوم

فصل بدانکہ فاعل بر دو قسم است مظہر چوں ضَرَبَ زَیْدٌ و مضمر بارز چوں ضَرَبْتُ مستتر یعنی پوشیدہ چوں زَیْدٌ ضَرَبَ کہ فاعلِ ضَرَبَ ھُوَ است در ضَرَبَ مستتر **بدانکہ** چوں فاعل مؤنث حقیقی باشد یا ضمیر مؤنث علامت تانیث در فعل لازم باشد چوں قَامَتْ ھِنْدٌ وَھِنْدٌ قَامَتْ ای ھِیَ و در مظہر مؤنث غیر حقیقی و در مظہر جمع تکسیر دو وجہ روا باشد چوں طَلَعَ الشَّمْسُ وَطَلَعَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ الرِّجَالُ وَقَالَتِ الرِّجَالُ قسم دوم مجہول **بدانکہ** فعل مجہول بجائے فاعل مفعول بہ را برفع کند

وباقی را نصب کند چوں ضُرِبَ زَیْدٌ یَوْمَ الْجُمْعَةِ اَمَامَ الْاَمِیْرِ ضَرْبًا شَدِیْدًا فِیْ دَارِهٖ تَادِیْبًا وَالْخَشْبَةَ وفعل مجہول را فعل مالم یسم فاعلہ گویند و مرفوعش را مَفْعُوْلُ مَالَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهٗ گویند۔

ترجمہ عبارت- جان تو کہ فاعل دو قسم پر ہے(۱) اسم ظاہر جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ (۲) اور ضمیر بارز جیسے ضَرَبْتُ اور مستتر یعنی چھپی ہوئی جیسے زَیْدٌ ضَرَبَ کہ ضَرَبَ کا فاعل ھو ہے ضَرَبَ میں پوشیدہ جان تو کہ جب فاعل مؤنث حقیقی ہو یا ضمیر مؤنث ہو تو مؤنث ہونے کی علامت فعل میں ضروری ہوگی جیسے قَامَتْ هِنْدٌ اور هِنْدٌ قَامَتْ یعنی هی اور اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی میں اور اسم ظاہر جمع تکسیر میں دو صورت جائز ہے جیسے طَلَعَ الشَّمْسُ وَطَلَعَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ الرِّجَالُ وَقَالَتِ الرِّجَالُ، دُوسری قسم **فعل مجہول** ہے جو بجائے فاعل کے مفعول بہ کو رفع کرتا ہے اور باقی کو نصب جیسے ضُرِبَ زَیْدٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَمَامَ الْاَمِیْرِ ضَرْبًا شَدِیْدًا فِیْ دَارِهٖ تَادِیْبًا وَالْخَشْبَةِ (مارا گیا زید جمعہ کے روز بادشاہ کے آگے سخت مارا جانا اس کے گھر میں تہذیب وسلیقہ سکھانے کے لیے ڈنڈے کے ساتھ) اور فعل مجہول کو فِعْلُ مَالَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهٗ کہتے ہیں اور اس کے مرفوع (نائب فاعل) کو **مَفْعُوْلُ مَالَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهٗ** کہتے ہیں۔

حل مضمون- **فاعل** جو بنے گا تین طرح کا ہوتا ہے کبھی تو اسم ظاہر بنتا ہے جیسے خَرَجَ زَیْدٌ یَاذْهَبُ زَیْدٌ اور کبھی فاعل ضمیر ہوتی ہے پھر ضمیر ایک بارز ہوتی ہے ایک مستتر **سوال** بارز اور مستتر کسے کہتے ہیں **جواب** جو ضمیر فعل کے ساتھ مل کر آوے اور ظاہری وجود بھی رکھتی ہو کہ بولنے پڑھنے میں لکھنے میں آتی ہو جیسے ضَرَبْتُ ضَرَبْتَ وغیرہ میں تاء مضموم اور تاء مفتوح فاعل بننے کے ساتھ ادائیگی اور اپنے وجود کے ساتھ موجود ہے اور جو ضمیر فعل کے اندر مانی جائے اور ذہن ذہن میں اس کو سمجھا جاوے اس کو مستتر کہتے ہیں جیسے زَیْدٌ ضَرَبَ میں زید مبتدا ہے اس کو فاعل نہیں کہہ سکتے جب تک کہ یہ ضَرَبَ سے مقدم ہے اور ضَرَبَ فعل ہے اس میں ایک ضمیر مان رکھی ہے جو زید کی طرف لوٹے گی اور وہ هُوَ ہے بہرحال ضَرَبَ کے اندر فاعل بننے والی چیز اس میں چھپی ہوئی ضمیر هُوَ ہے جس کو ضمیر مستتر کہیں گے۔

سوال- زَیْدٌ ضَرَبَ میں زید کو ضَرَبَ کا فاعل کیوں نہیں بنا سکتے الگ سے ضَرَبَ میں ھو مان کر اس کو فاعل بنانے کی مجبوری کیوں ہے۔

جواب- فاعل اپنے فعل سے پہلے نہیں آتا کیونکہ فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اس کا یہ عمل سیدھی ترتیب پر کہ فاعل فعل ہی کے بعد آوے کارگر ہے معمول کے اپنے عامل سے مقدم ہونے کی صورت میں عمل باطل ہو جاتا ہے لہٰذا ضَرَبَ کا عمل زید کے بجائے اس ضمیر میں ہے جو ضَرَبَ میں پوشیدہ ہے اور اس کا فاعل ہے اور زید کا مرفوع ہونا بوجہ مبتدا ہونے کے ہوگا۔

بدانکہ چوں فاعل مؤنث حقیقی الخ: یہاں سے فعل اور فاعل کے آپس میں ایک دوسرے کے مذکر ومؤنث ہونے میں مطابق ہونے کو بتلاتے ہیں کہ دو صورتوں میں فعل کا مؤنث لانا ضروری رہے گا (۱) فاعل مؤنث حقیقی ہو، مؤنث حقیقی وہ ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی نر حیوان ہو جیسے عورت کے مقابلہ میں مرد اور گھوڑی کے مقابلہ میں گھوڑا یا اونٹنی کے

مقابلہ میں اونٹ تو جب فاعل ایسا مؤنث بنے گا تو فعل بھی مؤنث لانا واجب ہوگا جیسے قَامَتْ خَدِیْجَۃُ کہ خدیجہ کھڑی ہے یا اَکَلَتْ زَیْنَبُ زینب نے کھالیا (۲) فاعل ایسی ضمیر ہو جو مؤنث حقیقی کی طرف لوٹتی ہو جیسے ھِنْدٌ قَامَتْ ھِنْدٌ عورت کا نام ہے عام طور سے مردانہ مثال کے لئے زید و بکر کو لایا جاتا ہے اور زنانہ مثال کے لئے کتابوں میں ھِنْدٌ کو لایا جاتا ہے اسی لئے ہند عورتوں کے لئے علم جنس ہے جیسا کہ مردوں کے لئے زید اور بکر علم جنس ہیں، بہر حال یہ مؤنث حقیقی ہے قَامَتْ کی ضمیر جو اس میں پوشیدہ ہے یعنی ھی اسی ہند کی طرف لوٹے گی اور یہاں ھند کو قامت کا فاعل نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ مبتدا ہے اور قامت کا فاعل اس کے اندر کی ضمیر مستتر کو بنایا جائے گا ھند کی قامت کا فاعل کیوں نہیں بنا سکتے ابھی پیچھے وجہ آچکی ہے۔

فائدہ: مؤنث کی طرف لوٹنے والی ضمیر اگر فاعل بنے تو فعل کا مؤنث آنا ضروری ہے یہ مؤنث حقیقی کی طرف لوٹنے والی ضمیر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ غیر مؤنث حقیقی کی طرف جو ضمیر لوٹتی ہے اس کا فعل بھی مؤنث ہونا ضروری ہے جیسے اَلشَّمْسُ طَلَعَتْ میں طَلَعَتْ کی ضمیر کا مرجع مؤنث غیر حقیقی ہے اور فعل مؤنث آرہا ہے اور آئے گا، **سوال** ان تین صورتوں میں فعل کا مؤنث لانا کیوں واجب ہے **جواب** اسم ظاہر مؤنث حقیقی کے فاعل ہونے کی صورت میں تو اس لئے کہ فاعل لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے مؤنث ہے تو تانیث میں انتہائی طاقتور ہونے کی وجہ سے اپنے فعل تک کو مؤنث آنے پر مجبور کردیا **سوال** لفظ ومعنیً مؤنث کس طرح **جواب** چونکہ جو لفظ مؤنث ذات پر بولا جاتا ہے وہ مؤنث ہی ہوتا ہے جیسے اُخْتٌ بِنْتٌ اُمٌّ یہ لفظ مؤنث بن گئے مؤنثوں پر بولے جاتے کی وجہ سے اور معنیً اس لئے کہ ان لفظوں سے جن ذاتوں کو مراد لیا گیا وہ سب مؤنث ہیں ہی اور معنی کہتے ہیں کہ کسی لفظ سے جو مراد لیا جائے وہی اس کے معنی ہیں اور مؤنث حقیقی اور غیر حقیقی کی ضمیر کے فاعل ہونے کے وقت فعل کا مؤنث لانا اس لئے واجب ہے کہ ان دونوں ضمیروں کا مرجع اور مصداق مؤنث ہو رہے ہیں لہٰذا فعل بھی مؤنث لایا جاوے گا، تا کہ فعل ہی سے فاعل کے مؤنث ہونے کا علم ہو جاوے ورنہ فاعل کے مذکر ہونے کا اشتباہ بھی لگ سکتا ہے۔

ودر مظہر مؤنث غیر حقیقی الخ: اسم ظاہر مؤنث حقیقی اور اس کی ضمیر کے حکم کو بیان کردیا ہے کہ ان کا فعل مؤنث آئے گا نیز مؤنث غیر حقیقی کی ضمیر کا حکم بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جو ضمیر مؤنث غیر حقیقی کے لئے ہو اس کا فعل بھی مؤنث ہونا ضروری ہے اب چوتھی شکل یہ باقی ہے کہ فاعل خود مؤنث غیر حقیقی اسم ظاہر ہو تو اس کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جب فاعل ایسا اسم ظاہر بنے جس سے ایسی چیز مراد ہو جو مؤنث غیر حقیقی ہے تو اس کا فعل دونوں طرح لانا جائز ہے مذکر بھی اور مؤنث بھی چنانچہ الشمس جو مؤنث غیر حقیقی ہے اور اسم ظاہر ہے کا فعل چاہے مذکر لے آؤ اور چاہے مؤنث طلع الشمسُ بھی کہنا درست ہے اور طلعت الشمسُ بھی ٹھیک ہے، یہی حکم ہے اسم ظاہر جمع تکسیر کا جمع تکسیر جس کا واحد کا وزن جمع بنانے کے بعد جوں کا توں باقی نہ رہے جیسے رَجُلٌ سے رِجَالٌ ایسی جمع تکسیر جب کہ وہ اسم ظاہر ہو نہ کہ اس کی ضمیر جو جمع تکسیر کی طرف لوٹ رہی ہو تو اس میں بھی فعل مذکر و مؤنث دونوں طرح لانا ٹھیک ہے قَالَ الرجالُ اور قَالَتِ الرجال (مردوں نے کہا دونوں کا ترجمہ یہی ہوگا) دونوں کہہ سکتے ہیں ان دو شکلوں کے علاوہ تیسری شکل اور بھی ہے جس میں فعل کو مذکر و مؤنث دونوں لانا جائز ہے

اور وہ یہ ہے کہ فاعل ہو تو مؤنث حقیقی لیکن فعل فاعل کے بیچ میں فصل اور جدائی کا کلمہ آیا جیسے **حَضَرَتْ فِی الْقَرْیَۃِ اِمْرَاۃٌ** کہ بستی میں ایک عورت آئی اس میں **حضرَ فی القریۃ امراۃٌ** بھی درست ہے، اور اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی میں جب بلا فصل کے ہی فعل کو مؤنث اور مذکر دونوں لایا جاسکتا ہے تو فصل کی صورت میں بدرجہ اولیٰ اختیار ہے جیسے **طلعت الیوم الشمسُ** اور **طلع الیوم الشمسُ** دونوں ٹھیک ہے۔ بہر حال تین صورتوں میں فعل مؤنث اور مذکر دونوں لائے جاسکتے ہیں (۱) فاعل جب اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی ہو جیسے **طلع الشمسُ وطلعت الشمسُ** (۲) جمع تکسیر کے فاعل ہونے کی صورت میں بھی دونوں باتیں درست ہے جیسے **قال الرجال قالت الرجال** (۳) فعل اور فاعل کے درمیان جب فصل موجود ہو جیسے **حَضَرَ القاضی امراۃٌ** اور **حَضَرَتِ القاضی امراۃٌ** (کہ عورت قاضی کے پاس آئی) لیکن اب ایک **اعتراض** ہوتا ہے کہ مؤنث حقیقی اسم ظاہر کے فاعل ہونے کی صورت میں جب فعل کا مؤنث لانا ضروری ہے تو قرآن میں **وَقَالَ نِسْوَۃٌ فِی الْمَدِیْنَۃِ** کے اندر نسوۃ اسم ظاہر مؤنث حقیقی کے ساتھ **قَالَ** فعل مذکر کیوں آیا ہے **قالت** کیوں نہ کہا **جواب** **نِسْوَۃٌ** مؤنث حقیقی تو ہے لیکن مفرد کے بجائے جمع ہے اور جمع مؤنث حقیقی کا حکم مفرد مؤنث حقیقی سے الگ ہے **سوال** وہ کیا ہے **جواب** مؤنث حقیقی اگر جمع ہو تو اس کا فعل مذکر اور مؤنث دونوں طرح لانا جائز ہے، اب ذیل میں وہ سب صورتیں بیان کرتے ہیں جن میں فعل مذکر اور مؤنث دونوں طرح لانا درست ہے ان میں سے تین شکلیں تو وہی ہیں جو ابھی پیچھے آچکی ہیں (۱) کہ فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو (۲) فاعل جمع تکسیر ہو (۳) فعل فاعل میں فصل آرہا ہو، **چوتھی** صورت یہ ہے کہ فاعل جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی اور جمع ہو پھر جمع مذکر سالم کے علاوہ اور جمع عام ہے چاہے وہ جمع مؤنث سالم ہو یا جمع تکسیر ہو پھر جمع تکسیر میں بھی چاہے حقیقی مؤنث جمع تکسیر ہو جیسے **نِسْوَۃٌ** یا مجازی مؤنث جمع تکسیر ہو جیسے **دُوْرٌ** جو دار مؤنث سماعی کی جمع ہے یا مذکر حقیقی جمع تکسیر ہو جیسے **رجال** یا مذکر مجازی جمع تکسیر ہو جیسے **ایام** یوم کی جمع تو ان پانچوں قسم کی جمع میں فعل کے اندر تاء مؤنث لانا اور چھوڑنا دونوں جائز ہے بہر حال مذکورہ کلام سے سمجھ میں آگیا ہے کہ جمع تکسیر چاہے عقلاء کے لئے ہو مذکر ہو یا مؤنث جیسے **نِسَآءٌ** اور **رجالٌ** یا غیر عقلاء کے لئے مذکر ہو و مؤنث جیسے **دُوْرٌ** اور **ایامٌ** اور ایسے ہی جمع مؤنث سالم ان سب کے فاعل ہونے کی صورت فعل کی تانیث اور تذکیر دونوں کی گنجائش ہے اسی سے **وَقَالَ نسوۃ** کا **جواب** بھی نکل آیا یہ تفصیل خود ان کے اپنے فاعل بننے کی صورت میں ہے لیکن اگر ان مذکورہ صورتوں میں ان کی ضمیر فاعل بنے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ ضمیر ایسی جمع تکسیر کی ہے جو مذکر عاقل ہے تو اس میں فعل واحد مؤنث اور جمع مذکر دونوں لانا درست ہے جیسے **الرجال جَآءَتْ** اور **الرجالُ جَآءُوْ** دونوں کہہ سکتے ہیں واحد مؤنث تو اس لئے کہ یہ جمع مذکر عاقل لفظ **جماعۃ** کی تاویل میں ہوگا اور جمع مذکر اس لئے کہ جمع مذکر عاقل کے افراد کے لئے واؤ آتا ہے جیسا کہ جمع مذکر سالم میں بھی واؤ آتا ہے، اور اگر وہ ضمیر ایسی جمع تکسیر کی طرف لوٹتی ہے جو جمع مؤنث ہو خواہ مؤنث حقیقی ہو جیسے **نِسَآءٌ** یا مؤنث سماعی ہو جیسے **عُیُوْنٌ** (عین کی جمع) یا جمع مذکر غیر عاقل ہو جیسے **اَیَّام** تو ان تینوں صورتوں میں فعل واحد مؤنث اور جمع مؤنث دونوں لاسکتے ہیں چنانچہ مثلاً **النساء فَعَلَتْ** اور **فَعَلْنَ** ایسے **العُیُوْنُ جَرَتْ** اور **جَرَیْنَ** اور **الایام مَضَتْ** اور

مَضَيْنَ دونوں کہنا ٹھیک ہے۔

سوال: ان تینوں صورتوں میں دونوں فعل لانا کیوں درست ہوا **جواب** جمع مؤنث خواہ حقیقی ہو یا سماعی مؤنث کی ضمیر اگر نساء کی طرف بتاویل جماعۃ ہے تو واحد مؤنث فعل عقل کا تقاضہ ہے ہی اور اگر نساء سے عورتوں کے افراد مراد لیا جاوے تو جمع مؤنث کا صیغہ جو نون لگانے سے بنایا گیا مطابق عقل ہے کیونکہ نون جمع مؤنث کے لئے وضع ہوا ہی ہے اور اگر جمع مذکر غیر عاقل ہے جیسے ایام تو چونکہ اس کا مذکر ہونا رجال جیسے مذکر ہونا نہیں ہے کیونکہ حقیقی مذکر تو وہ ہے جس کے مقابلہ میں کوئی مادہ یا پیشاب گاہ والی چیز ہو تو اس کے اصلی مذکر نہ ہونے سے اس کو بھی مؤنث کا درجہ دیدیا اور بتاویل جماعۃ اس کا فعل واحد مؤنث اور افراد مراد ہونے کی صورت میں جمع مؤنث فعل لانا ٹھیک ہوگا بعض علماء نحویین جیسے رضی اور صاحب حواشی ہندیہ کا کہنا یہ بھی ہے کہ جمع مؤنث کا نون اصل تو جمع مؤنث غیر عقلاء کے لئے وضع ہے جیسے الاَيَّامُ مَضَيْنَ یا خَلَوْنَ کہتے ہیں پھر جمع مؤنث عقلاء کے لئے بھی یہ استعمال ہونے لگا جیسے النِّسَاءُ ذَهَبْنَ (عورتیں چلی گئیں) **سوال** عقلاء کو غیر عقلاء کے تابع کیسے کردیا **جواب** حقیقت میں عورتیں اور خواتین غیر عقلاء ہی کے درجہ میں ہیں اپنی عقل کی کمی کی وجہ سے اسی لئے شریعت نے دو عورتوں کو ایک گواہ کا درجہ دیا جس کی وجہ قرآن نے یہ بتائی ہے کہ اگر ایک بھول جاوے تو دوسری یاد دلادے تو دو عورتیں مل کر جب ایک گواہ بنتا ہے نیز حدیث میں ہے هُنَّ ناقصاتُ العقلِ والدينِ کہ عورتوں کا دین بھی کم اور عقل بھی کم ہے عقل کم ہونا تو اس وجہ سے کہ انہیں بھول ہوتی ہے اور دوسرے بحث و مباحثہ میں کھل کر گفتگو ان کے بس سے باہر ہے کما قال تعالیٰ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُ فِي الحلية وهو في الخصام غير مبين اور دین میں کم ہونا بھی ظاہر کہ جمعہ جماعت عیدین جہاد اور حالت حیض میں نماز قرآن سے محروم رہتی ہیں، اب رہا مسئلہ جمع مذکر سالم کا کہ جب یہ فاعل بنے تو کیسا فعل آئے گا اور اس کی ضمیر فاعل بنے تو کیسا فعل لاویں گے **جواب** جب جمع مذکر سالم فاعل بنے گا تو فعل ہمیشہ واحد مذکر لایا جائے گا، کیونکہ اسم ظاہر کے فاعل ہونے کی صورت میں فعل واحد ہی آتا ہے جیسے جَاءَ الزَّيْدُوْنَ اور چونکہ مذکر ہے تو فعل کے مؤنث ہونے کا کوئی جواز ہے ہی نہیں، اور جب اس کی ضمیر فاعل بنے تب بھی جمع مذکر غائب کا صیغہ آتا ہے مؤنث واحد نہیں لاسکتے چنانچہ الزَّيْدُوْنَ جَاءُوْا ٹھیک ہے نہ کہ الزيدون جاءت، اور واو جمع مذکر عاقلوں کے لئے ہی وضع ہے۔

بدانکه فعل مجهول بجائے فاعل مفعول به بنصب کند الخ: فعل مجہول کا عمل بیان کررہے ہیں (فعل معروف کا عمل اس باب کے شروع میں بیان ہوچکا ہے) یاد رہے کہ فعل مجہول ہمیشہ ایسے فعل سے بنتا ہے جو متعدی ہو جیسے ضَرَبَ، سَمِعَ، غَسَلَ اور جو فعل لازم ہو جیسے ضَحِکَ یا نَامَ ان سے فعل مجہول نہیں بنے گا وجہ اس کی ظاہر ہے کہ فعل مجہول میں فاعل کے بجائے مفعول بہ کو رفع دیا جاتا ہے اور مفعول بہ کو فاعل کی جگہ میں رکھا جاتا ہے اور یہ مفعول بہ کا فاعل کی جگہ میں رکھا جانا فعل متعدی میں ہی ہوسکتا ہے فعل مجہول کا مفعول بہ ہوتا ہی نہیں ہے تو کس کو رکھیں گے پھر ہر فعل کے لئے فاعل ہونا تو ضروری ہے بغیر فاعل کوئی فعل وجود میں نہیں آسکتا تو فعل مجہول وہ نہیں ہے کہ اس کا فاعل ہی نہ ہو بلکہ فاعل تو ہوگا البتہ کسی مصلحت

سے اس کا ذکر چھوڑ دیں گے مثلاً جس کی پٹائی کی گئی وہ خاص اپنا آدمی ہے اس کو پیٹے جانے کا ذکر اہم ہے قطع نظر اس سے کہ کس نے مارا ہے بہر حال فعل مجہول اس مفعول بہ کو جو فاعل کی جگہ میں آیا ہے رفع دے گا باقی جو اور ہیں خواہ کوئی سا بھی مفعول ہو یا حال تمیز ہو سب کو نصب دیتا ہے جیسے ضُرِبَ زَیْدٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ امام الامیر ضَرْبًا شدیدًا فی دارہ تادیبًا والخشبة میں زیدًا جو مفعول بہ ہے جس پر مار واقع ہوئی کو فاعل کی جگہ میں رکھ کر نائب فاعل بنادیا اور مرفوع کر دیا اور باقی یوم الجمعة مفعول فیہ زمان اور امام الامیر مفعول فیہ مکان اور ضربا شدیدًا موصوف صفت ہو کر مفعول مطلق فی دارہ ظرف مکان تادیبًا مفعول لہ والخشبةَ مفعول معہ سب کو نصب کر رہا ہے، جو مفعول بہ فاعل کا نائب ہوتا ہے اس کو نائب فاعل قائم مقام فاعل اور مفعول مالم یسم فاعله سب کہا جاتا ہے اور جس فعل میں ایسا ہوا کہ اس کے فاعل کو ہٹا کر اس کے مفعول بہ کو اس کی جگہ رکھا اس کو فعل مالم یسم فاعله کہتے ہیں اور فعل مجہول بھی کہتے ہیں، فعل مالم یسم فاعله کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لَمْ یُسَمَّ، لم یُذْکَرْ کے معنی میں ہے اور ما سے مراد مفعول ہے یعنی ایسے مفعول کا فعل کہ جس مفعول کا فاعل نہ ذکر کیا گیا ہو **سوال** فاعل تو فعل کا ہوتا ہے نہ کہ مفعول کا **جواب** مفعول کا فاعل کہنا اس وجہ سے درست ہے کہ جیسے وہ فعل کا فاعل ہے مفعول بہ کا بھی تو ہے کیونکہ مفعول بہ پر جو اثر آیا ہے وہ اسی فاعل کا تو ہے لہٰذا دونوں کا فاعل بتانا درست ہے نیز مفعول بہ اور فاعل دونوں فعل کے دوست ہیں اور دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے لہٰذا جب فاعل فعل کا دوست ہوا تو مفعول بہ کا بھی ہو گیا فعل کے واسطے سے لہٰذا مفعول بہ کا فاعل کہنا درست رہا۔

سبق سی وسوم

فصل بدانکہ فعل متعدی بر چہارم قسم است **اول متعدی بیک مفعول** چوں ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا **دوم متعدی بدو مفعول** کہ اقتصار بریک مفعول روا باشد چوں اَعْطٰی وآنچہ در معنی او باشد چوں اَعْطَیْتُ زَیْدًا دِرْهَمًا وایجا اَعْطَیْتُ زَیْدًا نیز جائز است **سوم متعدی بدو مفعول** کہ اقتصار بریک مفعول روا نباشد وایں در افعال قلوب است چوں عَلِمْتُ وظَنَنْتُ وحَسِبْتُ وخِلْتُ وزَعَمْتُ وَرَأَیْتُ وَوَجَدْتُ چوں عَلِمْتُ زَیْدًا فاضِلاً وظَنَنْتُ زَیْدًا عَالِمًا **چہارم متعدی بسہ مفعول** چوں اَعْلَمَ وأرٰی وأنْبَا وأخْبَرَ وخَبَّرَ ونَبَّأَ وحَدَّثَ چوں اَعْلَمَ اللّٰهُ زَیْدًا عَمْرًا فَاضِلًا بدانکہ ایں ہمہ مفعولات مفعول بہ اند ومفعول دوم در باب عَلِمْتُ ومفعول سوم در باب اَعْلَمْتُ ومفعول لہ ومفعول معہ را بجائے فاعل نتوانند نہاد ودیگر ہارا شاید ودر باب اَعْطَیْتُ مفعول اول بمفعول مالم یسم فاعلہ لائق تر باشد از مفعول دوم۔

ترجمہ عبارت- جان تو کہ فعل متعدی چہارم قسم پر ہے **اول متعدی ایک مفعول** کے ساتھ جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا **دوسرے** متعدی ایسے دو مفعول کے ساتھ کہ (جن سے) ایک مفعول پر اکتفاء جائز ہے جیسے اَعْطٰی اور جو بھی (فعل) اس کے معنی میں ہو جیسے اَعْطَیْتُ زَیْدًا دِرْھَمًا (میں نے زید کو درہم دیا) اور اس جگہ (یعنی باب اعطیت میں) اَعْطَیْتُ زَیْدًا بھی جائز ہے **تیسرے** متعدی ایسے دو مفعول کے ساتھ کہ بس کرنا (یعنی ٹھیرنا اور رکنا) ایک مفعول پر جائز نہ ہو، اور یہ بات افعال قلوب میں (ہوتی) ہے جیسے عَلِمْتُ (جان لیا میں نے) ظَنَنْتُ (گمان کیا میں نے) حَسِبْتُ خِلْتُ زَعَمْتُ (تینوں بمعنی خیال اور گمان کیا میں نے) رَأَیْتُ وَجَدْتُ (دیکھا اور محسوس کیا میں نے) جیسے عَلِمْتُ زَیْدًا فَاضِلاً (جان لیا میں نے کہ زید فاضل یعنی پڑھا لکھا ہے) اور ظَنَنْتُ زَیْدًا عَالِمًا (گمان کیا میں نے زید کو عالم یعنی مولوی صاحب یا پڑھا لکھا) **چوتھے** متعدی تین مفعول کے ساتھ جیسے اَعْلَمَ (جنوادیا یا جتلوادیا) اَرٰی (دکھلادیا) اَنْبَأَ اَخْبَرَ خَبَّرَ نَبَّأَ حَدَّثَ (سب بمعنی جتلوادیا جنوادیا) اَعْلَمَ اللّٰہُ زَیْدًا عَمْرًا فَاضِلاً جنوادیا اللہ تعالیٰ نے زید کو کہ عمر فاضل (پڑھا لکھا ہے) ہے، جان تو کہ یہ سب مفعولات مفعول بہ ہیں اور مفعول دوم باب عَلِمْتُ کے اندر اور تیسرا مفعول باب اَعْلَمْتُ کے اندر اور مفعول لہ اور مفعول معہ کو فاعل کی جگہ میں نہیں رکھ سکتے ہیں اور دوسرے مفعولوں کے لئے (یہ رکھنا) لائق اور مناسب ہے اور باب اَعْطَیْتُ میں مفعول اول **مفعول مالم یسم فاعلہ** (یعنی نائب فاعل) بننے کے زیادہ لائق ہے بمقابلہ دوسرے مفعول کے۔

حل مضمون- فعل متعدی چونکہ وہ ہوتا ہے جسے مفعول بہ کی ضرورت ہوتی ہے پھر کسی فعل کو ایک مفعول بہ چاہتا ہے کسی کو دو اور کسی کو تین اس لئے اب یہاں سے یہی بتاتے ہیں کہ مفعول بہ چاہنے کے اعتبار سے فعل متعدی کی چار قسمیں ہیں:

(۱) صرف ایک مفعول بہ چاہتا ہے جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا زید نے عمرو کو مارا۔

(۲) فعل کو دو مفعول کی ضرورت رہے پھر فعل کو جن دو مفعولوں کی ضرورت ہوگی وہ دو طرح کے ہیں ایک تو یہ کہ وہ دو مفعول ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا کر سکتے ہوں یعنی ایک ذکر کر دیں اور ایک چھوڑ دیں یا ایسے ہوں کہ ان میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہ کر سکتے ہوں بلکہ دونوں ہی ذکر کرنے ضروری ہوں گے اگر اول صورت ہے تو یہ فعل متعدی کی دوسری قسم ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ فعل متعدی کی تیسری قسم بن جائیگی۔

سوال- اس کی پہچان کیا ہے کہ بعض جگہ تو دو مفعولوں میں سے ایک پر اکتفاء درست ہوگا اور بعض جگہ نہیں۔

جواب- جہاں دو مفعول ایسے ہوں کہ دونوں کا مصداق الگ الگ ہوں یعنی وہ دونوں لفظ ایک ہی ذات پر نہ بولے جا سکتے ہوں اور دونوں سے مراد الگ الگ چیز ہو جیسے اَعْطَیْتُ زیدًا درھمًا میں زید اور درہم ایسے ہی دو مفعول ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے پر بولنا ٹھیک نہیں نہ زید کو درہم پر اور نہ درہم کو زید پر اور دونوں کے معنی اور مصداق الگ الگ ہیں اور ان میں

آپس میں تباین اور افتراق ہے تو اس طرح کے دو مفعول جہاں آئیں گے وہاں بغیر ایک دوسرے کے تنہا کو بھی لا سکتے ہیں چنانچہ اعطیتُ زیدًا بغیر درھمًا کے اور اعطیتُ درھمًا بغیر زیدًا کے بولنا درست ہے اور یہ اس طرح کے دو مفعول جن میں مغایرت ہوتی ہے باب اَعْطَیْتُ کے مفعول کہلاتے ہیں اور جس جگہ فعل کے بعد آنے والے دو مفعول ایسے ہوں کہ ان میں اجتماع ہو سکتا ہے اور دونوں ایک ذات پر بولے جا سکتے ہوں جیسے عَلِمْتُ زیدًا فاضلاً میں نے زید کو فاضل یعنی پڑھا لکھا یقین کیا تو اس میں زید اور فاضل دونوں کا مصداق ایک ہی شخص ہے خود جو زید ہے وہی فاضل ہے اور ایسے ہی اس کا برعکس کہ جو فاضل ہے وہی زید ہے زید اور درہم کی طرح نہیں کہ زید سے ایک شخص مراد تھا درہم سے چاندی کا روپیہ بہرحال جن دو مفعولوں میں مغایرت نہ ہو اور اکھٹے ایک ذات پر ان کو بولا جا سکتا ہو ایسے دو مفعولوں کو باب عَلِمْتُ کے مفعول کہتے ہیں یاد رہے کہ باب علمتُ سے مراد علمتُ کی لائن کے سب وہ فعل مراد ہیں جن کے بعد ایسے دو مفعول آتے ہیں جن کا حذف اور ذکر بغیر ایک دوسرے کے ناجائز ہو چنانچہ ظَنَنْتُ حَسِبْتُ خِلْتُ زَعَمْتُ سب باب علمتُ میں داخل ہیں جیسا کہ باب اعطیتُ میں تمام وہ فعل داخل ہوں گے جن کے بعد ایسے دو مفعول آئے کہ ان میں کسی ایک کا حذف یا ذکر بغیر دوسرے کے جائز ہو۔

سوال- باب اعطیتُ میں کسی ایک مفعول کا حذف یا ذکر بغیر دوسرے کے کیوں ناجائز نہیں اور باب علمتُ میں کیوں ناجائز ہے۔

جواب- باب علمتُ میں دونوں مفعول اپنے مفعول بہ بننے سے پہلے دراصل مبتدا اور خبر تھے چنانچہ زیدٌ فاضلٌ جملہ کی شکل میں تھے مفعول بہ بننے پر دونوں منصوب ہو گئے اور جملہ میں مقصود بالذات اس کا مضمون ہوتا ہے کسی بھی جملہ میں جو کچھ کہا جاوے وہ اس کا مضمون کہلاتا ہے چنانچہ زیدٌ فاضلٌ میں ہمیں زید کے فَضل اور پڑھے لکھے ہونے یا اس کے قابل ہونے کا ذکر ہے، اور جب بھی کسی جملہ کا مضمون نکالنا ہے تو خبر کو مصدر بنا کر مبتدا کا مضاف بنا دو اور خود مبتدا کو مضاف الیہ جیسے یہاں فَضلُ زیدٍ عبارت ہو جائے گی تو بتاتا ہے کہ باب علمتُ کے دو مفعول دراصل مبتدا خبر اور جملہ تھے اور جملہ سے مقصود مضمون جملہ ہوتا ہے اور مضمون جملہ مضاف اور مضاف الیہ سے تیار ہوتا ہے اور اسی مضمون جملہ کو درحقیقت مقصود خیال کیا جاتا ہے گویا علمتُ زیدًا فاضلاً کہنے والا حقیقت میں عَلِمْتُ فَضلَ زیدٍ کہہ رہا ہے تو اب اگر فَضلَ زَیْدٍ میں سے کسی ایک کو حذف کریں تو یہ کلمہ کے جزء کو حذف کرنا لازم آئے گا چنانچہ علمتُ فَضلَ کہو بغیر زید کے تو یہ نہیں پتہ چلتا ہے کہ کس کا فضل اور کس کی قابلیت جانی اور اگر عَلِمْتُ زیدٍ کہو تو مضاف نہ ہونے سے پتہ نہیں چلتا کہ زید کا کیا جانا اس لئے باب علمتُ کے دو مفعول ایسے ہیں کہ بغیر ایک دوسرے کے نقص اور کمی رہ جائے گی ہاں اگر قرینہ اور اتنا پتہ ہو کہ کیا جانا اور یقین کیا تو پھر دونوں ہی مفعول حذف کر سکتے ہیں، رہا باب اعطیتُ اس میں ایک مفعول دوسرے کا محتاج نہیں جسے چاہے ذکر کر لو جسے چاہے حذف کر لو فائدہ حاصل ہو ہی جائے گا جیسے اَعْطَیْتُ زیدًا میں زید کو دینے کا پتہ چل گیا کیا دیا یہ معلوم نہ ہوا اور اعطیتُ درہمًا میں کیا دیا اس کو تو جان لیا

لیکن کسے دیا یہ رہ گیا لیکن فائدہ تو دونوں صورتوں میں حاصل ہو ہی گیا۔ کہ کسی چیز کا دینا یا کسی کو دینا پایا گیا۔

فائدہ: ۱۔عَلِمْتُ اور اس کے ساتھی تمام افعال ظَنَنْتُ خِلْتُ وغیرہ ان کا دوسرا نام **افعال قلوب** بھی ہے کیونکہ جن کاموں کا تعلق دل سے ہو جیسے یقین کرنا گمان کرنا خیال کرنا یہ سب دل کے کام ہیں باقی چلنا رونا مارنا کھانا بیٹھنا لکھنا وغیرہ سب کام پیروں اور منہ اور ہاتھ اور سرین وغیرہ اعضاء کے ہیں تو جو کام بذریعہ اعضاء ہوں ان کا نام رکھا ہے **افعال جوارح** یعنی اعضاء کے کام جوارح ،جارحة کی جمع بمعنی عضو انسانی ہاتھ وغیرہ اور جو کام دل کے واسطے سے ہوں ان کو **افعال قلب** کہتے ہیں۔

فائدہ: ۲۔عَلِمْتُ رَأَيْتُ وَجَدْتُ تینوں یقین کے لئے آتے ہیں عِلْمٌ بمعنی جاننا رؤیة بمعنی دیکھنا یعنی بذریعہ قلب اور وِجْدَان بمعنی پانا محسوس کرنا جیسے بھوک پیاس محسوس کی جاتی ہے ظَنَنْتُ خِلْتُ حَسِبْتُ بمعنی گمان اور خیال کرنا یہ بجائے یقین کے صرف ظنّ کے لئے آتے ہیں اور زعمتُ مشترک ہے یقین اور ظن (گمان) دونوں کے لئے آتے ہیں اور ان افعال قلوب کا ایک نام **افعالُ الشکّ والیقین** بھی ہے۔

فائدہ: ۳۔اگر ہم کسی چیز کے بارے میں مثلاً زید کا آنا نہ آنا اس کا مولوی ہونا نہ ہونا اس میں ہمارا دونوں طرف ذہن جاتا ہو تو اسے **شک** کہتے ہیں اور اگر ذہن کسی چیز کے بارے میں ایک طرف زیادہ جاتا ہو ایک طرف کم تو جدھر زیادہ جاتا ہے اسے **ظن** کہتے ہیں اور جدھر کم جاتا ہو تو اسے **وھم** اور **خیال** کہتے ہیں اور اگر ہمیں ایک جھکا پکا پتہ ہو مثلاً آئے گا ہی یا پتہ ہو کہ آئے گا ہی نہیں تو اسے **یقین** کہتے ہیں۔

(۴) **متعدی بسہ مفعول:** کچھ فعل متعدی ایسے ہیں جن کے تین مفعول بہ آتے ہیں جیسے اَعْلَمَ اَرٰی بمعنی جتوادیا یا بتلوادیا اور دکھلا دیا جیسے اَعْلَمَ اللّٰهُ زَيْدًا عَمْرًا فَاضِلًا بتلوا دیا اللہ نے زید کو کہ عمرو فاضل ہے اَرٰی زیدٌ عَمْرًوا خالدًا عالمًا دکھلا دیا زید نے عمر کو کہ خالد عالم (مولوی) ہے اَنْبَأَ اَخْبَرَ خَبَّرَ نَبَّأَ حَدَّثَ (سب بمعنی خبر دینا، بتلوا دینا یا بتلا دینا ہیں) اَعْلَمَ فعل اللّٰه فاعل زیدًا مفعول اول عَمْرًوا مفعول ثانی فَاضِلًا مفعول ثالث پھر جملہ فعلیہ ہو جائے گا یاد رہے کہ تینوں مفعول، مفعول بہ ہی کہلائیں گے۔

ومفعول دوم در باب علمت : چونکہ فعل متعدی وہ ہوتا ہے جس کو مفعول بہ چاہتا ہے پھر کبھی مفعول بہ کو فاعل کی جگہ میں رکھ کر نائب فاعل بنا دیتے ہیں اس لئے اب یہاں تفصیل بتاتے ہیں کہ آیا ہر پہلے دوسرے تیسرے کسی بھی نمبر پر آنے والے مفعول بہ کو نائب فاعل بنا سکتے ہیں؟ نیز بہتر کس مفعول بہ کو فاعل کی جگہ رکھنا ہے اول کو یا دوسرے کو چنانچہ فرماتے ہیں کہ باب عَلِمْتُ کے اندر دوسرا مفعول اور باب اَعْلَمْتُ میں تیسرے مفعول بہ کو نیز **مفعول لہ اور مفعول معہ** کو فاعل کی جگہ نہیں رکھ سکتے یعنی نائب فاعل نہیں بنا سکتے **سوال** ان چاروں کو نائب فاعل بنانا کیوں منع ہے **جواب** باب علمت کے دوسرے مفعول کو نائب فاعل بنانا تو اس لئے ناجائز ہے کہ باب علمت کے دونوں مفعول اپنے مفعول بننے سے پہلے

دراصل مبتدا خبر ہوتے ہیں اور مبتدا مسند الیہ ہوتا ہے خبر مسند اور مسند الیہ وہ ہوتا ہے جس سے کوئی چیز جوڑی جاتی ہے اور مسند ہو ہے جس کو کسی سے جوڑا جاتا ہے چنانچہ زید فاضل میں ہم نے فاضلؔ ہونے کو زید سے جوڑا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ زید مسند الیہ ہے اور فاضل مسند ہے اور زید اور فاضل اپنے مفعول ہونے کے بعد بھی اسی حالت پر قائم تھے کہ جو مسند الیہ تھا وہ وہی رہا اور جو مسند تھا وہ مسند ہی رہا اب اگر مفعول ثانی جیسے کہ یہاں فاضل ہے اپنے فاعل کی جگہ رکھ کر نائب فاعل بنایا تو نائب فاعل مسند الیہ ہوتا ہے جس سے کوئی چیز جڑتی ہے تو مسند بننے والی چیز کا مسند الیہ ہونا لازم آئے گا جو غیر درست ہے کیونکہ بیک وقت مسند اور مسند الیہ دونوں نہیں کیسے ہوسکتا ہے اور **باب اعلمت کے تیسرے مفعول** میں بھی بعینہ یہی وجہ ہے کہ اس کو نائب فاعل بنانے سے اس کا ایک وقت میں مسند اور مسند الیہ دونوں ہونا لازم آئے گا جو درست نہیں ہے، ہاں مفعول اول **باب علمت** اور **اعلمت** دونوں میں نائب فاعل بنایا جاسکتا ہے جیسے عُلِمَ زَیْدٌ فَاضِلاً جان لیا گیا زید کو فاضل کیونکہ زید پہلے مسند الیہ تھا اب بھی ہے کہ اسے فاضل خیال کیا گیا اور جیسے اُعْلِمَ زَیْدٌ عَمْرًا فَاضِلاً زید کو جنوا دیا گیا کہ عمرو فاضل ہے۔

مفعول لہ کو نائب فاعل اس لئے نہیں بنا سکتے ہیں کہ مفعول لہ اپنے منصوب ہونے کی وجہ سے سببیت کو ظاہر کررہا ہے اور نائب فاعل بننے کے بعد مرفوع ہو جائے گا جس سے اس کا فعل مذکور کا سبب ہونے کا پتہ نہیں چل پائے گا، چنانچہ ضَرَبْتُ تادیبًا میں ضُرِبَ تادیبٌ جائز نہیں ہے ہاں اگر ایسا مفعول لہ ہو جس پر لام آرہا ہو جیسے ضَرَبْتُ للتادیبَ یہاں نائب فاعل بنانا ٹھیک ہے کیونکہ لام جو سبب ہونے کو بتلاتا ہے رہے گا چنانچہ ضُرِبَ للتادیب ٹھیک ہے کہ تادیب والی مار کی گئی۔

مفعول معہ کو بھی نائب فاعل نہیں بنا سکتے کیونکہ مفعول معہ کو نائب فاعل واؤ کے ساتھ بناؤ گے تو بھی درست نہیں ہے کیونکہ واؤ وضع اور طے ہوا ہے عطف کے لئے جس کا تقاضہ انفصال ہے اور فاعل جزء کی حیثیت رکھتا ہے جو متصل ہونا چاہئے اور اگر واؤ کے ساتھ نہیں بناتے تو مفعول معہ کا مفعول معہ ہونا سمجھ میں نہ آئے گا۔ لہٰذا مع الواؤ اور بلا واؤ دونوں ہی صورت میں مشکل ہوتی ہے اس لئے اسے بھی نائب فاعل بنانا درست نہیں ہے۔ اور **دیگر ہارا شاید** - گزشتہ مفعولوں کے علاوہ دوسرے مفعولوں کو نائب فاعل بنا سکتے ہیں، چنانچہ مفعول مطلق کے نائب فاعل بننے کی مثال سِیْرَ سَیْرٌ شَدِیْدٌ (تیز چال چلا گیا)
مفعول فیہ کے نائب فاعل ہونے کی مثال سِیْرَ یومُ الجُمُعَۃِ (جمعہ کا دن چلا گیا)

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

سبق سی و چہارم

افعال ناقصہ کا بیان

فصل بدانکہ افعال ناقصہ ہفدہ اند کَانَ وَصَارَ وَظَلَّ وَبَاتَ وَ اَصْبَحَ وَاَضْحٰی وَاَمْسٰی وَعَادَ وَآضَ وَغَدَا وَرَاحَ وَمَازَالَ وَمَاانْفَکَّ وَمَابَرِحَ وَمَافَتِیَ وَمَا دَامَ وَلَیْسَ ایں افعال بفاعل تنہا تمام نشوند محتاج باشند بخبرے بدیں سبب ایںہا را ناقصہ گویند ودر جملہ اسمیہ روند ومسند الیہ را برفع کنند ومسند را بنصب چوں کَانَ زَیْدٌ قَائِمًا ومرفوع را اسم کَانَ گویند ومنصوب را خبر کَانَ وباقی را بریں قیاس کن بدانکہ بعضے احوال بفاعل تنہا تمام شوند چوں کَانَ مَطَرٌ شد باراں بمعنی حَصَلَ و اورا کَانَ تامہ گویند وکَانَ زائدہ نیز باشد

ترجمہ- جان تو کہ افعال ناقصہ سترہ ۱۷ ہیں کان سے لَیْسَ تک یہ افعال تنہا فاعل پر مکمل نہیں ہوتے اور محتاج ہوتے ہیں ایک خبر کے اسی وجہ سے ان کو ناقصہ کہتے ہیں اور جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مسند الیہ کو رفع کرتے ہیں اور مسند کو نصب جیسے کَانَ زَیْدٌ قَائِمًا اور مرفوع کو کان کا اسم کہتے ہیں اور منصوب کو کان کی خبر اور باقی کا اسی پر اندازہ کر جان تو کہ (یہ افعال ناقصہ بعض حالات میں تنہا فاعل پر مکمل ہوجاتے ہیں جیسے کَانَ مَطَرٌ بارش ہوگئی اس میں کَانَ حَصَلَ کے معنی میں ہے اور اس کو کَانَ تامہ کہتے ہیں اور کَانَ زائدہ بھی ہوتا ہے۔

حل مضمون- افعال ناقصہ کا کام خالی فاعل سے نہیں چلتا اور خبر کے محتاج ہوتے ہیں اس لئے ان کو ناقصہ کہا گیا ہے مثلاً تم نے کہا کَانَ زَیْدٌ کہ زید ہے لیکن کیا ہے یہ معلوم نہیں ہوا جب کہا عَالِمًا کہ عالم ہے اب بات پوری ہوگی ایسے ظَلَّ زَیْدٌ کہ زید دن بھر رہا، لیکن کیا رہا یہ معلوم نہیں ہوا جب کہا خبر لاکر۔

صَائِمًا کہ روزہ دار رہا اب بات مکمل ہوگئی سننے والا بھی مطمئن ہوا اور کہنے والے کا چپ رہنا بھی درست ہوا۔

افعال ناقصہ کے بعد جو اسم اور خبر آتے ہیں وہ درحقیقت جملہ اسمیہ ہوتے ہیں جن پر افعال ناقصہ داخل ہوکر اپنا عمل ڈال دیتے ہیں چنانچہ کَانَ زَیْدٌ عالمًا میں کَانَ زیدٌ عالمٌ پر داخل ہوکر اپنا عمل یہ دکھلا رہا ہے کہ اول کو مرفوع اور دوسرے کو منصوب کردیا۔

سوال: افعال ناقصہ جب جملہ اسمیہ پر داخل ہورہے ہیں تو جملہ اسمیہ کے دونوں جزوں کو مبتدا اور خبر ہونیکی وجہ سے مرفوع ہی کیوں نہ رہنے دیا الگ سے دوسرا عمل کیوں دے رہے ہو۔

جواب جملہ اسمیہ پر افعال ناقصہ داخل ہونے کے بعد اب افعال ناقصہ کا ہی عمل چلے گا کیونکہ اب اسی کے تابع ہوگئے اور جملہ کا اول جزء ان افعال ناقصہ کا اسم ہونے کی وجہ سے بمنزلہ فاعل کے ہوگیا جو مرفوع ہوتا ہے اور خبر بمنزلہ مفعول بہ کے ہوگئی اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے لہذا یہ افعال ناقصہ فعل متعدی کے مشابہ ہوگئے اور فعل متعدی اپنے فاعل کو رفع کرتا ہے اور مفعول بہ کو نصب تو اسی طرح ان کا بھی عمل کردیا گیا۔

افعال ناقصہ اور دیگر افعال تامہ میں فرق: افعال ناقصہ کے علاوہ جتنے افعال ہیں ان سب میں خود اپنی سے نکلی چیز یعنی مصدر کو ثابت کیا جاتا ہے مثلاً ضَرَبَ زَیْدٌ میں زید کے لئے اسی ضَرَبَ اور مار کو ثابت کیا جارہا ہے جو ضَرَبَ سے سمجھ میں آرہا ہے لیکن افعال ناقصہ میں جس بات اور صفت کو ان کے اسم کے لئے ثابت کیا جاتا ہے وہ خود افعال ناقصہ سے نکلی ہوئی نہیں ہوتی ہے بلکہ ان سے الگ ہوتی ہے چنانچہ کَانَ زَیْدٌ عَالِمًا میں زید کے لئے کَانَ فعل ناقص سے جو کون اور ہونے کی صفت اور مصدر سمجھ میں آتا ہے اس کو زید کے لئے ثابت نہیں کیا جارہا ہے بلکہ الگ سے دوسری صفت عالم ہونے کو ثابت کیا جارہا ہے اور تمام افعال ناقصہ میں یہی بات ہوتی ہے اسی لئے افعال ناقصہ کا فائدہ نحو کی کتابوں میں (هِیَ اَفْعَالٌ وُضِعَتْ لِتَقْرِیْرِ الْفَاعِلِ علی صفة غیرِ صفة مَصْدَرِ هَا) کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے یعنی افعال ناقصہ ایسے افعال ہیں جن کو اسلئے وضع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فاعل کے لئے اس صفت کو ثابت کریں جو ان کے مصدر سے الگ صفت ہو۔

افعال ناقصہ کا فائدہ: سوال: جب خود افعال ناقصہ اپنے اسم کے لئے ثابت نہیں ہوتے بلکہ الگ سے خبر کی صورت میں جو صفت ہے اس کو ثابت کیا جاتا ہے تو پھر یہ افعال کس فائدہ کی خاطر لائے جاتے ہیں۔

جواب: لافادة نسبتها حکم معناها یعنی تمام افعال ناقصہ اپنے معنی رکھتے ہیں جیسے صار میں انتقال کے معنی ہیں مادام میں دوام اور ہمیشگی کے معنی ہیں کان میں کون اور حصول کے معنی ہیں لیس میں نفی اور نہ ہونے کے معنی ہیں اَمْسٰی میں مسا اور شام کے معنی ہیں اضحٰی میں ضُحیٰ اور چاشت کے معنی ہیں تو جب یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوں گے تو اس جملہ اسمیہ کے دو جزوں مبتدا اور خبر (جن کو افعال ناقصہ میں اسم اور خبر کہتے ہیں) کے درمیان کی نسبت اور تعلق پر اپنے معنی کا حکم اور اثر ڈالیں گے یعنی افعال ناقصہ کے اسم و خبر میں جو تعلق ہے وہ اس طرح کا ہے جس طرح افعال ناقصہ کے معنی بتلارہے ہیں مثلاً اَمْسٰی زَیْدٌ حزِیْنًا میں اَمْسٰی شام کے معنی اپنے اندر رکھتا ہے جو زَیْدٌ حزِیْنٌ کے تعلق کو بتارہا ہے کہ زید کا یہ غمگین رہنا فقط وقت شام میں رہا ہے اس سے زیادہ نہیں اور امسیٰ زیدٌ حزینًا کا ترجمہ یوں کریں گے کہ زید شام بھر میں یعنی پوری شام غمگین رہا در اصل مساء زوال سے غروب تک کا وقت ہے تو اگر زَیْدٌ حزِیْنٌ کے ساتھ اَمْسٰی فعل ناقصہ نہ ہوتا تو پتہ نہ چلتا کہ زید کا غمگین رہنا کتنے وقت تک ہے، اسی لئے کَانَ زیدٌ عالمًا میں لفظ کَان کا یہ تعلق مطلق رہے گا، بہرحال افعال ناقصہ جملہ میں ایک نئے معنی اور نئی جان پیدا کرتے ہیں اور یہی ان کا فائدہ ہے کَانَ لَیْسَ جب کسی جملہ پر داخل ہوں گے تو ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کے ذریعہ ثبوت اور نفی حال زمانہ کی مراد ہوگی یا مطلق رہے گی جس میں صحیح بات یہ ہے کہ قرینہ پر مدار ہے اگر ثبوت نفی

پورے زمانہ پر محیط ہونے کے قابل ہے تو وہ مراد لیں گے جیسے کان اللّٰہ علیمًا حکیمًا میں اللہ کا علیم و حکیم ہونا پچھلے سارے اور اگلے تمام زمانوں میں ہے لہٰذا مطلق ثبوت مراد ہوگا اور کان زیدٌ شابًا میں زید کا جوان ہونا صرف زمانہ جوانی تک مانا جا سکتا ہے بعد میں نہیں اس لئے اس کا ترجمہ زید جوان تھا یا رہا ہے ہوگا اور اگر ابھی تک جوانی کا زمانہ چل رہا ہے تو پھر ہے سے بھی ترجمہ درست ہوگا، اصل بات قرینہ اور آتے پتے کی ہے، ایسے ہی صار انتقال کے معنی دیتا ہے جب یہ کسی جملہ پر داخل ہوگا مثلاً صارَ زیدٌ غنیًا تو بتلائے گا کہ غنیٰ خبر زید کے لئے اب ہوئی ہے پہلے وہ فقیر تھا کیونکہ صارَ ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنے کی خبر دیتا ہے کہ زید و فقیر سے اب غنی ہوگیا، اسی طرح اور افعال ناقصہ کے معنی کا حال سمجھو۔

افعال ناقصہ کے معنی و ترجمہ

(۱) کَانَ کَونَ مصدر سے قال یقول کے وزن پر ہونا جیسے کَانَ زَیدٌ قَائِمًا، کَانَ زمانہ حال اور مستقبل نیز دوام واستمراری سب کے لئے آتا ہے حسب موقعہ ترجمہ کیا جاوے گا چنانچہ مصباح اللغات میں کون مادہ کے تحت امثلہ کا ذکر موجود ہے کَان ناقصہ ہونے کے ساتھ تامہ زائدہ اور بمعنی صار بھی آتا ہے تامہ کی مثال کَانَ الْمَطَرُ بارش ہوئی یا کُنْ فَیَکُوْنُ کہ ہو پس وہ ہو جاتا ہے جہاں کَان فاعل پر رک جائے آگے خبر نہ لاوے وہ کَان تامہ ہوتا ہے کَانَ زائدہ وہ جس کے ہٹانے کے بعد عبارت کا مطلب خراب نہ ہو علی حالہ صحیح رہے جیسے قرآن میں ہے مَنْ کَانَ فی المھد صبیًا اس آیت میں کَان کے ہٹانے کے بعد بھی معنی صحیح رہتے ہیں، ترجمہ آیت یہ ہے ہم کیسے بات کریں اس سے جو ہنڈولہ یا جھولے میں ہے بچپنے کی حالت میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنی والدہ مریم سے بلا باپ کے خدا کے حکم سے پیدا ہوگئے تو لوگوں نے ان کو زنا کار بدکار کہنا شروع کیا جس پر حضرت مریم نے کہا کہ میرے اس بچہ سے بات کرلو تو حیرت سے کہنے لگے کَیْفَ نُکَلِّم الخ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی حال میں بولنا شروع کیا قال انی عبد اللہ الخ کَانَ بمعنی صار کی مثال ہے کَانَ زید غَنِیًّا کہ زید مالدار ہوگیا یعنی فقیری سے غناء میں آگیا۔

(۲) صَارَ یَصِیرُ صَیْرًا مثل بَاعَ یَبِیعُ بَیْعًا ض سے بمعنی لوٹنا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنا جیسے صَارَ زیدٌ غنیًا زید مالدار بن گیا۔

(۳) ظَلَّ یَظَلُّ ظَلًّا جیسے مَسَّ یَمَسُّ مَسًّا میں باب سَمِعَ سے دن بھر کسی حالت پر رہنا جیسے ظَلَّ زَیدٌ صَائِمًا زید پورے دن روزہ دار رہا، اور صَارَ کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے ظَلَّ زَیدٌ غَنِیًّا کہ زید مالدار ہوگیا، زید دن بھر مالدار رہا یہاں ترجمہ نہیں ہوگا۔

(۴) بَاتَ یَبِیتُ بَیْتًا وَبَیْتُوتَۃً رات بھر کسی حالت پر رہنا جیسے بَاتَ زَیدٌ نَائِمًا زید رات بھر سوتا رہا اور یہ صَارَ کے معنی

میں بھی آتا ہے جیسے بَاتَ زَیْدٌ فَقِیْرًا کہ زید فقیر ہو گیا ظَلَّ اور بَاتَ کبھی تامہ بھی ہو جاتے ہیں۔

(۵) اَصْبَحَ اَضْحٰی اَمْسٰی یہ تینوں یہ بتلانے کے لئے آتے ہیں کہ خبر اپنے مبتدا سے ان اوقات میں جڑی رہی جو اوقات ان سے سمجھ میں آتے ہیں، چنانچہ اَصْبَحَ سے صَبَاحَ بمعنی صبح اور اَضْحٰی سے ضُحٰی بمعنی چاشت اور اَمْسٰی سے مساء بمعنی شام کے اوقات سمجھ میں آتے ہیں جیسے اَصْبَحَ زَیْدٌ قَائِمًا کہ زید صبح بھر کھڑا رہا اَضْحٰی زید حزینًا زید چاشت بھر یعنی چاشت کے پورے وقت میں (جو تقریباً تین گھنٹے ہوتا ہے) غمگین رہا اَمْسٰی زَیْدٌ مسرورًا زید شام بھر یعنی پوری شام خوش رہا، یہ تینوں صَارَ کے معنی میں بھی آتے ہیں جیسے اَصْبَحَ زَیْدٌ غَنِیًا کہ زید مالدار ہو گیا،، اب یہ ترجمہ کہ زید صبح میں مالدار ہو گیا غلط ہے اور یہ تینوں تامہ بھی ہوتے ہیں اب ان کے معنی یہ ہوں گے مثلاً اَصْبَحَ زَیْدٌ اَمْسٰی زَیْدٌ زید کو صبح ہو گئی یا شام ہو گئی یعنی وہ ان وقتوں میں داخل ہو گیا جیسے کہتے ہیں تَاَخَّرَ زَیْدٌ زید لیٹ ہو گیا یعنی مؤخر ہو گیا ۱۲۔

(۶) آضَ عَادَ غَدَا رَاحَ یہ چاروں افعال جب ناقصہ ہوں گے تو صَارَ والا ترجمہ ہو گا یعنی ہو گیا ورنہ اپنے ہی معنی میں رہیں گے آضَ یَئِضُ اَیْضًا بمعنی لوٹنا عَادَ یَعُوْدُ عَوْدًا یہ بھی بمعنی لوٹنا غَدَا یَغْدُوْ غُدُوًّا صبح میں چلنا رَاحَ یَرُوْحُ رَوْحًا شام میں چلنا غَدَاۃ بمعنی صبح رَوَاحَ بمعنی شام آتا ہے جیسے آضَ یا عَادَ زَیْدٌ من سفرہ زید اپنے سفر سے لوٹ گیا اور غَدَا زَیْدٌ جب زید صبح کو چلے اور شام کو چلنے پر رَاحَ زَیْدٌ کہیں گے۔

(۷) مَازَالَ مَابَرِحَ مَافَتِیَ مَاانْفَکَّ ان چاروں کا ترجمہ اور معنی ہمیشہ ہو گا زَالَ یَزَالُ زَوَالًا جیسے خَافَ یَخَافُ میں باب سمع سے جدا ہونا، جاتے رہنا زَالَ یَزُوْلُ سے نہ مانیں کیونکہ یہ تامہ ہوتا ہے جیسے زالت الشمس سورج ڈھل گیا، بَرِحَ یَبْرَحُ بَرَاحًا باب سمع سے ہٹنا جدا ہونا فَتِیَ مہموز اللام ہے سمع سے فَتْئًا مصدر ہے بمعنی رکنا اِنْفَکَّ اِنْفِکَاکٌ مصدر سے بمعنی جدا ہونا ان چاروں پہ حرف نفی آنے سے ان کے معنی ہمیشہ بن گئے کیونکہ مازال کا ترجمہ لفظی نہیں ختم ہوا نہیں جدا ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ چلتا رہا، کیونکہ ان چاروں صیغوں میں نفی کی نفی ہے یعنی جدا ہونا جو معنی نفی ہے جب اس کی نفی کی گئی کہ جدا ہونا نہیں ہوا تو مطلب نکلا کہ وہ چیز جاری ہے چل رہی ہے جس جملہ پر یہ چاروں افعال ناقصہ آئیں گے تو یہ ظاہر کریں گے کہ برابر ہمیشہ خبر اپنے مبتدا سے جڑی چلی آ رہی ہے جیسے مازال زیدٌ امیرًا زید ہمیشہ سے بادشاہ چلا آ رہا ہے۔

سوال: ہمیشہ سے جب کہ بچپن میں تھا کیسے بادشاہ؟ **اجواب** ہمیشہ سے مراد جب سے اس کی صلاحیت اس کے اندر پائی گئی اور مطلب یہ ہے کہ بننے کے وقت سے ابتک برقرار چلا آ رہا ہے۔

(۸) مَادَامَ اس میں مَا مصدر یہ ہے نہ کہ تامہ دَامَ یَدُوْمُ دَوَامًا ہمیشہ رہنا گویا مادام مصدر دَوَام کے معنی میں ہے اور مصدروں سے پہلے زمانہ اور اوقات کو فرض کر لیا جاتا ہے مان لیا جاتا ہے اس لئے جہاں کہیں مادام آئے گا اس کو مصدر بنا کر اس سے قبل لفظ مُدَّۃ یا اسی طرح کا کوئی اور لفظ مان لیں گے جیسے اِجْلِسْ مَادَامَ زَیْدٌ جَالِسًا کہ بیٹھ تو جب تک زید بیٹھا ہے اس کی اصل عبارت اِجْلِسْ مُدَّۃَ دَوَامِ جلوس زید بنے گی اسی لئے مادام اپنے اسم و خبر سے مل کر ہمیشہ کسی اور جملہ کا ظرف

یعنی مفعول فیہ بنا کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثال میں اِجْلِسْ کا مفعول فیہ ہے یہی وجہ ہے کہ مادام سے پہلے جملہ ہونا ضروری ہے بغیر اس جملہ کے آئے مادام اپنے اسم وخبر سمیت بھی ناقص ہی رہتا رہے گا وجہ ظاہر ہے کہ یہ پورا جملہ مفعول فیہ کا درجہ اختیار کر گیا اور خالی مفعول فیہ کلام نہیں بنتا جب تک اس سے قبل کوئی ایسا جملہ نہ آوے جو فعل فاعل ہو جاوے جیسا کہ یہاں اِجْلِسْ ہے۔

مادام کا فائدہ: دراصل مادام کسی کام کی حد بندی کے لئے آتا ہے کہ فلاں کام جب تک ہوگا جب تک کہ میری خبر کا تعلق اپنے مبتدا سے رہتا رہے گا چنانچہ مثال گذشتہ میں مخاطب کو بیٹھنے کے لئے کہا ہے جب تک زید کا بیٹھنا رہے گا یہ بیٹھنا جب تک زید سے جڑا ہے اے مخاطب تم بھی اپنا بیٹھنا جاری رکھو۔

لیس بمعنی نہیں آتا ہے اس سے حال کی نفی ہوتی ہے یا مطلق دونوں ہی قول ہیں لیس اصل لَیِسَ کے کسرہ سے تھا تخفیف کے لئے کسرہ گرا دیا اور جزم آ گیا۔

سبق سی و پنجم

افعال مقاربہ کا بیان

فصل- بدانکہ افعال مقاربہ چار است عَسٰی و کَادَ و کَرَبَ و اَوْشَکَ وایں افعال در جملہ اسمیہ روند چوں کان اسم را برفع کنند وخبر را نصب الا آنکہ خبر اینہا فعل مضارع باشد با اَنْ چوں عَسٰی زَیْدٌ اَنْ یَّخْرُجَ یا بے اَنْ چوں عَسٰی زَیْدٌ یَخْرُجُ وشاید کہ فعلِ مضارع با اَنْ فاعل عسیٰ باشد واحتیاج بخبر نفتد چوں عَسٰی اَنْ یَّخْرُجَ زَیْدٌ در محل رفع بمعنی مصدر۔

ترجمہ- جان تو کہ افعال مقاربہ چار ہیں عَسٰی اور کَادَ اور کَرَبَ اور اَوْشَکَ اور یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں کان کی طرح اسم کو رفع کرتے ہیں اور خبر کو نصب مگر یہ کہ ان کی خبر فعل مضارع ہوگی اَنْ کے ساتھ جیسے عَسٰی زَیْدٌ اَنْ یَّخْرُجَ (زید کے باہر نکلنے کی توقع ہے) یا بغیر اَنْ کے جیسے عَسٰی زَیْدٌ یَخْرُجُ اور ہو سکتا ہے کہ فعل مضارع اَنْ سمیت عَسٰی کا فاعل ہو جائے اور خبر کے ضرورت نہ پڑے جیسے عَسٰی اَنْ یَّخْرُجَ زَیْدٌ محل رفع میں ہوگا مصدر کے معنی میں ہو کر۔

حل مضمون- مُقَارَبَہ باب مفاعلۃ کا مصدر ہے بمعنی قریب ہونا اصطلاح میں افعال مقاربہ ان افعال کو کہتے ہیں جو یہ جتلاتے ہیں کہ خبر کا حصول فاعل کے لئے ہونا والا ہے یعنی خبر اپنے فاعل کے لئے قریب الحصول ہے، اور یہ سات فعل ہیں افعال مقاربہ میں یہ طے ہوتا ہے کہ وہ کام فاعل سے جڑا نہیں ہے بلکہ جڑنے کے قریب ہے پھر یہ قریب الحصول ہونا تین طرح کا ہے (۱) خبر کے اپنے فاعل کے ساتھ عنقریب پائے جانے کی امید ہو یعنی صرف امید ہو یقین نہ ہو کہ خبر اپنے فاعل کے ساتھ پائی

جانے والی ہے جیسے عَسٰی زید ان یخرج کہ امید ہے زید باہر آوے تو زید کا نکلنا اور باہر آنا بطور امید بتایا جارہا ہے اور توقع ظاہر کی جارہی ہے (۲) خبر کے حصول کے قرب کو اپنے فاعل کے لئے متکلم بطور یقین بتایا جاوے جیسے کادزید ان یجئی زید آنے ہی والا ہے یعنی اس کا آنا ہونے ہی والا ہے جب متکلم یہ یقین ہو کہ زید آنے والا ہے، (۳) یہ بتلاوے کہ خبر کا اپنے فاعل کے ساتھ پایا جانا شروع ہونے والا ہے یعنی فاعل اس کام میں عنقریب لگ جائے گا جس کی اس کے متعلق خبر دے رہے ہیں گویا اس کام میں شروع تو نہیں ہوا لیکن اس کے آثار وعلامات دیکھ کر ہی حکم لگادیا کہ شروع ہو گیا مثلاً گیند بلا اٹھا کر چلتے ہوئے جب طلبہ کو دیکھا تو کہا اَخَذَ الطُّلَّابُ یَلْعَبُوْنَ کہ طلبہ نے کھیلنا شروع کردیا ایسے ہی طَفِقَ زَیدٌ یَلْعَبُ کہ زید نے کھیلنا شروع کردیا جب کہ وہ کھیل کے لئے سامان اٹھا کر چلے، بقول صاحب شرح جامی دُنُوٌّ اور قرب تین طرح کا ہوتا ہے: (۱) دُنُوٌّ رَجا۔ (۲) دُنُوٌّ حُصول۔ (۳) دُنُوٌّ اخذ وشروع۔

اول قربت بتانے کے لئے عَسٰی آتا ہے اور دوسری قربت بتانے کے لئے کاد آتا ہے اور تیسرے والی قربت بتانے کے لئے پانچ لفظ آتے ہیں کَرَبَ، اَوْشَکَ، جَعَلَ طَفِقَ اَخَذ ان سب کا ترجمہ لگا سے ہوگا جیسے قرآن میں ہے وَطَفِقَا یَخْصِفَانِ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ کہ حضرت آدم حوا اپنے اوپر جنت کے پتے لپیٹنے لگے جب کہ وہ مثلاً لپیٹنے کے لئے پتے توڑنے لگ گئے ہوں۔

نوٹ - اول قربت میں فقط امید ہوتی ہے نہ کہ جزم اور دوسری دو قربتوں میں گو دونوں ہی میں جزم اور یقین ہے لیکن تیسری قربت بوجہ آثار اور علامات پائے جانے کے بنسبت دوسری قربت کے جو کاد سے حاصل ہوتی ہے زیادہ پختہ ہے۔

عَسٰی زَیْدٌ اَنْ یَّخْرُجَ اس کی ترکیب عَسٰی فعل زیدٌ اس کا اسم اَنْ ناصبہ یخرج فعل مضارع جس میں ھو ضمیر جو زید کی طرف لوٹے گی فاعل بنے گی فعل فاعل سے ملکر عَسٰی کی خبر ہوجائے گی عَسٰی اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ انشائیہ ہوجائے گا،

سوال جملہ انشائیہ کیوں کہا **جواب** چونکہ عَسٰی بمعنی امید ہے مثل لَعَلَّ اور جیسے لَعَلَّ امید کی انشاء اور اظہار کے لئے ہوتا ہے یہ عَسٰی بھی یہاں وہی معنی دے رہا ہے تو جب لَعَلَّ لگنے سے جملہ انشائیہ بن جاتا ہے تو جو لعل کے معنی میں ہوگا وہ بھی انشائیہ ہی بنے گا۔ افعال مقاربہ بھی افعال ناقصہ کی طرح اسم وخبر دونوں کے محتاج ہوتے ہیں فرق اتنا ہے کہ افعال مقاربہ کی خبر ہمیشہ فعل مضارع ہوگی پھر یہ فعل مضارع چاہے اَنْ کے ساتھ یا بغیر اَنْ کے **وشاید کہ فعل مضارع با آن فاعل عسی الخ** ابھی گذشتہ صورت آچکی ہے کہ زید عسٰی کا اسم اور ان یخرج خبر ہوجاوے یہاں سے ایک صورت یہ بتاتے ہیں کہ عسٰی کو خبر کی ضرورت نہ پڑے اور اب عسٰی تامہ کہلائے گا اس طرح کہ ان یخرج فعل زیدٌ ان یخرج کا فاعل فعل فاعل سے مل کر پھر عسٰی کا فاعل ہوجائے۔

سوال: فاعل تو مفرد ہوتا ہے اور یہاں جملہ بن رہا ہے۔

جواب: ان یخرج زیدٌ مفرد کے درجہ میں ہے کیونکہ ان یخرج ان مصدریہ کی وجہ سے خروج مصدر کے معنی میں کر کے زید

کواس کا مضاف الیہ بنادیں گے اور خروج زید بن کر فاعل بنا صحیح ہو جائے گا اور اب ان یخرج زید محل رفع میں ہو جائے گا، کیونکہ اب فاعل کہلائے گا اور پہلی صورت میں محل نصب میں تعاغسنی کی خبر ہونے کی وجہ سے۔

سبق سی و ششم

افعال مدح وذم کا بیان

فصل- بدانکہ افعال مدح وذم چہاراست نِعْمَ وَحَبَّذَا برائے مدح وَبِئْسَ وَسَآءَ برائے ذم وہر چہ مابعدِ فاعل باشد آن را مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم گویند وشرط آنست کہ فاعل معرف بہ لام باشد چوں نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ یا مضاف بسوئے معرف بہ لام باشد چوں نِعْمَ صَاحِبُ الْقَوْمِ زَيْدٌ یا ضمیر مستتر مُمَيَّزْ بنکرہ منصوبہ چوں نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ فاعل نِعْمَ هُوَ است مستتر در نِعْمَ ورَجُلًا منصوب است بر تمیز زیرا کہ هُوَ مبہم است وَحَبَّذَا زَيْدٌ حَبَّ فعل مدح ست وذَا فاعلِ او وزَيْدٌ مخصوص بالمدح وہم چنیں بِئْسَ الرَّجُلُ زَيْدٌ وسَآءَ الرَّجُلُ عَمْرٌو۔

ترجمہ- جان تو کہ تعریف اور برائی کے افعال چار ہیں نِعْمَ اور حَبَّذَا تعریف کے واسطے ہیں اور بِئْسَ اور سَاءَ برائی کے واسطے ہیں اور جو کچھ (ان کے) فاعل کے بعد ہوگا اس کو مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم کہتے ہیں اور شرط وہ ہے کہ فاعل معرف باللام ہو جیسے نعم الرجل زیدٌ (زید بہترین مرد ہے) یا مضاف ہو معرف باللام والے کی طرف جیسے نعم صاحب القوم زیدٌ (زید قوم کا بہترین چودھری ہے) یا ایسی ضمیر جو مستتر ہو تمیز لائی گئی ہو نکرہ منصوبہ کے ساتھ جیسے نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ (زید بہترین مرد ہے) نِعْمَ کا فاعل ھو ہے نِعْمَ میں چھپا ہوا اور رَجُلًا منصوب ہے تمیز کی بنا پر کیونکہ ھو مبہم ہے اور حَبَّذَا زَيْدٌ، حَبَّ فعل مدح ہے اور ذَا اس کا فاعل اور زیدٌ مخصوص بالمدح اور ایسے ہی بِئْسَ الرَّجُلُ زیدٌ اور سَاءَ الرَّجُلُ عَمْرٌو۔

حل مضمون- مَدْحٌ بمعنی تعریف کرنا ف سے ذَمٌّ ن سے بمعنی برائی کرنا یا برا کہنا، اصطلاح میں افعال مدح وذم وہ کہلاتے ہیں جن کے ذریعہ کسی کی اچھائی یا برائی کو وجود میں لایا جاوے نہ یہ کہ ان کے ذریعہ کسی کی مدح وذم کی خبر دیجائے جیسے نعم الرجل زیدٌ (زید اچھا آدمی ہے) **سوال** مدحتہٗ میں نے اس کی تعریف کی اور ذممتہٗ میں نے اس کی برائی کی ان دونوں فعلوں سے بھی تو تعریف ہو رہی ہے، اور برائی ہو رہی ہے ان کو افعال مدح وذم کہنا چاہئے **جواب** افعال مدح وذم سے وہ افعال مراد ہیں جن سے مدح اور ذم بطور انشاء سمجھ میں آتی ہو نہ کہ بطور خبر۔

سوال بطور انشاء کا کیا مطلب؟

جواب انشاء کے معنی ہیں پیدا کرنا کسی چیز کو فی الحال عدم سے وجود میں لانا تو افعال مدح وذم سے تعریف یا برائی کو فی الحال عدم سے وجود میں لایا جاتا ہے اور مدحتهٔ اور ذممتهٔ ان میں تعریف برائی کی خبر تو ہے مگر انشاء نہیں ہے کہ فی الحال ہی وجود میں لاکر وہ تعریف یا برائی کی جارہی ہو اسی لئے کہ ان افعال مدح وذم میں گذشتہ خبر کے بجائے ابھی وجود میں لایا جاتا ہے اور انشاء کے معنی ان میں ہوتے ہیں ان سے بننے والے جملے جملہ انشائیہ کہلائیں گے،

ہاں ایک **جواب:** یہ ہے کہ افعال مدح وذم سے مراد یہاں اصطلاحی افعال وذم ہیں یعنی جو وضع ہی اس لئے ہوئے ہوں کہ ان سے کسی کی مدح وذم کا اظہار کیا جائے گا ہر وہ فعل مراد نہیں جو لغۃً بھی مدح اور ذم کے معنی رکھتا ہو اور اصطلاحی افعال مدح وذم کے وہ عند النحویین نعم اور حبذَا اور بِئسَ سَاءَ ہیں۔

سوال اصطلاحی افعال مدح وذم اور لغوی افعال مدح وذم میں کیا فرق ہے۔

جواب : اول تو غیر متصرف ہیں یعنی ان کی گردان ماضی مضارع امر ونہی کی عام افعال کی طرح نہیں آتی ہے اور لغوی یا عام افعال گردانوں والے ہوتے ہیں۔

نِعْمَ یہ دراصل نَعِمَ بفتح النون وکسر العین پھر عین کا کسرہ ماقبل نون کو دیکر عین ساکن کردیا برائے تخفیف بئس بھی بفتح الباء وکسرہ الہمزہ تھا اس میں باء کا کسرہ ماقبل کو دیکر ہمزہ ساکن کردی ہے۔

نِعْمَ کے معنی بہترین، عمدہ، اچھے کے ہیں اور یہی معنی حبذا کے ہیں اور بئس کے معنی خراب، برا، اور بیکار کے ہیں اور یہی معنی ساءَ کے ہوں گے دو فعل برائی کے اظہار کے لئے اور دو ہی اچھائی کے اظہار کے لئے جیسے نعم الرجل زیدٌ (زید اچھا مرد ہے) اور بئس الرجل خالدٌ (خالد برا مرد ہے)

نعم کے بعد دو کلمے آتے ہیں اول کو نعم کا فاعل کہتے ہیں اور دوسرے کو مخصوص بالمدح ایسے ہی بئس اور ساء میں اول کو ان کا فاعل اور دوسرے کو مخصوص بالذم کہتے ہیں لیکن حَبّذا کے بعد صرف ایک ہی کلمہ ہوگا جو مخصوص بالمدح کہلائے گا اب رہا سوال حبذا کے فاعل کا تو وہ لفظ ذا ہی بنے گا۔

سوال : مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم کا کیا مطلب ہے۔

جواب : نعم الرجلُ زیدٌ اور بئس الرجلُ خالدٌ یہ جملے دراصل ابہام اور تفسیر پر مشتمل ہیں کیونکہ نعم اور بئس کہنے سے صرف یہ معلوم ہوا کہ اچھا ہے یا خراب ہے پھر جب کہا الرجل تو کچھ تخصیص ہوگئی یعنی جسے ہم اچھا یا برا کہہ رہے ہیں وہ کوئی مرد ہے۔

سوال الرجل معرف باللام ہے جس سے مخصوص مرد مراد ہونا چاہئے اور تم کہتے ہو کہ کوئی مرد ہونے کا علم ہوا۔

جواب یہ الف لام عہد ذہنی کا ہے جو نکرہ کے حکم میں ہوا کرتا ہے کیونکہ الف لام عہد ذہنی جہاں ہوتا ہے اس کے مدخول سے ایسی ماہیت مراد ہوتی ہے جو کسی فرد غیر معین کے اندر پائی جارہی ہو جیسے اِنّیْ اخاف ان یاکله الذئب میں حضرت یعقوب علیہ

السلام نے جس بھیڑیئے کھانے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ متعین نہ تھا البتہ ماہیت متعین تھی کہ میرے یوسف کو بھیڑیئے جیسی ماہیت کا جانور کھائے گا اگر کھائے گا اور یہ اس لئے کہ اس علاقہ میں بھیڑیئے زیادہ ہوتے ہوں گے مگر وہ فرد طے نہیں بھیڑیوں میں سے کوئی بھی بھیڑیا ہو سکتا ہے جس کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے اسی لئے آیت کا ترجمہ نکرہ والا ہوگا کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھالے، بہرحال الرجل سے کچھ وضاحت ہوئی لیکن اب بھی ابہام ہے کہ آخر وہ کون مرد ہے جسے اچھا کہہ رہے ہیں تو تم نے تیسرے نمبر پر زید بول کر اس اچھے ہونے کی تعریف کے ساتھ مخصوص اور متعین ہونے والے آدمی کا نام ہی لے دیا کہ وہ زید ہے تو افعال مدح وذم میں ایک دم سے اچھا اور خراب ہونے والے کا نام نہیں لیا جاتا ہے بلکہ اول نِعْمَ کہا پھر کہا الرجل کہ وہ کوئی مرد ہے پھر کہا زَیْدٌ کہ وہ زید ہے تو گویا برائی اور تعریف کے ساتھ مخصوص کا ذکر سب سے بعد میں کرتے ہیں اس لئے اس بعد میں آنے والے کا لقب مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم ہوا۔

سوال اس طرح ترسا ترسا کے اچھا اور خراب بتانے میں کیا فائدہ۔

جواب کوئی بھی چیز جب رک رک کے بتائیں گے تو وہ اوقع فی النفس اور دلنشیں ہو جاتی ہے کیونکہ انتظار کے بعد جس چیز کو سنے گا ڈھنگ سے سنے گا اور دل میں اتر جائیگی اور یاد بھی رہے گی۔

نعم الرجل زیدٌ کی ترکیب اس طرح کہ نعم فعل مدح الرجل فاعل فعل فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم زیدٌ مبتدا مؤخر مبتدا خبر مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگا، (۲) نعم الرجل فعل فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ مدحیہ انشائیہ ہو جائے گا اور زیدٌ ھو محذوف کی خبر بنے گی اور زیدٌ اپنے مبتدا ھو سے ملکر جملہ اسمیہ ہو جائے گا اول ترکیب کے لحاظ سے ایک جملہ دوسرے کے لحاظ سے دو جملے ہوں گے۔

سوال دوسری ترکیب میں ھُوَ کہاں سے محذوف مانا۔

جواب ھُوَ محذوف ماننے کا یہاں قرینہ موجود ہے کیونکہ جب کسی نے نعم الرجل کہا کہ کوئی مرد بڑھیا ہے؟؟ سوال ہوا مَنْ ھُوَ کہ وہ کون ہے؟ جواب آیا ھو زیدٌ کہ وہ زید ہے تو **سوال** مقدر میں ھو آنے سے **جواب** میں ختم کر دیا اور صرف زیدٌ ہے کہہ دیا گیا، یہ دو ترکیب نعم اور بئس اور ساء حبَّذا چاروں میں جاری ہوں گی۔

پھر فاعل اور مخصوص بالمدح کے لئے ایسے ہی فاعل اور مخصوص بالذم کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں واحد تثنیہ جمع نیز مذکر ومؤنث ہونے میں ایک دوسرے کے مطابق ہوں اور یہ اس لئے کہ فاعل اور مخصوص سے مراد ایک ہی ذات ہوتی ہے اور دونوں کا مصداق ایک ہے چنانچہ جو الرجل ہے وہی زید ہے اور جو زید ہے وہی الرجل ہے، البتہ خود نعم اور بئس اور ساء ان تینوں اور ان کے فاعل میں صرف مذکر ومؤنث ہونے میں مطابقت ضروری ہے فقط جیسے مرد کے لئے نعم الرجل زیدٌ عورت کے لئے نِعْمَتِ الْمَرْءَۃُ فاطمۃُ بولیں گے، اور حبذا میں ان اوپر کی چیزوں میں مطابقت نہیں ہوا کرتی ہے چنانچہ ذا فاعل اسی حالت پر رہے گا چاہے مخصوص واحد ہو یا تثنیہ ہو یا جمع ہو مذکر ہو یا مؤنث ایسے ہی خود ذا اور حب میں مطابقت کی ضرورت نہیں ہے،

مرد ہو یا عورت حبذا مذکر ومؤنث واحد تثنیہ جمع سب کے لئے اور سب استعمالات میں اسی طرح بولا جائے گا، چنانچہ حبذا الرجل زیدٌ اور حبذا المرءۃ فاطمہ بولیں گے۔

افعال مدح وذم کے فاعل کے لئے تین شرطیں ھیں: یہ تین شرطیں حبذا کو چھوڑ کر ہیں کیونکہ اس میں ذا ہی فاعل ہوتا ہے جس کے لئے کوئی شرط نہیں ہاں باقی نعم بئس اور ساء ان تین کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) ان کا فاعل معرف باللام ہو جیسے نعم الرجل زیدٌ (۲) اگر معرف باللام نہ ہو تو پھر معرف باللام کی طرف مضاف ہونے والی چیز ان کا فاعل ہو جیسے نعم صاحب القوم زیدٌ (قوم کا چودھری یعنی زید بہترین ہے) (۳) ان کا فاعل خود ان کے اندر پوشیدہ ضمیر بنے گی اور اس ضمیر کی وضاحت نکرہ منصوبہ سے کی جارہی ہے ہوگی جیسے نِعْمَ رَجُلاً زَیْدٌ نِعْمَ فعل مدح اس کے اندر ھُوَ ضمیر ممیز اور رجلاً تمیز ممیز تمیز سے مل کر نعم کا فاعل زیدٌ مخصوص بالمدح ہو جائے گا۔

سوال نعم میں ھو ضمیر کا مرجع کیا ہے۔

جواب: زید ہے جو مخصوص بالمدح بن رہا ہے۔

سوال مرجع بعد میں اور ضمیر پہلے جس سے اضمار قبل الذکر (یعنی مرجع کا ذکر آنے سے پہلے ضمیر لانے کا) کا اعتراض ہوگا

جواب زیدٌ مخصوص بالمدح ترکیب میں مبتدا بن رہا ہے اور نعم رجلاً اس کی خبر تو گو زید دیکھنے میں بعد میں ہے مگر مرتبہ کے لحاظ سے مقدم ہے کیونکہ خبر کا درجہ اپنے مبتدا کے بعد ہی ہوتا ہے نیز جو نعم رجلاً زیدٌ کہہ رہا ہے اسے تو پہلے سے پتہ ہے کہ کس کو بڑھیا بتاؤں گا مگر وہ اولاً مبہم رکھنا چاہتا ہے بعد میں وضاحت کرے گا اس لئے یہاں اضمار قبل الذکر ایک مصلحت کی وجہ سے ہے کہ شروع ہی سے بتانے میں زید اوقع فی النفس نہ ہوتا جیسا کہ اضمار قبل الذکر کی صورت میں ہو رہا ہے، چنانچہ نعم رجلاً زیدٌ کا ترجمہ یوں کریں گے بڑھیا ہے وہ یعنی کوئی مرد یعنی زید تو پہلے تو بالکل ہی مبہم ہے وہ کہنے میں پھر رجلاً سے کچھ تخصیص ہوئی پھر زید سے بالکل ہی جان لیا گیا کہ وہ بڑھیا مرد زید نام کا ہے۔

فائدہ: کبھی افعال مدح کا فاعل ایسی ضمیر بھی بنتی ہے جس کی تمیز ایسا ما نکرہ ہوگا جو شئی کے معنی میں ہوگا جیسے قرآن میں ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّاھِیَ ای نعم شیئا ہی یعنی اگر صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ ظاہر کر کے دینا کیا ہی عمدہ بات ہے۔

فائدہ: کبھی مخصوص بالمدح قرینہ سے محذوف بھی ہوتا ہے جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ، کہ ایوب بہترین بندہ ہے کہ واقعی وہ لو لگانے والا بندہ ہے اس کی اصل عبارت یوں ہے نِعْمَ الْعَبْدُ (اَیُّوْبُ) اِنَّہٗ اَوَّابٌ اور قرآن میں جگہ جگہ مخصوص بالمدح اور بالذم محذوف ہوتے ہیں جیسے فنعم الماھدون میں "نحن" اور بئس للظلمین بدلاً میں "اِبلِیسُ" ہے مکمل آیت یوں ہے (۱) وَالْاَرْضَ فَرَشْنَاھَا فَنِعْمَ الْمَاھِدُوْنَ (نَحْنُ) (اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے زمین کو بچھایا تو کیا ہی عمدہ بچھانے والے ہیں یعنی ہم) (۲) بِئْسَ: لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلاً (اِبْلِیْسُ) کہ ظالموں کا بدل بہت برا ہے پھر کون ہے وہ بدل یعنی مخصوص بالذم تو یہ محذوف ہے یعنی اِبْلِیْسُ۔

سبق سی و ہفتم

افعال تعجب کا بیان

فصل۔ بدانکہ افعال تعجب دو صیغہ از ہر مصدر ثلاثی مجرد باشد اول مَا اَفْعَلَهٗ چوں مَا اَحْسَنَ زَيْدًا چہ نیکوست زید تقدیرش اَیُّ شَیْءٍ اَحْسَنَ زَيْدًا مَا بمعنی اَیُّ شَیْءٍ است در محل رفع بابتدا و اَحْسَنَ در محل رفع خبر مبتدا و فاعل اَحْسَنَ هُوَ است در و مستتر و زَيْدًا مفعول بہ، دوم اَفْعِلْ بِهٖ چوں اَحْسِنْ بِزَيْدٍ اَحْسِنْ صیغہ امر است بمعنی خبر تقدیرش اَحْسَنَ زَيْدٌ اَیْ صَارَ ذَا حُسْنٍ و با زائدہ است۔

ترجمہ۔ جان تو کہ افعال تعجب دو صیغے ہیں ہر ثلاثی مجرد کے مصدر سے **اول مَا اَفْعَلَهٗ** جیسے مَا اَحْسَنَ زَيْدًا کیا ہی خوبصورت ہے زید اس کی اصل عبارت اَیُّ شَیْءٍ اَحْسَنَ زَيْدًا ہے مَا اَیُّ شَیْءٍ کے معنی میں ہے محل رفع میں ہے (یعنی مرفوع ہے) مبتدا ہونے کی وجہ سے اور اَحْسَنَ محل رفع میں ہے مبتدا کی خبر ہے اور اَحْسَنَ کا فاعل هُوَ ہے اس میں پوشیدہ ہے اور زَيْدًا مفعول بہ ہے **دوم اَفْعِلْ بِهٖ** جیسے اَحْسِنْ بِزَيْدٍ اَحْسِنْ صیغہ امر ہے اور (بجائے انشاء کے) خبر کے معنی میں ہے اس کی اصل عبارت اَحْسَنَ زَيْدٌ ہے یعنی صَارَ ذَا حُسْنٍ (بن گیا وہ حسن والا) اور باء زائد ہے۔

حل مضمون۔ افعال تعجب سے اصطلاحی مراد ہیں جن کو تعجب کے انشاء و اظہار کے لئے وضع اور بنایا گیا ہو اور ان کی گردان بھی نہ آتی ہو لہٰذا عَجِبْتُ اور تَعَجَّبْتُ کہ میں نے تعجب کیا کلمات نکل جاویں گے کیونکہ تعجب فی الحال ظاہر کرنے کے لئے یہ نہیں بلکہ ان میں تو تعجب کی خبر ہے پھر تعجب کے انشاء اظہار کے لئے اہل عرب کے یہاں دو وزن اور دو صیغے ہیں فقط جب کبھی تعجب دکھانا ہو تو بس یہی دو صیغے استعمال ہوں گے ان سانچوں اور صیغوں کے علاوہ اظہار تعجب کسی اور سانچے میں لا کر نہیں ہو سکتا ایک وزن مَا اَفْعَلَهٗ ہے (۲) اَفْعِلْ بِهٖ **سوال** ان دو وزنوں سے کس قسم کی ترکیب اور صیغہ (ڈھلائی) مراد ہے **جواب** اول وزن سے ایسا وزن مراد ہے جس میں کسی فعل کو اَفْعَلَ کے وزن پر لا کر اس سے پہلے مَا اور اخیر میں ھاء جوڑ دیں ہاء سے مراد ھاء کا لگانا ہی نہیں مراد ہے بلکہ اس کے آخر میں کسی مفعول بہ کو لانا ہے چاہے ھاء کی شکل میں ہو یا اسم ظاہر کی شکل میں جیسے مَا اَحْسَنَ زَيْدًا اور مَا اَحْسَنَهٗ اور دوسرے وزن سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں کسی فعل کو اَفْعِلْ کے وزن پر لا کر اس کے ساتھ بہ لاؤ لیکن بہ سے مراد باء کے بعد مفعول بہ لانا ہے چاہے اسم ضمیر ھاء خود ہو یا اسم ظاہر ہو جیسے اَحْسِنْ بِزَيْدٍ اور اَحْسِنْ بِهٖ ترجمہ دونوں ترکیبوں کا ایک ہی ہوتا ہے یعنی زید کس قدر خوبصورت ہے اول وزن یا ترکیب کی مثال مَا اَحْسَنَ زَيْدًا

ہے دوسرے کی اَحْسِنْ بِزَیْدٍ ہے۔

دونوں کی ترکیب کا طریقہ: پہلے وزن مَا اَحْسَنَ زَیْدًا کی ترکیب میں تین قول ہیں (۱) سیبویہ کا (۲) اخفش کا (۳) فَرّاء کا سیبویہ کہتے ہیں کہ مَا شَیْءٌ نکرہ کے معنی میں ہے جو مبتدا بنے گا اور اَحْسَنَ زَیْدًا اَحْسَنَ فعل۔ ضمیر اس میں فاعل زید مفعول بہ جملہ فعلیہ ہوکر ما جو بمعنی شَیْءٌ ہے کی خبر ہو جائے گی مبتدا خبر سے ملکر جملہ انشائیہ ہو جائے گا **سوال** مَا کو جب شَیْء کے معنی میں لیتا ہے تو نکرہ کر کے کیوں لیا یعنی بجائے اَلشَّیْءُ معرفہ کے شَیْءٌ نکرہ کیوں کیا جس کا ترجمہ ہوگا کوئی چیز ہے جس نے زید کو حسین بنا دیا نیز دوسری خرابی یہ ہے کہ مَا سے جب شَیْء مبہم مراد ٹھیری تو ما کا مبتدا بننا نکرہ رہتے ہوئے کیسے درست ہوگا مبتدا معرفہ ہوا کرتا ہے یا ایسا نکرہ جس کی تخصیص کر لی گئی ہو یعنی نکرہ مخصصہ **جواب** تعجب کے مناسب ما سے شَیْءٌ مبہم اور نکرہ مراد لینا ہی ہے کیونکہ تعجب جہالت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے جب ہمیں کسی چیز کے سبب اور وجہ کا علم نہ ہو تب ہی تعجب ہوگا ورنہ جب معلوم ہے کہ فلاں وجہ سے ایسا ہوا تو تعجب کیوں ہوگا مثلاً کسی برتن سے پانی نکلے اور سوراخ نظر نہ آتا ہو تو ہم کہیں گے ارے بھائی پانی کہاں سے نکل رہا ہے؟ جب سوراخ نظر آ جائے گا تعجب اور حیرانی ختم ہو جائے گی ایسے ہی یہاں زید کو حسین بنانے والی چیز معلوم نہیں ہے جس کی بناء پر مبہم اور مجہول طریقے سے کہہ رہے ہیں کہ کہ بھائی کوئی چیز ہے جس نے زید کو حسین بنا رکھا ہے اب رہا نکرہ کا مبتدا بننا تو اس کے تین **جواب** ہیں شَرٌّ اَهَرَّ ذَانَاب میں شر نکرہ کو مبتدا بنانے کے بھی یہی تین جواب ہیں اور ہماری مثال بھی بالکل اسی قبیل سے ہے جواب کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ یہاں خالص نکرہ نہیں بلکہ اس میں تخصیص ملحوظ ہے مگر تخصیص کیسے پیدا ہوگی اس کی دو تا دلیلیں ہیں (۱) شَرٌّ جو یہاں مقدم ہے یہ اصل میں مؤخر تھا اصل عبارت اَهَرَّ شَرٌّ ذَانَاب ہے اَهَرَّ باب افعال سے اَکْرَمَ کے وزن پہ ماضی کا واحد غائب ہے اِهْرَاءٌ بمعنی بھڑکانا ذَا بمعنی والا ناب بمعنی دانت یعنی دانت والا مراد اس سے کتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ کتے کو بھڑکانے والی چیز کوئی شر ہی ہے نہ کہ خیر کیونکہ خیر پیش آنے پر کتا بھڑکتا ہی نہیں ہے مثلاً مہمان آویں تو نہیں بھڑکے گا چور آویں تو بھڑکے گا یہ تو مطلب ہوا اب دیکھئے اَهَرَّ میں ایک ضمیر ہے جو اصل فاعل ہے شَرٌّ کو اس سے بدل مانا جائے گا اور بدل مبدل منہ دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہوتی ہے لہٰذا جیسے ھو ضمیر اَهَرَّ کا فاعل ہوگی شَرٌّ جو بدل ہے وہ بھی ہوگا لیکن شَرٌّ حقیقی فاعل نہ ہوگا بلکہ فاعل معنوی کہلائے گا **سوال** فاعل اصلی کیوں نہیں کہہ سکتے معنوی کیوں کہہ رہے ہو **جواب** یہ چال ہم کو اس لئے چلنی پڑ رہی ہے کہ شَرٌّ کو اَهَرَّ کا حقیقی فاعل قرار دینے کی شکل میں اس کا اهر سے پہلے لانا ناجائز ہو جائے گا کیونکہ حقیقی فاعل اپنے فعل سے پہلے نہیں آ سکتا اور ہم شَرٌّ کو اَهَرَّ کے بعد سے اٹھا کر اَهَرَّ سے پہلے لانا چاہتے ہیں تا کہ ہمیں یہ کہنے کا موقع حاصل ہو سکے کہ شرٌّ کا فاعل معنوی ہونے کی وجہ سے اس کا حق تاخیر کا تھا یعنی اَهَرَّ کے بعد آنے کا مگر اس کی تقدیم کر دی کہ اس کو اَهَرَّ سے پہلے لے آئے اور یہ قاعدہ صادق آیا تَقْدِیْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ وَالتَّخْصِیْصَ اور جب شرٌّ کے مؤخر سے مقدم ہو جانے پر اس میں حصر کا فائدہ حاصل ہو گیا تو اب شَرٌّ اَهَرَّ ذَانَابٍ معنی میں مَا اَهَرَّ ذَانَابٍ اِلَّا شَرٌّ کے ہو گیا اور اس میں تخصیص بھی پائی گئی کہ بس اور خاص طور سے کتے کو بھڑکانے والی

چیز صرف شر ہی ہے بہر حال ہمیں یہ بتانا ہے کہ شرٌ موخر سے مقدم ہو کر تَقْلِیْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ وَالتَّخْصِیْصَ کے قاعدہ کے تحت خالص نکرہ نہ رہا لہٰذا مبتدا بننا درست ہے اسی طرح مَا اَحْسَنَ زَیْدًا میں مَا بمعنی شَیْءٌ ہے جو اَحْسَنَ کا فاعل معنوی تھا پھر اس کو اَحْسَنَ پر مقدم کر دیا جس سے تخصیص پائی گئی اور دوسری تاویل شَرٌّ اَهَرَّ ذَانَابٍ میں یہ ہے کہ شرٌّ کی کوئی صفت مقدر مان لی جائے یعنی ذہن میں شر سے مراد عام شر نہیں جو نکرہ رہے بلکہ وہ خاص شر ہے جو عظیم ہونے کے ساتھ موصوف ہے لہٰذا جب ہم نے ذہن کے لحاظ سے بجائے مطلق شر کے خاص شر یعنی شر عظیم لیا تو اب اس میں تخصیص آ گئی اور نکرہ مخصصہ کا مبتدا بننا صحیح ہوتا ہے یا یوں کہیں کہ مَا اَحْسَنَ زَیْدًا میں مَا بمعنی شَیْ ہے اور شَیْ میں مطلق شَیْ مراد نہیں ہے بلکہ ایک خاص شَیْ اور وہ وہ ہے جس کا سبب ہونا مخفی ہے۔ لہٰذا مَا اَحْسَنَ زَیْدًا کی عبارت یہ ہو جائے گی شَیْءٌ خَفِیٌّ سَبَبُهُ اَحْسَنَ زَیْدًا (ترجمہ) ایسی چیز جس کے سبب بننے کا علم نہیں ہے اس نے زید کو حسین بنا دیا، **تیسرا جواب** یہ ہے کہ سیبویہ کے نزدیک خالص نکرہ بھی مبتدا بن سکتا ہے وہ کہتے ہیں کہ آیت وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ میں وجوہ نکرہ خالص مبتدا ہے نیز عرب کہتے ہیں کَوْکَبٌ اِنْقَضَّ السَّاعَةَ کہ کوئی ستارہ ہے جو ابھی ٹوٹا ہے۔

دوسری ترکیب اخفش کی ہے کہ مَا موصولہ بمعنی اَلَّذِیْ ہے اور اَحْسَنَ زَیْدًا فعل فاعل مفعول بہ سے مل کر جملہ ہو کر صلہ اسم موصول صلہ سے مل کر مبتدا اور خبر محذوف ہے شَیْءٌ عَظِیْمٌ مکمل عبارت یوں ہے اَلَّذِیْ اَحْسَنَ زَیْدًا شَیْءٌ عَظِیْمٌ کہ جس نے حسین بنایا زید کو کوئی زبردست چیز ہے۔

تیسری ترکیب فراء نحوی کی ہے کہ مَا استفہامیہ ہے اَیُّ شَیْءٍ کے معنی میں عبارت اَیُّ شَیْءٍ اَحْسَنَ زَیْدًا بنے گی یعنی کونسی چیز ہے جس نے زید کو حسین بنا دیا یہ قول معنی کے لحاظ سے قوی تھا اسی لئے مصنف نے اپنی کتاب میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور قوت اس میں اس لئے ہے مَا استفہامیہ مراد لینا یہاں موقع کے عین مناسب ہے کیونکہ یہ صیغہ تعجب ہے اور تعجب و استفہام دونوں میں جہالت پائی جاتی ہے کیونکہ پوچھنا بھی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے اور تعجب بھی سبب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے چناں چہ اس نے ناواقف ہونے کی وجہ سے پوچھا کہ اَیُّ شَیْءٍ اَحْسَنَ زَیْدًا اور اس پوچھنے سے اس کا متعجب ہونا بھی سمجھا جا رہا ہے تو مَا استفہام اور تعجب دونوں معنی دے رہا ہے۔

اَحْسِنْ بِزَیْدٍ کی ترکیب اس میں بھی تین قول ہیں (۱) سیبویہ کا (۲) اخفش کا (۳) فَرَّاء اور علامہ زمخشری کا اول ترکیب سیبویہ اس طرح کرتے ہیں کہ اَحْسِنْ بظاہر فعل امر ہے یعنی صورۃً صیغہ امر ہے اَکْرِمْ کے وزن پر مگر معنی ماضی کے ہوں گے کیونکہ تعجب اس وصف پر کیا جاتا ہے جو کسی میں پایا جا چکا اور پائے جانے کے بعد پایا چلا جا رہا ہو اسی لئے امر ہوتے ہوئے بھی تعجب کے صیغے میں ماضی والے معنی لینے پڑیں گے لہٰذا اَحْسِنْ صیغہ امر سے اَحْسَنَ صیغہ ماضی بن گیا اور باب افعال کی خاصیت ایک یہ بھی ہے کہ اس کی ہمزہ صیرورۃ کے لئے آتی ہے یعنی فاعل کو ماخذ والا بنا دیتی ہے جیسے اَلْبَنَ زَیْدٌ زید دودھ والا ہو گیا اَلْبَنَ کا ماخذ لَبَنٌ ہے جس والا زید ہو گیا ایسے ہی اَحْسَنَ کا ترجمہ ہو گا حسن والا ہو گیا اب اَحْسَنَ معنی میں صَارَ

ذا حسن کے ہوگیا کہ حسن والا ہوگیا اور بہٖ جوڑہ گیا ہے اس کو اس اَحْسَنَ کا فاعل بنادیں گے۔

سوال :بہٖ فاعل کیسے ہوگیا ب حرف جر اپنے مجرور سے ملکر متعلق ہوتا ہے نہ کہ فاعل۔

جواب کبھی مجرور بالباء بھی فاعل بنتا ہے جیسے کفی باللہ شھیدًا میں کَفٰی فعل کا فاعل باللہ ہے۔

سوال- فاعل اللہ ہے نہ کہ پورا باللہ

جواب تسامحًا اور زیادہ باریکی میں نہ جاتے ہوئے پورے باللہ ہی کو کہہ دیا کہ فاعل صرف اللہ ہی ہے۔

سوال: باء کا کیا ہوگا **جواب** یہ زائدہ کہلاتا ہے لازمی طور سے یعنی ہر جگہ یاد رہے کہ جب اَحْسَنَ کا فاعل باء کا مدخول یعنی زید بن گیا تو اب اَحْسَنَ میں کسی ضمیر کے ماننے کی ضرورت نہ رہے گی۔

دوسری ترکیب اخفش نحوی کے یہاں اس طرح ہے کہ اَحْسِنْ جیسے صورۃً امر ہے معنیً بھی رہے گا اور ہمزہ صیرورۃ کے لئے ہے یعنی ماخذ والا ہونا تو اَحْسِنْ کے معنی ہوگئے صِرْ ذَا حُسْنٍ کہ حسن والا بنجا پھر بزید میں جو باء ہے اس سے اَحْسِنْ متعدی بن گیا اور اب اَحْسِنْ معنی میں صِرْ ذَا حُسْنٍ کے بجائے صَیِّرْ ذَا حُسْنٍ کے ہوگیا یعنی بننے سے بنانے کا ترجمہ ہوجائے گا کہ حسین بنادے تو بہٖ اس کو یعنی مثلاً زید کو تو اب بہٖ کا باء متعدی بنانے کے لئے ہوگیا نہ کہ زائدہ اور باء کا مجرور "ہٖ" ہو یا "زید" مفعول بن جائے گا نیز اخفش کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اَحْسِنْ کی ہمزہ صیرورۃ اور تعدیہ دونوں کے لئے مان لو اور باء زائدہ کہہ لو اور باء کے مجرور کو مفعول بہ بنالو، اور اب گویا اَحْسِنْ بِہٖ معنی میں صَیِّرْهُ ذَا حُسْنٍ کے ہوا اور صَیِّرْهُ ذا حسن کا معنی ہوں گے اِجْعَلْهُ حَسَنًا کہ زید کو حسین بنادو **سوال** حسین بنانا تو کسے کے بس میں نہیں ہے **جواب** بنانے سے مراد بتانا اور کہنا ہے کہ اس کو حسین کہہ ڈالو، اس شکل میں بزید مفعول بہ ہے اور اَحْسِنْ میں اَنْتَ ضمیر فاعل بنے گی۔

تیسری ترکیب :فرّا اور زمخشریؒ کی ہے کہ ترکیب تو اخفش" والی رہے گی البتہ اَحْسِنْ میں اَنْتَ ضمیر کا خطاب خاص مخاطب کو ہونے کے بجائے ہر اس مخاطب کے لئے مانتے ہیں جو بھی مخاطب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، گویا جتنے بھی مخاطب ہیں سب سے علی سبیل البدلیہ یہ کہا جارہا ہے کہ تم میں سے ہر ایک آدمی زید کے حسن کو جس طرح بھی چاہے بیان کرے کیونکہ زید کے اندر تمام حسن کے پہلو خواہ وہ حسن جسمانی ہو اخلاقی ہو علمی عملی ہو سب اس میں موجود ہیں ایک یہ حسن بیان کرے دوسرا یہ بیان کرے اور کوئی بھی اس کا حسن بیان کرنا ہو کرے کیونکہ اس میں حسن کے تمام پہلو موجود ہیں، ان کے یہاں مثل اخفش" کے اَحْسِنْ امر ہے انت اس میں پوشیدہ فاعل ہے اور بہٖ مفعول بہ ہے باء زائدہ یا متعدی بنانے کے لئے ہے۔

ازھر مصدر ثلاثی مجرد: تعجب کے صیغے صرف ایسی ثلاثی مجرد مصدر سے بنتے ہیں جنہیں لون وعیب کے معنی نہ ہوں اسی لئے رباعی اور ثلاثی مزید فیہ اور وہ ثلاثی مجرد مصدر جس میں لون عیب کے معنی ہوں ان سے تعجب کے صیغے نہیں بنا کرتے **سوال** جن چیزوں سے صیغہ تعجب نہیں بن سکتا ان سے اگر تعجب کے معنی ادا کرنا ہو تو کس طرح کریں گے، **جواب** جن افعال سے فعل تعجب نہ بنتا ہو ان کا مصدر لیلو پھر دیکھو تمہارا اس مصدر کی شدت یا ضعف کثرت یا قلت حسن وقبح میں سے کس چیز کو بتانے

کاارادہ ہے تو خوبصورتی بدصورتی یا کمی زیادتی جس کو بھی ظاہر کرنے کاارادہ ہواسی مادہ سے ماافعل کاوزن بنالواور پھراس مصدر کو جس کا فعل تعجب نہیں بنتاان کے بعدرکھدواوراس مصدر کے آخر میں ایک ضمیر لے آؤ جو اس چیز کی طرف لوٹے گی جس کے کسی وصف پر تمہیں تعجب کرنا ہے مثلاً زید کے کانا ہونے پر تعجب کرنا ہے اورکانے کے لئے عوِرَ یَعْوَرُ عَوَرًا آتا ہے اس سے صیغہ تعجب نہیں بنتا اور مااَعْوَرَہٗ یااَعْوِرْبِہٖ نہیں کہاجاتا ہے اس لئے پہلے مصدر عَوَرًا لیں گے پھر مااَفْعَلَ کے وزن پر ہم نے ایک فعل لیا جو اس کے کانا ہونے کی زیادتی پر دلالت کرے یعنی مَا اَکْثَرَ یااَفْعِلْ کے وزن پر اَکْثِرْ پھر اس عَوَرًا مصدر کو اگر ما اَکْثَرَ کے بعدرکھنا ہے تو منصوب بنادواوراگر اَکْثِرْ کے بعد رکھنا ہے تو مجرور بالباء کردواوردونوں کے آخر میں ضمیر لے آؤ مَا اَکْثَرَ عَوَرَہٗ اوراَکْثِرْ بِعَوَرِہٖ بن جائے گا اور ضمیر کے بجائے اس کے مرجع کو بھی لاسکتے ہیں مَا اَکْثَرَ عَوَرَ زَیْدٍ اوراَکْثِرْ بِعَوَرِ زَیْدٍ کرسکتے ہیں کہ زید کس قدرکانا ہے اون کی مثال بنے گی ما اَشَدَّ حُمْرَۃَ زَیْدٍ یا اَشْدِدْ بِحُمْرَتِہٖ ثلاثی مزید فیہ کی مثال مَا اَشَدَّ مُقَاتَلَۃَ زَیْدٍ یااَشْدِدْ بِمُقَاتَلَتِہٖ (وہ کس قدرلڑنے والا ہے) اوررباعی کی مثال: مَااَشَدَّ دَمْدَمَتَہٗ یااَشْدِدْ بِدَمْدَمَتِہٖ (کس قدر بازبردست ہلاک کرنے والا ہے وہ)

سبق سی وہشتم

باب سوم

درعمل اسمائے عاملہ وآں یازدہ قسم است **ترجمہ** اسمائے عاملہ کے بیان میں اوروہ گیارہ قسم ہیں **اول اسمائے شرطیہ** بمعنی اِنْ وآں نہ است من و ما و اَیْنَ ومَتٰی و اَیُّ اَنّٰی و اِذْ مَا وحَیْثُمَا و مَہْمَا فعل مضارع راجزم کنند چوں مَنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ وَمَا تَفْعَلْ اَفْعَلْ وَاَیْنَ تَجْلِسْ اَجْلِسْ وَ مَتٰی تَقُمْ اَقُمْ وَاَیَّ شَیْءٍ تَاْکُلْ اٰکُلْ وَاَنّٰی تَکْتُبْ اَکْتُبْ وَاِذْمَاتُسَافِرْ اُسَافِرْ وَحَیْثُمَا تَقْصِدْ اَقْصِدْ وَمَہْمَا تَقْعُدْ اَقْعُدْ **دوم اسمائے افعال** بمعنی ماضی چوں ھَیْھَاتَ وَشَتَّانَ وَسَرْعَانَ اسم رابناء برفاعلیت برفع کنند چوں ھَیْھَاتَ یَوْمُ الْعِیْدِ، اَیْ بَعُدَ **سوم اسمائے افعال** بمعنی امرحاضر چوں رُوَیْدَ وَبَلْہَ وَ حَیْھَلْ وَعَلَیْکَ وَدُوْنَکَ وَھَا اسم رانصب کنند بناء برمفعولیت چوں رُوَیْدَ زَیْدًا اَیْ اَمْھِلْہُ۔

ترجمہ۔اول اسمائے شرطیہ اِنْ کے معنی میں اوروہ نو ہیں مَنْ اور ما اور اَیْنَ اور مَتٰی اور اَیُّ اور

اَنّٰی اور اِذْمَا اور حَیْثُمَا اور مَھْمَا فعل مضارع کو جزم کرتے ہیں جیسے مَنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ (جس کو مارے گا تو ماروں گا میں) اور مَاتَفْعَلْ اَفْعَلْ (جو کرے گا تو کروں گا میں) اور اَیْنَ تَجْلِسْ اَجْلِسْ (جہاں بیٹھے گا تو بیٹھوں گا میں) اور مَتٰی تَقُمْ اَقُمْ (جس وقت کھڑا ہوگا تو کھڑا ہوں گا میں) اور اَیَّ شَیْءٍ تَاْکُلْ اٰکُلْ (جو چیز کھائے گا تو کھاؤں گا میں) اور اَنّٰی تَکْتُبْ اَکْتُبْ (جہاں لکھے گا تو لکھوں گا میں) اور اِذْ مَاتُسَافِرْ اُسَافِرْ (جس وقت سفر کرے گا تو کروں گا میں) اور حَیْثُمَا تَقْصِدْ اَقْصِدْ (جہاں کا ارادہ کرے گا تو کروں گا میں) اور مَھْمَا تَقْعُدْ اَقْعُدْ (جہاں بیٹھے گا تو بیٹھوں گا میں)۔

دوسرے اسمائے افعال جو ماضی کے معنی میں ہوتے ہیں جیسے ھَیْھَاتَ (بمعنی بَعُدَ) (دور ہوا) اور شَتَّانَ (بمعنی اِفْتَرَقَ) (یعنی جدا ہوا) اور سَرْعَانَ (بمعنی سَرُعَ جلدی کی اس نے) اسم کو فاعل ہونے کی بناء پر رفع کرتے ہیں جیسے ھَیْھَاتَ یَوْمُ الْعِیْدِ اَیْ بَعُدَ یعنی عید کا دن دور چلا گیا۔

تیسرے ایسے اسمائے افعال جو امر حاضر کے معنی میں ہوتے ہیں جیسے رُوَیْدَ (بمعنی اَمْھِلْ مہلت دے تو) اور بَلْهَ (بمعنی دَعْ یعنی چھوڑ تو) اور حَیَّھَلْ (بمعنی اِیْتِ یعنی آ تو اور عَلَیْکَ (بمعنی اِلْزَمْ یعنی لازم پکڑ تو) اور دُوْنَکَ (بمعنی خُذْ یعنی لے تو) اور ھَا (بمعنی خذ یعنی لے تو) اسم کو مفعولیت کی بناء پر نصب کرتے ہیں جیسے رُوَیْدَ زَیْدًا اَیْ اَمْھِلْهُ یعنی مہلت دے تو اس کو۔

حل مضمون۔ لفظی عوامل کی تین قسمیں بتلائی تھیں (۱) حروف عاملہ ان کا بیان ہو چکا (۲) افعال عاملہ ان کا بیان بھی آ چکا ہے (۳) اسماء عاملہ یہاں سے اسی تیسری قسم کا بیان ہے۔

اسمائے شرطیہ: جہاں کسی کلام اور گفتگو میں کسی کام کے ہونے پر دوسرے کام کے ہونے یا نہ ہونے کا ذکر ہو تو یہاں دو جملے ہوں گے ایک وہ جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ اگر یہ کام ہو گیا جو اس جملے میں ہے تو وہ کام بھی ہوگا جو آئندہ دوسرے جملہ میں بیان کر رہے ہیں جیسے اِنْ تَکْتُبْ اَکْتُبْ اگر تو لکھے گا میں بھی لکھوں گا تو اس قسم کے کلام کو شرط و جزاء والا کلام کہا جاتا ہے اول جملہ جس پر دوسرے جملہ کا مدار بتایا جاتا ہے شرط کہلاتا ہے اور دوسرا جملہ جس کا مدار بتایا جاتا ہے اس کو جزاء کہتے ہیں اسی لئے ان نو کلمات کو کلمات الشرط والجزاء بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ شرط و جزاء پر داخل ہوتے ہیں اور کلم المجازات بھی فقط ایک جزء کے لحاظ سے ان کا ایک نام ہے چونکہ مجازاۃ باب مفاعلۃ کا مصدر جس کے معنی جزاء اور بدلہ دینے کے ہیں کیونکہ ان جملوں میں بھی جزاء اور بدلہ کے معنی پائے جاتے ہیں کہ جب یہ ہو جائے گا اس کے بدلہ میں یہ ہوگا اور جیسے کسی اچھے یا برے کام پر بدلہ اور جزاء پائی جاتی ہے ایسے ہی یہاں کہ اگر تو نے یہ کام کر لیا تو اس کے بدلہ میں یہ کروں گا بمعنی اِنْ یہ نو کے نو کلمات اپنے اندر اِنْ شرطیہ کے معنی رکھتے ہیں اسی لئے مثل اِنْ کے ان کے بعد دو جملے ہوتے ہیں جن کو شرط و جزاء کہتے ہیں اور مضارع کے دو جملوں پر داخل ہو کر اس کو جزم دیتے ہیں اگر یہ کلمات ان شرطیہ کے معنی سے خالی ہوں تب نہ یہ دو جملے پر داخل ہونے ضروری اور نہ ان کی وجہ

سے جزم ضروری ہوگا جیسے مَنْ جب استفہامیہ ہو مثلاً مَنْ تَضْرِبْ تو کس کو مارے گا۔

مَنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ اس میں مَنْ مفعول مقدم ہے تَضْرِبْ فعل فاعل مفعول مقدم سے مل کے شرط اَضْرِبْ فعل فاعل سے ملکر جزاء ہو کر جملہ شرطیہ جزائیہ بن جائے گا۔

اَیْنَ تَجْلِسْ اَجْلِسْ: اَیْنَ ظرف مکان یا مفعول فیہ مقدم ہے باقی ترکیب مثل مَنْ کے ہوگی اور اَیْنَ کے ساتھ کبھی مَا بھی لگ جاتا ہے جیسے اَیْنَمَا تَکُنْ اَکُنْ (جس جگہ تو ہوگا میں ہوں گا)

مَتٰی تَقُمْ اَقُمْ: مَتٰی ظرف زمان یا مفعول فیہ مقدم ہے اور اس کے ساتھ بھی کبھی ما لگتا ہے جیسے مَتٰی مَا تَخْرِجْ اَخْرُجْ (جس وقت تو نکلے گا نکلوں گا میں) اَیَّ شَیْءٍ تَاْکُلْ اٰکُلْ، اَیَّ مضاف اپنے مضاف الیہ کے مل کر مفعول مقدم ہوگا۔ اور اَیَّ منصوب پڑھا جاوے گا۔

اَنّٰی تَکْتُبْ اَکْتُبْ اَنّٰی ظرف مکان مقدم ہے اور تَکْتُبْ کا مفعول فیہ ہے۔

اِذْ مَاتُسَافِرْ اُسَافِرْ الخ اس میں اِذْمَا ظرف زمان مقدم ہے حَیْثُمَا تَقْصُدْ اَقْصُدْ: اس میں حیثما ظرف مکان مقدم ہے مَهْمَا تَقْعُدْ اَقْعُدْ اس میں بھی مَهْمَا ظرف زمان مقدم ہے یعنی مفعول فیہ ہے۔

(**فائدہ**) مَنْ اور مَا اور اَیُّ یہ تینوں مرفوع بھی ہوتے ہیں منصوب بھی مجرور بھی جب مرفوع ہوں گے تو مبتدا ہوا کرتے ہیں جیسے مَنْ یَاتِنِیْ فهو مُکْرَمٌ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خیر فَتُجْزَوْنَ عَلَیْهِ اَیُّهُمْ قَائِمٌ، اَیُّ کبھی خبر ہو کر بھی مرفوع ہوتا ہے اور جب منصوب ہوں گے تو مفعول بہ ہوتے ہیں جیسے اسماء شرطیہ کی کئی مثالوں میں آچکا ہے اور جب مجرور ہوں گے تو کسی حرف جر کے تحت آویں گے یا مضاف الیہ بنیں گے، جیسے غُلَامَ مَنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ جس کے غلام کو تو مارے گا میں بھی ماروں گا، اور بِمَنْ تَمُرُّ اَمُرُّ جس کے پاس سے تو گزرے گا میں بھی گزروں گا اور بِاَیِّهِمْ مررتَ مَرَرْتُ ان میں سے جس کے پاس سے گزرا تو گزرا میں، ان تین کے علاوہ باقی اسمائے شرطیہ صرف دو حال رکھتے ہیں یا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب جیسے کہ مثالوں میں ہے یا مجرور بحرف جر جیسے مِنْ اَیْنَ تَقْرَأْ اَقْرَأْ جہاں سے تو پڑھے میں پڑھوں گا۔

اسمائے افعال: ان کی تعریف اور وجہ تسمیہ اور دیگر تفصیل اسم غیر متمکن کی بحث سبق چہار دہم میں آچکی ہے۔ رُوَیْدَ بمعنی اَمْهِلْ ہونے کی وجہ سے اس میں ضمیر اَنْتَ مانی جائے گی اور زیداً مفعول بہ بن جائے گا، پھر اَیْ اَمْهِلْهُ میں اَیْ حرف تفسیر ہے اس سے پہلے جو ہو اس کو مفسَّر بفتح السین اور بعد میں جو مُفَسِّر بکسر السین کہتے ہیں پھر مُفَسَّرْ اپنے مُفَسِّرْ سے ملکر جملہ تفسیریہ بن جائے گا۔

اسمائے افعال: جو ماضی کے معنی میں ہوتے ہیں وہ صرف فاعل پر مکمل ہو جاتے ہیں اس لئے ان کا عمل صرف یہ ہوگا کہ اپنے مابعد کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع دیدیں اور جو امر حاضر کے معنی میں ہوتے ہیں ایسے اسمائے افعال چونکہ اپنے اندر ضمیر تو رکھتے ہی ہوں گے اس لئے ان کا مابعد مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب لے گا۔

سبق سی ونہم

چہارم اسم فاعل بمعنی حال یا استقبال عمل فعل معروف کند بشرطِ آنکہ اعتماد کردہ باشد بر لفظیکہ پیش از و باشد و آں لفظ **مبتدا** باشد در **لازم** چوں زَیْدٌ قَائِمٌ اَبُوْهُ و در متعدی چوں زَیْدٌ ضَارِبٌ اَبُوْهُ عَمْرًا یا **موصوف** چوں مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ اَبُوْهُ بَكْرًا یا **موصول** چوں جَاءَنِیْ القائم ابوہ وجاء نی الضاربُ ابوہ عمراً یا **ذوالحال** چوں جَاءَنِیْ زَیْدٌ رَاكِبًا غُلَامُهٗ فَرَسًا یا **ھمزہ استفھام** چوں اَضَارِبٌ زَیْدٌ عَمْرًا یا **حرف نفی** چوں مَا قَائِمٌ زَیْدٌ ہماں عمل کہ قَامَ وَضَرَبَ می کرد قَائِمٌ و ضَارِبٌ می کند **پنجم اسم مفعول بمعنی حال یا استقبال** عمل فعل مجہول کند بشرطِ اعتمادِ مذکور چوں زَیْدٌ مضروبٌ اَبُوْهُ۔ عَمْرٌو مُعْطٰی غُلَامُهٗ دِرْهَمًا وَبَكْرٌ مَعْلُوْمٌ نِ ابْنُهٗ فَاضِلًا و خَالِدٌ مُخْبَرٌ نِ ابْنُهٗ عَمْرًوا فَاضِلًا ہماں عمل کہ ضُرِبَ و اُعْطِیَ و عُلِمَ و اُخْبِرَ میکرد مَضْرُوْبٌ و مُعْطٰی و مَعْلُوْمٌ و مُخْبَرٌ می کند۔

ترجمہ: چوتھے اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں (اسم فاعل) فعل معروف کا عمل کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اعتماد اور ٹیک کئے ہو ایسے لفظ پر کہ جو اس سے پہلے ہو اور وہ لفظ یا **مبتدا** ہو گا فعل لازم میں جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ اَبُوْهُ اور فعل متعدی میں جیسے زَیْدٌ ضَارِبٌ اَبُوْهُ عَمْرًا (زید مار رہا ہے اس کا ابا عمرو کو) یا **موصوف** ہو جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ اَبُوْهُ بَكْرًا (گذرا میں ایسے مرد کے پاس سے کہ مار رہا ہے اس کا ابا بکر کو) یا **اسم موصول** ہو جیسے جَاءَنِیْ الْقَائِمُ اَبُوْهُ (آیا میرے پاس وہ کہ کھڑا ہے جس کا ابا) اور (جَاءَنِیْ) الضَارِبُ ابوهُ عمرواً (آیا میرے پاس وہ کہ مار رہا ہے اس کا ابا عمرو کو) یا **ذو الحال** ہو جیسے جَاءَنِیْ زَیْدٌ رَاكِبًا غُلَامُهٗ فَرَسًا (آیا میرے پاس زید دراں حالانکہ سوار ہے اس کا غلام گھوڑے پر) یا **ھمزہ استفھام** ہو جیسے اَضَارِبٌ زَیْدٌ عَمْرًوا (کیا مار رہا ہے زید عمرو کو) یا **حرف نفی** ہو جیسے مَا قَائِمٌ زَیْدٌ (نہیں کھڑا ہے زید) جو عمل کہ قَامَ اور ضَرَبَ کرتے ہیں قَائِمٌ اور ضَارِبٌ کرتے ہیں

پانچویں اسم مفعول جو حال یا استقبال کے معنی میں ہو (یہ) فعل مجہول کا عمل کرتا ہے مذکورہ اعتماد کے ساتھ جیسے زَیْدٌ مَضْرُوْبٌ اَبُوْهُ، زید اس کا ابا مارا گیا اور عَمْرٌو مُعْطٰی غُلَامُهٗ دِرْهَمًا، عمرو اس کا غلام درہم دیا گیا، اور بَكْرٌ مَعْلُوْمٌ نِ ابْنُهٗ فَاضِلًا، بکر جان لیا گیا کہ اس کا بیٹا فاضل ہے اور خَالِدٌ مُخْبَرٌ نِ ابْنُهٗ عَمْرًا فَاضِلًا خالد بتلا دیا گیا

اس کا بیٹا کہ عمرو فاضل اور پڑھا لکھا ہے جو عمل کہ ضُرِبَ اور اُعْطِيَ اور عُلِمَ اور اُخْبِرَ کرتے ہیں مَضْرُوْبٌ اور مُعْطًى اور مَعْلُوْمٌ اور مُخْبَرٌ کرتے ہیں۔

حل مضمون۔ اسماء میں سے اسم فاعل بھی عمل کرتا ہے پھر اسم فاعل چونکہ فعل مضارع سے بنتا ہے اور فعل مضارع فعل ماضی سے بنتا ہے اور ماضی مصدر سے بنتی ہے اور مصدر دو طرح کا ہوتا ہے لازم اور متعدی فعل لازم فاعل پر مکمل ہو جاتا ہے مفعول بہ کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور فعل متعدی محتاج ہوتا ہے مفعول بہ کا تو اسم فاعل اگر فعل متعدی سے بنے گا تو اس کا عمل بھی فعل متعدی والا ہوگا اور لازم بنے گا تو فعل لازم والا عمل کرے گا فعل لازم سے بنے اسم فاعل کی مثال زَيْدٌ قَائِمٌ اَبُوْهُ ہے کیونکہ قیام تنہا ایک آدمی سے وجود میں آجاتا ہے مثل ضرب اور مار کے اور آدمی کے ضرورت نہیں ہے کہ جس کو مارے گا وہ بھی ہو تو اس میں قائم اسم فاعل نے اَبوہ کو رفع دے رکھا ہے اور ابوہ اس کا فاعل ہے اور فعل متعدی سے بنے اسم فاعل کی مثال زَيْدٌ ضَارِبٌ ابوه عَمْرًوا ہے کہ زید اس کے ابا نے عمرو کی پٹائی کی ہے، چونکہ مار بغیر دو شخصوں کے وجود میں نہیں آتی ہے اس لئے مفعول بہ کی ضرورت رہے گی لیکن اسم فاعل اپنے فعل چاہے وہ لازم ہو یا متعدی جیسا عمل کرنے میں دو شرطوں کا محتاج ہے (۱) اسم فاعل میں مثل مضارع کے حال یا استقبال کا زمانہ ہونا ضروری ہے۔

سوال یہ شرط کیوں لازم ہے۔

جواب اسم فاعل چونکہ فعل مضارع سے بنتا ہے اور ہر اسم فاعل جس فعل مضارع سے بنے گا اس مضارع کے حروف حرکات اور سکنات میں برابر ہوتا ہے جیسے ضاربٌ میں چار حرف ہیں اس کے مضارع یضرب میں بھی چار ہی ہیں اور جیسے ضاربٌ میں تین حرکتیں اور ایک سکون ہے یہی بات یضرب میں بھی ہے تو چونکہ لفظاً اور ظاہراً اسم فاعل اپنے مضارع سے مشابہت رکھتا ہے اس لئے معنیً بھی اس کو مضارع کے مشابہ کرنے کے لئے حال یا استقبال کا زمانہ ہونا اسم فاعل میں ضروری کر دیا تاکہ اس لفظی اور معنوی دونوں طرح کی مشابہت ہونے سے فعل مضارع جیسا اسم فاعل ہو جاوے کیونکہ اصل عمل تو افعال کا ہی ہوتا ہے اور ان کے فاعل اور مفعول ہوا کرتے ہیں اسماء جیسے اسم فاعل ومفعول وغیرہ کا عمل تو مشابہت کے طفیل ہے اس لئے جتنی مشابہت قوی ہوگی اتنا ہی بہتر ہوگا، (۲) دوسری شرط اسم فاعل کے عمل کرنے کے لئے یہ ہے کہ اس سے پہلے چھ چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے (۱) مبتدا (۲) موصوف (۳) اسم موصول (۴) ذوالحال (۵) ہمزہ استفہام (۶) حرف نفی ما وغیرہ۔

سوال اسم فاعل کے عمل کے لئے یہ دوسری شرط کیوں ضروری ہوئی۔

جواب یہ شرط بھی اسم فاعل میں عمل کی قوت پیدا کرنے کے لئے ہی ہے کہ جیسے فعل اپنے فاعل کا سہارا لیتا ہے ایسے ہی اسم فاعل اپنے سے پہلی چیز پر اعتماد اور سہارا لے گا اور استناد الی الشیٔ یعنی کسی چیز کا سہارا لینا فعل کے لوازم اور خاصہ میں سے ہے،

کیوں کہ فعل ہمیشہ کسی فاعل کا محتاج ہوتا ہے جس سے وجود میں آئے گا لہٰذا اسم فاعل جب اس سے پہلے چھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہوگی ان سے جڑے گا چناں چہ اگر مبتدا ہے تو اسم فاعل اس کی خبر بن کر ماقبل سے جڑے گا موصوف ہے تو اسم فاعل صفت بن کر جڑے گا اور ذوالحال ہوا تو حال بن کر اسم موصول ہوا تو صلہ بن کر۔

سوال- حرف نفی واستفہام میں کیا بن کر جڑے گا۔

جواب حروف نفی جیسے ما، لا ،لم، لن، یہ سب افعال کے دوست ہیں اور یہی حال ہے حروف استفہام کا جیسے مَنْ تَضرِبُ هَلْ اَكَلْتَ الطَّعَامَ اتَضرِبُ زَيْداً وغیرہ میں تو جب فعل پہ داخل ہونے والی چیزیں اسم فاعل پہ داخل ہوں گی تو وہ اسم فاعل کو فعل کے مشابہ بنادیں گے جس سے اسم فاعل کے عمل میں قوت ہوگی اور یہی مقصود بھی ہے۔

سوال: اسم فاعل کی تعریف کیا ہے؟

جواب: کسی ذات کے ساتھ کسی فعل یا کوئی وصف پائے جانے کو جو کلمہ یا صیغہ ظاہر کرے وہ اسم فاعل کہلاتا ہے جیسے ضارب وہ شخص جو صفت ضرب والا ہو عالم جو علم کی صفت سے متصف ہو۔

سوال: یہ بات تو صفت مشبہ میں بھی ہوتی ہے جیسے حَسَنٌ حسن والا اور کریم کرم اور سخاوت والا جو ہوگا اس پر بولیں گے

جواب: صاحب صفت ہونے کو تو اسم فاعل اور صفت مشبہ دونوں ہی ظاہر کرتے ہیں مگر دونوں میں فرق ہے اسم فاعل تو اس وصف کے عارضی ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور صفت مشبہ بطور دوام اور ثبوت یعنی ہمیشہ ہمیشہ اس صفت کے اپنے موصوف کے لئے ثابت ہونے کو بتاتی ہے اسی لئے صفت مشبہ ایسی صفتوں کے بیان کرنے کے لئے آتی ہے جو پیدائشی اور دائمی ہوں رہتی رہیں اور جدانہ ہوتی ہوں مثلاً علم حسن ذھانت بلادہ بہادری بزدلی وغیرہ وغیرہ۔

اب آپ ایسی چھ مثالیں لے لیں جن میں اسم فاعل نے اپنے سے پہلے ان چھ میں سے کسی ایک پر اعتماد اور سہارا لے رکھا ہے (۱) مبتدا پر اعتماد کی مثال زَيْدٌ قَائِمٌ اَبُوْهُ یہ فعل لازم سے بنے اسم فاعل کی مثال ہے زَيْدٌ مبتدا قائم اسم فاعل اپنے ابوہ مرکب اضافی فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر زیدٌ کی خبر مبتدا خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو جائے گا، زَيْدٌ ضاربٌ ابوہ عمرًوا یہ فعل متعدی سے بنے اسم فاعل کی مثال ہے زیدٌ مبتدا ہوگا ضاربٌ اسم فاعل ابوہ مرکب اضافی ہو کر ضاربٌ کا فاعل اور عمرًوا مفعول بہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر خبر مبتدا خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوگا، (۲) موصوف پر اعتماد کی مثال جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٌ اَبُوْهُ بَكْرًا اس میں رجل موصوف ضاربٌ اپنے فاعل ابوہ اور مفعول بکرًا سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صفت موصوف صفت سے ملکر مجرور باء کا پھر باء مررْتُ کے متعلق ہو کر مَررْتُ اور اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو جائے گا، (۳) اسم موصول پر اعتماد کی مثال جَآءَ نِیْ الْقَائِمُ اَبُوْهُ یہ فعل لازم سے بنے اسم فاعل کی مثال ہے اور القائم میں الف لام بمعنی الذی ہے جب اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل الف لام بمعنی الذی ہو جاتا ہے تو اسم فاعل معروف اور اسم

مفعول فعل مجہول سے بدل جاتا ہے لہٰذا القائم بمعنی اَلَّذِیْ قَامَ ہو جائے گا اب قائم بمعنی قام پھر ابوہ اس کا فاعل پھر فعل فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صلہ اس الذی کا جو الف لام سے بنا ہے اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر فاعل جاء نی کا نون وقایہ ی متکلم مفعول بہ فعل فاعل مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو جائے گا جَاءَ نِیْ الضاربُ اَبُوْهُ عَمْرًا یہ فعل متعدی سے بنے اسم فاعل کی مثال ہے الف لام بمعنی الذی ہو کر اسم موصول ضارب بمعنی ضَرَبَ ہو کر اسم فاعل ابوہ مرکب اضافی ہو کر فاعل عمرًوا مفعول بہ ضارب اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ الف لام بمعنی الذی اپنے صلہ سے مل کر جَاءَ نِیْ کا فاعل پھر جملہ فعلیہ ہو جائے گا (۴) ذوالحال پر اعتماد کی مثال جَاء نی زَیْدٌ راکبًا غُلَامُه فرسًا آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ اس کا غلام گھوڑے پر سوار ہے اس میں زَیْدٌ ذوالحال رَاکبًا اسم فاعل غلامہ مرکب اضافی ہو کر اس کا فاعل فرسًا مفعول بہ راکبا اپنے فاعل و مفعول بہ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال ہو جائے گا ذوالحال اپنے حال سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر فاعل ہے جَاء نی کا پھر جملہ فعلیہ بن جائے گا۔ (۵) ہمزہ استفہام پر اعتماد کی مثال اَضَاربٌ زَیْدٌ عَمْرًا ہمزہ استفہامیہ پھر ضارب اپنے فاعل و مفعول بہ سے ملکر شبہ جملہ انشائیہ ہو جائے گا (۶) حرف نفی پر اعتماد کی مثال ما قَائِمٌ زَیْدٌ اس میں ما حرف نفی قائم اپنے فاعل زیدٌ سے ملکر شبہ جملہ ہو جائے گا۔

اسم مفعول بمعنی حال یا استقبال: اسم مفعول بھی چونکہ اسماء میں سے اور اصل عمل افعال کا کام ہے اسماء جہاں کہیں بھی عمل کریں گے افعال کی مشابہت کے طفیل ہی کریں گے لہٰذا مثل اسم فاعل کے اسم مفعول کے لئے بھی وہ ہی دو شرطیں ہیں جو اسم فاعل کے لئے آچکی ہیں (۱) حال یا استقبال کے معنی میں کیونکہ اسم مفعول فعل مضارع مجہول کے حروف حرکات سکنات میں مشابہ ہے اور یہ مشابہت لفظی ہے تو معنوی مشابہت پیدا کرنے کے لئے فعل مضارع مجہول کے اسم مفعول میں حال یا استقبال کا زمانہ بھی ہونا ضروری کر دیا گیا ہے (۲) اعتماد علی الاشیاء الستہ ہو، پھر چونکہ اسم مفعول حقیقت میں فعل متعدی سے ہی بنا کرتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسم مفعول مانند مجہول کے ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے بتایا کہ اسم مفعول کا الف لام جب الذی کے معنی میں ہوگا تو خود اسم مفعول فعل ماضی مجہول کے معنی میں ہو جاتا ہے جیسے المضروب معنی میں اَلَّذِی ضُرِبَ کے ہو گیا اور فعل مجہول میں ہوتا یہ ہے کہ فاعل کو ختم کر کے اس کی جگہ مفعول بہ لے آتے ہیں اور اس کو نائب فاعل کہتے ہیں اور جو اعراب فاعل کا تھا وہ اس کے نائب کا ہو جاتا ہے تو بغیر مفعول بہ ہوئے مجہول نہیں بنتا اور مفعول بہ بغیر فعل متعدی کے نہیں ہوتا اس لئے ہمیشہ اسم مفعول فعل متعدی سے بنتا ہے اور فعل متعدی چار قسم کا ہوتا ہے (۱) متعدی بیک مفعول (۲) متعدی ایسے دو مفعولوں کے ساتھ جن میں سے ایک کا ذکر اور ایک کا حذف جائز ہے جیسے اعطیتُ زیدًا درھمًا (۳) متعدی ایسے دو مفعولوں کے ساتھ جن میں اکتفاء ایک پر بغیر دوسرے کے جائز نہ ہو جیسے

عَلِمْتُ زَیْدًا فَاضِلًا (۴) متعدی تین مفعول کے ساتھ جیسے اَعْلَمَ اللّٰہُ زَیْدًا عَمْرًا فَاضِلًا، اسی لئے مصنف نے اسم مفعول کے عمل کی چار مثالیں دی ہیں تا کہ ہر قسم کے فعل متعدی سے بنے اسم مفعول کی مثالیں سامنے آجائیں، چنانچہ زیدٌ مضروبٌ اَبُوْہُ مثال فعل متعدی بیک مفعول سے بنے اسم مفعول کی ہے اور عمرٌو مُعْطٰی غلامہ درھمًا ایسے فعل متعدی بدو مفعول سے بنے اسم مفعول کی ہے جس میں اکتفاء علی الواحد جائز ہو اور مفعول اول کو اسم مفعول کا نائب فاعل بننے کی وجہ سے رفع دے رکھا ہو اور دوسرا مفعول علی حالہ منصوب رہ رہا ہو (۳) بَکْرٌ مَعْلُوْمٌ نِ ابْنُہٗ فَاضِلًا یہ ایسے فعل متعدی بدو مفعول سے بنے اسم مفعول کی مثال ہے جس کے دو مفعولوں میں سے کسی پر اکتفاء درست ہو (۴) خالدٌ مُخْبَرٌ نِ ابْنُہٗ عمرًا فَاضِلًا یہ متعدی بسہ مفعول سے بنے اسم مفعول کی مثال ہے۔

همان عمل که ضرب الخ ابھی بتایا گیا کہ اسم مفعول چار قسم کے فعل متعدی سے بن سکتا ہے اس لئے اس کا عمل بھی اپنے فعل متعدی کی طرح کبھی ایک مفعول میں ہوگا کبھی ایسے دو مفعولوں میں کہ اس میں اکتفاء درست نہ ہوگا اور کبھی ایسے دو مفعولوں میں جس میں اکتفاء درست ہوگا اور کبھی اس کا عمل تین مفعولوں میں ہوگا، لہٰذا جو عمل ضَرَبَ اور اَعْطٰی اور عَلِمَ اور اَخْبَرَ کریں گے وہی عمل مضروبٌ، مُعْطٰی، مَعْلُوْمٌ مُخْبَرٌ کریں گے۔

فائدہ: اسم مفعول چار طرح کے فعل متعدی سے بننے کی وجہ سے خود بھی چار طرح کا ہو گیا، ادھر اسم مفعول کا اعتماد جن چیزوں پہ ہے وہ چھ ہو گئے تو چار کو چھ میں گنا کرنے سے چوبیس مثالیں بن جائے گی۔ آگے نقشہ ملاحظہ کریں:

اسم مفعول کی اپنی اور اپنے معتمد علیہ کی قسموں کی ۲۴ مثالیں:

	معتمد علیہ	متعدی بیک مفعول	متعدی بدو مفعول جس میں ایک مفعول پر اکتفاء درست ہے	متعدی بدو مفعول جس میں اکتفاء ایک مفعول پر درست ہے نہیں	متعدی بسہ مفعول
۱	مبتدا	زَیْدٌ مضروبٌ اَبُوْہٗ	عَمْرٌو مُعْطٰی غُلَامُہٗ دِرْھَمًا	بَکْرٌ مَعْلُوْمٌ نِ ابْنُہٗ فَاضِلًا	خَالِدٌ مُخْبَرٌ نِ ابْنُہٗ عَمْرًوا فَاضِلًا
۲	موصوف	مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مَضْرُوْبٍ اَبُوْہُ بَکْرًا	مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مُعْطٰی غُلَامُہٗ دِرْھَمًا	مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مَعْلُوْمٍ نِ ابْنُہٗ فَاضِلًا	مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مُخْبَرٍ نِ ابْنُہٗ عَمْرًوا فَاضِلًا
۳	موصول	جَآءَ نِیَ الْمَضْرُوْبُ اَبُوْہُ	جَآءَ نِیَ الْمُعْطٰی غُلَامُہٗ دِرْھَمًا	جَآءَ نِیَ الْمَعْلُوْمُ نِ ابْنُہٗ فَاضِلًا	جَآءَ نِیَ الْمُخْبَرُ نِ ابْنُہٗ عَمْرًوا فَاضِلًا

۴	ذوالحال	جَاءَ نِیْ زَیْدٌ مَضْرُوْبًا اَبُوْہُ	جَاءَ نِیْ زَیْدٌ مُعْطِی غُلَامُہٗ دِرْھَمًا	جاءَ نِیْ زَیْدٌ مَعْلُوْمًا ابْنُہٗ فَاضِلًا	جاءَ نِیْ زَیْدٌ مُخْبِرًا ابْنُہٗ عَمْرُوا فَاضِلًا
۵	ہمزہ استفہام	اَمَضْرُوْبٌ زَیْدٌ	اَمُعْطِی زَیْدٌ دِرْھَمًا	اَمَعْلُوْمٌ زَیْدٌ فَاضِلًا	اَمُخْبِرٌ زَیْدٌ عَمْرُوا فَاضِلًا
۶	حرف نفی	مَا مَضْرُوْبٌ زَیْدٌ	مَا مُعْطِی زَیْدٌ دِرْھَمًا	مَا مَعْلُوْمٌ زَیْدٌ فَاضِلًا	مَا مُخْبِرٌ زَیْدٌ عَمْرُوا فَاضِلًا

سبق چہلم

ششم صفت مشبہ عمل فعل خود کند بشرط اعتماد مذکور چوں زَیْدٌ حَسَنٌ غُلَامُہٗ ہماں عمل کہ حَسُنَ میکرد حَسَنٌ می کند۔

ترجمہ۔ چھٹے صفت مشبہ جو اپنے فعل کا عمل کرتی ہے مذکورہ اعتماد کی شرط کے ساتھ جیسے زَیْدٌ حَسَنٌ غُلَامُہٗ جو عمل کہ حَسُنَ کرتا ہے حَسَنٌ بھی کرتا ہے۔

حل مضمون۔ صفت مشبہ کو صفت مشبہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اسم فاعل سے مشابہت رکھتی ہے اور اس جیسی ہے۔

سوال: کس بات میں اسم فاعل کی طرح ہے۔

جواب: مثل اسم فاعل کے اس کے بھی تثنیہ جمع اور مذکر مؤنث کے صیغے آتے ہیں۔

صفت مشبہ ہمیشہ فعل لازم سے بنتی ہے بخلاف اسم فاعل اور اسم مفعول اور اسم تفضیل کے کہ وہ دونوں سے بنتے ہیں چاہے فعل لازم ہو چاہے متعدی، پھر صفت مشبہ کا صیغہ اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ وہ فعل پایا جا رہا ہو جیسے حَسَنٌ جو حسن والا ہو اس سے اسم زمان ومکان واسم آلہ نکل جائیں گے کیونکہ وہ بجائے اس ذات کو بتلانے کے جس کے ساتھ وہ کام پایا گیا اس جگہ یا وقت کو بتلاتے ہیں جس میں وہ کام کیا گیا ایسے ہی اسم آلہ اس چیز پر دلالت کرے گا جس کے ذریعہ وہ کام ہوا جیسے مِفْتَاحٌ وہ چیز جس سے کھولا جاتا ہے۔

صفتہ مشبہ واسم فاعل میں فرق: صفتہ مشبہ جس صفت کو اپنے فاعل کے لئے ثابت کرے گی وہ بجائے عارضی کے دائمی ہوگی اس لئے صفت مشبہ کے اوزان اور صیغے قیاسی نہیں ہیں کہ مثل اسم فاعل کے کسی بھی فعل سے بنالیں بلکہ اہل عرب سے سننے پر دارومدار ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کو عالم نہیں کہہ سکتے عَلِیْمٌ کہیں گے، کیونکہ صفت علم اللہ تعالیٰ کے لئے ہمیشہ سے ہے اور رہے گی بخلاف عَالِمٌ اس شخص پر بولیں گے جس کے لئے ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے جس میں وہ اس صفت والا نہیں تھا۔

عمل فعل خود کند: صفت مشبہ فعل لازم سے بنتی ہے اس لئے اس کا عمل بھی فعل لازم والا ہوا کہ اپنے معمول کو رفع دی گی، لیکن جب صفت مشبہ میں اندر ضمیر مان لیں گے تو فاعل تو وہ ضمیر ہو جائے گی آگے جو آئے گا اس کو منصوب پڑھیں گے یا مجرور پڑھیں گے۔

سوال: صفت مشبہ جب فعل لازم والا عمل کرتی ہے تو نصب اور جر اس کے ذریعہ آنے کا کیا مطلب ہے۔

جواب اس کے فعل لازم سے بننے کی وجہ سے اس کا عمل رفع تک ہی محدود رہنا چاہئے تھا لیکن صفت مشبہ اس بات میں اپنے فعل لازم سے بڑھ جائے گی کہ وہ منصوب بھی کرتی ہے پھر جس کو صفت مشبہ نصب دیگی وہ کلمہ اگر معرفہ ہے تو اس کو مشابہ بالمفعول ہونے کی وجہ سے نصب دی گی، کیونکہ حقیقی مفعول صفت مشبہ کا ہوتا ہی نہیں ہے کہ فعل لازم سے بنتی ہے اور اگر وہ کلمہ نکرہ ہے تو تمیز کی مشابہت کی بناء پر اس کو نصب دیگی، اور اگر صفت مشبہ کا معمول مجرور ہوگا تو بوجہ مضاف الیہ ہونے کے ہوگا، بہرحال صفت مشبہ کا عمل فعل لازم سے زائد مانا گیا ہے، **بشرط اعتماد مذکور** :صفت مشبہ اپنے فعل لازم کا عمل کرنے کے لئے صرف ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کا اعتماد اسم فاعل میں بیان کردہ چیزوں میں سے کسی ایک پر ہو لیکن ان چھ چیزوں میں سے بھی ایک چیز یعنی اسم موصول صفت مشبہ کا معتمد علیہ نہیں بنے گی یعنی صفت مشبہ سے پہلے اسم موصول نہیں آتا ہے تا کہ اس کا اعتماد اس پر بھی مانا جائے صرف پانچ چیز صفت مشبہ سے پہلے آئیں گی جن پر صفت مشبہ کا اعتماد ہوگا (۱) مبتدا (۲) موصوف (۳) ذوالحال (۴) حرف نفی (۵) حرف استفہام۔

سوال :صفت مشبہ کا اسم موصول پر اعتماد کیوں نہیں ہوا کرتا۔

جواب : چونکہ صفت مشبہ پر داخل الف لام مثل اسم فاعل ومفعول کے اَلَّذِی اسم موصول کے معنی میں نہیں ہوتا ہے۔

سوال :صفت مشبہ کے عمل کرنے کے لئے دوسری شرط کہ حال واستقبال کا زمانہ اس میں مراد لیا جاوے کیوں نہیں ضروری ہے

جواب : چونکہ صفت مشبہ میں دوام اور سارے زمانوں میں ہی وہ صفت اپنے موصوف کے لئے ثابت ہوا کرتی ہے لہٰذا اس میں مخصوص زمانہ مراد لینا درست نہ ہوگا۔

صفت مشبہ کے مسائل

صفت مشبہ الف لام کے ساتھ اور بغیر الف لام کے دونوں طرح استعمال ہوتی ہے اَلْحَسَنُ اور حَسَنٌ دو استعمال ہیں پھر ان دونوں کا معمول تین طرح کا ہوگا (۱) یا تو وہ معرف باللام ہوگا، (۲) یا مضاف ہوگا (۳) یا دونوں سے خالی ہوگا جیسے اَلْوَجْهَ، وَجْهَہٗ، وَجْهًا، یہ تینوں طرح کے معمول الحسن (معرف باللام) کے ساتھ جوڑنے سے تین قسم اور حَسَنٌ (غیر معرف باللام) کے ساتھ جوڑنے سے تین قسم کل چھ قسمیں ہو جائے گی، اس طرح:

اَلْحَسَنُ	الوَجْهَ	وجھَہٗ	وَجْھًا
حَسَنٌ	الوَجْہَ	وجھَہٗ	وَجْھاً

پھر ان چھ معمولوں میں سے ہر ایک کو مرفوع، منصوب، مجرور تین طرح پڑھو تو چھ کو تین مرتبہ کرنے سے کل اٹھارہ قسمیں ہو جائیں گی (ملاحظہ ہو تفصیل کا نقشہ)

صفتہ مشبہ معرّف باللام	معمول معرّف باللام	معمول مضاف	معمول دونوں سے خالی
اَلْحَسَنُ	الوَجْہُ	وجھُہٗ	وَجْہٌ
صفت بغیر معرّف باللام	معمول معرّف باللام	معمول مضاف	معمول دونوں سے خالی
حَسَنٌ	الوَجْہُ	وَجْھُہٗ	وَجْہٌ

جب صفتہ مشبہ کے بعد کے کلمہ کو مرفوع پڑھیں گے تو وہی اس کا فاعل بنے گا اب ضمیر کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بعد کا کلمہ منصوب یا مجرور پڑھیں گے تو پھر صفت مشبہ میں ضمیر مانیں گے جو اس شخص کی طرف لوٹے گی جس کی کسی صفت حُسن یا علم وغیرہ کو بتا رہے ہوں گے صفتہ مشبہ کے ذریعہ پھر بعض دفعہ ایسا ہوگا کہ ایک ضمیر خود صفتہ مشبہ میں ہو جائے گی اور ایک معمول کے مضاف ہونے کی صورت میں اس کے معمول میں پائی جائے گی تو بعض دفعہ ضرورت سے زائد پر مشتمل ہے، اور جملہ دو ضمیروں پر مشتمل ہو جائے گا، ایسے ہی چونکہ صفتہ مشبہ اپنے فاعل سے ملکر اپنے معتمد علیہ سے جڑے گی یعنی جس پر سہارا ہوگا یا تو اس کی خبر اگر وہ مبتدا ہوا یا اس کی صفت اگر وہ موصوف ہو یا حال اگر وہ ذوالحال ہوبنی گی اور جب جملہ اپنے ماقبل کی خبر یا صفت یا حال بنے اس میں ایک ضمیر ماقبل کی طرف لوٹنے والی ضرور ہوئی چاہئے لہٰذا جس شکل میں صفتہ مشبہ سے بنے جملہ میں ضمیر ماقبل کی طرف راجع ہونے والی نہ ہوگی تو وہ صورت قبیح ہو جائے گی ایسے ہی صفتہ مشبہ کی جب اضافت ہو رہی ہے تو اس میں تخفیف کا فائدہ حاصل ہونا بھی ضروری ہے اس طرح کہ صفتہ مشبہ کی تنوین جب کہ واحد ہو یا نون جب کہ تثنیہ جمع ہو گر جانا چاہئے اور یا مضاف الیہ کی ضمیر گر جانی چاہئے لہٰذا جہاں یہ تخفیف نہ ہوگی وہ صورت بھی ناجائز ہوگی۔

اب ان اٹھارہ صورتوں میں سے جن صورتوں میں ایک ہی ضمیر رہتی ہے وہ اَحْسَنُ کہلائیں گی کیونکہ مقصود کو پورا کر رہی ہیں اور زائد سے خالی ہیں اور یہ نو صورتیں ہیں۔ اور جن میں صفتہ مشبہ سے بنے جملہ میں دو ضمیر ہوں وہ حَسَنٌ کہلائیں گے حسن تو اس لئے کہ بقدر ضرورت ضمیر ہے غیر احسن اس لئے کہ دو ہیں جو ضرورت سے زائد پر مشتمل ہے اور یہ دو صورتیں ہیں۔ اور چار صورتیں ہیں جن میں کوئی ضمیر ہی نہیں ہے یہ قبیح کہلاتی ہیں کیونکہ ضرورت کے مطابق والی ضمیر بھی نہیں ہے ۱۲۔ اور دو صورتیں ناجائز اور ممتنع ہیں اور ایک مختلف فیہ ہے کہ بعض کے یہاں جائز ہے بعض کے یہاں نہیں۔

ممتنع دو صورتیں (۱) اَلْحَسَنُ وجہٖ یعنی صفت مشبہ معرف باللام ہو اور مضاف ہو اور اس کا معمول جو الف لام

واضافت سے خالی ہو اس کا مضاف الیہ بن رہا ہو یہ صورت ممتنع ہے کیونکہ اگرچہ یہاں اضافت سے تخفیف کا فائدہ مل گیا کہ وجہه معمول سے ضمیر حذف ہوگئی، اور الحسن صفت مشبہ میں مان لی گئی ہے، لیکن الحسن معرف باللام ہے اور وجهه نکرہ ہے اضافت کا طریقہ ہے تو نکرہ کی معرفہ کی طرف اور یہاں الٹا ہو رہا ہے کہ معرفہ ہی نکرہ کی طرف مضاف ہو رہا ہے (۲) دوسری صورت اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ ہے یہ اس لئے ممتنع ہے کہ یہاں اضافت سے تخفیف کا فائدہ حاصل نہیں ہو اس لئے کہ الحسن مفرد ہے جس پر الف لام کی وجہ سے تنوین تھی ہی نہیں جو اس کا گرنا مان لیں اور نہ مضاف الیہ میں وجہہ سے ضمیر گری جو الحسن صفت میں مان لیتے لہٰذا تخفیف نہ ہونے سے یہ صورت بھی ممتنع ہوگئی اور حَسَنُ وَجْهِهٖ یعنی صفت مشبہ الف لام سے خالی ہو اور اس کی اپنے معمول مضاف کی طرف اضافت ہو رہی ہو یہ صورت سیبویہ اور عندالبصریین قباحت کے ساتھ ضرورت شعری میں چل سکتی ہے اور عندالکوفیین بلا قباحت نثر کلام میں بھی جائز ہے بصریین کا کہنا یہ ہے کہ حَسَنُ سے تنوین گرنے سے گو تخفیف کچھ نہ کچھ حاصل ہوگئی مگر اعلیٰ درجہ والی کہ معمول سے ضمیر گرا کر کی جاتی اور ضمیر صفت مشبہ میں مستتر مان لیتے نہیں ہوئی تو اعلیٰ تخفیف کا امکان ہوتے ہوئے ادنیٰ پر کیوں اکتفاء کیا۔

سبق چہل و یکم

هفتم اسم تفضیل واستعمال او بر سہ وجہ است بہ مِن چوں زیدٌ اَفْضَلُ من عَمْرٍو یا بالف ولام چوں جاءَ نِیْ زَیْدُ نِ الْاَفْضَلُ یا باضافت چوں زیدٌ اَفْضَلُ القومِ وعمل او در فاعل باشد و آں هُوَ است فاعلِ اَفْضَلُ کہ درو مستتر ست **هشتم مصدر** بشرط آنکہ مفعول مطلق نباشد عمل فعلش کند چوں اَعْجَبَنِیْ ضَرْبُ زَیْدٍ عَمْرًوا **نهم اسم مضاف** مضاف الیہ را جر کند چوں جاءَ نِیْ غُلَامُ زَیْدٍ بدانکہ ایں جا لام بتحقیق مقدر است زیرا کہ تقدیرش آنست کہ غُلَامٌ لِزَیْدٍ۔

ترجمہ: ساتویں اسم تفضیل اور اس کا استعمال تین طریقے پر ہے (۱) مِنْ کے ساتھ جیسے زَیْدٌ افضل من عمرو کہ زید عمرو سے زیادہ علم وہنر اور بزرگی والا ہے (۲) یا الف لام کے ساتھ جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدُ نِ الْاَفْضَلُ علم وہنر میں فائق اور برتر زید میرے پاس آیا (۳) یا اضافت کے ساتھ جیسے زَیْدٌ اَفْضَلُ القوم (زید لوگوں میں سب سے فائق ہے) اور اس کا عمل فاعل میں ہوگا اور وہ هُوَ ہے جو اَفْضَل کا فاعل ہے اور اس میں چھپا ہوا ہے **آٹھویں مصدر** بشرطیکہ مفعول مطلق نہ ہو اپنے فعل کا عمل کرتا ہے جیسے اَعْجَبَنِیْ ضَرْبُ زَیْدٍ عمرًوا زید کے عمرو کو مارنے نے مجھے حیرت میں ڈال دیا **نویں اسم مضاف** جو مضاف الیہ کو جر کرتا ہے جیسے جاءَ نِیْ غُلَامُ زَیْدٍ اس لئے کہ اس کی اصل عبارت ہے غُلَامٌ لِزَیْدٍ۔

حل مضمون- اسماء کے عمل کا ذکر چل رہا ہے **ساتواں** اُن میں سے اسم تفضیل ہے، **اسم تفضیل** کی تعریف یہ ہے

کہ جو کلمہ کسی ذات کے کسی صفت کے ساتھ اوروں سے زیادہ متصف ہونے کو بتلائے وہ اسم تفضیل ہے مثلاً زَیْدٌ اَعْلَمُ الناس کہ زید لوگوں میں سب سے بڑا عالم ہے گویا صفت علم کو زید میں اوروں کی بہ نسبت زیادہ بتلانے کے لئے اَعْلَمَ اسم تفضیل لایا گیا ہے اسم مبالغہ بھی اپنے موصوف کے کسی صفت میں زیادہ ہونے کے بتلاتا ہے لیکن اس میں مقابلہ مدنظر نہیں ہوتا ہے فی نفسہ زیادتی کو بتانا ہوتا ہے جیسے زَیْدٌ ضَرَّابٌ بہت مارتا ہے، بہر حال اسم تفضیل بھی عمل کرتا ہے مذکر کے لئے اَفْعَلُ کا وزن ہے اور مؤنث کے لئے فُعْلٰی کا جیسے اَصْغَرُ اور صُغْرٰی اسم تفضیل میں ایک ضمیر ہوتی ہے مذکر کے صیغے میں ھُوَ مؤنث میں ھی یہی اس کے فاعل بنتے ہیں اور اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

اسم تفضیل کا استعمال: ہمیشہ اسم تفضیل جہاں کہیں پاؤ گے تو اس کا استعمال تین طرح میں سے ایک صورت پر ضرور ملے گا (۱) مِنَ کے ساتھ جیسے زَیْدٌ اَفْضَلُ من عمرو اس مَنَ والے استعمال میں اسم تفضیل ہمیشہ مفرد مذکر ہوگا خواہ موصوف یعنی جس کو اوروں سے فائق اور بڑھا ہوا ظاہر کرنا ہے، جس کو مُفَضَّلُ کہتے ہیں کچھ بھی رہے مذکر ہو یا مؤنث واحد ہو یا تثنیہ جمع چونکہ اَفْضَلُ کی ضمیر مفضل کی طرف لوٹتی ہے اس لحاظ سے مُفَضَّلُ کے مطابق ہی اَفْضَلُ کو لانے کا تقاضہ تھا مگر بتادیا کہ اس میں اس مطابقتہ کی ضرورت نہیں وجہ اس کی بڑی کتابوں میں ہے یہاں تو نفس استعمال ذہن نشین کرلیا جاوے ترکیب یوں کریں گے کہ زیدٌ مبتدا اَفْضَلُ اسم تفضیل ضمیر اس کے اندر فاعل مِنْ عَمْرٍو افضل کے متعلق ہوجائے گا پھر افضل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر زیدٌ کی خبر ہوکر جملہ اسمیہ بن جائے گا، یادر ہے کہ جس کو فوقیت دیں گے اس کو مُفَضَّلُ کہتے ہیں اور جس پر فوقیت دیں گے اس کو مُفَضَّلُ علیه کہا جاتا ہے (۲) دوسرا استعمال اسم تفضیل کا یہ ہے کہ اس پر الف لام ہوگا جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدُ نِ الْاَفْضَلُ۔

سوال: اسم تفضیل میں مُفَضَّل اور مُفَضَّل علیہ مذکور ہونے چاہئیں اور اس مثال میں مفضل علیہ غائب ہے ذکر نہیں کر رکھا ہے۔

جواب: معرف باللام اسم تفضیل کا مفضل علیہ ہمیشہ ذہن میں ہوگا اور قرینہ سے جانا جارہا ہوگا کہ کن سے بڑھا ہوا اور افضل بتا رہے ہیں اسی لئے یہ الف عہد کے لئے ہوگا عہد کے معنی ہی ہیں پہچانے اور جانا ہوا ہونے کے لہٰذا حکماً معرف باللام اسم تفضیل کا مفضل علیہ مذکور ہوگا اور مضاف اسم تفضیل یامستعمل بمن اسم تفضیل کا مفضل علیہ لفظاً ہی ہوا کرتا ہے اگر کہیں نہ ہوگا تو مقدر مان لیا جاتا ہے جیسے اَللّٰهُ اَكْبَرُ ای من کل شئی یعنی اللہ ہر چیز سے بڑا ہے، اس استعمال میں ہمیشہ اسم تفضیل اپنے موصوف یعنی مفضل کے مطابق ہونا ضروری ہے جیسے زَیْدُ نِ الْاَفْضَلُ والزَّیْدَانِ الْاَفْضَلَانِ و الزیدُوْنَ الْاَفْضَلُوْنَ اس میں الافضل زیدٌ کی صفت ہوکر اپنے ماقبل کا فاعل ہوجائے گا (۳) تیسرا استعمال اسم تفضیل کا یہ ہے کہ وہ خود مضاف بنے اور مفضل علیہ ہونے والی چیز اس کا مضاف الیہ ہو جیسے زَیْدٌ اَفْضَلُ القوم، اس میں اسم تفضیل چاہے موصوف اور مُفَضَّلُ کے مطابق رکھو چاہے مفرد رکھو دونوں درست ہے جیسے زَیْدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ ایسے ہی الزَّیْدُوْنَ اَفْضَلُوْا الْقَوْمِ اور اَفْضَلُ الْقَوْمِ دونوں درست ہے۔

فائدہ: اسم تفضیل کے آخر میں تنوین نہیں آیا کرتی ہے پھر اسم تفضیل مبنی للفاعل اور مبنی للمفعول دونوں طرح آتا ہے کہ کبھی فاعل کے معنی میں زیادتی پیدا کرتا ہے جیسے زیادہ ضارب اور مارنے والا اور کبھی مفعول کے معنی میں زیادتی کے لئے آتا ہے جیسے اَعْرَفُ کا ترجمہ ہوگا زیادہ معروف اور اَشْغَلُ کا زیادہ مشغول۔

اسم تفضیل بنانے کا قاعدہ: ثلاثی مجرد کے افعال سے اس کا وزن اَفْضَلُ آتا ہے لیکن ثلاثی مجرد سے بھی ان افعال سے آئے گا جن کے معنی میں لون اور عیب کے معنی نہ ہوں کیونکہ لون اور عیب والے افعال سے اَفْعَلُ کا وزن غیر اسم تفضیل کے لئے آتا ہے اب اگر اسی اَفْعَلُ کو اسم تفضیل کا وزن بھی بنا دیں تو اَفْعَلُ کے وزن میں خلط ملط اور گڑبڑ ہو جائے گی اور پتہ نہیں چلے گا کہ تفضیلی معنی مراد ہیں یا غیر تفضیلی چنانچہ احمر کے معنی ذُوحمرۃ اور سرخی والے کے ہیں اور اَعْوَرُ کے معنی ذُوْ عَوْرُ یعنی آنکھ میں کمی والا جس کو کانا کہتے ہیں اب اگر اسی اَفْعَلُ کے وزن سے زیادتی کے معنی بھی مراد لینے لگیں تو معلوم نہ ہوگا کہ کہاں صرف سرخی والا مراد ہے اور کہاں زیادہ سرخی والا اس لئے لون وعیب والے افعال میں بھی اسم تفضیل اس وزن اَفْعَلُ پر نہیں آئے گا۔

جن افعال سے اَفْعَلُ کے وزن پر اسم تفضیل نہیں آتا ان سے اگر اسم تفضیل بنانے کی ضرورت ہو تو اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ ہے تمام غیر ثلاثی مجرد چاہے وہ ثلاثی مزید فیہ ہو یا رباعی یا ثلاثی مجرد لون وعیب والی ہو ان تینوں سے اسم تفضیل اس طرح بناؤ کہ شدت یا ضعف یا قلت وکثرت جس کا بھی اظہار کرنا ہے پہلے اس سے اَفْعَلُ کا وزن بنالو پھر جس مصدر سے اسم تفضیل نہیں آتا ہے اس کو منصوب کر کے اَفْعَلُ کے وزن پہ بنے ہوئے کے بعد رکھ دو جیسے اَشَدُّ منه استخراجًا یہ ثلاثی مزید فیہ کی مثال ہے اور اَقْوٰی منه حمرةً یہ لون کی مثال ہے اور اقبح منه عرجًا یہ عیب کی مثال ہے یعنی اور سے زیادہ لنگڑا۔

سوال: تم نے بتایا کہ اسم تفضیل کا وزن اَفْعَلُ ہے حالاں کہ خَیْرٌ اور شَرٌّ بھی اسم تفضیل ہیں جب کہ وہ اَفْعَلُ کے وزن پر نہیں ہیں۔

جواب: یہ اصل میں اَخْیَرُ اور اَشَرُّ تھے جو اَفْعَلُ کا وزن ہے۔

سوال: تم نے کہا کہ لون وعیب والے افعال اور مصادر سے اَفْعَلُ کا وزن اسم تفضیل کے لئے نہیں آتا ہے حالانکہ آرہا ہے مثلاً کہتے ہیں هُوَ اَجْهَلُ مِنْ فُلَانٍ کہ وہ فلاں سے زیادہ جاہل ہے ایسے ہی اَبْلَدُ مِنْ فُلَانٍ کہ فلاں سے زیادہ بلید اور کند ذہن ہے۔

جواب: عیوب سے مراد عیوب ظاہرہ ہیں نہ کہ باطنی عیوب اور بلادۃ وجہالت عیوب باطنہ میں سے ہیں جو عیب بدن میں دیکھے جاتے ہوں جیسے لنگڑا ہونا لنجا ہونا، یہ ظاہری عیوب ہیں اور جو دل ودماغ میں ہی جانتے سمجھتے ہیں جیسے کم عقل ہونا جس کو بلادۃ کہتے ہیں یا پڑھا لکھا نہ ہونا جس کو جہالت کہتے ہیں یہ عیوب باطنہ میں شمار ہوتے ہیں۔

ہشتم مصدر بشرط آنکہ: مصدر یہ دراصل افعال کے لئے ماں اور بنیاد کا درجہ رکھتا ہے سب افعال مصدر سے ہی بنائے جاتے ہیں جیسے الضَّرْبُ القتلُ عربی مصادر کے لئے کوئی پہچان متعین طور پر نہیں ہے بالخصوص ثلاثی مجرد کے مصادر کی کوئی

پہچان نہیں ہے،

ــــ صاحب علم الصیغہ نے نظم میں ۴۴ اوزان ثلاثی مجرد کے بتلائے ہیں ۱۲

لیکن فارسی میں مصدر کے آخر میں دَن یا تَن لگا ہوا ہوتا ہے جیسے چشیدن، چلیدن، اور تافتن، باختن، اور اردو میں سب مصادر کے آخر میں لفظ نا ہوتا ہے جیسے کھانا آنا، جانا، لکھنا، پڑھنا، وغیرہ مصدر کا شمار بھی عوامل میں ہے یہ اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے لازم ہو تو لازم والا اور متعدی ہو تو متعدی والا عمل کرے گا لیکن یاد رہے کہ مفعول مطلق بھی مصدر ہی ہوتا ہے اس کے علاوہ کا مصدر مراد ہے کیونکہ مفعول مطلق کی شکل میں جہاں مصدر ہوگا تو ایسا مصدر عمل نہیں کرے گا بلکہ وہ فعل کرے گا جو مفعول مطلق سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ اصل کے ہوتے ہوئے فرع کا عمل ختم ہو جاتا ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا عَمْرًوا میں عمروا مفعول بہ میں ضَرْبًا کے بجائے ضَرَبْتُ کو عامل بنائیں گے اور ضَرَبْتُ کا ہی مفعول بہ کہیں گے ترجمہ ہوگا (مارا میں نے واقعی مارنا عمرو کو) پھر یاد رہے کہ مصدر کے بعد اگر ایک کلمہ ہے تو فاعل بن جائے گا جیسے مصدر لازم میں ہوتا ہے مثلاً اَعْجَبَنِی قِیَامُ زَیْدٍ اس میں زید قیام کا فاعل ہے اور مجرور ہے۔

سوال فاعل بھی کہیں مجرور ہوتا ہے وہ تو مرفوع ہوتا ہے۔

جواب قِیَامُ مضاف ہے زید اس کا مضاف الیہ مجرور اس لئے زید لفظاً تو مجرور ہی ہے لیکن چونکہ کھڑا ہونا زید کا بتایا جارہا ہے اس لئے معنی اور ذہناً زید فاعل ہی کہلائے گا کیونکہ کھڑے ہونے کا فعل اسی کا ہے اور اگر مصدر کے بعد دو کلمے ہوں تو اول فاعل ہوگا دوسرا مفعول بہ جیسے اَعْجَبَنِی ضربُ زید عمرًوا تعجب میں ڈالا مجھ کو زید کے مارنے نے عمرو کو یہاں زید لفظاً مجرور ہے مگر محلاً مرفوع ہے یعنی جگہ میں ایسی ہے جہاں مرفوع ہونے کا حق ہے کیونکہ ہر فاعل کی سیٹ اور جگہ رفع کے لئے ہی ہوتی ہے مگر سہولت کی وجہ سے مضاف مضاف الیہ کر دیا جاتا ہے اگر تم اپنی اصلی حالت پر پڑھنا چاہو یعنی لفظاً بھی مرفوع کرنا چاہو اور ضَرْبٌ مرفوع بالتنوین پڑھو کیونکہ اَعْجَبَ کا فاعل ہے پھر زید کو بھی مرفوع مع التنوین پڑھو کیونکہ ضَرْبٌ مصدر کا فاعل ہے اور عمرًوا منصوب بالتنوین علی حالہ رہے گا ہی تو یہ بھی درست ہے چنانچہ کہہ سکتے ہو اَعْجَبَنِی ضَرْبٌ زَیْدٌ عَمْرًوا، ضرب مصدر اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر اَعْجَبَ کا فاعل اَعْجَبَ فعل اپنے فاعل اور نون وقایہ اور یٰ متکلم کی مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو جائے گا، اور مصدر کا یہ اپنے فعل والا عمل کر سکنا ان کے آپس میں مشتق اور مشتق منہ کا تعلق ہونے کی برکت سے ہے نہ کہ مشابہت کی وجہ سے تاکہ تم کہو اسم فاعل اور اسم مفعول کی طرح مصدر کے عمل کے لئے، یہ شرطیں جو ان کے بیان میں آئی ہیں، کیوں نہ ذکر کی۔

اسم مضاف مضاف الیہ را بجر کنند: مرکب اضافی میں دو جزء ہوتے ہیں مضاف اور مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ میں عمل کرتا ہے کہ اس کو جر دے گا اس لحاظ سے مضاف بھی عوامل میں سے ایک عامل ہے لیکن خود مضاف اپنے ماقبل کے عامل کے تابع ہے ماقبل کے عامل کی وجہ سے جو بھی حالت اس کو حاصل ہوگی رفعی، نصبی، یا جری اسی اعتبار سے وہ مرفوع

یا منصوب یا مجرور پڑھا جائے گا اگر صرف مضاف مضاف الیہ ہی موجود ہوں ما قبل عامل نہ ہو تو مضاف کو مرفوع کر کے پڑھ دیا جاتا ہے جیسے غُلَامُ زَیْدٍ۔

بدانکه ایں جا لام بحقیقت مقدر است: مصنف یہاں سے تنبیہ کر رہے ہیں کہ گو مضاف اپنے مضاف الیہ کو مجرور کرتا ہے، لیکن حقیقت میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان میں ایک حرف جر ہوتا ہے وہ جر کرتا ہے چنانچہ غُلَامُ زَیْدٍ در اصل غُلَامٌ لِزَیْدٍ تھا پھر مضاف اور مضاف الیہ کے بیچ میں حرف مقدر ضروری نہیں کہ لام ہی ہو کبھی لام ہوتا ہے کبھی فی اور کبھی مِنْ ہوتا ہے اب یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ لام کی تقدیر کب ہوگی اور فی کی کب اور مِنْ کب مقدر مانا جائے گا، اس کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں اگر تباین کی نسبت ہے یعنی دونوں ایک دوسرے کے مخالف لفظ ہیں کوئی ایک دوسرے پر صادق نہ آسکے جیسے غُلَامُ زَیْدٍ کہ نہ غلام زید پر اور نہ زید پر غلام صادق آسکتا ہے ہے دونوں کا مصداق اور دونوں سے مراد الگ الگ ذاتیں ہیں تو مباین ہونے کی صورت میں پھر یہ بھی دیکھ لو کہ مضاف الیہ اپنے مضاف کا ظرف یا مفعول فیہ تو نہیں ہے اگر ایسا ہے تو اضافت بمعنی فی ہوگی ورنہ بمعنی لام ہوگی جیسے ضَرْبُ الْیَوْمِ آج کی پٹائی یعنی وہ مار جو آج میں ہوئی ایسے ہی کلام اللیل رات کی گفتگو یعنی جو بات رات میں ہوئی ان دونوں کی اصل ضربٌ فی الیوم اور کلامٌ فی اللیل ہوگی، اور اضافت لامیہ کی مثال غلامُ زیدٍ ہے ہی، اور اگر مضاف کے مضاف الیہ مباین نہیں ہے تو پھر دیکھو کہ ان میں یا تو تساوی کی نسبت یعنی ہم معنی اور ہم مصداق ہونے کا تعلق ہوگا جیسے لیث اور اسد کہ دونوں ہم معنی بمعنی شیر ہیں ان ایسے لفظوں میں سرے سے اضافت ہی ناجائز ہے کوئی فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے اور یا مضاف الیہ اپنے مضاف سے عام مطلق ہوگا کہ بغیر مضاف کے بھی کسی اور جگہ صادق آسکے جیسے اَحَدُ الْیَوْمِ اَحَدٌ اتوار کو کہتے ہیں اور الیوم ہر دن کو کہہ سکتے ہیں تو مضاف الیہ عام ہے احد مضاف خاص ہے اسطرح کے الفاظ میں بھی اضافت منع ہے، اور اگر مضاف الیہ خاص مطلق ہو مضاف عام مطلق ہو جیسے کہ اوپر کی مثال کا الٹا مثلاً یوم الاحد یا علم الفقه یا شجر التفاح (سیب کا درخت) کہ ان تینوں میں مضاف عام ہے مضاف الیہ خاص ہے کیونکہ الاحد سے اتوار مراد ہے، ایسی جگہ بھی اضافت لامیہ ہوگی یعنی مضاف مضاف الیہ کے بیچ میں لام مقدر مانا جائے گا، اور اگر مضاف الیہ اپنے مضاف سے نہ عام مطلق ہے نہ خاص مطلق بلکہ خاص من وجہ ہی ہے تو پھر یہ دیکھو کہ مضاف الیہ اپنے مضاف کے لئے اصل کا درجہ رکھتی ہے یا نہیں اگر رکھتی ہے تو اضافت من والی ہوگی اور اگر اصل کا درجہ نہ رکھے تو اضافت لامیہ ہوگی چناں چہ خَاتَمٌ کی اضافت فضّةٌ کی طرف جب کریں تو اضافت بمعنی من کہلائیگی جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ کیونکہ اس میں مضاف یعنی خاتم اپنے مضاف الیہ یعنی فضہ سے بنی ہے اور جب فضہ کی اضافت خاتم کی طرف کریں گے جیسا کہ فِضَّةُ خَاتَمِکَ خَیْرٌ مِنْ فِضَّةِ خَاتَمِیْ (میری انگوٹھی کی چاندی تیری انگوٹھی کی چاندی سے بہتر ہے) مثال میں ہے تو اس میں اضافت لامیہ ہوگی۔

فائدہ: عموم و خصوص من وجہ ان دو لفظوں میں ہوتا ہے جو آپس میں کسی نہ کسی موقع پر صادق آنے میں اکٹھے ہو جاتے ہوں اور

بغیر ایک دوسرے کے بھی پائے جاسکتے ہوں جیسے یہاں خاتم اور فضہ ان میں عموم خصوص من وجہ ہے کیونکہ اگر چاندی کی انگوٹھی ہو تو دونوں لفظ ایسی انگوٹھی پر صادق آئیں گے کہ وہ خاتم بھی اور فضہ بھی یہ مادہ اجتماعی ہوا اور اگر کسی کے پاس لوہے کی انگوٹھی ہو تو وہاں لفظ خاتم کا صادق آئے گا فضہ اس کو نہیں کہہ سکتے اور اگر کسی کے پاس خالی چاندی کا ٹکڑا ہے اس کی انگوٹھی بنی ہوئی نہیں ہے تو وہاں فضہ کہا جاسکتا ہے اس کو خاتم نہیں کہہ سکتے یہ دونوں مثالیں مادہ افتراقی کی ہیں کہ ہر ایک بغیر دوسرے کے صادق آئے اور جہاں دونوں صادق آویں وہ مادہ اجتماعی کہلاتا ہے۔

فائدہ: ان اصطلاحوں کو مزید سمجھنا ہو تو تبیین المنطق کے اندر (دو کلموں میں نسبت کا بیان) ملاحظہ کریں۔

فائدہ: مضاف سے بوقت اضافت تنوین اور نون تثنیہ جمع گر جاتا ہے جیسے غُلَامَا خَالِدٍ، مسلموا الهند کہ اصل غلامان اور مسلمون ہے، نیز الف لام تعریف کا بھی مضاف پر نہیں آسکتا۔

سبق چہل و دوم

دهم اسم تام تمیز را نصب کند و تمامی اسم یا بتنوین باشد چوں مَافِی السَّمَاءِ قَدْرُ رَاحَةٍ سَحَابًا یا بتقدیر تنوین چوں عِنْدِیْ اَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا و زَیْدٌ اَکْثَرُ مِنْکَ مَالًا یا بنون تثنیہ چوں عندی قَفِیْزَانِ بُرًّا یا بنون جمع چوں هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا یا بمشابہ نون جمع چوں عِنْدِیْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا تَاتِسْعُوْنَ یا باضافت چوں عِنْدِیْ مِلْؤُهٗ عَسَلًا۔ **یازدهم اسمائے کنایه از عدد:** وآں دو لفظ است کم و کَذَا، کَمْ بر دو قسم است استفہامیہ و خبریہ، استفہامیہ تمیز را نصب کند و کذا نیز چوں کَمْ رَجُلًا عِنْدَکَ وعِنْدِیْ کَذَا دِرْهَمًا و کَمْ خبریہ تمیز را بجر کند چوں کَمْ مَالٍ اَنْفَقْتُ و کَمْ دَارٍ بَنَیْتُ وگاہے مِنْ جار بر تمیز کَمْ خبریہ آید چوں قوله تعالٰی کم من مَلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ۔

ترجمه: دسویں اسم تام: تمیز کو نصب کرتا ہے اور اسم کی تمامیت (مکمل ہونا) یا تو تنوین کے ساتھ ہوتا ہے جیسے مَافِی السَّمَاءِ قَدْرُ رَاحَةٍ سَحَابًا (آسمان میں ہتھیلی برابر بھی بادل نہیں ہے) یا پوشیدہ تنوین کے ساتھ جیسے عِنْدِیْ اَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا (میرے پاس گیارہ مرد ہیں) اور زَیْدٌ اَکْثَرُ مِنْکَ مَالًا (زید تجھ سے زیادہ مال والا ہے) یا نون تثنیہ کے ساتھ جیسے عِنْدِیْ قَفِیْزَانِ بُرًّا (میرے پاس دو قفیز ہیں گندم کے) یا نون جمع کے ساتھ جیسے هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا (کیا بتلاویں ہم تم کو سب سے زیادہ خسارے والے اعمال کے لحاظ سے) یا نون جمع کے مشابہ کے ساتھ جیسے عِنْدِیْ عِشْرُوْنَ درهمًا تاتِسْعُوْنَ (میرے پاس بیس درہم ہیں، تسعون کی دھائی تک یا اضافت کے ساتھ جیسے عِنْدِیْ مِلْؤُهٗ عَسَلًا میرے

پاس اس کا بھراؤ ہے شہد کے اعتبار سے۔

گیارھویں ایسے اسماء جو اشارہ ہوتے ہیں گنتی سے اور وہ دو لفظ ہیں کَمْ اور کَذَا کَمْ دو قسم پر ہے استفہامیہ اور خبریہ استفہامیہ تمیز کو نصب کرتا ہے اور کَذَا بھی جیسے کَمْ رَجُلًا عِنْدَکَ وعندی کذا دِرْھَمًا (تیرے پاس کتنے مرد ہیں، اور میرے پاس اتنے درہم ہیں) اور کَمْ خبریہ تمیز کو جر کرتا ہے کم مَالٍ اَنْفَقْتُ (کتنا ہی مال خرچ کر دیا میں نے) اور کَمْ دَارٍ بَنَيْتُ (کتنے ہی گھر بنا چکا میں) اور کبھی مِنْ جار بھی کَمْ خبریہ کی تمیز پر آجاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: کَمْ مِنْ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ (کس قدر فرشتے ہیں آسمانوں میں)۔

حل مضمون- اسم تام بھی عوامل لفظی میں سے ایک عامل ہے کسی بھی اسم تام کے بعد آنے والا کلمہ تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہوتا ہے خود وہ اسم تام مُمَیِّزْ کہلائے گا اور اس کا مابعد تمیز بنے گی اسم تام کسے کہتے ہیں تو جانئے کہ کسی اسم کا ایسی حالت پر ہونا کہ اس حالت کے ہوتے ہوئے اس کی اضافت نہ ہوسکے یہ اس اسم کے تام اور مکمل ہونے کی حالت ہے پھر جن چیزوں سے اسم تام ہوتا ہے وہ پانچ چیزیں ہیں (۱) تنوین (۲) نون تثنیہ (۳) نون جمع (۴) نون مشابہ جمع (۵) مضاف ہونا کوئی بھی اسم ان پانچ چیزوں کے آخر میں ہوتے ہوئے اس کی اضافت نہیں ہوسکتی اضافت کرنے کے لئے پہلے تنوین اور نون تثنیہ جمع اور مشابہ نون جمع کو ہٹانا پڑے گا تب اضافت کیجا ئیگی ایسے میں جو کلمہ مضاف ہے اس کی اول والی اضافت ختم کر کے تب دوبارہ اس کی اضافت ہوسکے گی پہلی اضافت کے ہوتے ہوئے دوسری اضافت ہو ہی نہیں سکتی بہر حال اسم کی تمامیت کے لئے اس کے آخر میں ان پانچ میں سے کوئی چیز آنا ضروری ہے۔

سوال یہ ہے کہ الف لام بھی ان میں سے ہے جس کے کسی کلمہ پر ہوتے ہوئے اضافت نہیں ہوسکتی لہٰذا معرف باللام کو اسم تام کیوں نہ کہا۔

جواب اخیر میں لگنے کے بعد تمامیت مراد ہے نہ کو شروع میں اور الف لام تو شروع میں ہوتا ہے اسی لئے اگر کوئی ایسے اسم تام کے بعد جس کی تمامیت شروع میں الف لام لگنے سے ہوئی کسی کلمہ کو نصب دینا چاہے تو درست نہیں، چنانچہ عندی الرّاقودُ خَلًّا (کہ میرے پاس ایک بڑا مٹکا ہے سرکہ کا) نہیں کہہ سکتے اور خَلًّا کا راقود کی وجہ سے نصب غیر درست ہوگا۔

سوال: اسم تام نصب کیوں دیتا ہے۔

جواب: اسم تام جب ان پانچ چیزوں سے لگنے سے مکمل ہوتا ہے تو یہ فعل کے مشابہ ہوگیا کہ جس طرح فعل اپنے فاعل کے آنے پر مکمل ہوجاتا ہے اور کلام تام کہلاتا ہے اسی طرح اسم تام ان پانچ میں سے آخر میں کسی ایک کے آنے سے مکمل ہوگیا کیونکہ اصل کلام جملہ فعلیہ میں فعل فاعل کے آنے سے بن جاتا ہے باقی تیسرے نمبر پر جو چیز آتی ہے وہ محض زائد اور فالتو ساتھ لگنے والی سمجھی جاتی ہے اور تیسرے نمبر پر آنے والی چیز کا حق نصب کا ہوتا ہے چنانچہ فعل فاعل کے بعد جتنی بھی چیزیں آئے گی سب کا حق منصوب ہونے کا ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اسم تام تو فعل کے درجہ میں ہوگیا اور جس سے اس کی تمامیت ہورہی ہے یعنی تنوین، نون

وغیرہ وہ فاعل کے درجہ میں ہو گئے اور تیسرے نمبر پر جو تمیز بننے والا کلمہ ہے وہ مفعول بہ کے مشابہ ہو گیا تو اس مشابہت کی وجہ سے اسم تام کے بعد کا کلمہ منصوب ہوگا کیونکہ یہ منصوب کلمہ اس تیسرے نمبر پر آ گیا جس پر آ کر کلمات منصوب ہوتے ہیں، بہر حال اسم تام کا عمل فعل کے ساتھ اس مشابہت کیوجہ سے ہے کہ فعل اور اسم تام دونوں کے بعد ایسی چیز ہے جس سے وہ تمام ہوتے ہیں، اور دونوں ہی کے تمام ہونے کے بعد جو تیسری چیز آ رہی ہے اس کو دونوں ہی منصوب کریں گے۔

مافی السماء قَدْرُ راحةٍ سَحَابًا : ما مشابہ بلیس **فی السماء** ثابت محذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم قدر راحة مرکب اضافی ہو کر ممیز اور سَحَابًا تمیز ممیز تمیز سے ملکر مبتدا مؤخر ما اپنے مبتدا اور خبر یا اسم و خبر سے ملکر جملہ ہو جائے گا۔

سوال : ہم نے سنا ہے کہ ممیز تو اسے کہتے ہیں جس میں ابہام ہو اور تمیز اسے کہتے ہیں جو اس ابہام کو دور کرے یہاں ان مثالوں میں کیسے؟

جواب آپ جان چکے ہیں کہ اسم تام وہ کلمہ ہوتا ہے جو ایسی حالت پر ہو کہ اس حالت کے ہوتے اس کی اضافت نہ ہو سکے اور یہ جب ہوگی جب اس کے آخر میں تنوین یا نون یا اضافت ہو تو جیسے کلام میں فعل کے بعد فاعل آ جانے پر کلام مکمل سمجھا جاتا ہے اور اصل جاننا فعل فاعل کا ہے باقی چیزیں اتنی اہم نہیں ہوتی ہے ان کو ذکر کر دو فبہا نہ کی تو بھی حرج نہیں اس لئے سامع بقیہ کلام کا منتظر نہیں رہتا بس اتنا جاننا کافی ہے کہ کس نے کیا اور کیا کیا بہر حال جیسے فاعل آنے کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے ایسے ہی اسم تام میں جب وہ تنوین یا نون اضافت نے کر استعمال ہوگا آدمی مطمئن ہو جائے گا کہ بس اسے اور آگے کچھ نہیں کہنا ہے اگر آگے اسے کچھ کہنا ہوتا تو یہ تنوین اور نون وغیرہ نہ لاتا اور نہ مضاف الیہ لاتا تو جب یہ سب نے آیا پتہ چلا کہ اس کا کلام مکمل ہے جیسے **ما فی السماء قَدْرُ راحةٍ** میں راحةٍ کو مع التنوین کہنے سے یہ پتہ چلا کہ بس آگے کچھ نہیں بولے گا حالانکہ راحة تک بولنے سے یہ بات صاف نہ ہوئی کہ آسمان میں ہتھیلی کے برابر جس چیز کی نفی ہے وہ کیا ہے تو اس لئے ابہام ہو گیا جس کو سَحَابًا کہہ کر دفع کیا کہ جو ہتھیلی کے برابر نہیں ہے وہ چیز بادل ہے، ایسے ہی **عندی احد عشر** میں اَحَدَ عَشَرَ تک ابہام ہے کہ میرے پاس گیارہ ہیں، لیکن قلم ہیں یا گُرتے ہیں یا مرد ہیں یا کچھ اور ہیں وضاحت نہ ہوئی جب کہا رجلاً تو وضاحت ہو گئی کہ وہ گیارہ مرد ہیں، قدرُ راحةٍ تنوین لفظی کی مثال ہے جو اسم منصرف کے اندر ہوا کرتی ہے اور اَحَدَ عَشَرَ جس کی اصل اَحَدٌ وعَشَرٌ تھی تنوین تقدیری کی مثال ہے، کیونکہ واؤ اور تنوین ختم کر کے دونوں جز مبنی پر فتح کر دیئے گئے یہ تنوین تقدیری مبنی میں ہوتی ہے یا اسم تفضیل میں جو غیر منصرف ہوتا ہے جیسا کہ زیدٌ اَکْثَرُ مِنْکَ مَالاً

سوال اسم تفضیل کیوں غیر منصرف ہے۔ **جواب** صفت اور وزن فعل کیوجہ سے لہٰذا اس پر تنوین اور کسرہ نہ آئیں گے بہر حال احد عشر اور اَکْثَرُ دونوں میں تنوین مقدرہ ہے جو ان کو تام بنا رہی ہے اور پھر اس کے بعد کلمہ کو بربنا تمیز نصب آ رہا ہے۔

عِنْدِیْ قَفِیْزَانِ بُرًّا ، یہ نون تثنیہ سے اسم کے تام ہونیکی مثال ہے قفیز تقریباً ۴۰ کلو پیمانہ ہوتا ہے، هَلْ نُنَبِّئُكُمْ

بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالاً، یہ نون جمع سے اسم کے تام ہونیکی مثال ہے (کیا بتلادیں ہم تم کو سب سے زیادہ خسارہ والے اعمال کے اعتبار سے)

بمشابه نون جمع: عِنْدِیْ عشرون درهمًا- عِشْرُوْنَ اور جتنی بھی دہائیاں ہیں تسعون تک سب کا نون جمع مذکر سالم میں لگنے والے نون کے مشابہ ہے اور جب نون جمع سے مشابہ نون ان دہائیوں کے آخر میں ہے تو خود یہ دہائیاں بھی جمع کے مشابہ ہو گئیں۔

سوال: عِشْرُوْنَ اور اس کے ساتھ کی دہائیوں کو مشابہ جمع کیوں کہتے ہو جمع ہی کیوں نہ کہہ دیا۔

جواب: جمع حقیقی وہ ہے کہ جس کا واحد بھی من لفظہ اور اس کے معنی جمع کے بھی ہوں اور اس کے آخر میں جمع والی علامت واؤ نون وغیرہ بھی ہو اور ان دہائیوں میں پہلی بات نہیں ہے۔

سوال: واحد تو ہے عشرون کا عَشْرَةٌ ثلثون کا ثلثة اور اسی طرح دیگر دہائیوں کا بھی نکل آئے گا۔

جواب: بالکل نہیں ہرگز نہیں ورنہ عشرون کے معنی تیس کے بن جائیں گے اور ثلثون کے معنی نو کے ہو جائیں گے کیونکہ جب عشرون کا واحد عشرة مانیں گے تو عشرون جمع ہوگا اور جمع کے اندر کم از کم تین افراد تو مراد لیں گے ہی تو تین عشرة تیس ہو جائیں گے اور ثلثون میں تین ثلثة لیں گے جس کے معنی نو ہو جائیں گے اس لئے صحیح یہ ہے کہ ان کا واحد ہے ہی نہیں اور جب واحد نہیں تو دہائیاں حقیقی جمع کے بجائے جمع کے مشابہ والی جمع بنیں گی۔

عندی ملؤه عسلا: یہ اضافت کے ذریعہ اسم کے تام ہونے کی مثال ہے مِلْؤٌ مَلَأَ یَمْلَأُ مَلْأً بھرنا ہ ضمیر کا مرجع ذہن ذہن میں سمجھا جائے گا جو بھی متکلم اور سامع کے نزدیک ہو رہا ہوگا۔

فائدہ: اگر تمیز جملہ سے ابہام دور کریگی تو اس کا عامل وہ فعل ہوگا جو اس جملہ میں ہے جیسے طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا میں طاب، نَفْسًا تمیز کا عامل بنے گا اور اگر کوئی تمیز اسم تام کا ابہام دور کرے گی تو اس کا عامل خود اسم تام ہوگا جس کی وجہ سے تمیز کو نصب آرہا ہوگا، جیسے یہاں ذکر شدہ مثالوں میں ہے۔

یازدهم اسماء کنایه از عدد: اسماء کنایہ اسماء عاملہ کی گیارہویں اور آخری قسم ہے کنایہ کہتے ہیں ایک چیز کو بول کر اس سے دوسری چیز کا ارادہ کرنا پھر وہ دوسری چیز جس کا ارادہ کریں گے کبھی تو گنتی ہوتی ہے اور کبھی بات اگر گنتی ہے تو اسماء کنایہ از عدد کہلاتے ہیں اور اگر بات سے کنایہ ہے تو اسماء کنایہ از حدیث کہلاتے ہیں یہاں صرف قسم اول کا ذکر ہے، اسم غیر متمکن کی آٹھ قسموں میں دونوں کا تذکرہ آچکا ہے، بہرحال جن اسموں سے بولکر گنتی اور تعداد کا ارادہ کیا جاتا ہے وہ دو ہیں کَمْ اور کَذَا جب بلا تعیین کے گول مول عدد اور گنتی کو ظاہر کرنا ہوتا ہے تو وہاں کَمْ اور کَذَا استعمال ہوتے ہیں پھر کذا ہمیشہ خبریہ ہوتا ہے اور کَمْ کی

دو قسمیں ہیں خبریہ اور استفہامیہ کَذا اور کَمْ استفہامیہ ان دونوں کے بعد کلمہ منصوب ہوتا ہے رہا کم خبریہ تو اپنے مابعد کو مجرور کرتا ہے اور اس کَم خبریہ کی تمیز پر من بھی آجاتا ہے جیسے کَمْ مِنْ ملک فی السموٰت کسقد رفرشتے ہیں آسمانوں میں، کَمْ رَجُلًا عندک یہ کم استفہامیہ کی مثال ہے گویا گول مول سوال ہے کہ کتنے مرد تیرے پاس ہوں گے۔

عندی کذا درھما: کذا کی مثال ہے جو ہمیشہ خبریہ ہی ہوتا ہے۔

سوال : مصنف نے کذا خبریہ کی مثال کَمْ استفہامیہ کے ساتھ کیوں بیان کی کَمْ خبریہ کے ساتھ بیان کرنے کا حق تھا کہ دونوں ہی خبریہ ایک جگہ اکٹھے آجاتے۔

جواب : کذا اور کَمْ استفہامیہ بھی اس چیز میں اکٹھے ہیں کہ دونوں کی تمیز منصوب ہوا کرتی ہے بخلاف کَمْ خبریہ کی کہ اس کی تمیز مجرور ہوتی ہے، ترجمہ مثال کا یہ ہے (میرے پاس اتنے درہم ہیں) کَمْ مَالٍ اَنْفَقْتُ، وکَمْ دَارٍ بَنَیْتُ دونوں کَمْ خبریہ کی مثالیں ہیں کتنا ہی مال خرچ کر چکا میں، ور کتنے ہی مکان بنا چکا میں، ہمارے اردو محاورہ میں اس طرح کے جملہ بولے جاتے ہیں، چنانچہ جب عدد سے کنایہ کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں میں تجھے اتنی اتنی بار کہہ چکا ہوں یا میں نے مکان میں اتنے اتنے روپے لگادئے، اور بات سے کنایہ کے لئے بولتے ہیں میں نے اسے اس اس طرح کہا اس نے مجھے ایسی ایسی سنائی۔

سبق چہل وسوم

عوامل معنوی کا بیان

قسم دوم در عوامل معنوی بدانکہ عوامل معنوی بر دو قسم است **اول ابتداء.** یعنی خلو اسم از عوامل لفظی کہ مبتدا و خبر را برفع کند چوں زیدٌ قائمٌ وایں جا گویند زیدٌ مبتدا است مرفوع بابتداء و قائمٌ خبر مبتدا است مرفوع بابتداء وایں جا دو مذہب دیگر است یکے آں کہ ابتداء عامل است در مبتدا و مبتدا در خبر دیگر آنکہ ہر یکے از مبتدا و خبر عامل ست در دیگر **دوم خلوّ فعل مضارع از ناصب وجازم** فعل مضارع را برفع کند چوں یَضْرِبُ زَیْدٌ اینجا یَضْرِبُ مرفوع است زیرا کہ خالی ست از ناصب و جازم، تمام شد عوامل نحو بتوفیق الله تعالٰی وعونہ۔

ترجمہ۔ دوسری قسم عوامل معنوی کے بیان میں، جان تو کہ عوامل معنوی دو قسم پر ہیں **اول ابتداء.** یعنی اسم کا خالی ہونا عوامل

لفظی سے جو کہ مبتدا اور خبر کو رفع کرتی ہے جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ اور اس جگہ کہتے ہیں کہ زَیْدٌ مبتدا ہے مرفوع ہے ابتداء کیوجہ سے اور قائمٌ مبتدا کی خبر ہے مرفوع ہے ابتداء کی وجہ سے اور اس جگہ دوسرے دو مذہب اور ہیں ایک وہ کہ ابتداء عامل ہے مبتدا میں اور مبتدا خبر میں دوسرے وہ کہ ہر ایک مبتدا اور خبر میں سے عامل ہیں دوسرے میں **دوم فعل مضارع کا خالی ہونا ناصب اور جازم** سے فعل مضارع کو رفع کرتا ہے جیسے یَضْرِبُ زَیْدٌ اس جگہ یَضْرِبُ مرفوع ہے کیونکہ خالی ہے نصب اور جزم دینے والے (عامل) سے مکمل ہو گئے نحو کے عوامل اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے۔

حل مضمون- عوامل کی شروع میں دو قسمیں بتائی تھیں (۱) لفظی (۲) معنوی پہلی قسم **عوامل لفظی** سے فارغ ہونے کے بعد یہاں سے دوسری قسم **عوامل معنوی** کو بیان کر رہے ہیں۔

سوال: عوامل معنوی کسے کہتے ہیں؟

جواب: جو عامل بولنے لکھنے پڑھنے میں آئے اس کو عامل لفظی کہتے ہیں جیسا کہ حروف افعال اسماء کا ذکر آچکا ہے اور جو عامل صرف نیت اور ذہن میں مانا جائے لفظوں میں اس کا کوئی وجود نہ ہو اس کو عامل معنوی کہتے ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہو جائے گا بات دراصل یہ ہے کہ کسی بھی کلمہ پر اعراب آنا یعنی اس کا مرفوع منصوب مجرور ہونا یہ اہل نحو کے یہاں بغیر عامل کے نہیں ہوتا جو کلمہ بھی رفع یا نصب، یا جر لئے ہوئے ہوگا وہ ضرور کسی نہ کسی عامل کا اثر ہوگا جب یہ بات طے ہوئی اور قانون بن گیا کہ ہر اعراب کسی نہ کسی عامل کا اثر ہے تو دو جگہ ایسی بھی پائی گئیں جن میں اثر یعنی اعراب تو ہے مگر مؤثر یعنی عامل کوئی نہیں ہے (۱) مبتدا خبر کا رفع (۲) فعل مضارع کا رفع کیونکہ مبتدا خبر کو مرفوع پڑھتے ہیں مگر دیکھنے سے کوئی عامل ان کے ساتھ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ان کو مرفوع کہہ دیں یہی حال فعل مضارع کا ہے کہ جب اسے نصب دیا تو ان لن کی اِذَنْ حروف ناصبہ اس کا عامل بنتے ہیں اور حالت جزمی میں لَمْ لَمَّا وغیرہ جزم دیتے ہیں لیکن جب مضارع کو مرفوع پڑھتے ہیں تو کوئی عامل نظر ہی نہیں آتا تو اب یہاں آ کے اہل نحو مجبور ہو گئے کہ ان کا عامل کس کو بتلائیں اور کس کو کہیں اس مجبوری کیوجہ سے کہنا پڑا کہ ان دونوں جگہ عامل لفظی تو کوئی ہے نہیں جس کو عامل کہہ دیں بس معنوی عامل سے ان کا پیٹ بھر دو، چنانچہ مبتدا خبر میں ابتداء کو عامل کہہ دیا اور فعل مضارع میں ناصب اور جازم کا اس پر نہ آنا ہی اس کو مرفوع بنائے گا، اب یہ دونوں چیز ذہنی اور معنوی ہیں کیونکہ ابتداء کا مطلب ہے کسی چیز کا شروع میں آنا تو گویا مبتدا خبر سے پہلے کوئی کلام نہیں ہوتا اپنے آپ یہی شروع میں آتے ہیں تو محض اس شروع میں آنے کو ہی ان کے رفع کا سبب کہہ دیا اور یہ چیز محض معنوی ہے نہ کہ لفظی ایسے ہی فعل مضارع پر جب نہ ناصب ہو نہ جازم بس خیال کر لو کہ جب اس پر نہ ناصب نہ جازم تو ان دونوں سے خالی رہنا ہی مضارع کے مرفوع ہونے کا سبب بن جائے گا، اور یہ چیز بھی محض ذہنی ہے نہ کہ لفظی بہر حال بدرجہ مجبوری دو عامل معنوی وجود میں آ گئے (۱) ابتداء جو مبتدا خبر کا عامل ہے (۲) خُلُوّ فعل مضارع از ناصب وجازم جو فعل مضارع میں رفع کا عامل ہے۔

فائدہ: ابتدا کے دو مطلب ہیں ایک تو وہی کہ شروع کلام میں کسی چیز کا آنا اور اس سے پہلے کچھ نہ ہونا، بعض نے یہ کہا ہے ابتدا کا مطلب ہے کہ کسی کلمہ پر عامل لفظی کا نہ ہونا گویا عامل لفظی کا نہ ہونا ہی عامل کا ہونا کہلائے گا اور اسی کو عامل معنوی کا نام دیں گے۔

بہر حال مبتدا خبر کے عامل کون بنتے ہیں اس میں تین قول ہیں (۱) دونوں کا عامل ابتداء ہے اس صورت میں دونوں کا عامل معنوی بنے گا کیونکہ ابتداء جس کا مطلب سب سے شروع میں ہونا یا عوامل لفظی سے خالی ہونا علی اختلاف القولین ایک ذہنی تصور ہے جس کو معنوی ہی کہا جاوے گا نہ کہ لفظی، (۲) ابتداء عامل ہے مبتدا میں اور مبتدا خبر میں اب مبتدا کا عامل معنوی بنے گا اور خبر کا لفظی کیونکہ مبتدا لفظی وجود والا ہے، (۳) آپس میں مبتدا خبر ایک دوسرے کے عامل ہیں اب دونوں کے ہی عامل لفظی ہیں، لیکن خرابی یہ ہے کہ مبتدا کے عامل کا بعد میں ہونا پایا جائے گا۔

فعل مضارع جب مرفوع ہو تو اس کا اعراب بھی عامل معنوی کی وجہ سے ہوگا اور وہ یہی کہ وہ عامل ناصب و جازم سے خالی ہے اِن کا ہونا ہی اس کے مرفوع ہونے کا ذریعہ اور سبب ہوگا اور خالی ہونا ناصب و جازم سے یہ محض ذہنی تصور ہے جس کو عامل معنوی ہی کہا جائے گا، جیسے یَضْرِبُ زَیْدٌ، میں یضربُ مرفوع ہے، کیونکہ عامل ناصب و جزم سے خالی ہے۔

ابو یحییٰ محمد زاہد بن اسمٰعیل المظاہری

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ یوم الخمیس مطابق ۲۶ مارچ ۲۰۰۹ء

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

سبق چہل و چہارم

خاتمہ

درفوائد متفرقہ

کہ دانستن آں واجب ست وآں سہ فصل است

فصل اول- در توابع بدانکہ تابع لفظی ست کہ دومی از لفظ سابق باشد باعراب سابق از یک جہت ولفظ سابق رامتبوع گویند وحکم تابع آں است کہ ہمیشہ دراعراب موافق متبوع باشد وتابع پنج نوع است، **اول صفت** واُوتابعیست کہ دلالت کند برمعنی کہ درمتبوع باشد چوں جَاءَ نِیْ رَجُلٌ عَالِمٌ یا برمعنی کہ درمتعلق متبوع باشد چوں جَآءَ نِیْ رَجُلٌ حَسَنٌ غُلَامُہٗ یَا اَبُوْہُ مثلا **قسم اول** درده چیز موافق متبوع باشد تعریف وتنکیر وتذکیر وتانیث وافراد وتثنیہ وجمع ورفع ونصب وجر چوں رَجُلٌ عِنْدِیْ عَالِمٌ ورَجُلَانِ عَالِمَانِ وَرِجَالٌ عَالِمُوْنَ وامراۃٌ عالمۃٌ وامراتان عالمتان ونسوۃٌ عالماتٌ **اما قسم دوم** موافق متبوع باشد درپنج چیز تعریف وتنکیر ورفع ونصب وجر چوں جاء نی رجلٌ عالمٌ ابوہ بدانکہ نکرہ راجملہ خبریہ صفت تواں کرد چوں جاء نی رجلٌ ابوہ عالمٌ ودرجملہ ضمیری عائد بنکرہ لازم باشد۔

ترجمہ- خاتمہ مختلف فوائد کے بیان میں کہ جن کا جاننا ضروری ہے اوروہ تین فصل ہیں **پہلی فصل توابع کے بیان میں** جان تو کہ تابع ایسا لفظ ہے کہ جودوسرے والا پہلے لفظ کے لحاظ سے ہو پہلے والے کے اعراب کے ساتھ ایک ہی لحاظ سے اور پہلے لفظ کو متبوع کہتے ہیں اور تابع کا حکم وہ ہے کہ ہمیشہ اعراب میں متبوع کے موافق رہے گا اور تابع پانچ قسم ہے **اول صفت** اوروہ ایسا تابع ہے کہ جو دلالت کرے (بتلائے) ایسی چیز پر جو متبوع کے اندر ہو جیسے جاء نی رجلٌ عالمٌ آیا میرے پاس ایک صاحب علم یعنی مولوی مرد یا ایسی چیز پر کہ جو متبوع کے متعلق میں ہو جیسے جاء نی رجل حسنٌ غلامُہٗ یا اَبوہٗ مثلاً (آیا میرے پاس ایک ایسا مرد کہ خوبصورت ہے اس کا غلام یا اس کا ابا) **پہلی قسم** دس چیزوں میں متبوع کے

مطابق رہے گی معرفہ لانے میں اور نکرہ لانے میں اور مذکر لانے میں اور مؤنث لانے میں اور مفرد لانے میں اور تثنیہ لانے میں اور جمع لانے میں اور مرفوع لانے میں اور منصوب لانے میں اور مجرور لانے میں جیسے عندی رجلٌ عالمٌ میرے پاس ایک مولوی مرد ہے و عندی رجلان عالمان اور میرے پاس دو مولوی مرد ہیں و عندی رجالٌ عالمون اور میرے پاس بہت سے مولوی مرد ہیں و عندی امرأۃٌ عالمۃٌ اور میرے پاس ایک پڑھی لکھی عورت ہے و عندی امراتان عالمتان اور میرے پاس دو مولون عورتیں ہیں و عندی نِسْوَۃ عَالِمَات اور میرے پاس بہت سی مُوْلَوَن عورتیں ہیں، بہرحال **دوسری قسم** متبوع کے موافق رہے گی پانچ چیزوں میں معرفہ لانے میں اور نکرہ لانے ․․․ ع لانے اور منصوب لانے میں اور مجرور لانے میں جیسے جاء نی رجل عالم ابوہ (آیا میرے پاس ایک ایسا مرد ․․․ ہ ابا مولوں ہے) ․․․ تو کہ نکرہ کی جملہ خبریہ سے صفت بیان کی جاسکتی ہے یعنی لائی جاسکتی ہے جیسے جاء نی رجلٌ ابوہ عالمٌ (آیا میرے پاس ایک ایسا مرد اس کا ابا مولوی ہے) اور جملہ میں ایک ضمیر اس نکرہ کی طرف لوٹنے والی ضروری ہوگی۔

حل مضمون- خاتمہ وہ ہوتا ہے جس میں اصل کے علاوہ باقی ماندہ اور رہی ہوئی باتیں بیان کی جاویں، چنانچہ مختلف کام کی باتیں علم نحو کی بیان کر رہے ہیں چونکہ یہ باتیں بھی بہت اہم اور ضروری ہیں اس لئے فرمایا کہ ان کا جاننا بھی واجب اور ضروری ہے، پھر اس خاتمہ میں تین فصلیں قائم کی ہیں پہلی فصل میں توابع کا بیان کر رہے ہیں۔

بدانکہ تابع الخ تابع اسم فاعل کا صیغہ ہے تَبِعَ یَتْبَعُ تَبْعًا بمعنی کسی کے ساتھ چلنا اور پیچھے چلنا، یوں تو تابع عام تھا جو کوئی کسی کے تابع اور پیچھے ہو خواہ وہ آدمی ہو یا اور کوئی چیز اس کو تابع کہہ سکتے ہیں معنی لغوی کے لحاظ سے لیکن نحویوں کی اصطلاح میں یہ لفظ وصفی اور لغوی معنی سے جو عام ہوتے ہیں اصطلاحی معنی میں آگیا چنانچہ نحو کی کُتُب میں تابع کو صفت تاکید بدل معطوف اور عطف بیان میں کسی ایک پر بولا جاتا ہے تو گویا لفظ تابع اب وصفیت سے اسمیت کے طرف منتقل ہو گیا یعنی بجائے صفت کے نام بن گیا کیونکہ صفت بحیثیت صفت کسی کے لئے بھی بولی جاسکتی ہے جب کہ یہاں نحو میں متعین پانچ چیزوں میں سے کسی ایک کے لئے یہ طے ہو گیا ہے **تابع لفظی الخ** چونکہ تابع سے مراد نحوی تابع ہے اس لئے اب تعریف کر کے بتا رہے ہیں کہ اہل نحو تابع کس کو کہتے ہیں خلاصہ تابع کی تعریف کا یہ ہے کہ جو کلمہ سابق اور سب سے مقدم کلمہ کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر پڑ رہا ہو خواہ سابق کے علاوہ اور کلموں کے لحاظ سے وہ کسی بھی نمبر پر بیٹھتا ہو، مثلاً جاء نی رَجُلٌ عَالِمٌ حَافِظٌ کَرِیْمٌ جَمِیْلٌ ظَرِیْفٌ اس مثال میں رَجُلٌ موصوف ہے اور باقی پانچ کلمات سب اس کی صفت ہیں تو موصوف ایک اور صفتیں پانچ ہو گئیں تو یہ پانچ صفتیں خواہ آپس میں اول دوم سوم چہارم پنجم کسی نمبر والی کہی جاتی ہوں مگر اپنے موصوف رجلٌ کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک دوسرے نمبر پر ہی کہلائیں گی کیونکہ ہر ایک ان میں سے اپنے موصوف کی صفت ہی تو ہے اوپر کی گفتگو سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ سابق لفظ سے مراد وہ ان صفات کا متبوع یعنی موصوف ہے جس کی یہ صفتیں بن رہی ہیں اور معاملہ صرف موصوف صفت میں ہی نہیں ہے بلکہ تمام توابع میں یہی بات ہے کہ متبوع کے بعد جتنے توابع آئیں گے وہ سب آپس میں کسی بھی نمبر پر کہے جاتے ہوں

مگر اپنے متبوع کے اعتبار سے وہ دوسرے ہی نمبر پر کہلائیں گے، چنانچہ اگر معطوف علیہ کے بہت سے معطوف مثلاً جاء زید وعمرو وبکر وخالد وعابد وزاھد ان میں زید متبوع ہے باقی سب توابع ہیں اور زید کے لحاظ سے دوم اور دوسرے نمبر پر شمار ہوں گے۔

باعراب سابق: سابق سے مراد متبوع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو اعراب متبوع کا ہوگا وہی اس کے تمام توابع کا رہے گا خواہ تابع ایک ہو یا زیادہ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ متبوع تابع خواہ موصوف صفت ہوں یا مؤکد تاکید ہوں یا مبدل منہ بدل ہوں یا معطوف علیہ معطوف ہوں یا مبیّن عطف بیان ہوں ان پانچوں میں سے ہر تابع کا اعراب اپنے متبوع کے مطابق ہوگا چنانچہ جو اعراب مؤکد کا وہی تاکید کا اور جو مبدل منہ کا وہی اس کے بدل کا اور جو معطوف علیہ کا وہی اس کے معطوف کا اور جو مبین کا وہی اس کے عطف بیان کا ہوگا، **ازیک جہت**: جب متبوع تابع کے بارے میں جان لیا گیا کہ دونوں کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے تو ایک شرط اور بھی لگاتے ہیں کہ دونوں نے وہ اعراب ایک ہی لحاظ سے قبول کیا ہو مثلاً اگر متبوع اس وجہ سے مرفوع ہوا کہ وہ فاعل بن رہا ہے تابع بھی فاعل ہونے سے ہی مرفوع ہونا چاہئے۔

سوال: فاعل کے علاوہ سے مرفوع ہونے کی کیا صورت ہوگی۔

جواب: مرفوعات آٹھ ہیں فاعل، نائب فاعل، مبتدا، خبر، وغیرہ تو متبوع تابع میں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک کا رفع بوجہ فاعل ہونے کے ہو اور دوسرے کا بوجہ مبتدا، خبر، یا نائب فاعل ہونے کے ہو، ورنہ تابع نہ رہے گا ایسے ہی نصب لینا اگر ایک کا بوجہ مفعول بہ ہونے کے ہے تو دوسرا کا بھی مفعول بہ ہونے سے ہی ہو یہ نہ ہو کہ دوسرا حال یا تمیز ہونے سے نصب لیلے ایسے ہی جر اگر متبوع کا بوجہ مضاف الیہ ہونے کے ہے یہ نہ ہو کہ تابع بوجہ حرف جر کے مجرور ہو رہا ہو چنانچہ ضَرَبْتُ زَیْدًا مشدودًا کہ میں نے بندھے ہوئے زید کی پٹائی کی اس میں مشدودًا کو زید کی صفت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مشدودًا کا نصب بوجہ حال ہونے کے ہے جب کہ زیدًا کا نصب مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔ **فافھم ولاتکن من الغافلین**

لفظ سابق را متبوع: اول نمبر آنے والے کو متبوع کہتے ہیں کیونکہ متبوع اسم مفعول ہے بمعنی جس کا اتباع کیا گیا اور جس کے پیچھے لگا گیا اور متبوع اول کو اس لئے کہا گیا کہ وہی اصل ہے جس کی کسی حالت کو بیان کیا گیا اسی کے تابع کر کے دوسرے کی حالت کا ذکر ہوتا ہے ایسے ہی اصل اعراب اول لیتا ہے اس کے طفیل اس کے تابع کو اس لئے دوسرے کو تابع اول کو متبوع کہتے ہیں۔

صفت واو تابعیت: تابع پانچ ہیں، صفت، تاکید، بدل، معطوف، عطف بیان، تابع کہلانے میں سب یکساں ہیں لیکن الگ الگ بھی اپنے اپنے موقعہ پر ان کی تعریف آتی رہے گی یہاں سے صفت کی تعریف ہے کہ جو اپنے متبوع یعنی موصوف کے اندر یا موصوف کے کسی متعلق کے اندر پائی جانے والی بات کو بتلائے وہ صفت کہلاتی ہے جیسے جاء نی رجلٌ عالمٌ میرے پاس مولوی مرد آیا اس میں عالمٌ نے اپنے موصوف رجلٌ کی بات ظاہر کی ہے کہ وہ مرد پڑھا لکھا اور مولوی ہے، اور متعلق کے اندر کی بات ظاہر

کرنے کی مثال ہے جاء نی رجُلٌ حَسَنٌ غُلامُہٗ یااَبُوْہُ، کہ میرے پاس ایسا ایک مرد آیا جس کا غلام یا ابا خوبصورت ہے۔

سوال: متعلق سے کیا مراد ہے؟

جواب: ہر تعلق والا مراد ہے خواہ ان میں آقا غلام ہونے کا تعلق ہو یا استاذ شاگرد ہونے کا یا باپ بیٹا ہونے کا، جہاں صفت خود متبوع کے اندر پائے جانے والے معنی اور چیز کو بتلائے گی ایسی صفت کو **صفت بحال موصوف** کہتے ہیں اور جو صفت اپنے متعلق کے اندر کی حالت کو ظاہر کرے اس کو **صفت بحال متعلق موصوف** کہتے ہیں۔ ان میں سے اول کو ''نعت اصلی'' اور دوسری کو ''نعت سببی'' کہتے ہیں۔

قسم اول دردہ چیز: قسم اول سے مراد صفت بحال موصوف ہے اور قسم دوم جو آگے آرہی ہے اس سے صفت بحال متعلق موصوف مراد ہے پہلی قسم کی صفت اپنے موصوف کے دس چیزوں میں مطابق اور موافق ہونی چاہئے لیکن ان دس میں سے ہر جگہ ہی پورے دس میں مطابقت نہیں ہوا کرتی ہے فقط چار میں ہوتی ہے چنانچہ تعریف تنکیر میں سے کسی ایک میں اور تذکیر وتانیث میں کسی ایک میں رفع نصب جر میں سے کس ایک میں اور واحد تثنیہ جمع میں سے کسی ایک میں مطابقت چاہئے گی کوئی بھی موصوف صفت کا جملہ بناؤ تو اس میں اچھی طرح جانچ لو کہ موصوف صفت تعریف وتنکیر میں سے چاہے دونوں معرفہ ہوں یا نکرہ ہوں ایسے ہی تذکیر وتانیث میں سے چاہے دونوں مذکر ہوں یا چاہے مؤنث ہوں رفع نصب جر میں سے دونوں مرفوع ہو یا دونوں منصوب ہوں یا دونوں مجرور ہوں اگر ایسا نہ ہوا تو موصوف صفت سے بنا جملہ درست نہ ہوگا، چنانچہ دیکھو عندی رجلٌ عالمٌ میں رجلٌ عالمٌ مرکب توصیفی ہے دونوں واحد ہیں، دونوں مذکر ہیں، دونوں نکرہ ہیں دونوں کا اعراب ایک ہے رجُلان عالمانِ میں دونوں تثنیہ، دونوں مذکر دونوں حالت رفعی میں ہیں کہ تثنیہ میں رفع الف نون سے ہوتا ہے اور دونوں نکرہ ہیں، رجال عالمون جمع ہیں دونوں مذکر ہیں مرفوع ہیں رجال جس پر اعراب بالحرکت ہے اور عالمون جمع مذکر سالم واؤ نون کے ساتھ مرفوع ہے اور دونوں نکرہ ہیں، عندی امرأۃ عالمۃ یہ مؤنث کی مثال ہے اس میں دونوں مؤنث دونوں واحد دونوں مرفوع دونوں نکرہ ہیں باقی دو مثالوں کو بھی اسی طرح سمجھ لو۔

قسم دوم موافق متبوع: صفت بحال متعلق موصوف والی صفت کا فقط پانچ میں سے دو میں متبوع کے موافق ہونا لازمی ہے معرفہ نکرہ میں سے کسی ایک میں رفع نصب جر میں سے کسی ایک میں جیسے جاء نی رجلٌ عالمٌ ابوہ میں رجلٌ موصوف ہے عالمٌ ابوہ میں عالمٌ اپنے مرکب اضافی ابوہ فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہوکر رجلٌ کی صفت بن جائے گی یاد رہے کہ جملہ نکرہ ہی مانا جاتا ہے اس لئے جملہ ہو یا شبہ جملہ دونوں کو نکرہ موصوف کی صفت بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ اس مثال میں موجود ہے تو رجلٌ موصوف اور عالمٌ ابوہ شبہ جملہ ہوکر صفت ہے نکرہ ہونے میں مطابق ہیں ایسے ہی اعراب میں دونوں مرفوع ہیں بس یہی دو مطابقتیں اسی دوسری قسم کی صفت میں لازمی ہیں اور رہی دوسری پانچ مطابقتیں واحد تثنیہ جمع، تذکیر وتانیث ان کے اندر دوسری قسم کی صفت کو اپنے فاعل کے مطابق رکھنا ہوگا کیونکہ شبہ جملہ میں موجود اسم فاعل یا اسم مفعول در

حقیقت فعل ماضی معروف ومجہول کے نمائندے ہیں اس لئے جیسے فعل واحد تثنیہ جمع اور تذکیر وتانیث میں اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے شبہ فعل یعنی اسم فاعل ومفعول بھی ان پانچوں میں اپنے فاعل کے مطابق لائے جائیں گے۔

ومن جملة ضمیر به عائد: اس دوسری قسم کی یعنی صفت بحال متعلق موصوف میں چونکہ صفت جملہ یا شبہ جملہ بنا کرتی ہے اور جملہ یا شبہ جملہ مکمل کلام ہونے کی وجہ سے مستقل حیثیت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو ماقبل سے کوئی ربط اور جوڑ رکھنے کی احتیاج نہیں رہتی تو اس لئے کہہ رہے ہیں کہ جب جملہ یا شبہ جملہ صفت بناؤ تو اس میں ایک ضمیر ایسی بھی لانی چاہئے جو اس سے پہلے موجود نکرہ یعنی موصوف کی طرف لوٹے تا کہ موصوف صفت میں ربط باقی رہے جیسے جَاءَ رَجُلٌ اَبُوْهُ عَالِمٌ ابوه مبتدا مرکب اضافی ہو کر عالم خبر پھر جملہ ہو کر صفت رجل کی اس میں ابوه میں موجود ضمیر رجلٌ نکرہ موصوفہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

سبق چہل وپنجم

دوم تاکید واُو تابعیست کہ حالِ متبوع رامقرر گرداند درنسبت یا درشمول تا سامع راشک نماند وتاکید بردو قسم است لفظی ومعنوی، تاکید لفظی بتکرار لفظ است چوں زیدٌ زیدٌ قائمٌ وضَرَبَ ضَرَبَ زَیْدٌ واِنَّ اِنَّ زیدًا قَائِمٌ وتاکید معنوی بہشت لفظ است نَفْسٌ وَعَیْنٌ وَکِلَا وکِلْتَا وَکُلُّ وَاَجْمَعُ وَاَکْتَعُ وَاَبْتَعُ وَاَبْصَعُ چوں جَاءَنِیْ زَیْدٌ نَفْسُهٗ وجاء نی الزَّیْدَانِ اَنْفُسُهُمَا وَجَاءَنِیْ الزَّیْدُوْنَ اَنْفُسُهُمْ وَعَیْنٌ رابریں قیاس کن وجَاءَنِیْ الزَّیْدَانِ کِلَاهُمَا والهندان کِلْتَاهُمَا وکِلَا وکِلْتَا خاصند بمُثَنّٰی وجَاءَنِیْ الْقَوْمُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ وَاَکْتَعُوْنَ وَاَبْتَعُوْنَ وَاَبْصَعُوْنَ بدانکه اَکْتَعُ وَاَبْتَعُ وَاَبْصَعُ اَتْبَاع اند به اَجْمَعُ پس بدون اَجْمَعُ نیایند ومقدم بر اَجْمَعُ نباشند۔

ترجمہ- دوسرے تاکید اور وہ ایسا تابع ہے کہ جو متبوع کے حال کو پختہ بنائے نسبت میں یا شمول میں تا کہ سامع کو شک نہ رہے اور تاکید دو قسم پر ہے لفظی اور معنوی تاکید لفظی وہ لفظ کے دو مرتبہ لانے کے ساتھ ہے جیسے زَیْدٌ زَیْدٌ قَائِمٌ (زید زید ہی کھڑا ہے) اور ضَرَبَ ضَرَبَ زَیْدٌ (مارا ہے ہی مارا زید نے) اور اِنَّ اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ (واقعی واقعی زید کھڑا ہے) اور تاکید معنوی آٹھ لفظ کے ساتھ ہوتی ہے نَفْسٌ (بمعنی ذات اور خود) عَیْنٌ (بمعنی ذات اور خود) یعنی اپنے آپ اور کِلَا (بمعنی دونوں) اور کِلْتَا (بمعنی دونوں) اور کُلٌّ اور اَجْمَعُ (بمعنی تمام) اَکْتَعُ وَاَبْتَعُ وَاَبْصَعُ (ان کا الگ سے کوئی ترجمہ نہیں ہوگا اَجْمَعُ کے بعد ایسے ہی تاکید کے لئے لائے جاتے ہیں) جیسے جَاءَنِیْ زَیْدٌ نَفْسُهٗ (آیا میرے پاس زید خود ہی) اور جَاءَنِیْ الزَّیْدَانِ

اَنْفُسُهُمَا (آئے میرے پاس دو زید خود ہی) اور جَاءَ نِیْ الزَّیْدُوْنَ اَنْفُسُهُمْ (آئے میرے پاس بہت سے زید خود ہی) اور عَیْنَ کو اسی پر قیاس کر لے اور جَاءَ نِیْ الزَّیْدَانِ كِلَاهُمَا (آئے میرے پاس زید دونوں کے دونوں) الھندان کلتاھما (اور دو ہندہ عورتیں دونوں کی دونوں) اور کلا و کلتا خاص ہیں تثنیہ کے ساتھ اور جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ وَاَكْتَعُوْنَ وَاَبْتَعُوْنَ وَاَبْصَعُوْنَ (آئے میرے پاس لوگ یعنی ان میں سے ہر ایک سب کے سب) جان تو کہ اَكْتَعَ اور اَبْتَعَ اور اَبْصَعُ تابع ہیں اَجْمَعُ کے پس بغیر اَجْمَعُ کے نہیں آتے ہیں اور مقدم اجمع پر نہیں ہوتے ہیں۔

حل مضمون۔ تاکید باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی مضبوط اور پکا کرنا اصطلاح نحو میں وہ الفاظ مراد ہیں جن کو تاکید کے لئے لایا جاتا ہے پھر تاکید کے دو فائدہ ہیں (۱) نسبت میں شک وشبہ کو ختم کرنے کے لئے نسبت بمعنی تعلق اور جوڑ ہے جب آپ کسی کی طرف کچھ منسوب کریں گے یا اس سے جوڑیں گے تو بعض دفعہ اس پر یقین نہیں آتا جس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے مثلاً زید کوئی بڑا آدمی ہے انتہائی باوقار اور سنجیدہ ہے ایسا نہیں کہ جہاں چاہے کھڑا ہو جائے بازاروں میں چوراہوں پر کھڑا ہونا اس کی شان سے بعید لگتا ہے تو اگر کسی ایسی ہی مکروہ اور غیر پسندیدہ جگہوں میں کوئی یہ خبر دے کہ کہ زید کھڑا ہے تو بظاہر یقین نہیں آئے گا اور سمجھیں گے کہ اسے دھوکہ لگ گیا کوئی اور کھڑا ہوگا، مگر وہ ہمارے ردّ وانکار کو بھانپ کر پہلے مؤکد کلام لائے گا تاکہ کھڑا ہونے کی نسبت کو زید کی طرف غلط اور دھوکہ نہ سمجھیں بلکہ سمجھ لیں کہ وہ زید ہی ہے نہ کہ کوئی اور یا ایسے ہی زید مثلاً اتنا حلیم اور پروقار ہے کسی پر کبھی ہاتھ اٹھانے کا کوئی مطلب ہی نہیں چہ جائیکہ مارنا پیٹنا تو تم جب اس کی طرف مارنے کو منسوب کر دگے تو بظاہر آپ کو ردّ وانکار سے واسطہ پڑ سکتا ہے اس لئے پہلے ہی مؤکد لائے اور کہنے لگے ضَرَبَ ضَرَبَ زَیْدٌ کہ مارنا ہوا ہے جی مارنا زید کا، تو در اصل یہاں شک منسوب الیہ کے بجائے خود منسوب میں ہے اور مثال زیدٌ قائمٌ میں منسوب الیہ میں ہے تو کبھی تو تاکید سے شک ختم کریں گے منسوب الیہ کا اور کبھی منسوب کا اور کبھی خود نسبت کا جس کی مثال اِنَّ اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ ہے کیونکہ نسبت مبتدا خبر کے درمیانی تعلق کا نام ہے تو گویا اِنَّ زید اور قائم کے درمیانی تعلق کی پختگی ہی کرنے کے لئے اس کو مکرر اور دوبارہ لایا گیا ہے، اسی بات سے تین مثالوں کے لانے کا فائدہ جہاں یہ ہے کہ ایک تکرار اسم کی مثال ہے دوسری تکرار فعل کی اور تیسری تکراری حرف کی وہیں فائدہ بھی معلوم ہو گیا کہ تاکید تین فائدوں میں سے کسی بھی ایک کے لئے ہو سکتی ہے کہ خواہ وہ تاکید منسوب کی کرے یا منسوب الیہ کی یا نسبت کی۔

(۲) **دوسرا فائدہ** تاکید کا شمول ہے شمول بمعنی ہمہ گیر اور عام ہونا چونکہ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ کوئی کام کیا چند نے اور بتا دیا جاتا ہے سب کا مثلاً درسگاہ میں شرارت ایک دو نے کی مگر کہہ دیتے ہیں تم لوگ بہت شریر ہو گئے ہو ایسے ہی دو چار دفعہ کہنے پر غصہ میں کہہ دیتے ہیں کہ میں نے تجھے ستر دفعہ سمجھا دیا مگر تو مانتا نہیں ہے، مراد ستر سے صرف کثرت ہے اس لئے اس کو جھوٹ کلام بھی نہیں کہیں گے کیونکہ عرف میں کوئی تکذیب نہیں کرتا ہے، بہر حال مجازاً ایک یا چند کے کسی کام کے کرنے پر بعض دفعہ مجازاً وہ کام سب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے تو اس لئے تاکید لائیں گے کہ واقعۃً سب ہی مراد ہیں اور یہ حکم تمام پر حقیقت میں ہے جیسے

فسجد الملائکۃ کہ فرشتوں نے سجدہ کیا الملائکہ مَلَاکٌ بمعنی فرشتہ کی جمع ہے کوئی سمجھ سکتا تھا کہ چند فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرلیا ہوگا اس لئے کُلُّھُمْ آگے لاکر بتادیا کہ نہیں سجدہ کرنے میں سب ہی فرشتے تھے آگے اجمعون سے اور تاکید کردی معنیٰ اس کے بھی کلھم والے ہی ہیں جیسا کہ اردو میں بھی مرادف اور ہم معنی کئی کئی کلمات استعمال کرتے ہیں مثلاً ہم کہیں مجھ سے تمام سب کے سب ہر ایک نے ملاقات کی اور بعض نے کہا کہ اجمعون سے یہ بتلانا ہے کہ سب فرشتوں کا سجدہ ایک ہی وقت میں پایا گیا نہ کہ آگے پیچھے۔

فائدہ: تاکید لفظی ڈبل اور مکرر لفظ کے ذریعہ ہوتی ہے پھر وہ دو اسم ہوں یا دو فعل یا دو حرف یا دو جملے یا دو مرکب اضافی یا دو مرکب توصیفی ان سب سے جو تاکید آوے گی اس کو تاکید لفظی کہتے ہیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے تاکید بمعنی دو مرتبہ کسی چیز کو کہنا یا کرنا اور لفظ بمعنی بولنا یعنی ایک چیز کو دو دفعہ بول کر حاصل ہونے والی تاکید تاکید لفظی کہلاتی ہے۔

تاکید معنوی: کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تاکید تو دو دفعہ کسی چیز کا ذکر کرنے کو کہتے ہیں اور **معنوی** اس لئے کہا کہ تاکید معنوی میں مؤکد اور تاکید کے الفاظ تو الگ الگ ہوتے ہیں مگر معنیٰ اور مراد کے لحاظ سے دونوں لفظوں سے ایک ہی ذات مراد ہوتی ہے جیسے جَاءَ زَیْدٌ نَفْسُہٗ میں زیدٌ اور نَفْسُہٗ دونوں کا مصداق ایک ہی شخص ہے تو گویا معنیٰ اور مراداً زید کا دو دفعہ ذکر آگیا ایک دفعہ لفظ زیدٌ سے دوسری مرتبہ نَفْسُہٗ کے لفظ سے چنانچہ تاکید معنوی کے جو آٹھ لفظ ہیں سب میں یہی بات ہے کہ معنیٰ اور مراد و مقصود کے اعتبار سے دو دفعہ اس چیز کا تذکرہ آجاتا ہے اگرچہ تاکید لفظی کی طرح مکرر لفظ نہیں ہوتے ہیں چنانچہ جاءت الھندان کلتاھما میرے پاس دو ہندہ عورتیں آئیں اس میں الھندان اور کلتاھما دونوں سے مراد ایک ہے۔

نَفْسٌ وعَیْنٌ: دونوں بمعنی ذات ہیں جو ضمیر ان کا مضاف الیہ بنتی ہے وہ ان کے مؤکد کی طرف لوٹتی ہے اسی لئے مؤکد کے حساب سے ضمیر واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث ہونے میں بدلتی رہے گی البتہ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ نَفْسٌ وعَیْنٌ کا مؤکد اگر تثنیہ ہوا تو پھر یہ خود بجائے تثنیہ کے جمع لائے جائیں گے اور ضمیر مؤکد کے مطابق تثنیہ ہی رہے گی چنانچہ جَاءَ نِیْ الزیدان نَفْسَاھُمَا کے بجائے اَنْفُسُھُمَا کہنا ہوگا جیسے قرآن میں بھی ہے فقد صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا.

سوال: ایسا کیوں؟ **جواب:** اہل عرب کا استعمال اسی طرح ہے عَیْنٌ کا استعمال بالکل نَفْسٌ کی طرح ہے اور تاکید معنوی اور لفظی دونوں کا فائدہ ایک ہے جیسا کہ بتادیا گیا ہے چنانچہ جاء نی زیدٌ نَفْسُہٗ میں جو کہا کہ زید خود ہی آیا یہ جب کہا جاوے گا جہاں اس کے قاصد یا فون یا خط آنے کو زید کا آنا، گمان کرنے کا وہم ہو مثلاً زید کا آنا کسی وجہ سے محال اور مشکل جانا جارہا ہو یا وہ اتنا بڑا حضرت ہو کہ بنفس نفیس آیا ہی نہ کرتا ہو ہمیشہ اس کا قاصد آتا ہو یا وہ بلوایا کرتا ہو مثالیں دیکھو جاء الزید نفسہ یا عینہ خود زید آیا جاء نی الزیدان اَنْفُسُھُمَا یا اَعْیُنھما دونوں زید آئے خود ہی جاء نی الزیدون اَنْفُسُھُمْ یا اَعْیُنُھُمْ آئے سب زید خود ہی، جاء ت زَیْنَبُ نَفْسُھَا یا عَیْنُھَا زینب خود ہی آئی، جاء ت زَیْنَبَان اَنْفُسُھُمَا یا اَعْیُنُھَا دو زینب خود ہی آئیں، جاء ت زَیْنَبَاتٌ اَنْفُسُھُنَّ یا اَعْیُنُھُنَّ زینبات خود ہی آئیں کلا و کلتا یہ دونوں تثنیہ کے لئے خاص ہیں کلا تثنیہ

مذکر کے لئے اور کلتا تثنیہ مؤنث کے لئے جیسے جاء الزیدان کلاهما وجاء ت الهندان کلتاهما. کُلٌ یہ ہر حال میں اپنی حالت پر رہتا ہے صرف جو ضمیر مضاف الیہ ہوتی ہے وہ مؤکد کے حساب سے مذکر ومونث واحد تثنیہ جمع ہو کر بدلتی رہے گی جیسے قرات الکتاب کُلَّهٗ میں نے ساری کتاب پڑھی، وقرات الجَرِیْدَةَ کُلَّها میں نے مکمل اخبار پڑھ لیا، ایسے ہی حَرَّرْتُ العَبِیْدَ کُلَّهُمْ میں نے سارے غلام آزاد کردیے وطَلَّقْتِ النِّسَاءُ کُلَّهُن سب عورتوں کو طلاق دیدی گئیں۔

کُـلٌّ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سے تاکید جب آئے گی جب کہ اس کا مؤکد ایسا ہو کہ اس کے افراد ہوں اس کے اجزاء اور حصے بن سکتے ہوں چاہے حسًّا یعنی وہ اجزاء ہونا محسوس ہو سکے جیسے قرآن کتاب اخبار کے ہوسکتے ہیں یا حسًّا تو اجزاء نہ ہوں مگر حکمًا ہوسکتے ہوں جیسے اِشْتَرَیْتُ العَبْدَ کُلَّه میں نے سارا غلام خرید لیا اس میں خریدنے کے اعتبار سے اجزاء ہوسکتے ہیں کہ آدھا ایک خریدے اور آدھا دوسرا خریدے، اسی لئے جاء زید کلہ کہنا غلط ہے کیونکہ آنا آدھے کا نہیں ہوسکتا ہے جیسا کہ خریدنا دو کا ہوسکتا ہے۔

اَجْـمَعُ واَکْتَعُ واَبْصَعُ: ان سب سے بھی مثل کُلٌ کے واحد اور جمع ہی کی تاکید آیا کرتی ہے اَجْمَعُ اور اَکْتَعُ ان سب کی جمع مذکر اجـمعون کے وزن پر ہے اور واحد مؤنث جَـمْعَاءُ کے وزن پر ہوتا ہے اور اس واحد مؤنث کی جمع جُمَعٌ کے وزن پر آتی ہے اَجْمَعُ تو ان تینوں کے بغیر استعمال ہوتا ہے اس کا عکس نہیں جیسے اِشْتَهَرُ الاسلامُ فِی العَالِمِ اَجْمَعَ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا، یہ تینوں ہمیشہ اَجْمَعُ کے محتاج ہیں اسی لئے نہ اکیلے استعمال ہوتے ہیں اور نہ اَجْمَعُ سے پہلے لاکر استعمال ہوں گے مثال دیکھئے، اشتریت هـذه الدار جَمْعَاءَ و کَتْعَاء میں نے یہ پورا گھر خرید لیا رَاَیْتُ اَخْوَاتِکَ جُمَعَ کُتَعَ میں نے تیری تمام بہنوں کو دیکھا ہے (۲) اخذتُ حقی اَجْمَعَ اَبْصَعَ میں نے اپنا حق مکمل لے لیا، (۳) جاءُ اجمعون اتبعون وہ سب کے سب آئے یارَأَیْتُهُـمْ اَجْـمَعِیْنَ اَبْتَعِیْنَ میں نے ان سب کو دیکھا اوپر کی اَمْثـلہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اَجْـمَعُ کے ساتھ اَکْتَـعُ اَبْـصَعُ اَبْتَعُ میں سے کوئی ایک ہی الگ کر استعمال ہوتا ہے نہ کہ سب ایک ہی دفعہ اَجْـمَعُ یا اس سے بنے صیغوں کے ساتھ آیا کرتے ہیں لہٰذا کتاب میں جـاء نـی القوم کُلُّهُم اجمعون واکتعون وابتعون وابصعون تین مثالیں بنیں گی (۱) اکتعون کی (۲) ابتعون کی (۳) اَبْصَعُوْنَ کی ایسے ہی قَـامَـتِ النِّسَاءُ کُلُّهُنَّ جُمَعٌ کُتَعٌ بُتَعٌ بُصَعٌ بھی تین مثالیں ہیں۔

فـائـده: قوم کا لفظ صرف مردوں کے لئے خاص ہے عورتوں پر نہیں بولا جاتا ہے اور یہ خاص ہونا قرآن کی آیت یـا ایها الذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرًا منهم ولانساء من نساء میں قوم کو لفظ نساء کے مقابلہ میں لانے سے معلوم ہوتا ہے اگر عورتیں بھی قوم میں داخل ہوتیں تو الگ سے نساء نہ کہا جاتا۔ (کذا فی تفسیر الکشاف)

سبق چہل و ششم

سوم بدل واو تابعیست کہ مقصود بہ نسبت اُو باشد و بدل بر چہار قسم است (۱) بدل الکل و (۲) بدل الاشتمال و (۳) بدل الغلط و (۴) بدل البعض۔ (۱) بدل الکل آنست کہ مدلولش مدلولِ مبدل منہ باشد چوں جَاءَ نِیْ زَیْدٌ اَخُوْکَ و بدل البعض آنست کہ مدلولش جزوِ مبدل منہ باشد چوں ضُرِبَ زَیْدٌ رَأْسُہٗ و بدل الاشتمال آنست کہ مدلولش متعلق بمبدل منہ باشد چوں سُلِبَ زَیْدٌ ثَوْبُہٗ و (۴) بدل الغلط آنست کہ بعد از غلط بلفظے دیگر یاد کنند چوں مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حِمَارٍ۔

ترجمہ: تیسرے بدل اور وہ ایسا تابع ہے کہ مقصود نسبت میں وہی ہو اور بدل چار قسم پر ہے، **بدل الکل** اور **بدل الاشتمال** اور **بدل الغلط** اور **بدل البعض** **بدل الکل** وہ ہے کہ اس کی مراد (بعینہٖ) مبدل منہ ہی کی مراد ہو جیسے جاء نی زیدٌ اخوک (آیا میرے پاس زید یعنی کہ تیرا بھائی) اور **بدل البعض** وہ ہے کہ اس کی مراد مبدل منہ کا جزء ہو جیسے ضُرِبَ زَیْدٌ رَأْسُہٗ (پیٹا گیا زید یعنی اس کا سر) **بدل الاشتمال** وہ ہے کہ اس کی مراد مبدل منہ سے تعلق رکھنے والی چیز ہو جیسے سُلِبَ زَیْدٌ ثَوْبُہٗ (لٹ گیا زید یعنی اس کے کپڑے) اور **بدل الغلط** وہ ہے کہ غلطی ہونے کے بعد کسی دوسرے لفظ کو ذکر کریں جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حمارٍ (گذرا میں مرد یعنی گدھے کے پاس سے)

حل مضمون۔ بدل بمعنی بدلہ ہے بعض دفعہ جب ایک کلمہ سے تشفی نہیں ہوتی اور مراد سمجھنے میں تشنگی رہ جاتی ہے تو اس کی جگہ میں اس کے بدلہ فوراً بلا فاصلہ دوسرا کلمہ لایا جاتا ہے تاکہ بات سمجھ میں آجائے اور جو مقصود ہے وہ ذہن نشیں ہو جائے مثلاً جب تم نے جَاءَ نِیْ زَیْدٌ کہا کہ میرے پاس زید آیا تو سننے والے کے چہرہ پر ایک دم تفکر اور سوچ کے آثار محسوس ہوئے یعنی مثلاً زید نام کے اور بھی آدمی ہوں تو وہ سمجھ نہ پایا کہ "کونسا زید ہے وہ جو متکلم کے پاس آیا" تو فوراً وہ چہرہ بھانپ اور پڑھ کر کہنے لگا بغیر کسی فصل کے اَخُوْکَ (بھائی تیرے والا) تو اب وہ سمجھ جائے گا کہ اُوھُوا یہ تو ہمارے والے زید کو کہہ رہا ہے جو میرا بھائی ہے، اور یہ بات بدل کی چاروں قسموں میں پائی جاتی ہے کہ خالی اور صرف اول لفظ سے بات نہ بننے پر دوسرا لفظ لایا جاتا ہے اسی لئے گویا لفظ اول جس کو مبدل منہ کہتے ہیں محض بے کار ہو کے رہ جاتا ہے اور مقصود وہ لفظ ثانی یعنی بدل ہی بنتا ہے بس مبدل منہ کا ذکر بطور تَوْطِئَۃ اور تمہید کے رہ جاتا ہے **سوال** توطئہ اور تمہید کا کیا مطلب ہے **جواب** دونوں لفظوں کے معنی ہیں ہموار کرنا اور بچھانا گویا جس طرح کھڑی چڑھائی پر چڑھنے کے لئے مٹی کو ڈھلوان بنانا پڑتا ہے اور اسے بچھا کر چڑھائی پر چڑھنا آسان بنتا ہے گویا اسی طرح متکلم جب مخاطب کو لفظ اول یعنی مبدل منہ سے مطمئن ہوتا ہوا نہیں پاتا تو فوراً اگلے لفظ کی طرف بڑھ جاتا ہے اور لفظ

اول کو چھوڑ کر دوسرا اپنا لیتا ہے گویا وہ زینہ اول سے زینہ ثانی پر چڑھ گیا، اسی لئے بدل کی تعریف میں یہ فرمایا کہ مقصود بہ نسبت او باشد یعنی اصل حکم عند المتکلم بدل پہ لگتا ہے مبدل منہ تو محض توطئہ اور تمہید یا زینہ بنتا ہے، **مقصود به نسبت الخ** سے صفت اور تاکید دونوں تابع بدل کی تعریف سے نکل گئے کیونکہ یہ ایسے تابع نہیں جو خود مقصود ہوں بلکہ ان کے متبوع یعنی موصوف اور مؤکد مقصود ہوتے ہیں اور عطف تابع بھی نکل گیا کیونکہ اس میں معطوف علیہ جو متبوع ہے اور معطوف جو تابع ہے دونوں ہی مقصود ہوتے ہیں ایسے ہی بیان تابع بھی نکل گیا کیونکہ عطف بیان میں ایک لفظ دوسرے لفظ کے بعد وضاحت کے ارادہ سے ہوا کرتا ہے جب کہ مبدل اور بدل میں صرف تبدیل کا ارادہ ہوتا ہے وضاحت کا نہیں گو وضاحت از خود حاصل ہو جائے اور اصل اعتبار ارادوں اور نیتوں کا ہے اس لئے کہا ہے لَوْلَا الْاِعْتِبَارَاتُ لَبَطَلَتِ الْحِكْمَةُ (یعنی اگر لحاظ اور اعتبارات نہ ہوں تو حکمت اور فلسفہ بے کار ہو کے رہ جائے) بدل الکل اس لفظ میں اضافت بیانیہ ہے یعنی مضاف الیہ سے وضاحت ہو رہی ہے کہ کونسے والا بدل ہے، اصل عبارت یوں ہے بَدَلٌ هُوَ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ، گویا الکل کا الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور مضاف الیہ مبدل منہ ہے، بدل الکل وہ ہوتا ہے جس میں بدل اور مبدل منہ دونوں سے مراد ایک ہی ذات یا شئی ہو اور دونوں کا مصداق ایک ہو جیسے جاء نی زَیْدٌ اخوک میں زید اور اخوک سے ایک ہی شخص مراد ہے، جب وہ لفظ زید سے نہ سمجھ سکا تو اخوک اس کے بدلہ میں بول دیا گیا، یاد رہے کہ مبدل منہ اور بدل کا اعراب یکساں ہوتا ہے۔

فائدہ: بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ یا دونوں نکرہ ایک معرفہ ایک نکرہ سب طرح ہو سکتے ہیں، بدل الکل کی کافی مثالیں لکھی جاتی ہیں تا کہ پہچاننے میں آسانی ہو۔ ان مثالوں میں اول خط کشیدہ مبدل منہ ہے، دوسرا بدل ہے

(۱) نَزَلَتْ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ فِي اُمِّ الْقُرٰى مَكَّةَ، (سورہ فاتحہ ام القریٰ مکہ میں نازل ہوئی)۔

(۲) اَمَّ خَيْرُ الْاَنَامِ مُحَمَّدٌ بِالْاَنْبِيَاءِ فِيْ لَيْلَةِ الْمِعْرَاجِ (شب معراج میں خیر الانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی امامت کرائی)۔

(۳) اَلْكُفَّارُ يَدْخُلُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ، (کافر قیامت کے روز ہلاکت کے گھر جہنم میں داخل ہوں گے)۔

(۴) صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ (اللہ نبیوں میں آخری نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت نازل فرمائے)۔

(۵) كَانَ نَمْرُوْدُ اَلْقٰى خَلِيْلَ اللّٰهِ اِبْرَاهِيْمَ فِي النَّارِ (نمرود نے خلیل اللہ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا تھا)۔

(۶) نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ الْقُرْاٰنُ الْكَرِيْمُ فِيْ رَمَضَانَ، (کتاب اللہ قرآن کریم رمضان میں اتری ہے)۔

(۷) كَانَ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَمُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوْلَعًا بِالصَّيْدِ، (حمزہ بن عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا شکار کے شوقین تھے)۔

(۸) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، (یا اللہ تو ہم کو سیدھے راستے الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (صحابہ) کے راستہ کی ہدایت فرما)۔

(۹) وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ مِنْ فِرْعَوْنَ، (ہم نے بنی اسرائیل کو عذاب مہین فرعون سے نجات دی چونکہ فرعون عذاب مہین (ذالت والے عذاب) کا سبب تھا اس لئے خود فرعون کو عذاب مہین فرمادیا)۔

(۱۰) إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُوْلٰى صُحُفِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى، (بے شک یہ بات پہلے صحیفوں حضرت ابراہیم وموسیٰ کے صحیفوں میں ہے)۔

(۱۱) دَعَوْتُ صَدِيْقَكَ رَاشِدًا، (میں نے تیرے دوست راشد کو بلایا)۔

(۱۲) نَادَيْتُ خَادِمَكَ خَالِدًا، (میں نے تیرے خادم محمد خالد کو آواز دی)۔

(۱۳) وَصَلَ الْأَخَوَانِ خَالِدٌ وَأَحْمَدُ إِلٰى مُمْبَائِيْ، (دونوں بھائی خالد اور احمد ممبئی پہونچ گئے)۔

(۱۴) حَضَرَ الْأُسْتَاذُ أَطْهَرُ، (استاذ محمد اطہر آگئے)۔

(۱۵) أَخَذْتُ تَذْكِرَتَيْنِ وَاحِدَةً لِنَفْسِيْ وَوَاحِدَةً لِأَخِيْكَ، (میں نے دو ٹکٹ ایک اپنا اور ایک تیرے بھائی کا لے لیا)۔

(۱۶) جَاءَ الضَّيْفُ ابْنُ خَالِيْ، (مہمان میرے ماموں کا لڑکا آیا ہے)۔

(۱۷) جَاءَ رَجُلٌ غُلَامٌ لَكَ، (ایک آدمی تیرا غلام آیا)۔

(۱۸) جَاءَ نِيْ وَلَدٌ ابْنُكَ، (میرے پاس ایک لڑکا تیرے لڑکا آیا)۔

(۱۹) إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ، (بیشک فیصلہ کا دن جس دن صور پھونکا جائے گا ایک متعین وقت ہے۔

(۲۰) اِسْتَقْبَلَ محمودٌ ضَيْفَهٗ ابْنَ عَمِّهٖ، (محمود نے اپنے مہمان اپنے چچازاد بھائی کا استقبال کیا)۔

(۲۱) لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ، (ہم ضرور پیشانی جھوٹی پیشانی کو پکڑ کر کھینچیں گے)۔

بدل البعض: بعض اور جزء والا بدل اس کی اصل ہے بَدَلٌ هُوَ بَعْضُ الْمُبْدَلِ مِنْهُ یعنی ایسا بدل جو اپنے مبدل منہ کا حصہ اور جزء ہوتا ہے جیسے ضُرِبَ زَيْدٌ رَأْسُهٗ زید اس کا سر پیٹا گیا۔

بدل البعض کی متعدد مثالیں لکھی جاتی ہیں:

(۱) تَخَرَّجْتُ مِنْ سَهَارَنْفُوْر مظاهر علوم، (میری فراغت سہارن پور مظاہر علوم سے ہے مظاہر علوم جس احاطہ کا نام ہے وہ سہارنپور کا جزء ہے۔

(۲) أَنَا أَسْكُنُ فِي الْهِنْد مُدِيْرِيَّه سهارنفور، (میں ہندوستان ضلع سہارنپور میں رہتا ہوں)۔

(۳) طَالَعْتُ الْكَافِيَةَ عِشْرِيْنَ صَفْحَةً، (میں کافیہ بیس صفحے مطالعہ کی)۔

(۴) قَرَأْتُ الْجَرِيْدَةَ صَفْحَتَهَا الْخَامِسَةَ، میں نے اخبار پانچواں صفحہ پڑھا)۔

(۵) حَفِظَ الْقُرْآنَ نِصْفَهٗ، (اس نے قرآن اس کا آدھا حفظ کیا)۔

(۶) اِحْمَرَّ زَیْدٌ وَجْهُهٗ، (زید اس کا چہرہ سرخ ہوگیا)۔

(۷) اِشْتَرَیْتُ مِنْ دِیُوْبَنْدَ سُوْقِهَا کِتَابًا مُّفِیْدًا، (میں نے دیو بند اس کے بازار سے ایک مفید کتاب خریدی۔

(۸) تَلَأْلَأَتْ السَّمَاءُ نُجُوْمُهَا (آسمان اس کے ستارے چمک گئے)

۹) اَظَلَّتْنَا الشَّجَرَةُ اَغْصَانُهَا (درخت اس کی شاخوں نے ہم پر سایہ کیا)

(۱۰) کُسِرَ الْقَلَمُ سِنُّهٗ (قلم اس کا نب ٹوٹ گیا)

(۱۱) قَرَأْتُ الْقِصَّةَ نِصْفَهٗ (میں نے قصہ اس کا آدھا پڑھ لیا)

(۱۲) وَلَدِیْ اَکَلَ التُّفَّاحَ رُبُعَهَا (میرے لڑکے نے سیب اس کا چوتھائی کھالیا)

(۱۳) کَتَبْتُ الدَّرْسَ ثُلُثَهٗ (میں نے سبق اس کا تہائی لکھ لیا)

(۱۴) قَطَعْتُ الْاَشْجَارَ بَعْضَهَا (میں نے درخت ان میں سے کچھ کاٹ دیئے)

(۱۵) شَاهَدْتُ الْمَسْجِدَ مِئْذَنَتَهٗ (میں نے مسجد اس کا مینار دیکھا)

میں سہارنپور محلہ مبارک شاہ میں رہتا ہوں، وہ دیو بند مدرسہ میں پڑھتا ہے یہ سب بدل البعض کی مثالیں بن سکتی ہیں۔

بدل الاشتمال: اشتمال کے معنی ملنے اور لپٹنے کے ہیں نیز گھیرنے اور احاطہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے تو جہاں بدل اور مبدل منہ ایسے ہوں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو اپنے گھیرے اور لپیٹے میں لئے ہوئے ہوں تو وہاں بدل الاشتمال بنے گا، پھر بدل کے مبدل منہ کو گھیرے میں لینے کی مثال سُلِبَ زَیْدٌ ثَوْبُهٗ، ہے کہ اس میں ثوبہ جو بدل ہے اپنے مبدل منہ زید پر مشتمل ہے اور کبھی برعکس ہوتا ہے جیسے کہ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ، (کہ لوگ شہر حرام یعنی اس میں لڑنے کے بارے میں آپ کو پوچھتے ہیں، اس میں شہر حرام جو مبدل منہ ہے اپنے بدل قِتَالٍ فِیْهِ کو شامل ہے۔

بہر حال بدل الاشتمال میں بدل اور مبدل منہ میں آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ہوگا، خواہ تعلق ظرف اور مظروف فیہ ہونے کا ہو جیسے کہ شہر حرام اور قتال میں ہے یا اور کوئی ہو جیسے سُلِبَ زَیْدٌ ثَوْبُهٗ میں ہے کہ زید اور ثوب کا تعلق محض اوڑھنے یا پہننے کا ہے لیکن یہ تعلق کل اور جزء والا نہ ہو جو بدل الکل اور بدل البعض میں ہوتا ہے۔

پھر بدل الاشتمال کی پہچان یہ ہے کہ صرف مبدل منہ کے ذکر کرنے پر شوق اور انتظار رہتا ہے کہ یہ اور کچھ کہے جب وہ اور کچھ آجائے یعنی بدل جس سے انتظار ختم ہو جائے تو وہ بدل الاشتمال کہلائے گا مثلاً جب تم نے کہا اَعْجَبَنِیْ زَیْدٌ کہ مجھے زید نے تعجب اور حیرت میں ڈال دیا تو خود کسی کی ذات تو تعجب میں نہیں ڈالا کرتی اس کا کوئی وصف اور خوبی ہی ڈالتی ہے اس لئے انتظار رہے گا، جب تم نے عِلْمُهٗ کہا تو تشنگی اور انتظار ختم ہو جائے گا، ایسے ہی سُلِبَ زَیْدٌ کہ زید لٹ گیا تو خود آدمی نہیں لٹا کرتا مال یا سامان لٹا کرتا ہے تو جب مَالُهٗ یا ثَوْبُهٗ کہو گے انتظار ختم ہو جائے گا۔

اَمْثِلَۃُ بدل الاشتمال

(۱) شَرِبْتُ الْکُوْبَ مَاءَ ہٗ، (میں نے گلاس اس کا پانی پی لیا، گلاس اور پانی میں ظرف مظروف کا تعلق ہے چونکہ گلاس کوئی نہیں پیتا اس کا پانی پیا کرتا ہے اس لئے ماء ہٗ کہنے سے بات صحیح ہوگی۔

(۲) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ، (اس آیت میں بھی عن الشهر الحرام تک کہنے سے یہ کھٹکا تھا کہ شہر حرام تو مشہور چار مہینے تھے جن کو اہل عرب جانتے ہی تھے اس لئے سوال بے معنی ہوتا ہے لیکن جب کہا قتال فیہ تو سوال درست ہوگیا کیوں کہ زمانہ جاہلیت میں اشهر حرام میں لڑائی حرام تھی زمانہ اسلام آنے کے بعد لوگوں کو کھٹکا ہوا کہ اب لڑیں یا نہ لڑیں اس لئے ان کا سوال بے معنی سے با معنی اور درست ہوگیا۔

فائدہ: اشهر حرام سے مراد رجب ذی قعدہ ذی الحجہ محرم کے مہینے ہیں زمانہ اسلام میں ان میں لڑائی ممنوع نہیں رہی تھی۔

(۳) خَوَّفَنِیْ خَالِدٌ بُکَاءُ ہٗ، (خالد اس کے رونے نے مجھے ڈرا دیا)۔

(۴) اَیْقَظَنِیْ زَیْدٌ صَوْتُہٗ، (مجھے زید اس کی آواز نے جگا دیا۔

(۵) حَیَّرَنِیْ عِیْسٰی خِطَابُہٗ، (مجھے عیسیٰ اس کی تقریر نے حیرت میں ڈالدیا)۔

(۶) فَلَمَّا اَتَاهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الوادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبَارَکَةِ مِنَ الشَّجَرَۃِ، پ: ۲۰۔ (اس میں من شاطئ الوادالایمن مبدل منہ اور من الشجرة بدل الاشتمال ہے کیونکہ وہ درخت جس سے موسیٰ علیہ السلام کو غیبی آواز آئی تھی کنارہ وادی پر تھا آیت میں الایمن شاطئ کی صفت ہے، ترجمہ یوں ہے کہ جب موسیٰ اس نور پہ آئے جس کو آگ سمجھ رہے تھے تو ان کو وادی کی داہنی جانب یعنی درخت سے ندا دی گئی۔

(۷) لَجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ میں لِبُیُوْتِهِمْ بدل الاشتمال ہے۔

ترجمہ آیت: بنا دیتے ہم رحمٰن یعنی خدا کے منکروں یعنی ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی۔

(۸) سَرَّنِیْ الْوَلَدُ نَجَاحُہٗ (مجھے لڑکے اس کامیابی نے مسرور کر دیا)

(۹) اَطْرَبَنِیْ الْبُلْبُلُ صَوْتُہٗ (مجھے بلبل اس کی آواز نے جھما دیا)

(۱۰) اَحْبَبْتُ التَّلَامِیْذَ اَخْلَاقَهُمْ (مجھے طلبہ ان کے اخلاق پسند آئے)

(۱۱) اَعْجَبَنِیْ الرَّجُلُ اَدَبُہٗ (مجھے مرد اس کا سلیقہ بھا گیا)

(۱۲) سَرَّنِیْ الشَّارِعُ نَظَافَتُہٗ (مجھے سڑک اس کی صفائی ستھرائی نے خوش کیا)

(۱۳) اَعْجَبَنِیْ الْحَدِیْقَةُ تَنْسِیْقُهَا (مجھے باغیچہ اس کی سیٹنگ نے حیرت میں ڈالا)

(۱۴) نَفَعَنِیْ الصَّدِیْقُ عِلْمُہٗ (مجھے دوست اس کے علم نے نفع دیا)

(۱۵) اَعْجَبَنِیْ الْقَصِیْدَۃُ فِکْرَتُہٗ (مجھے قصیدہ اس کی سوچ اچھی لگی)

ایسے ہی اردو کے اندر میں نے ایک پلیٹ کھانا کھالیا، اس نے ایک لوٹا دودھ پی لیا، محمد اکرم نے ایک بوری گندم تقسیم کردی ان سب میں بدل الاشتمال ہے۔

بدل الغلط: اس میں مُسبَّب کی سَبَبْ کی طرف اضافت ہے یعنی بوجہ غلطی کے بدلہ میں دوسرا لفظ لایا جاوے مثلاً کوئی بتانا چاہتا تھا کہ کتاب پھاڑ دی اور کہہ دیا رومال تو وہ مندیل کے بعد الکتاب کہے گا۔

(۱) خَرَقَ الصَّبِیُّ المندیلَ الکتابَ، بچے نے رومال کتاب پھاڑ دی۔

(۲) ذَھَبَ زَیْدٌ اِلَی الْمَسْجِدِ السُّوْقِ، زید مسجد بازار چلا گیا۔

(۳) دَفَعْتُ اِلٰی زَیْدٍ مِنْدِیْلًا قَلَنْسُوَۃً، میں نے زید کو رومال ''نہ نہ'' ٹوپی دی۔

نوٹ: بدل مبدل منہ کے بیچ میں فصل نہیں ہوتا محض سمجھانے کے لئے اخیر مثال میں ''نہ نہ'' کا بیچ میں ذکر کیا ہے۔

بدل الغلط کی مثالیں بہت آسان ہیں کہ بھول یا غلطی سے مبدل منہ جو منہ سے نکل گیا تو اس کی جگہ جو اصل کہنا ہے وہ رکھدو، البتہ بدل الغلط میں یہ ضروری ہے کہ بدل اور مبدل منہ دونوں ایسے ہوں کہ ان میں تباین ہو یعنی دونوں کا مصداق اور ان سے مراد الگ الگ چیز ہو۔

سبق چہل و ہفتم

چہارم عطف بحرف واُو تابعیست کہ مقصود باشد بہ نسبت با متبوعش بعد از حرف عطف چوں جَآءَ نِیْ زَیْدٌ وَعَمْرٌو وحروف عطف دہ است در فصل سوم یاد کنیم انشاء اللہ و اُو را عطف نسق نیز گویند **پنجم عطف بیان** واُو تابعیست غیر صفت کہ متبوع را روشن گرداند چوں اَقْسَمَ بِاللّٰہِ اَبُوْحَفْصٍ عُمَرُ وقتیکہ بعَلَم مشہورتر باشد و جَآءَ نِیْ زَیْدٌ اَبُوْعَمْرٍو وقتیکہ بکُنْیَتْ مشہورتر باشد۔

ترجمہ - چوتھے عطف بحرف اور وہ ایسا تابع ہے کہ جو مقصود ہو نسبت میں اپنے متبوع سمیت کسی حرف عطف کے بعد جیسے جاء نی زیدٌ وعمرٌو (میرے پاس زید و عمرو آئے) اور حروف عطف دس ہیں تیسری فصل میں بیان کریں گے ہم انشاء اللہ اور اس کو عطف نسق بھی کہتے ہیں **پانچویں عطف بیان** اور وہ ایسا تابع ہے جو صفت کا غیر ہو (یعنی صفت نہ ہو) کہ متبوع کو واضح کرتا ہے جیسے اَقْسَمَ بِاللّٰہِ اَبُوْحَفْصٍ عُمَرُ (قسم کھائی اللہ تعالیٰ کی ابوحفص یعنی عمر نے جس وقت کہ عَلَمْ کے ساتھ زیادہ مشہور ہو اور جَاءَ نِیْ زَیْدٌ اَبُوْعَمْرٍو (آیا زید یعنی ابوعمر جس وقت کہ کُنْیَتْ (بتخفیف النون و جزمہا) کے ساتھ زیادہ مشہور ہو۔

حل مضمون- چوتھا تابع عطف بحرف ہے یہاں عطف سے معطوف مراد ہے کیونکہ عطف تو معنی مصدری اور ایک نسبت اور تعلق کا نام ہے جو معطوف علیہ اور اس کے معطوف کے درمیان ہوتا ہے، عطف کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حرف عطف کے ذریعہ جو چیز معطوف علیہ سے جڑی ہوئی ہے وہ معطوف سے بھی جڑی جان لی جاتی ہے مثلاً جاء نی زید و عمرو میں واؤ حرف عطف یہ بتا رہا ہے کہ جاءنی کا تعلق جیسے زید سے ہے ویسے ہی عمر سے بھی ہے اگر واؤ نہ ہوتا تو اسے جاءنی دو مرتبہ لانا پڑتا اور زید اور عمر دونوں کے اپنے پاس آنے کو بتلانے کے لئے الگ الگ جاء نی کہنا پڑتا اس الگ الگ کہنے سے سے بچنے کے لئے حروف عطف سے کام لے لیا جاتا ہے پھر حروف عطف دس ہیں جن کا بیان آگے آنے والی تیسری فصل کی سولہویں قسم میں سب سے آخیر میں آرہا ہے اور ان حروف عطف کے مستقل اپنے عطف کے علاوہ اور بھی فائدے ہوتے ہیں مثلا واؤ محض جمع کے لئے آتا ہے یعنی فقط دو چیزیں پائی گئیں قطع نظر اس سے کہ ترتیب وار آگے پیچھے یا کون سی پہلے پائی گئی اور کون بعد میں جیسے جاء زیدٌ وعمرٌ کہ زید وعمر دونوں آئے اور جب کہیں جاء زیدٌ فعمرٌو تو مطلب یہ ہے کہ اولاً زید کا آنا ہوا اس کے فوراً بعد ہی عمر کا آنا ہوا اور اگر کہیں جاء زیدٌ ثُمّ عَمرٌو کہ زید آیا پھر عمر تو مطلب یہ ہوگا کہ زید کے دیر کئے بعد عمر کا آنا ہوا اسی طرح اور حروف عطف کے اور معنی آتے ہیں جس کو کُتُبِ نحو میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر حرف عطف سے پہلے کی چیز کو معطوف علیہ کہا جاتا ہے اور جو کلمہ حرف عطف کے بعد آتا ہے اس کو معطوف کہتے ہیں عطف کے معنی میلان اور جھکاؤ کے آتے ہیں چوں کہ حرف عطف اپنے مابعد کا ماقبل کے حکم پر جھکاؤ کو ظاہر کرتا ہے یعنی جو حکم حرف عطف سے پہلے پر ہے وہی اس کے بعد والے پر بھی اس لئے عطف نام رکھا گیا یا عطف کے معنی سیدھے جوڑنے کے لو اور جس سے جوڑے معطوف علیہ اور جس کو جوڑیں معطوف کہتے ہیں تو چونکہ حرف عطف معطوف کو معطوف علیہ پر لگے حکم سے جوڑتا ہے اس لئے حرف عطف کہلایا اور ایک نام عطف بحرف کا عطف نسق بھی ہے نسق کے معنی ترتیب اور انتظام کے ہیں چونکہ حروف عطف میں وہ بھی ہیں جو ترتیب کے ظاہر کرتے ہیں جیسے فاء ثُمّ حتّٰی وغیرہ۔

مقصود باشد به نسبت چونکہ معطوف کی طرف بھی نسبت مقصود ہوا کرتی ہے اس لئے اس عبارت سے تاکید اور عطف بیان خارج ہو گئے کیونکہ یہ مقصود نہیں ہوتے بلکہ ان کے متبوع مؤکد اور مُبَیَّن مقصود ہوتے ہیں اور **بامتبوعش** کہنے سے بدل نکل گیا کیونکہ اسکا متبوع یعنی مبدل منہ مقصود نہیں ہوا کرتا بہر حال عطف بحرف میں جو حکم ہوتا ہے وہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں سے جڑتا ہے، جیسے اَکَلَ الطَّعَامَ بَکْرٌ وَ خَالِدٌ بکر نے اور خالد نے کھانا کھالیا۔

پنجم عطف بیان: پانچواں تابع عطف بیان ہے۔

سوال: عطف بیان میں مبین اور بیان میں درمیان میں کوئی حرف عطف آتا ہی نہیں ہے پھر اس کو عطف بیان کیوں کہہ رہے ہو یعنی لفظ عطف کیوں لگایا؟

جواب: عطف کے لغوی معنی جب جھکاؤ کے ہیں تو حرف عطف کے ذریعہ نہ سہی مگر معنوی طور پر تو عطف اور جھکاؤ بیان میں

بھی موجود ہے اس طرح کہ جس حکم سے مبین جڑ رہا ہے یعنی جو حکم مبین کے لئے ثابت کیا وہی بیان کے لئے بھی ہے جیسے کـــان النعمان ابو حنیفة اما مًا اَعْظَماً، کہ نعمان یعنی ابو حنیفہ امام اعظم ہیں اس میں نعمان مبین اور ابو حنیفہ بیان ان دونوں پر ہی امام اعظم ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، البتہ مقصود مبین ہوتا ہے اس کے بعد جو عطف بیان لایا جاتا ہے وہ محض وضاحت اور تشریح کے لیے ہوا کرتا ہے۔ **ســـوال** اس کا تقاضہ تو پھر یہ ہے کہ عطف بیان اپنے متبوع (مبین) سے زیادہ واضح اور مشہور ہونا چاہئے تا کہ اس کے ذریعہ وضاحت ہوسکے **جـــواب** نہ یہ ضروری نہیں فقط اتنا کافی ہے کہ مبین بیان دونوں کے جمع ہونے سے وضاحت ہو جائے جو تنہا ایک سے نہیں ہوسکتی تھی لہٰذا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مبین بیان سے وضاحت میں اعلیٰ درجہ پر ہو۔

ســـوال : عطف بیان کی تعریف صفۃ پر صادق آتی ہے کیونکہ بعض دفعہ صفت سے بھی یہی وضاحت حاصل ہوتی ہے جو بیان سے ہوتی ہے مثلاً تم نے کہا آج میری عبدالرحمٰن سے ملاقات ہوئی اور پتہ نہ چل رہا ہو کہ کس عبدالرحمٰن سے ہوئی جب کہ اس نام کے اور بھی ہیں جن سے ملاقات ہوسکتی ہے پھر تم نے کہا حافظ عبدالرحمٰن تو اب حافظ صفت ہے اس کے لگانے سے وضاحت ہوگئی۔

جـــواب : ہمیں تسلیم ہے کہ صفت سے بھی وضاحت ہوتی ہے لیکن صفت کے علاوہ سے وضاحت مراد ہے جیسا کہ مصنفؒ نے بھی غیر صفتہ عبارت میں کہا ہے تو گویا جس سے وضاحت آئے موصوف کی ذات سے باہر کی چیز ہوتی ہے مثلاً حضرت عمر کا اپنی کنیت ابو حفص کے ذریعہ نہ پہچانا جانا اور عمر کہنے سے پہچان لینا تو عمر کوئی وصف نہیں ہے بلکہ نام ہے اور محض شہرت کو وضاحت میں داخل ہے جو موصوف کا وصف نہیں ہے بلکہ نام کے قبیل سے ہے۔

ان میں جس چیز سے کسی کی شہرت ہوگئی وہی وضاحت کا ذریعہ ہوگی اسی لئے عطف بیان میں جونسا نام بھی زیادہ مشہور ہوگا وہی عطف بیان بن جائے گا (ناموں کی اقسام سبق کے اخیر میں فائدہ کے تحت آرہی ہیں) اگر علم اور نام زیادہ مشہور ہے تو وہ عطف بیان بنے گا جیسے اقسم باللہ ابو حفص عمر میں کہ ابو حفص کہنے سے قسم کھانے والے کا پتہ نہ چلتا تھا تو عمر کہہ کر وضاحت ہوگئی اور اگر کنیت زیادہ مشہور ہوئی نام نہ ہوا تو پھر کنیت ہی عطف بیان بنے گی جیسے امام اعظم اپنے نام نعمان سے کم جانے جاتے ہیں اور اپنی کنیت سے فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں **دوسرا جواب** یہ ہے کہ اصل **صفت** تعریف یا برائی کے لئے ہوتی ہے وضاحت اس سے تبعاً ہے اور بیان میں اس کا الٹا ہے کہ اصل وضاحت ہے چاہے تبعاً اس سے تعریف ہو جائے جیسے جعل الله الكعبة البيت الحرام میں البیت الحرام بیان ہے الکعبہ کا مگر وضاحت کے بجائے تعریف اور بڑائی کے لئے ہے کیونکہ کعبہ تو مشہور ہے۔ كذا في الكشاف۔

اقسم باللہ ابو حفص عمر : اس کی وضاحت بعد میں کریں گے پہلے یہ جان لو کہ مبدل منہ اور بدل بعینہ مبین اور بیان ہی لگتے ہیں بظاہر دونوں میں کوئی واضح فرق نظر نہیں آتا اسی وجہ سے شارح رضیؒ کے شرح جامی ص: ۲۰۴ میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں وَاَنَا اِلَى الْاٰنَ لَمْ يَظْهَرْلِيْ فَرْقٌ جَلِيٌّ بَيْنَ بدل الكل من الْكل وَبَيْنَ **عطف البيان** بَلْ لَا اَرٰى عَطْفَ الْبَيَانِ اِلَّا بَدَلَ الكل، (یعنی میرے لئے اب تک بدل الکل اور عطف بیان کے درمیان کوئی کھلا فرق ظاہر نہ ہوا بلکہ میرے

خیال میں تو عطف بیان وہ خود بدل الکل ہی ہے) چنانچہ تعیین کرنے میں بعض عبارتوں میں اختلاف بھی کتابوں میں ملتا ہے کسی نے اس کو بدل مبدل منہ کہا تو کسی نے مبین عطف بیان کہا ہے چنانچہ ہدایۃ النحو کے خطبہ میں علی رسولہ محمد (کے بارے میں کتاب کے حاشیہ میں محمد کو علی رسولہ کا بدل یا عطف بیان دونوں ہونے کا ذکر کیا ہے۔

اس لئے بعض محققین سے شرح جامی کے اندر جو ان کا فرق بتایا ہے وہ محض حیثیت کا فرق ہے اصلیت کا نہیں اور بعض نے جو اصلیت کا فرق یوں کہہ کے بتلایا بھی ہے کہ مبدل بدل میں بدل ہی مقصود ہوتا ہے نہ کہ مبدل منہ اور مبین بیان میں مبین ہوتا ہے نہ کہ عطف بیان تو اس کو یوں کہہ کے رد کر دیا کہ مبدل منہ کیوں مقصود نہیں ہوتا وہ بھی مقصود ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مقصود اصلی نہیں ہوتا محض تمہیداً ذکر کرتے ہیں بلکہ فرق کر کے یہ کہا کہ علاوہ بدل الغلط کے تمام بدلوں میں ہی دونوں ہی مقصود ہوتے ہیں خواہ کسی بھی حیثیت سے مقصود ہوں تو اس لئے بدل اور عطف بیان میں اگر فرق ہے وہ صرف خالی نیت اور حیثیت کا ہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً جَاءَ نِیْ اخوک زید اس میں اگر اصل آنا اخوک سے جوڑنا ہے اور زید محض تتمہ اور توضیح کے لئے لایا گیا ہے تو ان میں مبین عطف بیان کی ترکیب ہوگی اور اگر ارادہ میں زید سے جوڑنا تھا اور اخوک صرف زید کو چھوڑ کر بدلہ میں اس کی جگہ پر لایا گیا ہے پہلے لفظ کی وضاحت وغیرہ کوئی ارادہ نہ ہو جیسا کہ بیان کو مبین کی وضاحت کے لئے لایا جاتا ہے تو اب اس میں بدل مبدل منہ کی ترکیب جاری ہوگی چاہے ضمناً وضاحت بھی ہو جائے مگر اصلاً تو تبدیل ہے لہٰذا جہاں جیسا ارادہ ہوگا ویسے ہی بدل یا عطف بیان کا فیصلہ کیا جائے گا لہٰذا ایک ہی عبارت کو اگر مبدل منہ اور بدل یا مبین عطف بیان کہیں کہہ دیا گیا تو اس میں اسی نیت کے فرق کو دخل ہوگا اور اگر اس نیت والے فرق کی باریکی میں نہ پڑا جائے تو پھر چاہے بدل کہہ دو یا عطف بیان۔

اب سمجھئے اَقْسَمَ بِاللّٰہِ ابو حفص عُمَرْ ☆ مَامَسَّهَا مِنْ نَقَبٍ وَلَادَبَرْ ☆ اِغْفِرْلَهُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ فَجَرْ۔ کو مَسَّ یَمَسُّ مَسًّا (باب س) سے بمعنی پہنچنا پیش آنا اور چھونا نَقَبُ باب سمع سے البعیرُ اونٹ کا گھسے ہوئے کھر والا ہونا دَبَرَ باب سمع سے اونٹ کا زخمی پیٹھ والا ہونا اِغْفِرْ بروزن اِضْرِبْ امر کا صیغہ بمعنی مغفرت کرنا بخشنا فَجَرَ ماضی کا واحد غائب ہے فجور بمعنی جھوٹ بولنا (قسم کھائی اللہ تعالیٰ کی ابو حفص یعنی عمر نے، نہ پیش آیا ہے اونٹنی کو کھروں کا گھسنا اور نہ پیٹھ کا زخمی ہونا بخش دے عمر کو اے اللہ اگر جھوٹ بولا ہے اس نے قصہ کا شان ورود یہ ہے کہ ایک دیہاتی عرب نے حضرت عمرؓ خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں آ کر کہا کہ مجھے سواری کے لئے اونٹ دے دیجئے حضرت عمر نے جواب میں کہا اونٹ تو تو لے ہی رہا ہے اسی پر چلا جا تا جس پر اس نے کہا یہ تو (نَقَبٌ و دَبَرٌ) کہ گھسے کھر والا اور زخمی پیٹھ والا ہے حضرت عمرؓ نے اپنے گمان سے یا اپنی معلومات کے مطابق کہہ دیا وَاللّٰہِ لَیْسَ لَھَا نَقَبٌ ولا دَبَرٌ کہ بخدا نہ اس کے کھر گھسے ہوئے ہیں اور نہ یہ زخمی پیٹھ والا ہے، دیہاتی مایوس ہو کر چلا گیا (تھوڑی بہت دیر میں) جب کہ وہ زبان سے یہ کہتے جا رہا تھا اقسم باللہ الخ حضرت عمرؓ بھی وادی کے اوپر والے حصہ سے جس کی طرف یہ جا رہا تھا تشریف لا رہے تھے ان کے کان میں جب یہ الفاظ پڑے تو آپ نے اسے فوراً اپنی اونٹنی سے اترنے کے لئے کہا تو دیکھا کہ واقعی وہ ایسی ہے جیسا کہ وہ کہہ رہا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کو اس کے سچا ہونے پر نہ صرف یہ کہ اونٹ

دیا بلکہ جوڑا اور زادراہ بھی عطا فرمایا۔

سوال: حضرت عمر نے جھوٹ ہی کیسے کہہ دیا تھا مَامَسَّهَا من نَقَبٌ وَلَا دَبَرٌ:

جواب: بڑے لوگوں کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھروپئے بھی آتے ہیں اگر وہ ایک دم سے تصدیق کردیں تو کوئی بھی چھمہ دے سکتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس کی کسی اداء اور عمل سے حضرت عمر کو وہ جھوٹ لگا ہو گو تحقیق کے بعد سچا نکلا۔

سوال: دیہاتی نے حضرت عمر کے لئے شکی الفاظ اِغْفِرْ ان کان فجر کیوں کہے کیونکہ اس کے نزدیک تو حضرت عمرؓ جھوٹ بول ہی رہے تھے۔

جواب: یا تو اس لئے کہ یوں تو اسے بھی اندازہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے مجھے جھوٹا اپنے گمان کے اعتبار سے کہا گو واقع میں میں نہیں ہوں اس لئے حضرت عمر کا جھوٹ قطعی نہ تھا (۲) بڑے لوگوں کی طرف کسی برائی کی نسبت ادب کی وجہ سے شک کی شکل میں ہی کیجایا کرتی ہے (۳) اِنْ کان میں اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کے بعد ضمیر شان محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ بیشک بات یہ ہے کہ انہوں نے (حضرت عمرؓ) جھوٹ بولدیا اور یہاں اِنْ بمعنی الثقیلہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا میں ہے، تو اب اِنْ شکیہ نہ رہے گا اور حضرت عمر کو حقیقت میں جھوٹ بتلایا۔

فائدہ- ان مخففہ کے بعد لام تاکید آتا ہے جیسیکہ اس آیت میں ہے وہ ان ہمیشہ ثقیلہ ہوتا ہے

فائدہ: نام کئی طرح کے ہوتے ہیں (۱) علم (۲) لقب (۳) تخلص (۴) خطاب (۵) عرف (۶) کنیت نون ساکن خفیفہ کے ساتھ بروزن قدرت ہے، (۱) علم اصل نام جو ماں باپ پیدائشی رکھتے ہیں اس کو تو علم یا اصلی نام کہتے ہیں (۲) کسی مدح یا ذم کے طور پر جو نام پڑ گیا ہو اسے لقب کہتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام کو مسیح کا لقب حاصل ہے کہ وہ جس اندھے یا کوڑھی پہ ہاتھ پھیرتے تھے وہ ٹھیک ہو جایا کرتا تھا (مسیح بمعنی ہاتھ پھیرنے والا) (۳) اور جو مختصر نام شاعر اپنے اشعار میں لانے کے لئے اپنا رکھا کرتا ہے وہ تخلص کہلاتا ہے جیسے حمد باری کے اندر مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری نے بیدلؔ اپنا تخلص ذکر کیا ہے (۴) سرکار یا بادشاہ کی طرف سے ملا ہوا اعزازی نام خطاب کہلاتا ہے چناں چہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں یہ خطابات ملا کرتے تھے جیسے شمس العلماء انگریزی حکومت میں بعض علماء کا خطاب تھا، (۵) اور عرف بمعنی پہچان جس نام سے کسی کی پہچان چل پڑے وہ اس کا عرفی نام ہے، جیسے محمد صدیق کے بجائے سَدُّو یا مطلوب کے بجائے مُتّو یا محمود کے بجائے مودے سے مشہور ہو جانا، (۶) کنیت وہ نام کہلاتا ہے جو کسی کو کسی کا ابا کسی کی امی یا کسی کا بیٹا کہنے سے حاصل ہوتا ہے ابوالقاسم، ابن العباس، اُمّ موسیٰ، بنت عمران، بہرحال عطف بیان کی حقیقت کسی چیز کے دونا موں میں سے مشہور کے ذریعہ وضاحت کرنا۔

مجھے محقق تو صحیح طور پر ہے نہیں لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ ان چھ قسم کے ناموں میں سے جس سے بھی مشہور ہو اس کے ذریعہ وضاحت کو عطفِ بیان ہی کہا جاوے گا (باقی رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا)

سبق چہل و ہشتم

فصل دوم در بیان منصرف وغیر منصرف، منصرف آں است کہ ہیچ سبب از اسباب منع صرف درو نباشد وغیر منصرف آں است کہ دو سبب از اسباب منع صرف درو باشد واسباب منع صرف نہ باشد عدل و وصف وتانیث ومعرفہ وعجمہ وجمع وترکیب ووزن فعل والف نون مزیدتان چنانچہ در **عمر** عدلست وعلم ودر ثُلٰثُ و مَثْلَثُ صفت است وعدل ودر طلحۃ تانیث است وعلم ودر **زینب** تانیث معنوی است وعلم ودر حبلٰی تانیث است بالف مقصورہ ودر حمراء تانیث است بالف ممدودہ وایں مؤنث بجائے دو سبب است ودر **ابراھیم** عجمہ است وعلم ودر **مساجد ومصابیح** جمع منتہی الجموع بجائے دو سبب است ودر **بعلبکّ** ترکیب است وعلم ودر **احمد** وزن فعل ست وعلم ودر **سکران** الف ونون زائدتان است ووصف ودر **عثمان** الف نون زائدتان است وعلم وتحقیق غیر منصرف از کتب دیگر معلوم شود۔

ترجمہ- دوسری فصل منصرف وغیر منصرف کے بیان میں منصرف وہ ہے کہ کوئی سبب غیر منصرف کے اسباب میں سے اس میں نہ ہو اور غیر منصرف وہ ہے کہ دو سبب غیر منصرف کے اسباب میں سے اس میں ہوں اور غیر منصرف کے اسباب نو ہیں عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ اور عجمہ اور جمع اور ترکیب اور وزن فعل اور الف نون زائدتان، جیسا کہ **عمر** میں عدل ہے اور علم اور ثُلٰثُ مَثْلَثُ میں صفت ہے اور عدل اور طلحۃ میں تانیث ہے اور علم اور زَیْنَبُ میں تانیث معنوی ہے اور علم اور حُبْلٰی میں تانیث ہے الف مقصورہ کے ساتھ اور حمراء میں تانیث ہے الف ممدودہ کے ساتھ اور یہ مؤنث دو سبب کے قائم مقام ہے اور **ابراھیم** میں عجمہ ہے اور علم اور مساجد اور مصابیح میں جمع منتہی الجموع دو سبب کے قائم مقام ہے اور بعلبک میں ترکیب ہے اور علم اور اَحْمد میں وزن فعل ہے اور علم اور سکران میں الف نون زئدتان ہے اور وصف اور **عثمان** میں الف نون زائدتان ہے اور علم اور غیر منصرف کی تحقیق (حقیقت) دوسری کتابوں سے معلوم ہو جائے گی۔

حل مضمون- سبق نوزدہم (انیسواں) میں غیر منصرف کی تعریف آچکی ہے چونکہ منصرف ضد ہے غیر منصرف کی اس لئے غیر منصرف کی تعریف سے منصرف کی تعریف بھی نکل آتی ہے مگر یہاں صراحۃً تعریف کرتے ہیں منصرف کی بھی نیز وہاں غیر منصرف کا ذکر اس اعتبار سے آیا تھا کہ اس کا اعراب کیا ہوتا ہے اب یہاں باقاعدہ امثلہ ذکر کر کے ہر مثال میں بتلا رہے ہیں کہ غیر منصرف کے کس کس سبب کیوجہ سے اس کو غیر منصرف کہا گیا ہے، پھر کسی بھی کلمہ کے غیر منصرف ہونے کے لئے اس میں غیر

منصرف کے اسباب میں سے دوسبب یا ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو ہونا ضروری ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ کلمہ منصرف بنے گا جس کلمہ کو ہم غیر منصرف پڑھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر تنوین نہیں پڑھ سکتے اور حالت جری میں ہونے کے باوجود اس پر کسرہ نہیں آئے گا یعنی بجائے کسرہ کے اس پر فتحہ ہی پڑھا جاتا ہے اور جو کلمہ منصرف ہوگا اس پر تنوین اور کسرہ دونوں پڑھ سکتے ہیں غیر منصرف جن اسباب کیوجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے وہ نو ہیں ان سب کی تعریف اور ان سے متعلق جو بھی تفصیل ہو سکتی ہے وہ انیسویں سبق میں بتائی جا چکی ہے وہاں ہی دیکھ لیں **عُمَرَ** یہ عدل کی مثال ہے دوسرا سبب اس میں علمیت ہے جب اہل عرب کو غیر منصرف پڑھتے دیکھا اور سوائے علمیت کے کوئی اور سبب اس میں نظر نہ آیا اور تنہا علمیت سے غیر منصرف نہیں پڑھ سکتے تھے اس لئے عدل دوسرا سبب اس میں مانا گیا ہے، **ثُلٰثُ مَثْلَثُ** میں دوسبب صفت اور عدل تحقیقی ہے عمر میں عدل تقدیری تھا لہٰذا یہ عدل کی مثال میں تکرار نہیں ہے عدل تحقیقی اور تقدیری کا مطلب انیسویں سبق میں دیکھ لیا جائے تا کہ ان دونوں مثالوں میں عدل کیسے ہے یہ سمجھ میں آجائے اور ثلث مثلث میں وصف اس لئے ہے کہ تین تین ہونا یہ صفت ہی تو ہے جو ثلث اور مثلث کے معنی ہیں اور جو بھی چیز تین تین سے موصوف ہوگی اس کے تین تین ہونے کی صفت کو ثلث اور مثلث سے ہی ظاہر کیا جائے گا۔

طلحۃ تانیث لفظی کی مثال ہے کہ اس میں تاء ملفوظ موجود ہے دوسرا سبب اس میں علمیت ہے کہ ایک مرد کا نام ہے **زینب** یہ تانیث معنوی کی مثال ہے کیونکہ عورتوں پر بولے جانے والے لفظ مؤنث ہی ہوتے ہیں گو ان میں ظاہری علامت تانیث تاء لفظی یا الف مقصورہ وممدودہ نہ ہو دوسرا سبب اس میں علمیت ہے ہی کہ عورت کا نام ہے **حُبلٰی** الف مقصورہ کی مثال ہے یعنی جو الف کھینچا نہیں ہے اور حمراء الف **ممدودہ** کی یعنی جو الف کھینچا جاتا ہے ان دونوں میں ایک ہی سبب دو کے قائم مقام ہے دوسرے سبب کی ضرورت نہیں ہے **ابراھیم** عجمہ کی مثال ہے عجمہ کا مطلب ہے غیر عربی لفظ۔

سوال: ابراہیم تو عربی ہوگا کیونکہ قرآن میں آیا ہے۔

جواب: پہلے یہ عجمی ہی تھا بعد میں قرآن میں آنے سے عربی بنا ہے، بہر حال ابراہیم غیر منصرف ہے عجمہ اور علمیت کی وجہ سے۔

مساجد ومصابیح: یہ جمع منتہی الجموع کی مثال ہے اور جمع منتہی الجموع وہی ہوتی ہے جو ان دو وزنوں پہ آئے چنانچہ **مساکن** بروزن **مساجد** اور **مفاتیح** بروزن **مصابیح** ہونے کی وجہ سے یہ بھی غیر منصرف بنیں گے اور جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہونا تنہا سبب ہی غیر منصرف پڑھنے کے لئے کافی ہے **بعلبک** یہ ترکیب کی مثال ہے یعنی جن دو کلموں کو جوڑ کر ایک کر لیا گیا ہو تو اس کو بھی غیر منصرف پڑھیں گے لیکن یاد رہے کہ ترکیب اور جوڑنا دو کلموں کو کبھی مضاف مضاف الیہ کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی موصوف اور صفت کی کبھی مرکب بنائی کی اور کبھی مرکب امتزاجی کی یہاں اخیر والی ترکیب مراد ہے یعنی مرکب امتزاجی جس کو مرکب منع صرف بھی کہتے ہیں والی ترکیب اگر ہے تو وہ بھی غیر منصرف کا سبب بنتی ہے جیسا کہ **بعلبک** میں یہی بات ہے کہ بعل اور بک دو لفظ ہیں بیچ میں کوئی حرف عطف وغیرہ نہیں ان دونوں کو ملا کر ایک شہر کا نام رکھدیا گیا ہے تو اس میں ایک ترکیب ہے ایک علم لہٰذا یہ غیر منصرف بنے گا، **احمد** وزن فعل کی مثال ہے ظاہر ہے کہ یہ فعل مضارع واحد متکلم کے وزن پر ہونے کی

وجہ سے وزن فعل لیے ہوئے ہے اور دوسرا اس میں علم اور نام ہونا پایا جا رہا ہے لہٰذا احمد غیر منصرف بنے گا۔

سکران بمعنی نشہ والا یہ الف نون زائدتان کی مثال ہے کیونکہ اصل مادہ س ک ر ہے الف نون اس میں زائد ہیں دوسرا سبب اس میں وصف ہے کیونکہ نشہ والا ہونا صفت ہے جو ہر نشہ والی کی بن سکتی ہے بخلاف علم اور نام کے کہ وہ مخصوص آدمی پر بولا جاتا ہے اور صفت ہر اس پر بول سکتے ہیں جس میں وہ صفت ہو، **عثمان** یہ بھی الف نون زائدتان کی مثال ہے اور دوسرا سبب اس میں علمیت ہے۔

سوال: الف نون زئدا تان کی دو مثال کیوں لائے؟

جواب: الف نون جن کلمات میں ہوتا ہے وہ دو قسم کے ہیں (۱) وہ وصف ہوں یعنی صفت کے معنی اس میں ہوں جیسے سکران (۲) وہ علم اور نام ہوں جن سے ذات مراد ہو کوئی وصف یا حالت ان سے سمجھ میں نہ آتی ہو جیسے عثمان ایک شخص کا نام ہے جس سے اس کی ذات مراد ہے اس کا کسی وصف یا حال میں ہونا مثلاً نشہ والا یا ہنسنے والا ہونا یا مارنے والا ہونا سمجھ میں نہیں آیا کرتا، غیر منصرف کی باقی اور زیادہ تفصیل علم نحو کی دیگر کتب، کافیہ، ہدایۃ النحو، شرح جامی میں معلوم ہو جائے گی۔

سبق چہل و نہم

فصل سوم در حروف غیر عاملہ وآں شانزدہ قسم است **اول حروف تنبیہ** وآں سہ است اَلَا وَاَمَا وهَا **دوم حروف ایجاب** وآں شش است نَعَمْ وبَلٰی واَجَلْ واِیْ وجَیْرِ واِنَّ **سوم حروف تفسیر** وآں دو است اَیْ واَنْ کَقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یَّااِبْرَاهِیْمُ **چہارم حروف مصدریہ** وآں سہ است مَا واَنْ واَنَّ مَا دَاَن در فعل روند تا فعل بمعنی مصدر باشد **پنجم حروف تحضیض** وآں چہار است اَلَّا وهَلَّا ولَوْ لَا ولَوْمَا **ششم حروف توقع** وآں قد است برائے تحقیق در ماضی وبرائے تقریب ماضی بحال ودر مضارع برائے تقلیل **ہفتم حروف استفہام** وآں سہ است مَا وہمزہ و ہل **ہشتم حروف ردع** وآں کَلَّا است بمعنی بازگردانیدن وبمعنی حقا نیز آمدہ است چوں کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ: تیسری فصل حروف غیر عاملہ کے بیان میں اور وہ سولہ قسم ہیں **اول حروف تنبیہ** اور وہ تین ہیں اَلَا واَمَا وهَا **دوسرے حروف ایجاب** اور وہ چھ ہیں نَعَمْ اور بَلٰی اور اَجَلْ اور اِیْ اور جَیْرِ اور اِنَّ **تیسرے حروف تفسیر** اور وہ دو ہیں اَیْ اور اَنْ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرَاهِیْمُ (اور آواز لگائی ہم نے اس کو یہ کہ (یعنی یہ کہ

کر) اے ابراہیم **چوتھے حروف مصدریہ** اور وہ تین ہیں ما اور اَنْ اور اَنَّ ما اور اَنْ فعل میں داخل ہوتے ہیں تا کہ فعل مصدر کے معنی میں ہو جائے **پانچویں حروف تحضیض** اور وہ چار ہیں اَلَّا ھَلَّا لَوْ لَا، لَوْمَا، **چھٹے حروف توقع** اور وہ قد ہے تحقیق کی واسطے ماضی میں اور ماضی کو قریب کرنے کے واسطے حال کے اور مضارع میں (کسی کام کے) کم پائے جانے کو بتانے کے لئے **ساتویں حروف استفہام** اور وہ تین ہیں ما اور ہمزہ اور ھل **آٹھویں حروف ردع** اور وہ کَلَّا ہے واپس کرنے اور پیچھے ہٹانے کے معنی میں اور بمعنی واقعی بھی آتا ہے جیسے کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (واقعی تم جان جاؤ گے)

حل مضمون- تنبیہ باب تفعیل سے بمعنی پیدا کرنا جگانا اور چوکنا کرنا حروف تنبیہ وہ ہیں جو کلام کے شروع میں مخاطب کو متوجہ کرنے کے لئے اس لئے لائے جاتے ہیں کہ آئندہ جو بات کہی جائے اس کو مخاطب دھیان سے سن لے اور اچھی طرح اس کے دماغ میں آجائے جیسے اَلَا انھم ھم السفھاء (خبردار بے شک وہ وہی بیوقوف ہیں) حروف تنبیہ کا ترجمہ اردو میں مختلف الفاظ سے کیا جاسکتا ہے، خبردار، سن لو، دیکھو مثلاً ھا زیدٌ قائمٌ (خبردار، دیکھو زید کھڑا ہے) جب کہ اس کا اکرام کرانا ہو یا اس کے شر سے بچانا ہو، ایسے ہی اَمَا لَاتَضْرِبْ (دیکھ مارنہ دینا) حروف تنبیہ جملہ اسمیہ وفعلیہ ہر دو پر آیا کرتے ہیں، حروف ایجاب یہ مرکب اضافی ہے یعنی ایجاب کے حروف ایجاب کے معنی ہیں ثابت کرنا واجب اور لازم کرنا چونکہ ان حروف سے پہلے ایسا کلام آتا ہے جو مخاطب پر ان چھ حروف میں سے کسی ایک کے ذریعہ جواب دینے کو لازم اور واجب کر دیتا ہے، خاموش رہنا درست نہ ہوگا مثلاً الستُ بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) جس پر کہا جائے گا بلٰی (کیوں نہیں) یعنی آپ ہمارے رب ہیں، اس لئے ان حروف کا نام **حروف جواب** بھی ہے، یہ چھ کے چھ بمعنی جی اور ہاں آتے ہیں البتہ بَلٰی کا صحیح ترجمہ کیوں نہیں) سے بنے گا، اِنَّ کی مثال یہ ہے کہ کوئی کہے لَعَنَ اللّٰہُ نَاقَۃً حَمَلَتْنِیْ اِلَیْکَ (اللہ ایسی اونٹنی پر لعنت کرے جو مجھے تیرے پاس لے کر آئی ہے تو اس پر کہا جاوے اِنَّ وَرَاکِبَھَا (کہ ہاں اور اس کے سوار یعنی تجھ پہ بھی لعنت ہو)۔

فائدہ: اِیْ قسم کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے اَصَلَّیْتَ کیا تم نے نماز پڑھ لی کے جواب میں کہیں گے اِیْ وَاللّٰہِ ہاں اللہ کی قسم ایسے ہی اَجَلْ اور جَیْرِ اور اِنَّ یہ تینوں مثبت منفی دونوں کی تصدیق کے لئے آتے ہیں جیسے قَدْ جَاءَ زَیْدٌ اور لم یاتک خالدٌ ہر دو کے جواب میں ان تینوں میں سے کوئی ایک **جواب** میں لاسکتے ہیں۔

حروف تفسیر: تفسیر بمعنی وضاحت اور کسی چیز کو کھولنا جب کسی جگہ کوئی خفاء یا پوشیدگی رہ جائے اَیْ لا کر آگے اس کی وضاحت کر دیتے ہیں پھر جس کی وضاحت کرتے ہیں وہ مفرد اور جملہ دونوں ہو سکتے ہیں، مثلاً جاء ابو حفص ای عمر ایسے ہی کان النعمان ای ابو حنیفۃ امامًا عظیمًا، اور جملہ کی مثال ہے قُطِعَ رِزْقُہٗ (اس کی روزی ختم ہوگئی) ای مَاتَ (یعنی وہ مر گیا)۔

دوسرا حرف تفسیر: اَنْ ہے یہ کلمہ قول کے معنی میں بننے والے فعل کے مفعول مقدر یعنی پوشیدہ کی وضاحت کے لئے آتا ہے سوال قول کے معنی میں ہونے والے اَفْعَال کون سے ہوتے ہیں جواب جس فعل کی جگہ قول سے بنا صیغہ رکھنا درست ہو

وہ فعل قول ہی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اَمَرْتُہ اَنْ اَقِمْ (اَقَامَ یُقِیْمُ اِقَامَۃً ٹھہرنا کہیں قیام کرنا) و کتبت الیہ ان اکْرِمْ ونادیناہ ان یا ابراھیم واوحینا الی امک ما یوحی اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ (ہم نے دل میں ڈالا اے موسیٰ تیری والدہ کے وہ جو دل میں ڈالا جانا تھا یعنی کہ ڈال دے تو موسیٰ کو دریا میں) ان مثالوں میں امر اور کتابت اور ندا اور ایحاء سب قول کے معنی لئے ہوئے ہیں اگر امرتُ کی جگہ قُلْتُ نادینا کی جگہ قلنا بولیں تو درست ہوگا اور اسی طرح دیگر لفظوں میں۔

سوال ان کا مفعول مقدر کیا ہے جس کی اَن تفسیر کررہا ہے۔

جواب: امرتہ کا مفعول مقدر ہے بشئی ایسے ہی نادیناہ کا ہے بلفظٍ کہ میں نے اس کو ایک چیز کا حکم دیا اور وہ چیز اَقِمْ ہے ایسے ہی میں نے اس کو ایک لفظ سے آواز دی اور وہ ہے یٰاابراھیم، ایسے ہی کتبت الیہ کا مفعول مقدر ہے شیئا پھر اَنْ کے بعد اکْرِمْ سے اس کی وضاحت ہے، بہرحال اَن جس فعل کے مفعول مقدر کی وضاحت کرے گا وہ فعل قول کے معنی میں ہو اسی لئے اگر وہ فعل قول کے معنی میں نہ ہوا جس کی دوصورتیں ہیں (۱) وہ فعل بجائے قول کے معنی میں ہونے کے خود لفظ قول ہی ہو (۲) وہ فعل قول کے معنی اپنے اندر نہ رکھتا ہو تو ان دوصورتوں میں اَنْ سے اس کی تفسیر و وضاحت نہ کی جائے گی، اسی لئے قُلْتُ لَہٗ اَنْ اُکْتُبْ غلط ہے کیونکہ اب اَنْ صاف لفظ قول سے بنے فعل کے مفعول مقدر کی تفسیر کررہا ہے اصل عبارت یوں ہے قُلْتُ لَہٗ شَیْئًا اَنْ اُکْتُبْ، میں نے اس سے ایک چیز یعنی اُکْتُبْ کہا۔

چوتھے حروف مصدریہ: حروف مصدریہ تین ہیں (۱) ما (۲) اَنْ مخففہ (۳) اَنَّ مثقلہ یا مشددہ ان کو حروف مصدریہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ جس پر داخل ہوں گے اس کو مصدر کے معنی میں کردیتے ہیں اور مصدر والا ترجمہ کرنا صحیح ہوجاتا ہے پھر ان میں سے پہلے دو حرف جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں لیکن وہ فعل جس پر داخل ہوں گے امر و نہی کے علاوہ ہو چاہے ماضی ہو اور چاہے مضارع مگر زیادہ تر ماضی پر دخول ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے وَضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اس میں بما رَحُبَتْ میں ماکلمہ رَحُبَتْ فعل ماضی پر داخل ہورہا ہے رَحُبَتْ چونکہ واحد مؤنث غائب ہے جس کی ضمیر ارض کی طرف لوٹ رہی ہے، جب رَحُبَتْ فعل کو ما کیوجہ سے مصدر بنایا تو اس کی ضمیر ھِیَ جو اس میں پوشیدہ ہے ضمیر مجرور ھا سے بدل کر رُحب مصدر کا مضاف الیہ کردیا اور بِرُحْبِهَا بن گیا ترجمہ یہ ہے کہ زمین ان تین صحابہ پر جو غزوہ تبوک میں جنگ میں نہ جاسکے تھے اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی، واقعہ اس طرح ہوا کہ تین صحابی باوجود کسی عذر نہ ہونے کے محض سستی اور غفلت کیوجہ سے جنگ تبوک میں شریک نہ ہوسکے جس کی وجہ سے نبی پاک نے بحکم خداوندی ان کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کردیا اور ہر کسی کو ان کے ساتھ بولنے سے منع کردیا جس پر وہ بہت پریشان تھے جدھر جاتے سب روٹھے ہوئے تھے اور کوئی ان کے سلام کلام کا جواب نہ دیتا تھا اس کی منظر کشی کی ہے کہ ساری زمین جب ان پر تنگ ہوگئی اور خود وہ اپنے آپ سے بھی تنگ آگئے تو پھر اللہ نے ان کی توبہ نازل فرما کر ان پر کرم فرمادیا، ایسے ہی اَنْ جس فعل پر آئے گا اس کو مصدر کے معنی میں کردے گا جیسے فَمَا کَانَ جواب قَوْمِهٖ الخ یعنی حضرت لوط علیٰ نبینا وعلیہ السلام جب اپنی قوم کو لواطت سے روکتے تو بس ان کا یہی جواب ہوتا الا ان قالوا اِئْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا

ان کنت من الصادقین کہ اگر تو سچا ہے تو وہ اللہ کا عذاب جس کی دھمکی دیتے ہو) لا دو (ہم نہیں ڈرتے) تو اس میں اَنْ کیوجہ سے قالو بمعنی قول ہو جائے گا اور اس کے اندر جو ھُمْ ضمیر ہے اس کو ضمیر مجرور کی شکل میں لا کر مضاف الیہ کر کے قولھم بن جائے گا، تیسرا حرف مصدر اَنَّ مشددہ ہے اس کا داخلہ جملہ اسمیہ پر ہوتا ہے جیسے عَلِمْتُ اَنَّکَ قَائِمٌ مجھے یقین آ گیا کہ تو کھڑا ہے، اس میں اَنَّکَ قَائِمٌ قیامک کے معنی میں ہے اَنَّ حرف مصدر ہے قائم بمعنی قیام ہو کر ضمیر کَ کو مضاف الیہ بنا دیا بعض حضرات نے لو اور کَیْ کو بھی حروف مصدریہ میں شمار کیا ہے، اب ان کی تعداد پانچ ہو جائے گی۔

پانچویں حروف تحضیض: تحضیض باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی ابھارنا اور اکسانا، یہ کل چار حروف ہیں (۱) هَلَّا (۲) اَلَّا (۳) لَوْلَا (۴) لَوْمَا ان کے ذریعہ مخاطب کو کسی نہ کسی کام پر ابھارا جاتا ہے اسی لئے ہمیشہ یہ فعل پر ہی داخل ہوں گے اگر کہیں ان کے بعد اسم آ بھی گیا تو اس اسم سے پہلے بھی فعل نکالا جائے گا اور مانا جائے گا جیسے کسی نے لوگوں کو مارا مگر خالد کو چھوڑ دیا تو کہا جاوے هَلَّا خالِدًا اس کی اصل ہے هلا ضَرَبْتَ خالِدًا خالد کو کیوں نہ مارا پھر یہ حروف جب مضارع پر داخل ہوں تو آئندہ ہونے والے کام پر ابھارنے کے لئے ہوں گے جیسے هَلَّا تَـاْكُلُ (تو کیوں نہیں کھا رہا ہے) اور اگر ماضی پر داخل ہوں اب بجائے ابھارنے کے ملامت اور شرمندہ کرنے کے لئے آتے ہیں جیسے هَلَّا حَفِظْتَ القرآن (تو نے کیوں نہ قرآن حفظ کر لیا) اب تحضیض اور ابھارنا فوت شدہ چیز پر ہے کہ یہ کام تو نے کیوں نہ کر لیا، پھر یہ چاروں مرکب ہیں ان کا دوسرا جزء لا حرف نفی ہے اور اول جزء دو میں شرط یعنی لَوْ ہے ایک میں حرف مصدر اَنْ ہے، اور ایک میں حرف استفہام هَلْ ہے پھر لَوْلَا تحضیضیہ کے علاوہ اور فائدہ کے لئے بھی آتا ہے یعنی یہ بتانے کے لئے کہ پہلی بات کے پائے جانے کی وجہ سے دوسری بات نہیں پائی گئی جیسے لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ، کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر تباہ و برباد ہو جاتا اب لَوْلَا کے بعد دو جملے ہوا کرتے ہیں اور جب لَوْلَا تحضیضیہ ہو تو بس اس کے بعد ایک جملہ کافی ہے، لَوْلَا عَلِيٌّ الخ کا مطلب "لو" کی بحث میں آ رہا ہے۔

چھٹے حرف توقع: توقع امید کو کہتے ہیں حرف توقع سے مراد قَدْ ہے جس کا دوسرا نام حرف تقریب بھی ہے **سوال** قد کے یہ نام کیوں ہیں **جواب** قد کو حرف تقریب تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ جب ماضی پہ آتا ہے تو اس ماضی کو حال کے قریب کرنے کے لئے آتا ہے تو ماضی پہ آنے کے وقت اس کا کام تقریب الماضی الی الحال ہے **سوال** قد جب ماضی پہ داخل ہو تو اس کا ماضی کو حال کے قریب کرنا کیوں ضروری ہے؟ **جواب** وجہ یہ ہے کہ فعل ماضی کو جب حال بناتے ہیں تو ماضی کا زمانہ میں رہتے ہوئے حال بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ ذوالحال اور حال دونوں کا زمانہ ایک ہونا ضروری ہوتا ہے، ورنہ حال بننا درست نہ ہوگا مثلاً جاء زَيْدٌ رَاكِبًا میں جاء اور راكبا ذوالحال حال ہیں اور آنے اور سوار ہونے کا زمانہ ایک ہوگا گویا آنا بعینہ سوار ہونا ہے اور سوار ہونا بعینہ آنا ہے **سوال** ذوالحال جاء کہاں ذوالحال تو زید ہے **جواب** آنا حال ہے زید کا اور سوار ہونا حال ہے آنے کا کیونکہ آنا کبھی پیدل اور مَاشِيًا ہوتا ہے اور کبھی سوار ہو کر یا راکبا ہوتا ہے تو سوار ہونا درحقیقت تو حال ہے مجئی اور آنے کا لیکن آنا حال اور صفت بن رہی ہے زید کی تو بواسطہ آنے کے سوار ہونا بھی زید کا حال کہلایا بہرحال جو زمانہ آنے کا ہوگا وہی رکوب کا ہوگا ایسا نہیں کہ رکوب پھر

الگ سے پایا جائے گا تو اس لئے جب حال بشکل ماضی بنے جیسے جاء زیدٌ وَقَدْرَکِبَ (آیا زید حالانکہ وہ سوار تھا) تو اس میں اگر ماضی پر قد داخل نہ کریں تو جاء سے حال بننا جائز نہ رہے گا کیونکہ اب رکوب کا زمانہ مجیء اور آنے سے مقدم سمجھا جائے اس لئے قد ماضی پر لاکر اس کو حال زمانہ کے قریب کر دیا تا کہ آنے اور سوار ہونے کا زمانہ ایک بن جائے **سوال** قد ماضی پر آنے سے ماضی کا زمانہ حال کے قریب ہی تو ہوا خود حال تو نہ بنا **جواب** قرب شئی کو عین شئی کا حکم دیدیا جاتا ہے یعنی پہنچنے کے قریب ہونے کو خود پہنچنا قرار دیا جاتا ہے جیسے جب عید کے ایک دو دن رہ جائیں تو کہہ دیتے ہیں کہ عید آ گئی۔

اور حرف توقع قد کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جس فعل پر داخل ہوتا ہے اس کی پہلے سے مخاطب کو امید ہوئی ہوتی ہے کہ یہ کام ہوگا جیسے قد رکب الامیر اس آدمی کے لئے بولیں گے جیسے یہ امید تھی کہ عنقریب اور حال ہی میں بادشاہ سوار ہونے والا ہے تو جیسے امید تھی اس کی امید کے اعتبار سے اسے خبر دی جائے گی، قد رکب الامیر واقعی امیر ابھی سوار ہو لیا گویا اے مخاطب تجھے جس چیز کی توقع اور امید تھی وہ کام ابھی قریب میں ہی پالیا گیا، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں قد ماضی پر آئے وہاں مخاطب کو اس کام کی جس پر قد داخل ہے امید ہی ہو ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ بغیر امید کے بھی قد سے کسی کام کے وقوع اور ہونے کی خبر دیدیتے ہیں چنانچہ قد رکب الامیر درست ہوگا اس وقت بھی جب کہ امید سوار ہونے کی نہ ہو، ایسے ہی تکبیر کہتے وقت قد قامت الصلوٰۃ میں بھی قد برائے توقع اور تقریب بلکہ تحقیق تینوں کے واسطے ہو رہا ہے اس طرح کہ جماعت کھڑی ہونے کی امید تو رہتی ہے تو برائے توقع ہے اور ابھی حال میں ہی جماعت کھڑی ہونے کو بتاتا ہے کیونکہ اس جملہ کہتے وقت جماعت کچھ ذرا پہلے کھڑی ہوئی ہے، یہ تقریب ہے اور واقعۃً یہ کام ہو چکا ہے یہ تحقیق ہے بہر حال قد جب ماضی پہ داخل ہوگا تو اس کے دو فائدے ہیں (۱) تقریب الماضی الی الحال (۲) برائے تحقیق اس کی مثال ہے قد افلح من زَکّٰھا (وہ شخص واقعی کامیاب ہو گیا جس نے اپنے کو پاک کر لیا) اور جب قد مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اب بھی دو فائدوں کے لئے آتا ہے (۱) تقلیل کے لئے جیسے الجوّاد قد یَبْخُلُ (سخی آدمی بھی کبھی کبھار کنجوس بن جاتا ہے) (۲) تحقیق کے لئے جیسے قد نَرٰی تَقَلُّبَ وُجھک فی السماء، (کہ اے نبی واقعی ہم آپ کے بار بار آسمان کی طرف چہرہ اٹھانے کو دیکھ رہے ہیں) چونکہ ہمارے نبی کا قبلہ بھی شروع میں بجائے کعبہ کے جو مکہ میں ہے بیت المقدس تھا جو ملک شام میں ہے مگر آرزو ہماری نبی کی یہ تھی کہ میرا قبلہ میرے دادا ابراہیم والا یعنی کعبہ ہو جائے تو اس لئے بار بار وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ کب میری یہ تمنا پوری ہوگی جس پر اللہ نے محبت میں فرمایا کہ ہم تو بار بار تمہارے آسمان کی طرف دیکھنے کو جان ہی رہے تھے فلنُوَلِّیَنَّکَ قبلۃ تَرْضٰھَا کہ لو جو قبلہ تمہیں پسند تھا اسی طرف تمہارا قبلہ کر رہے ہیں، چنانچہ سولہ یا سترہ ماہ بعد مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بدلہ کعبہ ہی قرار پایا اور قیامت تک بھی رہے گا) بہر حال اس آیت میں قد برائے تحقیق ہے۔

ساتویں حروف استفہام: استفہام بمعنی پوچھنا اور سوال کرنا چونکہ ان کے ذریعہ سے پوچھنا اور سوال کیا جاتا ہے اس لئے اس نام سے موسوم ہوئے، حروف استفہام جو صرف استفہام ہی کے لئے خاص ہیں صرف دو ہیں (۱) ہمزہ (۲) ھَلْ ورنہ

یوں تو حروف استفہام بہت ہیں جیسے ما مَنْ اَنّیٰ مَتٰی اَیْنَ کَیْفَ وَغیرہ اسی لئے شرح جامی ہدایۃ النحو میں صرف دو حروف استفہام کے بتائے ہیں لیکن یہاں ما کو بھی شامل کر کے تین کہے ہیں حالانکہ اگر خالص استفہام والے بتانے تھے تو ما ان میں نہ ہونا چاہئے تھے کیونکہ ما موصولہ بھی ہوا کرتا ہے ورنہ پھر تین نہ کہتے سب کو شمار کراتے، بہر حال ہمزہ اا ور استفہام دونوں جملہ پر داخل ہوتے ہیں خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ لیکن زیادہ تر فعلیہ جملہ ہی ان کے بعد آتا ہے کیونکہ زیادہ تر پوچھنے کا تعلق فعل اور کام سے ہوا کرتا ہے، جیسے اَزَیْدٌ قائمٌ اور ھَلْ زیدٌ کاتبٌ، اَقَامَ عَمْرٌو ھَلْ جَاءَ زَیْدٌ۔

پھر چار جگہ ایسی ہیں کہ ان میں ہمزہ تو آسکتا ہے ہل نہیں آسکے گا (۱) اَزَیْدًا ضَرَبْتَ میں اس سے مراد ایسی مثال ہے جس میں فعل ہونے کے باوجود ہمزہ اسم پر داخل ہو رہا ہو تو ہمزہ میں یہ تو جائز ہے کہ فعل ہوتے ہوئے بھی اس کو چھوڑ کر اس پر داخل ہو سکے مگر ہل چونکہ بمعنی قد آتا ہے اور قد کا دخول ہمیشہ فعل پر ہی متعین ہے اس لئے ھَلْ ایسے جملہ میں جس میں اسم اور فعل دونوں ہوں بغیر فعل پر داخل ہوئے نہیں رہ سکتا اور ہمزہ میں یہ بات نہیں ہے کہ فعل ہی کی طرف بھاگے اگر اسم پر داخل ہو تو بھی درست ہے (۲) اَتَضْرِبُ زَیْدًا وَھُوَ اَخُوْکَ میں اس سے ایسی مثال مراد ہے جس میں ہمزہ استفہام انکاری کی ہو یعنی جہاں پوچھنے سے اصل مقصد نکیر اور برا ہونا ظاہر کرنا ہو چنانچہ اس مثال میں نکیر ہے کہ زید تیرا بھائی ہے پھر بھی تو اس کو مار رہا ہے یعنی ایسا نہ ہونا چاہئے تو چونکہ یہاں مستفہم عنہ یعنی جو پوچھنا ہے وہ حقیقت میں محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے اَتَرْضٰی بِضَرْبِکَ زَیْدًا کہ کیا تو اپنے کو زید کے مارنے پر راضی ہے حالانکہ وہ تیرا بھائی ہے تو چونکہ ہل وہاں داخل ہوتا ہے جہاں مستفہم عنہ مذکور ہو اور جہاں محذوف ہو وہاں ہمزہ تو داخل ہو سکتی ہے اپنے برائے استفہام ہونے میں قوی ہونے کی وجہ سے نہ کہ ہل کہ وہ اس معنی میں ضعیف ہے۔ (۳) اَزَیْدٌ عِنْدَکَ اَمْ عَمْرٌو: میں (کیا زید تیرے پاس ہے یا عمرو) اس سے اَمْ متصلہ والی مثال مراد ہے اَمْ متصلہ وہ ہوتا ہے جس کا ترجمہ یا سے کیا جاتا ہے اور ام منقطعہ کا ترجمہ بَلْ سے کیا جاتا ہے چونکہ ام متصلہ کی صورت میں مستفہم عنہ دو چیزیں ہو جاتی ہے جس کے لئے قوی حرف استفہام چاہئے اور وہ ہمزہ ہے اور ام منقطعہ میں مستفہم عنہ دو نہیں رہتے بلکہ ترقی کر کے اور اول کو چھوڑ کر پھر دوسرے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے لہٰذا ام منقطعہ کی صورت میں ہل آسکتا ہے کیونکہ اب مستفہم عنہ ایک ہی ہے جس کے لئے ضعیف حرف استفہام یعنی ہل بھی چل سکتا ہے، چنانچہ ھل زید عندک ام عمرو کا ترجمہ یوں ہوگا کہ کیا تیرے پاس زید ہے بلکہ کیا عمرو ہے، اب اس میں ام منقطعہ ہوگا، (۴) اَثُمَّ ما وقع، وافمن کان اومن کان میں اس سے ایسی مثال مراد ہے جس میں حروف عطف ثُمَّ فا اور واوٗ سے پہلے حرف استفہام ہو کہ حروف عطف سے پہلے داخل ہونے کی قوت اور ہمت ہمزہ میں تو ہے ہل میں نہیں ہے کیونکہ ہل تو فرع ہے ہمزہ کی جو بے اصولی اصل کے لئے درست ہو ضروری نہیں کہ فرع کے لئے بھی درست ہو جاوے، چنانچہ تقدیم بر حروف عاطفہ ہمزہ میں درست ہے ہل میں درست نہیں ہل حروف عاطفہ سے مؤخر آئے گا۔ (کذافی حاشیہ ہدایۃ النحو ص:۱۲۱)

آٹھویں حرف: رَدْع: رَدْعٌ کے معنی جھڑکنے اور ڈانٹ کر پیچھے ہٹا دینے کے آتے ہیں گویا اس کے ذریعہ مخاطب کو اس

بات سے روکا جا رہا ہے جو اس نے کہی کہ ایسا مت کہہ بالکل مثلاً تم کسی سے کہو فُلانٌ يُبغِضُكَ کہ فلاں آپ سے بغض رکھتا ہے جس پر وہ کہے كَلَّا کہ بالکل نہیں اس سے وہ تمہیں جھڑک کر روک رہا ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تو نے کہا اور کبھی یہ حرف رَدْع اس لئے بھی آتا ہے کہ کسی نے کسی سے کچھ چاہا ایسا کر وہ اس کی چاہت پہ نہ چلنے کو بھی اس سے ٹھکرا سکتا ہے جیسے کوئی آپ سے کہے افعل کذا کہ آپ ایسا کر لیجئے، جس پر وہ کہے كَلَّا بالکل نہیں یعنی جو آپ کہہ رہے ہیں میں اسے ہرگز نہ کروں گا، (۲) کبھی كَلَّا حقًا اور واقعی یقینا کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْآخِرَةَ کہ واقعی بلکہ تم تو دنیا کو چاہتے ہو اور آخرت سے بے التفاتی کرتے ہو، یہاں كَلَّا بے شک اور واقعی کے معنی میں آیا ہے، گویا مخاطب کو حبِ دنیا اور ترک آخرت پر جھڑکا اور ڈانٹا جا رہا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا برعکس اختیار کرو ایسے ہی كَلَّا سوف تعلمون کہ واقعی تمہیں پتہ چل جائے گا۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

ابو یحي محمد زاھد بن محمد اسمعیل المظاھری

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

سبق پنجاہم

نہم تنوین وآں پنج است **تمکن** چوں زَیْدٌ و**تنکیر** چوں صَہٍ اَیْ اُسْکُتْ سُکُوْتًا مَّا فِیْ وَقْتٍ اَمَّا صَہْ بغیر تنوین فمعناہ اُسْکُتِ السُّکُوْتَ الْآنَ و**عوض** چوں یَوْمَئِذٍ و**مقابلہ** چوں مُسْلِمَاتٍ و**ترنم** کہ در آخر ابیات باشد شعر اَقِلِّی اللَّوْمَ عَاذِلَ وَالْعِتَابَنْ وَقُوْلِیْ اِنْ اَصَبْتُ لَقَدْ اَصَابَنْ وتنوین ترنم در اسم وفعل وحرف رود اما چہار اولین خاص است باسم۔

ترجمہ عبارت -نویں تنوین اور وہ پانچ ہیں **تمکُّن** جیسے زَیْدٌ اور **تنکیر** جیسے صَہٍ یعنی تو کسی وقت میں کچھ نہ کچھ خاموش رہ لیا کر اور رہا صَہْ بغیر تنوین کے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الحال خاموش ہو جا اور **عوض** جیسے یَوْمَئِذٍ (بمعنی جس دن) اور **مقابلہ** جیسے مُسْلِمَاتٍ اور **ترنم** جو کہ اشعار کے آخر میں ہوتی ہے (کم کردے رِیْ اَرِیْ ملامت کو اے ملامت کرنے والی اور عتاب کو اور کہہ دے رِیْ اگر ٹھیک کیا میں نے کہ واقعی اس نے ٹھیک کیا ہے) اور **تنوین ترنم** اسم اور فعل اور حرف میں داخل ہوتی ہے اور بہر حال پہلی چار خاص ہیں اسم کے ساتھ۔

حل مضمون- تنوین ویسے تو باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی کسی کلمہ کو تنوین والا کرنا لیکن خود تنوین کو بھی کہتے ہیں یعنی دوز بر دو زیر دو پیش کو یہاں تنوین سے یہی مراد ہے، اصطلاحی تعریف تنوین کی یہ ہے کہ وہ نون ساکن جو کسی کلمہ کی آخر میں حرکت کے تابع ہو اور اس کا آنا تاکید کے لئے نہ ہو (تاکہ نون خفیفہ نکل جاوے) جیسے زَیْدٌ زَیْدًا زَیْدٍ

سوال زَیْدٌ زَیْدًا زَیْدٍ میں جس کو تم تنوین کہہ رہے ہو وہ تو دوز بر دوز یر دو پیش ہیں نون ساکن کہاں ہے تو تنوین کی تعریف نون ساکن سے کیسے درست ہے۔

جواب زَیْدٌ میں دوسرا پیش اور زَیْدًا میں دوسرا زبر اور زَیْدٍ میں دوسرا زیر در حقیقت نون ساکن کا قائم مقام ہے جو آواز نون ساکن کی ہوتی ہے وہی اس دوسری حرکت کی ہو رہی ہے اس لئے اہل صرف تعلیل کے وقت تنوین یا نون ساکن کو مستقل کلمہ گردان کر اجتماع ساکنین کا حکم کرتے ہیں چنانچہ داعٍ اصل میں داعِوٌ تھا پھر واؤ کنارہ میں ہونے کی وجہ سے یاء سے بدل گئی داعِیٌ ہو گیا جس کو ہم دَاعِیْنٌ بھی لکھ سکتے ہیں ی پر ضمہ دشوار سمجھ کر یاء ساکن ہو گئی یاء اور تنوین (نون ساکن) میں اجتماع ساکنین ہوا جس پر یاء گر گئی داعِنْ رہ گیا جس کو دَاعٍ بھی لکھ سکتے ہیں۔

بہر حال تنوین پانچ طرح کی ہوتی ہے یعنی اس کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) **تنوین تمکن** دوسرا نام اس کا تنوین الصرف بھی ہے جو تنوین ایسے کلمہ پر آئے جو منصرف ہو یعنی اس میں غیر منصرف کے نو سببوں میں سے دو سبب نہ پائے جاویں اس قسم کے کلمہ پر آنے والی تنوین کا نام تنوین صرف بھی ہے تنوین تمکن بھی اول نام

کی وجہ تو ظاہر ہے اور تمکن کے اصل معنی ہیں قادر ہونا کسی چیز کی طاقت رکھنا تو چوں کہ اسم منصرف تنوین اور کسرہ قبول کرنے کی طاقت رکھتا ہے جو غیر منصرف کلمہ نہیں رکھتا ہے اس لئے اسم منصرف کو اسم متمکن بھی کہتے ہیں

سوال یوں تو غیر منصرف بھی قبولیت کی طاقت رکھتا ہے کہ اس پر چاہے تنوین اور کسرہ تو نہ آئے لیکن ضمہ فتحہ تو آتا ہی ہے تو اس اعتبار سے وہ بھی متمکن کہلایا جانا چاہئے۔

جواب آپ کی بات بالکل بجا ہے ایسا ہی ہونا چاہئے چنانچہ جب معنی لغوی کے اعتبار سے دونوں ہی قدرت رکھتے ہیں تو دونوں ہی متمکن کہے جانے کے مستحق ہوگئے اسی لئے نحویین کی اصطلاح میں اس اسم منصرف کو جس کے آخر میں تینوں حرکات مع تنوین کے آسکیں المتمکن الْاَمْکَنُ کہتے ہیں اور جس اسم غیر منصرف کے آخر میں کسرہ تنوین نہ آوے اس کو الْمُتَمَکِّنُ غَیْرُ الْاَمْکَن کہا جاتا ہے (کذا فی مصباح اللغات تحت لفظ مکن) بہر حال لغوی معنی کے اعتبار سے اسم منصرف اور غیر منصرف دونوں ہی متمکن کہے جاسکتے ہیں اس لئے جب اسم متمکن سے منصرف کلمہ مراد لیں گے تو پہچان کے لئے لفظ اَمْـکَـنُ ساتھ میں لگا کر الـمتـمـکـن الامکن کہا جاوے گا اور اگر متـمـکـن سے غیر منصرف کلمہ مراد لے رہے ہیں تو غَیْـرُ الْاَمْـکَن ساتھ لگا کر المتمکن غَیْرُ الْاَمْکَنُ کہا جاوے گا پھر دھیان رہے کہ اسم متمکن کی یہ تعریف کہ جو تنوین اور کسرہ بھی قبول کرلے اور غیر متمکن جو تنوین کسرہ کو قبول نہ کرے یہ درحقیقت حکم ہے تعریف نہیں ہے کیونکہ حقیقی تعریف اسم متمکن کی صاحب نحو میر نے ضمائر کے بیان والی فصل سے پہلے والی فصل میں یہ کی ہے کہ اسم متمکن وہ ہوتا ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو اور جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو وہ اسم غیر متمکن ہے، جس کی آٹھ قسمیں ضمائر موصولات اسماء اشارات وغیرہ ابتداء کتاب میں آچکی ہیں۔

بہر حال تنوین تمکن کی پہچان یہ ہے کہ وہ جس کلمہ پر آتی ہے وہ کلمہ متمکن اور منصرف ہوگا یعنی اس میں دو سبب غیر منصرف کے نہیں پائے جارہے ہوں گے جیسے زیـدٌ اور رَجُـلٌ پھر یاد رہے کہ بعض دفعہ کلمہ غیر منصرف جس میں دو سبب ہوں پر تنوین آجاتی ہے جیسا کہ مثلاً وزن شعر کا درست نہ رہے بغیر تنوین کے یا سلاست اور روانی میں شعر کی فرق آجاتا ہو، یا کسی لفظ سے تناسب اور جوڑ رکھنا مقصود ہو شعر کا وزن درست رکھنے کی مثال ہے۔ صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا ڈال دی گئی مجھ پر اتنی مصیبتیں کہ اگر بے شک وہ دنوں پر ڈالی جاتی تو وہ دن رات بن جاتے، یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سید الکائنات فخر موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر جو شعر کہے تھے ان میں سے ہے، اس میں مصائب جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے غیر منصرف ہے اس کے باوجود اس پر تنوین پڑھنی ضروری ہے ورنہ وزن ٹوٹ جائے گا

(۲) اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اِنَّ ذِکْرَهٗ ☆ هُوَ الْمِسْکُ مَا کَرَّرْتَهٗ یَتَضَوَّعُ

بار بار ذکر النعمان کا تذکرہ ہمارے لئے بے شک اس کا ذکر وہ مشک ہے جتنا دہرائے گا تو وہ اور مہکے گی یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں امام شافعی کا شعر ہے جس میں ان کی بڑائی بیان کررہے ہیں کہ ہمارے سامنے ان کا بار بار ذکر کرو ہم مانند خوشبو کے اس سے معطر ہوتے ہیں بہر حال نعمان علَم اور الف نون زائدتان کیوجہ سے باوجود غیر منصرف ہونے کے تنوین کے ساتھ پڑھا

جائے گا ورنہ شعر کی سلاست ختم ہو جائے گی۔

(۳) اور قرآن میں سورہ دہر میں سلاسلا و اغلالاً میں سلاسلا میں اغلالاً سے تناسب اور جوڑ رکھنے کی خاطر تنوین دے کے پڑھتے ہیں مگر ہماری قراۃ جس کو اہل حفص پڑھتے ہیں اس کے اعتبار سے سلاسلا ایک ہی زبر کے ساتھ ہے تنوین نہیں ہے، تو یہ تنوین ان مثالوں میں تمکن کی نہیں کہلائے گی، بلکہ ضرورت شعری یا تناسب کی کہی جائے گی، کیونکہ دوسبب تو ان میں ہیں ختم نہیں ہوئے جو تمکن کی تنوین کہنا درست بن جاتا، فتدبر۔

(۲) **تنوین تنکیر**: دوسری قسم کی تنوین وہ ہے جس کو تنوین تنکیر کہتے ہیں یہ وہ تنوین ہے جس سے نکرہ اور معرفہ میں فرق ہوتا ہے اور جس پر یہ داخل ہوتی ہے اس سے غیر معین کو مراد لیا جاتا ہے جیسے صَـہٍ جب اس کی ہا کو تنوین کے ساتھ بولیں تو اہل عرب کے یہاں اس سے کسی بھی وقت کا چپ ہونا مراد ہوتا ہے اور جب ساکن بولیں تو فی الحال کا چپ ہونا مراد ہوتا ہے ابھی چپ کرنا ہو بلا تنوین ساکن کر کے بولو اور اگر یہ کہنا ہے کہ کسی وقت چپ بھی رہ لیا کر تو تنوین سے بولیں گے، پھر تنوین تنکیر اور تنوین تمکن دونوں جمع بھی ہو جاتی ہیں، جیسے رَجُلٌ میں دونوں ہیں کیونکہ اس وجہ سے کہ رَجُلٌ میں دوسبب غیر منصرف کے نہیں ہے تنوین تمکن ہے اور اس وجہ سے کہ کوئی خاص آدمی مراد نہیں ہے تنوین تنکیر ہے لیکن اگر رَجُلٌ کسی کا نام رکھدیا تو اب یہ تنوین خالص تمکن کہلائیگی اب اس کو تنکیر کی تنوین نہیں کہہ سکتے کیونکہ اب اس سے متعین شخص مراد ہوگا، اور چونکہ دوسبب غیر منصرف کے اس میں موجود نہیں ہیں تو علی حالہ تمکن کی تنوین تو رہے گی ہی پھر یہ بھی یاد رہے کہ بعض دفعہ اہل عرب علم اور نام پر بھی تنوین لے آتے ہیں جیسے لِکُلِّ فِرعَونٍ مُوسیٰ میں فرعون عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے مگر اس پر تنوین لا کر یہ بتاتا ہے کہ فرعون سے خاص وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون مراد نہیں ہے بلکہ فرعون سے مراد ہر شریر قسم کا آدمی مراد ہے ایسے ہی موسیٰ باوجود علم ہونے کے نکرہ کے حکم میں ہے کیونکہ موسیٰ سے نبی موسیٰ کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ہر مصلح اور دماغ درست کرنے والا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر شریر اور بدمعاش کے لئے ایک مصلح اور اس کی بددماغی دور کرنے والا ہوتا ہے اسی لئے لکل فرعون موسیٰ کی تشریح لِکُلِّ مُبْطِلٍ مُحِقٌّ سے کرتے ہیں کہ ہر باطل والے کو کوئی نہ کوئی حق پر لانے والا مل جاتا ہے چنانچہ اردو میں بھی کہتے ہیں کہ ہر بھتیجے کے لئے چچا ہے یعنی چھوٹے کو بڑا مل جاتا ہے اسے درست کر دیتا ہے، بہر حال جب کسی علم سے بجائے اس کی ذات کے مراد لینے کے اس کا وصف مشہور مراد لیا جاوے تو بجائے معرفہ کے نکرہ بن جاتا ہے، چنانچہ حاتم سے جب خاص وہی شخص مراد لیں جو اصل والا حاتم ہے تو یہ معرفہ ہے اور اگر ایسا شخص مراد لیں جو وصف سخاوت میں اس کا شریک ہے یعنی سخی آدمی تو پھر یہی لفظ نکرہ ہو جائے گا۔ تو اب **سوال** یہ ہے کہ فرعون پر جو تنوین لا رہے ہو اس تنوین کو تمکن کی کہو گے یا تنکیر کی، کیونکہ یہ تنوین اس وجہ سے کہ نکرہ بنانے کے لئے لائی گئی ہے تنکیر کی ہونی چاہئے اور اس لئے کہ اب فرعون علمیت سے وصفیت والے معنی میں آگیا تو غیر منصرف کے دوسبب نہ رہے اب یہ تنوین تمکن کی بننی چاہئے تو اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ تنوین تمکن کی کہلانے کی مستحق ہے کیونکہ علمیت کا زوال جونہی ہوا تو دوسبب ختم ہو گئے اور آنے والی تنوین تمکن بن گئی اور نکرہ کے معنی پیدا ہونا

جس سے یہ تنوین تنکیر کی بنتی ہے یہ بعد میں ہوا البتہ یہ تنوین بجائے تنکیر کے تمکن ہی کہلائیگی اور یہی مذہب شرح جامی کے مصنف کا ہے کیونکہ دو سبب کا ختم ہونا پہلے ہے نکرہ بننا بعد میں ہے۔ (دیکھئے شرح جامی ص:۳۷۶)

(۳) **تنوین عوض**: عوض بمعنی بدلہ آتا ہے جو تنوین کسی کلمہ کے مضاف الیہ کے بدلہ میں لائی جاوے خواہ وہ مضاف الیہ بشکل جملہ ہو یا بشکل مفرد اہل عرب کے یہاں یہ تنوین ہی اس محذوف جملہ یا مفرد کی قائم مقامی کر دیتی ہے، مفرد کی مثال وَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ کہ بعضٍ کے بعد ھُمْ مضاف الیہ کو محذوف کر کے تنوین آ گئی اصل عبارت فَوقَ بَعْضِهِمْ ہوتی ہے جملہ کی مثال ہے یَوْمَئِذٍ جس کی اصل یَوْمَ اِذْکَانَ کذا ہے کان کذا جملہ ختم کر کے اذ پہ تنوین لائی گئی ہے۔ **سوال** کان کذا کا مطلب کیا ہے **جواب** کان کذا کے لغوی معنی ہے (ہوا اس طرح) کذا بمعنی اس طرح اور کان بمعنی ہوا، دراصل اس سے اس جملہ کی طرف اشارہ ہے جو حسب موقع اور مقام اذ کے بعد جملہ ہوا کرتا ہے اور وہ کچھ بھی جملہ ہو سکتا ہے کیا جملہ ہوگا اس کو وہاں کا موقع محل ہی طے کرے گا جیسے مثلاً یَوْمَئِذٍ کا لفظ قرآن میں مختلف جگہ آیا ہے یَوْمَئِذٍ کے معنی ہیں اس دن تو اس دن سے مراد وہ ہوگا جس کا ذکر قرآن میں پہلے آ چکا چنانچہ سورہ معارج میں یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَاءُ کَالْمُهْلِ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الخ میں قیامت کے دن کا ذکر ہے کہ جس دن آسمان تل چھٹ کی طرح بکھر رہا ہوگا اور پہاڑ روئی کی طرح اڑ رہے ہوں گے پھر آگے چل کر کہا یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمَئِذٍ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ الخ تمنا کرے گا مجرم اس دن کہ اگر اپنی اولاد اپنی بیوی اپنا بھائی اور کنبہ بدلے میں دی کر جان چھوٹ جائے تو وہ بھی کر لوں تو اس آیت میں یَوْمَئِذٍ کے بعد ایک جملہ ہے اور وہ تکون السماء کالمهل الخ ہے اس کی تنوین اس کے بدلے میں لائی گئی ہے اور یَوْمَئِذٍ یعنی اس دن کہہ کر اسی دن کی طرف اشارہ ہے جس دن کہ آسمان کے تل چھٹ کی طرح بکھرنے اور پہاڑوں کے روئی کی طرح اڑنے کے واقعات پیش آئیں گے ایسے ہی حِیْنَئِذٍ حِیْنَ بمعنی وقت ہے اور سَاعَةً میں ساعت بمعنی گھڑی ہے اور عَامَئِذٍ میں عام بمعنی سال ہے اور ترجمہ ان کا اس وقت اور اس گھڑی اور اس سال ہے اور ان سب کے اندر اِذْ پر تنوین لا کر اس جملہ کی طرف اشارہ ہے جو متکلم اور مخاطب اپنے اپنے ذہن میں جان رہے ہیں کیونکہ اس جملہ میں جس کی قائم مقامی اِذْ کی تنوین کر رہی ہے اس میں جو وقت ہے یا جس گھڑی یا دن کا ذکر ہے وہ متکلم اور مخاطب دونوں کو معلوم ہے تو بہر حال یَوْمَئِذٍ اور حِیْنَئِذٍ سَاعَتَئِذٍ عَامَئِذٍ ان سب کی تنوین عوض کی ہے جس سے وہ دن وہ وقت وہ گھڑی وہ سال مراد ہوگا جس کا ذکر متکلم مخاطب کے مابین ہو چکا اور آ چکا ہے قرآن میں جہاں کہیں پاؤ گے ایسا ہی ملے گا فتدبر وتشکر۔

(۴) **تنوین مقابلہ**: وہ کہلاتی ہے جو جمع مؤنث سالم کے آخر میں آتی ہے جیسے مُسْلِمَاتٌ چونکہ جمع مؤنث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی اور جمع مذکر سالم میں جمع بنانے کے لئے واؤ اور نون دو حرف لائے گئے جس کا تقاضہ ہے کہ اس کی فرع جمع مؤنث سالم میں بھی دو ہی آئیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جمع مؤنث سالم میں جمع مذکر سالم کے واؤ کے مقابلہ میں الف تو آیا نون نہیں آیا۔

سوال نون کے مقابلہ میں جمع مؤنث سالم میں تا تو آ گئی۔

جــواب تا تو مؤنث بنانے کے لئے ہے اس کو نون کے مقابلہ میں نہیں کہہ سکتے اس لئے بدرجہ مجبوری نون کے مقابلہ میں جمع مؤنث سالم میں تنوین لادی گئی تاکہ اصل اور فرع دونوں اس میں مطابق ہو جائیں کہ بوقت جمع دونوں میں دو حرف ہیں۔

فائدہ: بعض حضرات نے مسلمات کی تنوین کو تمکن کہدیا جو غلط ہے کیونکہ اگر یہ تمکن کی ہوتی تو مسلمات کے کسی عورت کا علم اور نام رکھنے پر یہ تنوین ہٹ جانی چاہئے کیونکہ اب اس میں دو سبب موجود ہیں علمیت اور تانیث، حالانکہ تنوین پھر بھی باقی رہتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تنوین تمکن نہیں ہے اور نہ جمع مؤنث سالم کی یہ تنوین تنکیر کی کہی جا سکتی ہے کیونکہ جو جمع مؤنث سالم میں علم اور نام ہیں ان میں بھی یہ ملتی ہے چنانچہ عرفات جو ایک میدان کا نام ہے جہاں حاجی حضرات دعاء و عبادت میں لگتے ہیں اس میں یہ تنوین ہے چنانچہ قرآن پ:۲، میں ہے فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ الخ اور باوجود علم ہونے کے موجود ہے تو تنکیر کی کہنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا ہے اور نہ یہ تنوین عوض کہی جا سکتی ہے کیونکہ وہ جملہ کا بدل ہوتی ہے اور یہاں کوئی اس طرح کا جملہ مانا جانا سمجھ میں آتا نہیں کما ھو الظاہر اور نہ یہ تنوین ترنم کی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تنوین تو اشعار میں گنگنانے کی آواز کو جاری رکھنے کے لئے آیا کرتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ جمع مؤنث سالم کی تنوین کو تنوین مقابلہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کیونکہ جب چاروں قسم کی تنوین تمکن، تنکیر، عوض، ترنم، نہیں ہو سکتیں جیسا کہ ابھی آیا اب مقابلہ کی ہی کہنی پڑیگی۔

(۵) **تنوین ترنم**: ترنم کے معنی ہیں گنگنانا، یعنی ناک کے اندر آواز جاری رکھنا اور لئے بنائے رکھنا چونکہ لے لینا اور گنگنانا یہ کسی ایسے کلمہ کے آخر میں ہی ہوتا ہے جو اشعار کے آخر میں ہو اس لئے یہ تنوین ہمیشہ اشعار والے کلمات کے آخر میں ملے گی چاہے وہ کلمہ اسم ہو یا فعل یا حرف باقی تنوینیں جو ترنم کے علاوہ ہیں وہ صرف اسم کے اندر ہی ملے گی اور جگہ نہیں جیسے شعر ۔

أَقِلِّي اللَّوْمَ عَاذِلَ وَالْعِتَابَنْ ☆ وَقُولِي إِنْ أَصَبْتُ لَقَدْ أَصَابَنْ

أَقِلِّي دراصل أَقْلِلِيْ بروزن أَكْرِمِيْ ہے باب افعال سے بمعنی کم کرنا عاشق کا اپنی محبوبہ کو خطاب ہے کہ کم کردے لَوْمَ بمعنی ملامت برا بھلا کہنا ''عَاذِل'' عَذَلَ يَعْذِلُ عَذْلاً باب ضَ سے بمعنی ملامت کرنا دراصل عَاذِلَةُ تھا ملامت کرنے والی بھی بولتے وقت پورے حرف نہیں بولتے بیچ میں ہی سانس توڑ دیتے ہیں جیسے عبدالرحمٰن سے عَبْــدُ کہہ کے پکار لو رحمٰن کو چھوڑ دو اس طرح بولنے کو مُــرَخَّمْ کہتے ہیں کیونکہ ترخیم کے معنی ہیں دُم کاٹ دینا، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ترخیم نہ ہو بلکہ عاذل مذکر کا صیغہ ہی ہو۔ **سوال** اب مؤنث کے لئے بولنا کیسے درست ہوگا **جواب** جن کلموں میں ایسی صفت کا ذکر ہو کہ وہ مؤنث ہی کے ساتھ خاص ہو تو ان کلمات کو عورتوں کے لئے مذکر بھی لا سکتے ہیں جیسے حائض اور حامل کہ حیض اور حمل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے مرد نہ حمل والے ہوتے ہیں نہ حیض والے تو چونکہ التباس نہیں ہے مذکر کہنے میں بھی کوئی خلل نہ آئے گا ایسے ہی چونکہ عشق عورتوں سے ہی کیا جاتا ہے جس پر ملامت بھی انہی کی طرف سے پائی جائے گی اس لئے عاذل بصیغہ مذکر میں کوئی قباحت نہ ہوگی، الــعتاب بمعنی غصہ ڈانٹ ڈپٹ قُولِي امر کا واحد مؤنث حاضر قَالَ يَقُولُ قَوْلاً سے أَصَبْتُ بروزن أَقَمْتُ باب افعال سے بمعنی درست کہنا یا کرنا أَصَابَ بروزن أَقَامَ واحد مذکر غائب ہے باب افعال سے بمعنی ٹھیک کرنا، یا کہنا اور جو نون ہے وہ حقیقت میں

تنوین ہے جو ب پر لگ رہی ہے کیونکہ نون اور تنوین ادائیگی میں ایک ہی طرح ادا ہوتے ہیں اس لئے تنوین کو بشکل تنوین اور بشکل نون سب طرح لکھنا ٹھیک ہے البتہ بشکل تنوین میں زیادہ تثبث اور جماؤ نہیں ہوتا جس طرح کے نون کی شکل میں لکھنے میں ہے اس لئے زیادہ تر نون کی شکل میں لکھی جاتی ہے، **ترجمہ شعر**: کم کردے ری ملامت کو اے ملامت کرنے والی اور ڈانٹ ڈپٹ کو اور کہہ دے اگر درست کیا میں نے البتہ واقعی درست کیا اس نے مطلب شعر کا یہ ہے کہ میری محبوبہ بجائے مجھے الٹا سلٹا کہنے کے اسے چھوڑ کے یہ بتا کہ میں نے جو تجھے چاہا ہے اور محبت کی ہے یہ میرا کام درست ہوا کہ نہیں یعنی میں نے تجھے چاہ کر اور محبت کر کے اچھا ہی کام تو کیا تو تو ہی بتا کہ میں قابل عتاب ہوں یا شاباش کے لائق ہوں اس شعر میں لفظ العتاب اور اَصَابَ میں جو نون ہے وہ حقیقت میں تنوین ہے جس کا نام تنوین ترنم ہے **العتاب** اسم ہے **اصاب** فعل ہے چونکہ تنوین ترنم کا مقصد ہی ترنم اور ناک میں آواز جاری رکھنا ہے اس لئے یہ کیا فعل کیا حرف کیا اسم سب پہ آسکتی ہے۔

سبق پنجاہ ویکم

دھم نون تاکید درآخر فعل مضارع ثقیلہ وخفیفہ چوں اِضْرِبَنَّ واِضْرِبَنْ **یازدھم حروف زیادت** وآں ہشت حرفست اِنْ ومَا واَنْ ولا ومِنْ وکَاف وبا ولام چہار آخر در حروف جر یاد کردہ شد **دوازدھم حروف شرط** وآں دو است اَمَّا ولَوْ اَمَّا برائے تفسیر وفا در جوابش لازم باشد کقولہ تعالیٰ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ ولَوْ برائے انتفائے ثانی بسبب انتفائے اول چوں لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا، **سیزدھم لَوْلَا** واو موضوع ست برائے انتفائے ثانی بسبب وجود اول چوں لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ **چہاردھم لام مفتوحہ** برائے تاکید چوں لَزَيْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو **پانزدھم مَا** بمعنی مادام چوں اَقُوْمُ مَا جَلَسَ الْاَمِيْرُ **شانزدھم حروف عطف** وآں دہ است واؤ وفا وثُمَّ وحتّی واِمَّا واَو واَمْ ولا وبَلْ ولٰكِنْ۔

ترجمہ: دسویں نون تاکید جو فعل مضارع کے آخر میں آتا ہے ثقیلہ اور خفیفہ جیسے اِضْرِبَنَّ واِضْرِبَنْ **گیارھویں حروف زیادت** اور اور وہ آٹھ حرف ہیں اِنْ اور ما اور اَنْ اور لا اور مِنْ اور کاف اور با اور لام آخر کے چار حروف جر میں بیان کئے جا چکے ہیں، **بارھویں حروف شرط** اور وہ دو ہیں اَمَّا اور لَوْ اَمَّا تفسیر کے واسطے ہوتا ہے اور فا اس کے جواب میں ضرور ہوتا ہے جیسے کقولہ تعالیٰ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ (پس لوگوں میں سے کچھ بد بخت ہیں اور کچھ نیک بخت پس بہرحال جو بد بخت ہیں تو دوزخ میں جاویں

گے اور بہر حال جو نیک بخت ہیں تو جنت میں رہیں گے) اور لـو ثانی کے ہونے کو بتانے کے واسطے ہے اول کے نہ ہونے کی وجہ سے جیسے لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا، (اگر ہوتے زمین آسمان میں ایسے چند خدا جو اللہ سے ہٹ کر ہوں تو البتہ درہم برہم (زیروزبر اوپر نیچے) ہو جاتے وہ یعنی زمین وآسمان، **تیرھویں لولا** ہے اور سطے کیا گیا ہے ثانی کے نہ ہونے کو بتانے کے واسطے اول چیز کے پائے جانے کی وجہ سے جیسے لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَکَ عُمَرُ (اگر علی نہ ہوتے تو عمر تو تباہ ہو جاتا) **چودھویں لام مفتوحہ** جو تاکید کے واسطے ہوتا ہے جیسے لَزَیْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو (یقیناً زید عمر سے زیادہ مرتبہ والا ہے) **پندرھویں ما** جو مَادَامَ کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اَقُوْمُ مَا جَلَسَ الْاَمِیْرُ (کھڑا رہوں گا، میں جب تک کہ بیٹھا ہے بادشاہ **سولھویں حروف عطف** اور وہ دس ہیں واؤ اور فا اور ثُمَّ اور حتّٰی اور اِمَّا اور اَوْ اور اَمْ اور لا اور بَلْ اور لٰکِنْ.

حل مضمون - ایسے حروف کا بیان چل رہا ہے جو عمل نہیں کرتے فعل مضارع کے آخر میں آنے والے دونون خفیفہ اور ثقیلہ بھی حروف غیر عاملہ میں ہیں جن کا کوئی عمل نہیں ہوتا ہے جیسے اِضْرِبَنَّ مشدد کی مثال ہے اِضْرِبَنْ نون خفیفہ کی مثال ہے **سوال** یہاں مصنفؒ نے (ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ) والی بات کردی یعنی بے موقع اور بے تکی بات کیونکہ بتا تو رہے ہیں کہ مضارع کے آخر میں آنے والے نون ثقیلہ اور خفیفہ کو اور مثال دے رہے ہیں اس نون ثقیلہ اور خفیفہ کی جو امر کے آخر میں آرہا ہے چنانچہ اِضْرِبَنَّ میں اِضْرِبْ امر کا صیغہ ہے جس کے آخر میں نون ثقیلہ یا خفیفہ ہو رہا ہے ایسا کیوں **جواب** مصنفؒ دراصل اختصار کے درپے ہیں کم سے کم عبارت میں زیادہ مضمون لینا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے ایسا ہو گیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ درحقیقت نون تاکید ہر ایسی جگہ میں آتا ہے جہاں کسی شئی کے پائے جانے کی طلب کو مؤکد اور پختہ کرنا ہو اور کسی چیز کے پائے جانے کی طلب کے مواقع صرف مضارع ہی نہیں ہے نہی امر عرض تمنی قسم استفہام کے اندر بھی حصول شئی اور اس کے پائے جانے کی طلب موجود ہے۔ لہٰذا ان سب کے اندر نون تاکید آتا ہے جیسے اِضْرِبَنَّ لَاتَضْرِبَنَّ اَلَا تَنْزِلُ بِنَافَتُصِیْبَنَّ خَیْرًا، لَیْتَکَ تَضْرِبَنَّ، وَاللّٰهِ لَاَضْرِبَنَّ هَلْ تَضْرِبَنَّ تو یوں تو مصنفؒ کو ان سب کے آخر میں نون تاکید آنے کو بتانے کے ساتھ سب کی مثالیں بھی دینی چاہئے تھیں مگر اس میں طوالت ہو جاتی اس لئے مصنفؒ نے مضارع کے آخر میں نون تاکید ہونے کو بتا کر مثالیں اور کے آخر میں ہونیکی دیدیں تاکہ طالب علم سوچنے پر مجبور ہو اور آخر کو وہ سب تفصیل سامنے آنے کی نوبت آجائے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، بہر حال نون تاکید آنے کے لئے طلب کے معنی پائے جانے ضروری ہیں، اسی لئے خود مضارع جب اس میں حال کا زمانہ مراد ہو رہا ہو تو اسکے آخر میں بھی نون تاکید نہ آئے گا اسی طرح ماضی کے صیغوں میں بھی نون تاکید نہیں آئے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ طلب جب نون تاکید آنے کے لئے شرط ہوئی اور طلب اس چیز کی ہوتی ہے جو آئندہ ہوگی تو اس لئے زمانہ حال وماضی والے صیغوں میں طلب کا کوئی مطلب نہیں اور جب طلب نہ ہوئی تو تاکید جس کے واسطے نون تاکید آتا وہ بھی نہ ہوگی کیونکہ تاکید تو ہی طلب ہی کی کر رہے ہیں جب وہی ختم ہوگئی تو تاکید کا کیا فائدہ فلا حاجة الی النون الثقیله و لا الخفیفه.

گیارھویں حروف زیادہ وہ کہلاتے ہیں جن کے عبارت میں سے نکالنے پر معنی اور مراد میں کوئی خلل اور گڑبڑی معلوم نہ ہو جیسے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ یعنی خدا جیسی کوئی چیز نہیں ہے تو یہ معنی کاف ہٹا کر بھی باقی رہتے ہیں لیکن بعض نے کہا کہ کاف اور مثل دونوں مقصود ہیں ان میں سے کسی کو بھی زائد نہ کہو اور مطلب یہ ہے کہ خدا کے مثل کا مثل بھی نہیں ہے چہ جائے کہ خدا کا مثل ہو چونکہ جب خدا کے نمونہ کا نمونہ نہ ہوا تو خدا کا نمونہ تو کہاں ہو جائے گا گویا اس میں مثل کے نفی میں مبالغہ ہے جیسا کہیں تجھ جیسا بخیل نہیں ہوتا یعنی تو تو کیسے ہوسکتا ہے تو نفی کی گئی مثل سے اور مراد لی گئی خود خدا سے اور یہ اس طرح مراد لینے کو کنایہ کہتے ہیں، پھر یہ حروف یہ نہیں کہ ہر جگہ ہی حروف زیادہ بنیں گے کہیں کسی موقع میں بننے کی وجہ سے حروف زیادہ کہلائے گئے ورنہ بہت سی جگہوں میں یہی اصل اور مقصود ہو کر بھی آتے ہیں، پھر ان کا زائد محض سرسری اور بادی النظر کے اعتبار سے ہے اگر تعمق اور گہرائی میں اتریں گے تو ان کا بھی فائدہ نظر آئے گا (جیسا کہ ابھی اوپر لیس کمثله میں بتایا) چنانچہ ما جاء نی مِنْ اَحَدٍ میں جو نفی ہے وہ ایک تو تم کہو میرے پاس کوئی نہیں آیا، اور ایک کہو میرے پاس کوئی ڈُونْـی نہیں آیا یہ ڈونی لگنے سے جو نفی میں شدت آگئی ہے وہ کسی عاقل پر مخفی نہیں کیونکہ ڈُونی کہنے سے غصہ ظاہر ہو رہا ہے کسی بھی زبان کے نشیب و فراز سے واقف اس بات کو بآسانی جان جاتے ہیں۔

اور بعض نے لیس کمثله میں کاف کے زائد ہونے کا یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ مثل دراصل ذہن لیجاتا ہے اس جیسا اور ہونے پر جیسا کہ اخ اور بھائی جبھی بنے گا جب دوسرا بھی بھائی ہو تو کسی سے یوں کہنا کہ اس کے بھائی کا بھائی نہیں ہے دراصل یہ کہنا ہے کہ اس کا بھائی نہیں ہے گویا لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہے کیونکہ کوئی بھی بھائی اور بغیر بھائی نہیں بن سکتا تو کسی کے بھائی کے بھائی کے بھائی ہونے کی نفی کا مطلب درحقیقت یہ ہے کہ اس کے بھائی کا بھائی اگر ہوتا تو یہ خود ہوگا اور جب اس کا کوئی بھائی نہ بنا تو جیسے اس کے اس کا بھائی ہونے کی نفی ہوئی تو اس کے بھی اس کے بھائی ہونیکی نفی ہوگئی اور جب یہ اپنے بھائی کو بھائی نہیں بنا سکتا تو اس کا بھائی بھی اسے بھائی نہیں بنا سکتا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بھائی والی کوئی نہیں ہے۔ ایسے ہی مثل کے مثل کی نفی سے درحقیقت خود مثل خدا کی نفی ہے۔ تیسرا عجیب نکتہ یہ ہے کہ ذات میں تشبیہ کے لئے تو عربی میں "مثل" آتا ہے اور صفات میں کسی جیسا بتانا ہو تو "ک" لایا جاتا ہے تو اب "لَیْسَ کَمِثْلِهٖ" کا مطلب یہ ہے کہ خدا جیسا کوئی نہیں ہے نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں۔

فائدہ: اِنْ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اور نون کے سکون کے ساتھ یہ اکثر ما نافیہ کے بعد آتا ہے جو بظاہر زائد ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے نفی کی تاکید کا ارادہ ہوتا ہے مَا اِنْ رَاَیْتُ زَیْدًا (میں نے زید کو بالکل نہیں دیکھا) یہاں بظاہر اِنْ ہٹنے کے بعد بھی صحیح رہتے ہیں جس کی وجہ سے یہ اِنْ زائدہ کہلاتا ہے (۲) اَنْ بفتح الہمزہ وسکون نون یہ اکثر لما کے ساتھ زائد آتا ہے جیسے فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِیْرُ (پس جب کہ یہ کہ آیا خوش خبری دینے والا) اس میں بظاہر اَنْ کے بغیر جملہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن جہاں تک اہل زبان کی بات ہے وہ خواہ کسی بھی لفظ کو بڑھا کر لائیں اس میں کوئی نہ کوئی راز اور نکتہ ضرور ہوتا ہے خواہ وہ توقف اور استراحت کے

لئے ہی لایا جاتا ہی مقصود ہو لیکن فائدہ اس کا کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔

(۳) مَا یہ اِذَا اور متیٰ اور اَیَّ اور اَیْنَ اور اِنْ کے ساتھ جب شرطیہ ہوں زائد ہوا کرتا ہے جیسے اِذَا مَا تَخْرُجْ اَخْرُجْ (جب نکلے گا تو نکلوں گا میں) اس میں مَا بظاہر زائد لگتا ہے لیکن حقیقت میں مَا بڑھنے سے ترجمہ بھی بڑھ جائے گا چنانچہ خالی اِذَا کا ترجمہ جب اِذَا مَا کا ترجمہ جب بھی ہونا چاہئے ایسے ہی متیٰ مَا تَذْهَبْ اَذْهَبْ میں صرف متیٰ کا ترجمہ جب ہوگا اور متیٰ مَا کا جب بھی ایسے ہی اَیْنَ مَا تَجْلِسْ اَجْلِسْ میں اَیْنَ کا ترجمہ جہاں اور مَا لگنے سے جہاں کہیں بنے گا ایسے ہی اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الاسماءُ الحُسنیٰ میں خالی اَیًّا کا ترجمہ جس کو اور اَیًّا مَا جس کسی کو ہو دیگا آیت کا ترجمہ یہ ہے (جس لفظ سے بھی پکارو تو اللہ کے لئے تو بہتر سے اچھے نام ہیں چونکہ کافروں نے اعتراض کیا تھا کہ کبھی اللہ کہنے لگتے ہو تو کبھی رحمٰن تو یہ اس کا جواب ہے کہ اللہ کے تو بہت سے بڑھیا نام ہیں کسی بھی نام سے پکار لیا کرو رحمٰن کہو یا رحیم اور چاہے اللہ کہو سب ٹھیک ہے، اِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا یہ اِنْ کے ساتھ مَا کے زیادہ ہونے کی مثال ہے دراصل اِنْ مَا تھا اس میں خطاب ہے حضرت مریمؑ کو کہ عیسیٰ علیہ السلام کے جننے کے بعد اگر کوئی تجھے ٹوکے کہ بغیر باپ کے یہ بچہ کہاں سے آگیا تو بہانہ کردینا لَنْ اُکَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا کہ میں نے تو آج نہ بولنے کا روزہ رکھا ہے دیکھئے یہاں بھی بظاہر فقط اِنْ سے کام چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے مَا کی ضرورت نہیں ہے لیکن حقیقت میں اس لفظ "ما" میں اہل زبان کے یہاں کوئی نہ کوئی ایسی کیفیت اور ایکٹنگ چھپی ہوئی ہے جس کی ترجمانی لفظ ما سے ہو رہی ہے خلاصہ یہ ہے کہ جن مثالوں میں حروف زیادت بتائے جاتے ہیں وہ صرف عجمی حضرات کی ایک گونہ تسلی کے لئے بتا دیئے جاتے ہیں کیونکہ اہل عرب کے یہاں وہ زائد لفظ کس کیفیت کا ترجمان ہے دوسری زبان والے اس کے بتانے سے عاجز ہوتے ہیں اِلَّا مَا شَاءَ اللہ جیسا کہ پیچھے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ وغیرہ ایک دو مثال میں اشارہ کر چکے ہیں۔

(۴) لا یہ بھی مَا جَاءَ نِیْ زَيْدٌ وَّلَا عَمْرٌو جیسی مثال میں زائدہ ہوتا ہے یعنی جہاں نفی کے بعد آنے والے واؤ عاطفہ کے بعد پایا جاوے ایسے ہی لفظ اُقْسِمُ سے پہلے بھی زائد ہوا کرتا ہے جیسے لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ اس میں لَا کا کوئی ترجمہ نہیں ہوگا چونکہ مقصود تو قسم کھانا ہے نہ کے نہ کھانا مگر میں پھر وہیں بات کہوں گا کہ کسی لفظ کو زائد کہنا محض عجمیوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہے ورنہ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ اُقْسِمُ سے پہے جو لا آتا ہے اس سے اس مضمون کی نفی کرکے جو متکلم اور مخاطب کے درمیان جانا پہچانا ہے قسم کھا کے اگلا مضمون بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جس کا ہم اردو زبان میں بھی تجربہ کرتے ہیں مثلاً آدمیوں میں کوئی بات چل رہی ہو اور ان میں سے ایک یہ کہے یہ کام مجھ سے بھول میں ہوگیا جس پر دوسرا غصہ میں رد کرتے ہوئے کہے نہیں جی نہیں خدا کی قسم تم نے تو یہ جان کر کیا ہے واللہ اعلم

(۵) مِنْ ہے جو کلام غیر موجب (یعنی جس میں نفی نہیں استفہام ہو) میں آتا ہے جیسے مَا جَاءَ نِیْ مِنْ اَحَدٍ.

(۶) کاف جیسے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ میں زائد ہے (۷) ب یہ لَيْسَ مانافیہ اور ہَلْ استفہامیہ کی خبر پر آنے کی صورت میں زائد ہوتا ہے جیسے لَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ مَازَيْدٌ بِكَاتِبٍ هَلْ زَيْدٌ بِقَائِمٍ.

(۸) **لام** جیسے رَدِفَ لَکُمْ اس میں لام زائد ہے کیونکہ رَدِفَ کا مفعول بہ بغیر کسی حرف جر کے براہ راست مفعول بنتا ہے۔
چہار آخر در حروف جر یاد کردہ شد یہ عبارت لاکر مصنفؒ نے ایک **اشکال** ختم کیا ہے اور یہ کہ آخر کے چار حرف مِنْ کاف باء لام یہ چاروں عمل کرتے ہیں اور بیان کر رکھا ہے اِن کو حروف غیر عاملہ والی فصل میں جو یہاں چل رہی ہے تو ایسا کیوں **جواب** تبعًا ایسا کر دیا یعنی حروف زیادت میں چار عاملہ ہیں اور چار غیر عاملہ اگر مصنفؒ صرف چار غیر عاملہ کو ہی بیان کرتے عاملہ کو چھوڑ دیتے تو تمام حروف زائدہ کا بیان نہ آپاتا جس سے مقصود میں خلل پڑتا اس لئے قطع نظر اس سے کہ فصل حروف غیر عاملہ کی ہے سب حروف زیادت کو ایک جگہ لے آئے فلا اِشْکَالَ.

دوازدھم حروف شرط: حروفِ شرط دو ہیں (۱) اَمَّا (۲) لَوْ، اَمَّا تفسیر اور تفصیل اور توضیح کے لئے آتا ہے اور اس اَمَّا کے جواب میں فا ضرور آوے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ پس ان یعنی لوگوں میں سے کچھ بد بخت ہیں اور کچھ نیک بخت پھر آگے تفصیل کرتے ہوئے فرمایا فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ کہ جو بد بخت ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ اور جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں رہیں گے تو ان دونوں آیتوں میں اما کے ذریعہ شقی اور سعید کا حال کھولدیا۔

فائدہ: یہ آیت بعینہٖ اسی طرح قرآن میں نہیں جس طرح کے یہاں ذکر کی گئی بلکہ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ کے بعد شقی لوگوں کا اور حال ذکر کر کے پھر وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا آیت آئی ہے چنانچہ پ۱۲، سورہ ہود کے آخری رکوع سے پہلے والے رکوع میں دیکھ کر تسلی کر لیں۔

فائدہ: اَمَّا جیسے تفصیلیہ اور تفسیریہ ہوتا ہے اسی طرح ایک اَمَّا استینافیہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ اما بعد کتابوں کے شروع میں خطبہ کے بعد آتا ہے، فرق دونوں میں یہ ہے کہ اَمَّا تفسیریہ سے پہلے اجمال ہوتا ہے یعنی کسی چیز کا مختصر ذکر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں شقی وسعید لوگوں کا آیا ہے پھر آگے تفصیل لما سے ہوجاتی ہے اور لمّا استینافیہ سے قبل کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی ہے جس کی تفصیل یا وضاحت کی جائی بس اَمَّا خود ہی شروع میں آتا ہے استیناف بمعنی شروع میں ہونا، لَو اس کا مقابل اِنْ بکسر الہمزہ ہے چونکہ لو کے بعد آنے والے صیغے چاہے ماضی کے ہوں چاہے مضارع کے ہمیشہ لو کے بعد ان کا ترجمہ ماضی والا ہوتا ہے جیسے لَوْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ اور لَوْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ ان دونوں مثالوں کا ترجمہ ایک ہی ماضی والا کیا جائے گا یعنی اگر تو مارتا تو میں بھی مارتا اور اِنْ اس کے برعکس چاہے مضارع یہ آوے چاہے ماضی پہ اس کی وجہ سے مستقبل کا ترجمہ ہوگا جیسے اِنْ تُكْرِمْنِيْ اُكْرِمْكَ اور اِنْ اَكْرَمْتَنِيْ اَكْرَمْتُكَ دونوں کا ترجمہ یکساں ہے یعنی اگر تو میرا اکرام کرے گا تو میں تیرا اکرام کروں گا، البتہ کہیں یہ آپس میں ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوجاتے ہیں جیسا کہ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ میں "لَو" بمعنی "اِن" ہے اور مستقبل کا ترجمہ ہوگا کہ مؤمن باندی مشرکہ عورت سے بہتر ہے گو وہ مشرکہ تمہیں اچھی لگے۔

اب لَو کے مشہور استعمال کے بارے میں سنئے کہ یہ ثانی کے نہ ہونے کو بتلانے کے لئے ہوتا ہے اول کے نہ ہونے کی

وجہ سے جس کو ہم برائے انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کہہ سکتے ہیں، تو گویا اس میں انتفاء اول کیوجہ سے ثانی کا انتفاء ہوتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں کسی بات کو کسی دوسری ایسی بات پر معلق کرنا جو محض فرضی اور ذہنی ہو یقینی نہ ہو کہ اگر وہ چیز پائی جاتی جواس پر معلق تھی وہ بھی ہو جاتی مثلا لو جئتنی لا کرمتک کہ اگر تو آجاتا تو میری تیری آؤ بھگت اور اکرام کرتا تو اس میں اکرام کو معلق اور موقوف کر دیا جئتنی اور آنے پر اور یہ آنا صرف فرضی ہے کہ اگر آنا پایا جاتا تو پھر اکرام بھی پایا جاتا لیکن چونکہ آنا نہ ہوا تو اکرام بھی نہ ہو پایا تو اس میں بسبب انتفاء اول عدم مجئی (نہ آنا) انتفاء ثانی (یعنی عدم اکرام) ہو گیا لیکن اس استعمال کو سامنے رکھ کر اب یہ **اشکال** ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے جو لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا مثال ذکر کی ہے اس میں اگر انتفاء اول کی وجہ سے انتفاء ثانی مان لیں تو مطلب یہ بنے گا کہ تعدد آلھہ کی نفی کو سبب قرار دے رہے ہیں فساد کی نفی کے لئے یعنی چند خدا نہیں ہیں جس کی بناء پر زمین وآسمان درہم برہم نہیں ہوئے تو اتنا تو ٹھیک ہے کہ تعدد آلھہ کی نفی پر عدم فساد مرتب ہو جاتا ہے جیسا کہ عدم مجئی پر عدم اکرام مرتب ہوا ہے، لیکن قرآن نے آیت کو جس مقصد کے لئے بیان کیا ہے وہ تو حاصل نہیں ہوتا قرآن تو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اے لوگو! زمین وآسمان فساد سے بچے ہوئے ہیں جس کا تمہیں مشاہدہ بھی ہے تو ان کا فساد سے بچنا دلیل ہے کہ چند خدا نہیں ہے تو عدم فساد سے ذہن پہنچوانا ہے عدم تعدد آلھة پر جس کا مطلب یہ بنا کہ اس میں انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کے بجائے انتفاء اول بسبب انتفاء ثانی ہو رہا ہے تو لو اپنے استعمال پر کہاں رہا تو یا تو لو کا استعمال بدلو یا پھر آیت کی مراد سمجھاؤ، اس کا جواب صاحب شرح جامی نے یہ دیا ہے کہ دراصل لو رہے گا تو اپنے اصلی استعمال پر ہی یعنی انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول لیکن یہ مقام اخبار میں چلے گا جیسا کہ لو جئتنی لا کرمتک میں کہ بزعم متکلم اکرام کا سبب آنا تھا جب آنا نہ ہوا تو اکرام بھی نہ ہوا اور یہ مخاطب کو خیال دلانے کے لئے ہے کہ اکرام کا ترتب اور نمبر آنے پر موقوف تھا جب وہ نہ ہوا تو یہ بھی نہ ہوا لیکن جہاں مقام استدلال ہو جیسا کہ آیت میں ہے تو یہاں یہ بتانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے کہ تعدد آلھہ نہ ہونے پر عدم فساد کا ترتب ہوتا ہے یعنی جب چند خدا نہیں ہوتے تو فساد ختم ہو جاتا ہے اس لئے یہاں لو اس کے لئے لیں گے جس سے فائدہ ہو اور قرآن نے جس مقصد کے لئے یہ آیت پیش کی ہے وہ مقصد حاصل ہو جاوے یعنی انتفاء اول بسبب انتفاء ثانی چونکہ مخاطبوں یعنی کفار ومشرکین کو یہ تو مشاہدہ میں ہے کہ آسمان زمین اور اس کائنات کا نظام فساد سے خالی چل رہا ہے سورج چاند رات دن اپنے اپنے وقت پر وجود میں آرہے ہیں اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ چند خدا نہ ہوں تو اس لئے عدم فساد کو دلیل بنایا جاوے گا عدم تعدد آلھة کی نہ کا الٹا تو خلاصہ یہ ہے کہ لو کا استعمال لو جئتنی لا کرمتک جیسی مثال میں جو محض اخبار ہے انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کے لئے ہے اور آیہ کریمہ جو مقام استدلال ہے جیسی مثالوں میں برعکس کے لئے ہوگا یعنی انتفاء اول بسبب انتفاء ثانی پہلے استعمال کے لحاظ سے دونوں چیزوں کا نہ ہونا مخاطب کو معلوم ہوتا ہے متکلم صرف باور کرانا چاہتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں اگر ایسا ہوتا تو میری طرف سے اس پر ایسا ہوتا اور دوسرے استعمال میں مخاطب کو صرف ثانی چیز کا علم ہے اول سے ناواقف ہوتا ہے اس لئے ثانی کے انتفاء سے اول کے انتفاء پر ذہن پہنچوایا جاتا ہے۔

فائدہ: لو کے دو استعمال جاننے کے بعد تتمیماً للفائدۃ ایک استعمال اور بھی بتلاتا ہوں اور وہ ہے کہ اس کے ذریعہ کسی چیز کو ابعد النقیضین پر معلق کر کے اس کے ہمیشہ ہوتے رہنے کو ذکر کرنا جیسے یا زید لو اھنتنی لاکرمتک کہ اے زید اگر تو میری توہین کرتا تب بھی میں تیرا اکرام کرتا، اکرام پر کسی کا اکرام کرنا تو عام عادت ہے لیکن توہین پر اکرام بہت اعلیٰ اخلاق کی دلیل ہے تو متکلم یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہمیشہ اور ہر صورت پر آپ کا اکرام بجالاتا رہوں گا، تو یہاں اکرام اور توہین دو نقیض (مخالف چیزیں) ہیں ان میں اَبعد یعنی بہت بعید وہ توہین پر بھی اکرام کا بجالانا ہے تو جو ابعد کے ہوتے ہوئے اکرام کر رہا ہے اقرب کے ہوتے ہوئے یعنی اکرام کے بعد اکرام ضرور بجالائے گا اسی سے وہ اعتراض بھی ختم ہو گیا جو نعم العبد صھیب لو لم یخف اللہ لم یعصہ حدیث پر مشہور ہے ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ صہیب بہترین بندہ ہے اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو بھی نافرمانی نہ کرتا جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اگر خوف ہوتا تو پھر نافرمانی کرتا حالانکہ جو خوف نہ ہونے پر محض شوق سے اطاعت کر رہا ہے وہ خوف پر بدرجہ اولیٰ اطاعت کرے گا، تو شوق وخوف دو نقیض ہیں جو شوق میں کسی کام کو کر لیتا ہے وہ خوف میں بدرجہ اولیٰ کر لیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صہیب صحابی برابر خدا کا فرمان بندہ بنا رہے گا اتنا شاندار بندہ ہے، اِنْ حرف شرط ہے مصنفؒ نے اس کا ذکر چھوڑ دیا، کیونکہ حروف غیر عاملہ کا بیان مقصود ہے اور اِنْ شرط جزاء کو جزم دینے کا عمل کرتا ہے۔

سیزدھم: حروف غیر عاملہ میں سے لَوْلَا بھی ہے یہ اس لئے وضع اور بنایا گیا ہے کہ اول چیز کے موجود اور پائے جانیکی وجہ سے دوسری چیز نہ پائی گئی جیسے لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَکَ عُمَرُ جس کی اصل عبارت یوں ہے لَوْلَا عَلِیٌّ مَوْجُوْدٌ لَهَلَکَ عُمَرُ، کہ اگر علی موجود نہ ہوتے تو عمر تباہ اور ہلاک ہو جاتا لیکن چونکہ علی تھے اس لئے عمر ہلاک ہونے سے بچ گیا، یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے یہ انہوں نے اس وقت فرمایا جب انہوں نے ایک حاملہ عورت کی زناکاری پر اس کو رجم اور سنگسار کرنے کا حکم فرمادیا تھا۔

فائدہ: رجم کا مطلب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زنا کرنے والے کے لئے یہ سزا ہے کہ گڈھا کھود کر اس کو اس میں کھڑا کر کے مجمع عام کے سامنے اس قدر پتھر مارے جاویں کہ وہ مرجائے) تو حاملہ عورت کو رجم جب کیا جاتا ہے جب وہ بچہ جنن کے فارغ ہو جاوے کیونکہ بچہ کا کیا قصور کہ وہ بھی ساتھ میں ہلاک ہو تو حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو باور کرایا کہ اس حاملہ عورت کے لئے رجم کا حکم بعد ولادت کے ہونا چاہئے جس پر حضرت عمرؓ نے یہ بات کہی کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر تباہ ہو جاتا، لَوْلَا تخصیص اور ابھارنے کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ آچکا۔

چہاردھم لام مفتوحہ: لام مفتوحہ جملہ کے مضمون کی تاکید کے لئے آتا ہے جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ دونوں پہ داخل ہوتا ہے جیسے لَزَیْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو کہ یقیناً زید مرتبہ میں عمر سے زیادہ ہے۔ یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کی مثال ہے اور اِنَّ رَبَّکَ لَیَحْکُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ، واقعی تیرا رب البتہ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا، اس میں لَیَحْکُمُ پر لام تاکید ہے یہ جملہ فعلیہ پر دخول کی مثال ہے۔

پانزدھم ما: پندرہواں مَا ہے جو مادام کے معنی میں ہو یہ بھی عمل نہیں کرتا مادام کے معنی ہیں جب تک جیسے اَقُوْمُ ما جلس

الامیر کھڑا رہوں گا میں جب تک کہ بادشاہ بیٹھا ہے، ما کئی قسم کا ہوتا ہے (۱) اسمیہ (۲) حرفیہ پھر اسمیہ کبھی موصولہ ہوتا ہے کبھی موصوفہ اور کبھی شرطیہ ایسے ہی حرفیہ بھی کئی قسم پر ہے نافیہ کافہ بمعنی مادام ما کافہ وہ کہلاتا ہے جو حروف مشبہ بالفعل کے بعد آکر ان کے عمل کو روک دیتا ہے جیسے اِنَّمَا زَیْدٌ قَائِمٌ بس زید کھڑا ہے یہاں اِنّ کا زید قائم پر کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا کَفٌّ یَکُفُّ کَفًّا بمعنی روکنا سے کافۃ اسم فاعل مؤنث ہے۔

شانزدھم حروف عطف: سولہویں قسم حروف غیر عاملہ کی حروف عطف ہیں جو دس ہیں واؤ بمعنی اور ف بمعنی پس اور تو (واؤ مجہول کے ساتھ) ثُمَّ بمعنی پھر حَتّٰی بمعنی یہاں تک کہ اِمّا اَوْ اَمْ تینوں بمعنی یا آتے ہیں پھر اَمْ کہیں کہیں بَلْ بمعنی بلکہ بھی ہوتا ہے لَا بمعنی نہ بل بمعنی بلکہ لکن بمعنی لیکن ہوتا ہے ؏

دہ حروف عطف مشہور اند یعنی واؤ وفا

ثم حتی و اَوْ واِمّا واَمْ وبل ولکن ولا

ابو یحیی محمد زاہد بن محمد اسمٰعیل المظاہری

مزید تفصیل ان حروف کے استعمال کی دیگر کتب نحو میں آتی رہے گی۔ ۲۴ رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۸/جولائی ۲۰۱۰ء بروز بدھ

سبق پنجاہ و دوم

چوں بحث مستثنیٰ در کتاب نحو میر نبود برائے فائدہ طلاب افزودہ شد

بدانکہ مستثنیٰ لفظیست کہ مذکور باشد بعد الا و اخوات آں یعنی غیر و سوی و سواء و حاشا و خلا و عدا و ماخلا و ماعدا و لیس و لایکون تا ظاہر گردد کہ منسوب نیست بسوئے مستثنیٰ آنچہ نسبت کردہ شدہ است بسوئے ماقبل وے وآں بر دو قسم است **متصل و منقطع متصل** آنست کہ خارج کردہ شود از متعدد بلفظ الّا و اخوات وے مثل جَاءَ نِیَ الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا پس زید کہ در قوم داخل بود از حکم مجئی خارج کردہ شد و **منقطع** آں باشد کہ مذکور بعد الّا و اخوات وے و خارج کردہ نشود از متعدد بسبب آنکہ مستثنیٰ داخل نباشد در مستثنیٰ منہ مثل جَاءَ نِیَ الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا کہ حمار در قوم داخل نبود **بدانکہ اعراب مستثنیٰ بر چہارم قسم است اول** آنکہ اگر مستثنیٰ بعد الّا در کلام موجب واقع شود پس مستثنیٰ ہمیشہ منصوب باشد نحو جَاءَ نِیَ الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا **و کلام موجب** آنکہ در آں نفی و نہی و استفہام نباشد و ہم چنیں در کلام غیر موجب اگر مستثنیٰ را بر مستثنیٰ منہ مقدم گردانند منصوب خوانند نحو مَاجَاءَ نِیْ اِلَّا زَیْدًا اَحَدٌ و مستثنائے منقطع ہمیشہ منصوب باشد و اگر مستثنیٰ بعد

خلا واقع شود بر مذہب اکثر علماء منصوب باشد وبعد مَاخَلا و مَاعَدَا و لَیسَ و لَایَکُونُ ہمیشہ منصوب باشد نحو جَاءَ نِیُ الْقَوْمُ خَلا زَیْدًا وعَدَا زَیْدًا **دوم آنکہ مستثنیٰ** بعد اِلّا درکلام غیر موجب واقع شود ومستثنیٰ منہ ہم مذکور باشد پس درآں دو وجہ رواست یکے آں کہ منصوب باشد بر سبیل استثناء دیگر آں کہ بدل باشد از ماقبل خویش چوں مَاجَاءَ نِیُ اَحَدٌ اِلّا زَیْدًا واِلّا زَیْدٌ **سوم آن کہ مستثنیٰ مفرغ** باشد یعنی مستثنیٰ منہ مذکور نباشد ودرکلام غیر موجب واقع شود پس اعراب مستثنیٰ بہ اِلّا دریں صورت بحسب عوامل مختلف باشد نحو مَاجَاءَ نِیُ اِلّا زَیْدٌ وَمَا رَأَیْتُ اِلّا زَیْدًا وَمَا مَرَرْتُ اِلّا بزَیْدٍ.

ترجمہ- جب مستثنیٰ کی بحث کتاب نحو میر میں نہ تھی تو طلبہ کے فائدہ کے لئے بڑھادی گئی۔

جان تو کہ مستثنیٰ ایسا لفظ ہے کہ جو کہ اِلّا اور اس کی بہنوں یعنی غَیْرَ اور سِوٰی اور سَوَاءَ اور حاشا اور خلا اور عدا اور ماخلا اور ماعدا اور لیس اور لایکون کے بعد ذکر کیا جاوے تا کہ ظاہر ہو جائے کہ منسوب (جڑا ہوا) نہیں ہے مستثنیٰ کی طرف جو کچھ منسوب (جوڑا) کیا گیا ہے اس کے ماقبل کی طرف اور وہ (مستثنیٰ) دو قسم پر ہے **متصل** اور **مُنقطع**، **متصل** وہ ہے کہ نکالا کیا گیا ہو متعدد (کئی چیزوں) میں سے بذریعہ لفظ اِلّا اور اس کی بہنوں جیسے جَاءَ نِیُ الْقَوْمُ اِلّا زَیْدًا (آئے میرے پاس لوگ علاوہ زید کے) پس زید جو قوم میں داخل تھا آنے کے حکم سے نکال دیا گیا، اور **منقطع** وہ ہے کہ جو اِلّا اور اس کی بہنوں کے بعد مذکور ہو اور خارج (نکالا) نہ کیا گیا ہو متعدد (کئی میں) سے اس وجہ سے کہ مستثنیٰ داخل ہی نہیں ہے مستثنیٰ منہ میں جیسے جَاءَ نِیُ الْقَوْمُ اِلّا حِمَارًا (آئے میرے پاس لوگ علاوہ گدھے کے) کہ حمار قوم میں داخل نہیں ہے۔

جان تو کہ مستثنیٰ کا اعراب چار قسم پر ہے **اول** وہ کہ مستثنیٰ اِلّا کے بعد کلام مُوْجَبْ میں آیا ہو پس مستثنیٰ ہمیشہ منصوب ہوگا جیسے جَاءَ نِیُ الْقَوْمُ اِلّا زَیْدًا (میرے پاس علاوہ زید کے سب لوگ آئے) اور **کلام موجب** وہ ہے کہ جس میں نفی اور نہی اور استفہام نہ ہو اور اسی طرح کلام غیر موجب میں اگر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ پر مقدم کردیں منصوب پڑھیں گے مَاجَاءَ نِیُ اِلّا زَیْدًا اَحَدٌ (نہیں آیا میرے پاس علاوہ زید کے کوئی، اور مستثنیٰ منقطع ہمیشہ منصوب ہوتا ہے اور اگر مستثنیٰ خلا کے بعد واقع ہو اکثر علماء کے مذہب پر منصوب ہوگا اور ماخلا اور ماعدا اور لیس اور لایکون کے بعد ہمیشہ منصوب ہوگا جیسے جَاءَ نِیُ الْقَوْمُ خَلا زَیْدًا وَعَدَا زَیْدًا (آئے میرے پاس لوگ علاوہ زید کے (خلا وعدا دونوں بمعنی علاوہ ہیں) **دوسرے** وہ کہ مستثنیٰ اِلّا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو (پایا جاوے) اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو پس اس میں دو صورت جائز ہیں ایک وہ کہ منصوب ہو استثناء کے طریقے پر اور دوسرے وہ کہ بدل ہو اپنے ماقبل سے جیسے مَاجَاءَ نِیُ اَحَدٌ اِلّا زَیْدًا

والّا زَیْدٌ (نہیں آیا میرے پاس کوئی علاوہ زید کے **تیسرے یہ** وہ کہ مستثنٰی مفرغ (تنہا لایا گیا ہو) ہو یعنی مستثنٰی منہ مذکور نہ ہو اور کلام غیر موجب میں واقع ہو پس مستثنٰی بـاِلّا کا اعراب اس شکل میں عوامل کے اعتبار سے مختلف (الگ الگ) ہوگا جیسے مَاجَاءَ نِیْ اِلَّا زَیْدٌ وَمَارَأیْتُ اِلَّا زَیْدًا وَمَامَرَرْتُ اِلَّا بِزَیْدٍ، نہیں آیا میرے پاس (کوئی) علاوہ زید کے اور نہیں دیکھا میں نے (کسی کو) علاوہ زید کے اور نہیں گذرا میں (کسی کے پاس سے) علاوہ زید کے۔

حل مضمون۔ نحو میر میں تقریباً تمام ضروری اور بنیادی بحثیں بیان کردی گئی ہیں جن کے جاننے سے فن نحو سے بخوبی واقفیت ہو جاتی ہے رہے اضافے اور تبصرے اور موشگافیاں ان کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کے لئے مطولات اور بڑی کتابیں دیکھ لیجئے، اسی احساس کی روشنی میں ایک اہم بحث علم نحو کی مستثنٰی کی بحث بھی ہے وہ کتاب میں لانے سے مصنفؒ سے رہ گئی تھی اس لئے کسی نے تتمیماً للفائدہ طلبہ کے فائدہ کے لئے یہ بحث بھی اصل کتاب میں بڑھادی یہاں سے اسی کا ذکر ہے۔

استثناء: باب استفعال کا مصدر ہے بمعنی نکالنا پھر جس میں سے نکالیں گے اس کو **مستثنیٰ منہ** کہتے ہیں اور جس کو نکالیں گے اس کو **مستثنیٰ** کہا جاتا ہے جیسے جَاءَ نِیْ جمیعُ اَھْلِ القریۃ اِلَّا زَیْدًا (میرے پاس علاوہ زید کے سب بستی والے آئے) اس مثال میں اہل بستی سے زید کو آنے کے حکم سے نکال دیا ہے کہ اس کا آنا نہ ہوا اس میں جمیع اھل القریۃ مستثنٰی منہ اور زید مستثنٰی کہلائے گا اور کسی میں سے کسی کو نکالنا یہ استثناء کہلاتا ہے۔

اہل نحو کی اصطلاح میں مستثنٰی کی تعریف یہ ہے کہ جو اِلَّا اور اس جیسے حروف استثناء کے بعد مذکور ہو پھر الا اور اس جیسے حروف استثناء کے بعد مستثنٰی کو لاکر دراصل یہ بتانا ہوتا ہے کہ مستثنٰی سے وہ چیز جڑی ہوئی نہیں ہے جو کہ اِلَّا کے ماقبل (مستثنٰی منہ) سے جڑی ہوئی ہے یعنی اگر اِلَّا کے ماقبل کے لئے کوئی چیز ثابت ہوتی ہوگی تو اِلَّا کے مابعد سے اس کی نفی ہوگی اور اگر اِلَّا کے ماقبل سے کسی چیز کی نفی ہے تو اِلَّا کے مابعد کے لئے اس کا ثبوت ہوگا حروف استثناء بہت ہیں جیسے غَیْرَ اور سویٰ اور سَوَاء اور حاشا اور خلا اور عدا اور ماخلا اور مَاعَدَا اور لَیْسَ اور لایکون ان سب کا ترجمہ علاوہ کرلینے سے کام چل جائے گا مزید تفصیل آئندہ آرہی ہے سِوٰی بکسر العین اور اخیر میں الف مقصورہ ہے اور دوسرا سَـوَاء بفتح السین اخیر میں الف ممدودہ کے ساتھ ہے، پھر مستثنٰی دو قسم کا ہوتا ہے اس طرح کہ وہ یا تو مستثنٰی منہ کی برادری اور کواٹی میں سے ہوگا کہ ان میں کا ایک فرد ہو یا ان سے الگ برادری اور قسم رکھتا ہوگا اول کو **مستثنیٰ متصل** کہتے ہیں دوسری کو **منقطع** کہتے ہیں جیسے جَاءَ الْحُفَّاظُ اِلَّا نَدِیْمًا میں اگر ندیم بھی حافظ ہے تو مستثنٰی متصل بنے گا ورنہ منقطع اسی سے اتصال اور انقطاع کا مطلب بھی سمجھ میں آجائے گا اور یہ کہ مستثنٰی کے دو نام متصل اور منقطع کیوں ہوئے سمجھ میں آجائے گا، کیونکہ انھیں میں سے ہو تو **متصل** ان سے الگ ہو تو **منقطع** کہہ دیا جاتا ہے پھر یاد رہے کہ متصل اور منقطع میں متصل میں تو متعدد اور کئی سے نکالنا پایا جاتا ہے منقطع میں نہیں کیونکہ منقطع میں مستثنٰی مستثنٰی منہ کی برادری میں داخل ہی نہیں جو اس سے نکالا جاتا اس لئے حقیقی استثناء متصل میں تو ہے انقطاع کو استثناء

کی قسم ویسے ہی کہہ دیا ہے۔

بدانکه اعراب مستثنیٰ بر چهار قسم است: مستثنیٰ کی تعریف اور قسموں کے بعد یہاں سے اس کا اعراب بتا رہے ہیں کہ مستثنیٰ کی چار حالتیں ہیں جس حالت میں ہوگا وہی اعراب اس کو دیں گے۔

سوال مستثنیٰ کی وہ حالتیں کیا ہیں جو اسے پیش آتی ہیں۔

جواب: مستثنیٰ کبھی تو کلام موجب میں ہوتا ہے اور کبھی کلام غیر موجب میں کلام موجب کے وقت اعراب اور ہوگا اور غیر موجب میں ہونے کے وقت اور ہوگا اسی طرح مستثنیٰ کبھی تو اپنے مستثنیٰ منہ سے پہلے آجائے گا اور کبھی بعد میں اب بھی اعراب الگ الگ ہوگا اسی طرح مستثنیٰ جن حروف استثناء کے بعد آوے گا وہ کبھی الا ہوگا تو کبھی خلا اور کبھی ماخلا اور ماعدا اور لیس اور لایکون ہوگا اب بھی مستثنیٰ کا اعراب بدلے گا اسی طرح مستثنیٰ کبھی اس حالت میں ہوگا کہ ساتھ میں اس کا مستثنیٰ منہ پایا جارہا ہوگا اور کبھی وہ تنہا ہی ہوگا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہوگا، اب بھی مستثنیٰ کے اعراب پر فرق پڑے گا، ایسے ہی مستثنیٰ اگر نہ الا کے بعد ہے اور نہ خلا ماخلا ماعدا لیس لایکون کے بعد ہے بلکہ لفظ غیر سویٰ اور سواء یا حاشا کے بعد ہے اب بھی مستثنیٰ کا اعراب بدل جائے گا، تو چونکہ مستثنیٰ مختلف حالتوں سے متصف ہوگا تو پھر اختلاف حالت کا اثر اختلاف اعراب پر ہونا ایک ضروری چیز ہے اس لئے اب ہم یوں کہہ سکتے ہیں اگر مستثنیٰ مندرجہ ذیل حالتوں میں سے کسی بھی حالت میں ہوا تو اس کو منصوب پڑھیں گے۔

(۱) مستثنیٰ الا کے بعد اور کلام موجب میں ہو (کلام موجب وہ جملہ یا گفتگو کہلاتی ہے جس میں نفی نہی استفہام کا ذکر نہ ہو) جیسے جَاءَ نِی الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا۔

(۲) مستثنیٰ خلاف ترتیب اپنے مستثنیٰ منہ سے پہلے آگیا جیسے ماجاء نِی اِلَّا زیدًا اَحَدٌ چاہے مستثنیٰ متصل رہے یا منقطع نیز کلام موجب رہے یا کلام غیر موجب جیسے جاء نی الا زیدًا القومُ (متصل کی مثال) جاء نی الا حمارًا القومُ (منقطع کی مثال) جاء نی الا زیدًا القومُ (موجب کی مثال) ماجاء نی الا حمارًا القوم (کلام غیر موجب کی مثال) گویا خلاف ترتیب ہونے پر بہر صورت مستثنیٰ کا نصب طے ہے۔

(۳) مستثنیٰ منقطع ہو تو بھی ہمیشہ منصوب ہوگا خواہ کلام مُوْجَبْ ہو یا غیر موجب جیسے جاء نی القوم الا حمارًا مثال ہے کلام موجب کی ماجاء نی القوم الا حمارًا (مثال ہے کلام غیر موجب)۔

(۴) مستثنیٰ خلا کے بعد آئے تب بھی اکثر علماء اس کو منصوب پڑھنے کو کہتے ہیں۔

(۵) ماخلا اور ماعدا اور لیس اور لایکون کے بعد اگر مستثنیٰ آگیا تو بھی ہمیشہ منصوب ہوگا۔

فائدہ: خلا اور عدا میں دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوگا نہ کہ منصوب اور یہ حروف جر میں سے ہیں جو حضرات ان کے بعد منصوب پڑھتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ فعل ماضی کے صیغے ہیں، چنانچہ خَلَا یَخْلُوْ خُلُوًّا بمعنی گذرنا اور تجاوز کرنا

یعنی آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کے معنی میں آتا ہے اور اسی معنی میں عَدَا یَعْدُوْ عَدْوًا ہے تو جب یہ فعل ہوں گے ان کے بعد آنے والا مستثنیٰ مفعول بہ بننے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور رہا ان کا فاعل تو وہ مصدر بنے گا جو بھی ان سے پہلے والے فعل کا ہوگا جیسے جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ خَلَا زَیْدًا اس کی اصل جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ خَلَا مَجِیْئُهُمْ زَیْدًا نکلے گی اس میں القوم ذوالحال اور خلا فعل فاعل اور زَیْدًا مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر القوم کا حال بن جائے گا یہی بات عَدَا کے بارے میں بھی سمجھو دونوں مثالوں کا ترجمہ اس طرح ہے آئے میرے پاس لوگ درآں حالانکہ ان کا آنا زید سے ہٹ کے تھا۔

فائدہ: مَاخَلَا مَاعَدَا ان دونوں کے بعد مستثنیٰ کے منصوب ہونے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان پر داخل ہونے والا ما مصدر یہ ہے جو ہمیشہ فعل کے ساتھ آتا ہے لہٰذا یہ دونوں فعل بن گئے اور ان کے بعد آنے والا مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا پھر عبارت کا جوڑ بٹھانے کے لئے مَاخلا ماعدا کو بشکل مصدر کر کے اِن سے پہلے ایک مضاف مان لیں گے جیسے جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ ما خَلَا زَیْدًا مَاعَدَا زَیْدًا ان کی اصلی عبارت جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ وقت خُلُوِّهِمْ مِنْ زَیْدٍ اور وقت عَدْوِهِمْ مِنْ زَیْدٍ نکل جائے گی ترجمہ یوں ہوگا آئے لوگ اپنے تجاوز کرنے کے وقت زید سے یعنی جب وہ آئے تو زید ان میں نہیں تھا کیوں کہ تجاوز کے معنی آگے بڑھنے کے آتے ہیں تو جب قوم زید سے آگے بڑھ گئی تو زید ان سے پیچھے رہ گیا تو وہ ان کے ساتھ آنے میں نہ رہا جس کا سیدھا مطلب یہی ہے کہ لوگوں کے آنے کے وقت زید ان میں شامل نہ تھا اور لیس لایکون کے بعد مستثنیٰ کا منصوب ہونا ایک ظاہر باہر چیز ہے کیونکہ یہ دونوں افعال ناقصہ ہیں مستثنیٰ ان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہو جائے گا۔

سوال ان کا فاعل کیا چیز رہے گی **جواب** ان سے پہلے جو بھی فعل آئے گا اس کے مصدر سے اسم فاعل بنا کر اس کو ان کا فاعل کہیں گے جیسے جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ لَیْسَ زَیْدًا اس کی اصل عبارت جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ لَیْسَ الْجَائِیْ مِنْهُمْ زَیْدًا بنے گی آئے میرے پاس لوگ درآں حالانکہ نہیں تھا ان میں سے آنے والا زید نام کا آدمی پھر لَیْسَ اور لَایَکُوْنُ اپنے اسم وخبر سے مل کر مستثنیٰ منہ کا حال بن جائیں گے اور مستثنیٰ منہ ان کا ذوالحال ہو جائے گا۔

دوم آنکه مستثنیٰ بعد اِلّا در کلام غیر موجب واقع شود: دوسری شکل مستثنیٰ کے اعراب کی یہ ہے کہ مستثنیٰ اس حال میں ہو کہ وہ اِلَّا کے بعد کلام غیر موجب میں آرہا ہو اور اس کے ساتھ اس کا مستثنیٰ منہ بھی موجود ہو تو اس طرح کے مستثنیٰ میں دو صورت جائز ہے۔

(۱) علیٰ سبیل الاستثناءِ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھیں، چونکہ اہل عرب کے یہاں فعل کے بعد دوسرے نمبر پر آنے والی چیز مرفوع پڑھی جاتی ہے اور تیسرے نمبر پر آنے والی منصوب اس لئے جب ہم استثناء کریں گے خواہ کہیں بھی کریں وہاں مستثنیٰ تیسری جگہ پر محسوس ہونے کی وجہ سے جو مفعول کی جگہ ہے نصب ہی کو چاہے گا اِلَّا یہ کہ کوئی خاص وجہ بن جائے بہر حال استثناء کا تقاضہ مستثنیٰ کو منصوب پڑھوانے کا ہوتا ہے اس لئے استثناء کی شکل میں مستثنیٰ کو منصوب ہی ہوگا۔

(۲) مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے بدل البعض قرار دیا جائے کیونکہ بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ

متکلم کے مدنظر بدل ہوتا ہے اور مبدل منہ کو بولنے میں محض واسطہ بنا تا ہے اس لئے حقیقی فاعل وہ بدل ہی بنتا ہے اس لئے جو اعراب مبدل منہ کا بنتا ہے اسی اعراب کا مستحق بدل بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بدل مبدل منہ کا اعراب سب جگہ ایک ہی ہوا کرتا ہے لہٰذا بدل کی شکل میں مستثنیٰ کا اعراب مبدل منہ والا ہوگا جیسے مَا جَاءَ نِیْ اَحَدٌ اِلَّا زَیْدًا وَاِلَّا زَیْدٌ اس مثال میں اگر زَیْدًا کا اَحَدٌ سے استثناء کرو گے تو منصوب پڑھا جائے گا اور بدل بناؤ گے پھر اَحَدٌ کی طرح مرفوع پڑھا جائے گا اور بدل البعض بنے گا۔

سوم آنکہ مستثنیٰ مفرغ باشد: یہ مستثنیٰ کی تیسری حالت ہے جس کا اعراب یہاں سے بتا رہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ مفرغ ہو اور کلام غیر موجب ہو تو اب مستثنیٰ کا اعراب وہ ہوگا جو اس سے پہلے عامل کا تقاضہ ہوگا رفع کا تقاضا ہوا مرفوع پڑھیں گے نصب کا ہوا منصوب پڑھیں گے جر کا ہوا تو مجرور پڑھیں گے۔

فائدہ : مستثنیٰ مفرغ ایسے مستثنیٰ کو کہتے ہیں جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو ایسی جگہ میں چونکہ مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ کی جگہ سنبھال لیتا ہے اس لئے وہ اس کے حکم میں ہو جاتا ہے اور مستثنیٰ منہ کا اعراب ہمیشہ اپنے سے پہلے عامل کے تابع ہوا کرتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے عامل ہوتا ہے ویسے ہی رفع یا نصب یا جر اس کا عمل بن جاتا ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ نہیں ہے تو مستثنیٰ ہی اس کے اعراب کو لے لے گا **سوال:** مستثنیٰ مفرغ کا کیا مطلب ہے **جواب** مفرغ تفریغ سے بنا جس کے معنی خالی کرنے کے آتے ہیں تو چونکہ اس قسم کے مستثنیٰ میں عامل مستثنیٰ منہ کو چھوڑ کر مستثنیٰ کے لئے خالی ہو جاتا ہے اس لئے اس کا نام مستثنیٰ مفرغ ہو گیا۔

سوال : مستثنیٰ تو وہ ہے جس کے لئے خالی ہو اور جو خالی ہوا وہ عامل ہے لہٰذا عامل کو مفرغ اور مستثنیٰ کو مفرغ لہٗ کہنا چاہئے تھا اور کہہ رہے ہو مستثنیٰ کو جو غلط ہے **جواب** جی ہمیں تسلیم ہے کہ واقعی عبارت میں تسامح اور کمی ہے مفرغ کے ساتھ لہٗ اور بڑھا لو تو بات بن جائے گی کیونکہ اب مفرغ لہٗ اسی کو کہنا پایا جائے گا جس کو کہنے کا حق ہے فلا اشکال۔

سبق پنجاہ وسوم

چھارم آنکہ مستثنیٰ بعد لفظ غَیْرَ وسِوٰی وسَوَاء واقع شود پس مستثنیٰ را مجرور خوانند وبعد حاشا بر مذہب اکثر نیز مجرور باشد وبعضے نصب ہم جائز داشتہ اند چوں جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ غَیْرَ زَیْدٍ وسِوٰی زَیْدٍ وسَوَاءَ زَیْدٍ وحَاشَا زَیْدٍ وبدانکہ اعراب لفظ غَیْرَ مثل اعراب مستثنیٰ بالا باشد در جمیع صورتہائے مذکورہ چنانکہ گوئی جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ غَیْرَ زَیْدٍ وَغَیْرَ حِمَارٍ و مَا جَاءَ نِیْ غَیْرَ زَیْدٍ الْقَوْمُ ومَا جَاءَ نِیْ اَحَدٌ غَیْرَ زَیْدٍ وغَیْرُ زَیْدٍ ومَا جَاءَ نِیْ غَیْرُ زَیْدٍ ومَا رَاَیْتُ غَیْرَ زَیْدٍ ومَا مَرَرْتُ بِغَیْرِ زَیْدٍ وبدانکہ لفظ غیر موضوع است برائے صفت وگاہ برائے استثناء آید چنانکہ

إِلَّا برائے استثناء موضوع است وگاہ در صفت مستعمل شود نحو قولہ تعالیٰ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا یعنی غَيْرُ اللّٰهِ وہم چنیں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

ترجمہ - چوتھے وہ کہ مستثنیٰ لفظ غَيْرَ اور سِوىٰ اور سَوَاءَ کے بعد آئے پس مستثنیٰ کو مجرور پڑھتے ہیں اور حَاشَا کے بعد بھی اکثر کے مذہب پر مجرور ہوگا اور بعضے نصب بھی جائز رکھتے ہیں جیسے جَاءَ نِيْ الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ وسِوىٰ زَيْدٍ وسَوَاءَ زَيْدٍ وحَاشَا زَيْدٍ (سب کا ترجمہ یہ ہوگا آئے میرے پاس لوگ علاوہ زید کے) اور جان تو کہ لفظ غَيْرَ کا اعراب مستثنیٰ بالا کے اعراب کی طرح ہوگا مذکورہ تمام شکلوں میں جیسا کہ کہے گا تو (۱) جَاءَ نِيْ الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ (۲) جَاءَ نِيْ الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ (۳) مَا جَاءَ نِيْ غَيْرَ زَيْدِنِ الْقَوْمُ (۴) مَا جَاءَ نِيْ اَحَدٌ غَيْرَ زَيْدٍ وغَيْرُ زَيْدٍ (۶) مَا جَاءَ نِيْ غَيْرُ زَيْدٍ اور مَارَأَيْتُ غَيْرَ زَيْدٍ ومَا مَرَرْتُ بِغَيْرِ زَيْدٍ اور جان تو کہ لفظ غَيْرَ بنایا تو گیا ہے صفت کے واسطے اور کبھی استثناء کے واسطہ آجاتا ہے جیسا کہ إِلَّا استثناء کے واسطے کیا گیا ہے اور کبھی صفت میں مستعمل ہوجاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا میں مراد غَيْرُ اللّٰهِ ہے اور اسی طرح لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے۔

حل مضمون - پہلے تفصیل آچکی ہے کہ مستثنیٰ پر کئی اعراب آسکتے ہیں کبھی رفع کبھی نصب کبھی جر اور یہ کئی اعراب آنا اس کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ کئی طرح کا ہوتا ہے کبھی متصل اور کبھی منفصل اور کبھی کلام موجب میں اور کبھی غیر موجب میں ایسے ہی کبھی مفرغ ہوتا ہے کہ اس کا مستثنیٰ منہ اس کے ساتھ نہیں آتا ایسے ہی کبھی حاشا خلا کے بعد آتا ہے تو کبھی لیس لایکون کے بعد اور سِوىٰ سَوَاءَ کے بعد تو مستثنیٰ کا کب کیا اعراب ہوگا اس کی تین شکل پچھلے اسباق میں بیان ہوچکی ہیں اس سبق میں مستثنیٰ کی چوتھی صورت کا بیان ہے۔

چہارم آنکہ مستثنیٰ: یعنی جب مستثنیٰ غَيْرَ اور سِوىٰ اور سَوَاءَ کے بعد آوے تو اس کو مجرور پڑھیں گے حاشا کے بعد مستثنیٰ کے اعراب میں دو قول ہیں (۱) حاشا حرف جر ہے اس کے بعد جر آوے گا اور یہی اکثر کا مذہب ہے چنانچہ حروف جر سترہ ہیں ان میں حاشا کا بھی ذکر آتا ہے

با و تا و كاف و لام و واؤ مُنْذُ مُذْ خَلَا ☆ رُبَّ حَاشَا مِنْ عَدَا فِيْ عَنْ عَلٰى حَتّٰى اِلٰى

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ حاشا کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوگا بوجہ مفعول بہ ہونے کے کیونکہ حاشا فعل متعدی جس میں ضمیر پوشیدہ ہے اور مابعد جو مستثنیٰ بنے گا مفعول بہ ہوجائے جیسے ضَرَبَ الْقَوْمُ عمرًا حَاشَا زَيْدًا جس میں بتانا یہ ہوتا ہے کہ مستثنیٰ منہ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا مستثنیٰ اس سے الگ ہے اور حاشا کی ضمیر کا مرجع اس مثال میں ضَرْبُ الْقَوْمِ بنے گا کہ لوگوں نے جو عمر کی پٹائی کی زید اس سے بچ گیا، یعنی قوم کی پٹائی زید سے جدا اور الگ رہی اسی طرح کا استعمال وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء میں ہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ولِمَنْ سَمِعَ دُعَائِيْ حاشا الشيطان. کہ اے اللہ میری اور میری دعاء سننے والے کی مغفرت فرما شیطان کو چھوڑ کر۔

بدانکہ اعراب لفظ غیر: ابھی چوتھی صورت میں غَيْرَ سِوىٰ سِوَاءَ کے بعد جو مستثنیٰ آئے گا اس کو مجرور بتایا ہے تو

مستثنیٰ تو ان سب کے بعد مجرور ہو جائے گا لیکن خود ان لفظوں کا کیا اعراب بنے گا اس کی تفصیل بتلاتے ہیں۔
تو یاد رہے کہ سِوٰی اور سَوَاءَ اپنے مابعد کو مجرور کر کے خود منصوب رہیں گے اور سمجھے جاویں گے لیکن غَیْرَ میں تفصیل ہے ایک تفصیل تو یہ ہے کہ یہ کبھی اپنے ہی معنی میں رہتا ہے اور کبھی اِلَّا استثنائیہ کے معنی میں آتا ہے جب یہ اپنے ہی معنی میں رہے یعنی برائے صفت ہو نہ کہ برائے استثناء تب تو غیر کا اعراب اپنے سے پہلے موصوف کے مطابق رہے گا کیونکہ غیر جب صفت کے لئے ہو تو یہ اپنے ماقبل کی صفت بنے گا جو اعراب اس کے موصوف کا وہی اس کا ۱۲
لیکن جب یہ اِلا استثنائیہ کے معنی میں ہو تو اب غیر کا اعراب اسی طرح مختلف آتا ہے جس طرح اِلَّا استثنائیہ کے بعد مستثنیٰ کا اعراب الگ الگ ہوتا ہے جس کی تفصیل آچکی ہے (غیر صفتیہ اور غیر بمعنی اِلَّا استثنائیہ کا مطلب عنقریب آرہا ہے)
بہر حال غَیْرَ جب اِلَّا استثنائیہ ہو تو یہ اپنے مابعد (مستثنیٰ) کو مجرور کر کے اس کے اعراب کو خود لے لیگا، اس چوتھی شکل کے علاوہ جس میں مستثنیٰ سواء سوی غیر کے بعد مجرور ہوتا ہے کیوں کہ چوتھی شکل میں غیر اپنے سے پہلے جس کی صفت بنے گا اس کے مطابق ہی اس کا اعراب ہوگا۔ مستثنیٰ کے اعراب کی تین شکلیں اور آچکی ہیں (۱) مستثنیٰ منصوب ہوگا جس کی تین صورتیں ہیں (۱) مستثنیٰ کلام موجب میں ہو جیسے جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا (۲) مستثنیٰ مقدم ہو جائے جیسے مَا جَاءَ نِیْ اِلَّا زَیْدًا اَحَدٌ (۳) مستثنیٰ منقطع ہو جیسے ماجاء نی القوم الا حِمَارًا ان تینوں مثالوں میں اگر غَیْرَ کو الا کی جگہ رکھدیں تو غیر ان سب مثالوں کے مستثنیٰ کو مجرور کر کے خود منصوب پڑھا جائے گا۔
(۲) مستثنیٰ میں استثناء اور بدل والا دونوں اعراب درست ہوں یہ جب ہوگا جب کہ مستثنیٰ کلام غیر موجب میں آوے اور مستثنیٰ بھی مذکور ہو جیسے ما جاء نی اَحَدٌ اِلَّا زَیْدًا اور زَیْدٌ اس شکل میں اگر الا کی جگہ غیر لادیں گے تو اس کے بعد آنے والا زید تو مجرور ہوگا اور خود غیر کو یا تو علی سبیل الاستثناء منصوب پڑھیں گے یا علی سبیل البدل مرفوع پڑھیں گے۔
(۳) مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوامل ہو یہ وہاں ہوگا جب مستثنیٰ منہ لانا چھوڑ دیا گیا ہو اور جب مستثنیٰ منہ نہیں لاگیا تو عمل سیدھا مستثنیٰ پہ مان لیا گیا جیسے ما جاء نی الا زیدٌ وَمَا رَأَیْتُ اَلّا زیدًا وما مررت اَلّا بزیدٍ، ان مثالوں میں اگر اِلَّا کی جگہ غیر رکھدیں تو غیر مرفوع منصوب مجرور تین طرح پڑھا جائے گا اور اس غیر کا مابعد بوجہ مضاف الیہ ہونے کے فقط مجرور ہی ہوں گے چنانچہ ما جاء نی غَیْرُ زَیْدٍ، مارَأَیْتُ غَیْرَ زَیْدٍ ومامَرَرْتُ بِغَیْرِ زَیْدٍ.
بہر حال جب غَیْرَ اِلَّا استثنائیہ کے معنی میں لیا جاتا ہے تو مستثنیٰ والی تبدیلیاں غَیْرَ پر کرنی پڑتی ہیں اور مستثنیٰ تمام ہی شکلوں میں غیر کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہی پڑھا جائے گا۔

بدانکہ لفظ غیر موضوع است برائے صفت یہاں سے بتاتے ہیں کہ غیر اصلاً تو صفت کے لئے وضع اور طے ہوا ہے گو کبھی استثناء کے لئے بھی استعمال کر لیتے ہیں اور الا میں اس کا الٹا ہے کہ وضع تو اس کی برائے استثناء ہے گو کبھی صفت کے لئے بھی لے لیا جاتا ہے، اتنی بات جاننے کے بعد اب صفت اور استثناء کا مطلب اور فرق سمجھنا ہے تا کہ یہ

پہچان آسان ہو کہ کہاں غیر اپنے صفتی معنی چھوڑ کر استثناء معنی میں لے لیا جاتا ہے اور کہاں الا کو اس کے استثنائی معنی سے ہٹا کر برائے صفت لے لیا جاتا ہے چنانچہ ہماری کتاب میں، آیت کریمہ اور کلمہ طیبہ میں الا کو اس کے اصلی معنی استثناء میں رکھنا درست نہ تھا اس لئے غیر صفتیہ کے معنی میں لینا طے ہوگیا۔

صاحب شرح جامی نے اس کا ایک ضابطہ اور اصول بتایا ہے جہاں الا استثنائیہ برائے استثناء لینے کے بجائے صفتیہ لینا پڑیگا۔ پہلے ہم اس قاعدہ کو ذکر کردیں اس سے استثنائیہ اور صفتیہ کا مطلب سمجھنے میں مدد لے گی۔

صاحب شرح جامی فرماتے ہیں کہ زیادہ تر الا استثنائیہ کو صفتیہ وہاں کرنا پڑے گا جہاں الا ایسی جمع کے بعد آوے جو جمع نکرہ ہو یعنی اس پر الف لام استغراقی یا عہد خارجی کا نہ ہو کیونکہ الف لام استغراقی اپنے مدخول کے سارے افراد کو حاوی ہوتا ہے اب جو مستثنیٰ ہوگا وہ اس سے باہر نہ ہوگا اور استثناء کرسکنے کی شکل بن جائے گی، اور یہی بات ہے عہد خارجی میں کیونکہ الف لام عہد خارجی میں بھی اس کے مدخول سے جو افراد مراد لئے جاتے ہیں وہ باہر کی دنیا میں متعین ہوتے ہیں لہٰذا یہاں دیکھیں گے کہ مستثنیٰ جس کو کیا جارہا ہے مستثنیٰ منہ میں سے ہے یا نہیں اگر ان میں سے ہوگیا تو استثناء متصل بن جائے گا ورنہ منقطع مثلاً اِنَّ الانسان لفی خسر الّا الذین آمنوا میں الانسان سے جب ہر ہر شخص مراد ہو ہندوستان کا ہو عرب کا ہو افریقہ کا کہیں کا بھی بلکہ پوری دنیا میں سے کہیں کا بھی ہو تو اس میں الف لام استغراقی کا ہو اور اگر الف لام خارجی مراد لیں تو اس الف لام کے مدخول سے اگر ایسے افراد مراد لئے جائیں گے کہ خود مستثنیٰ بھی ان افراد میں سے ہی ہو تو استثناء ہوسکے گا مثلاً ذَھَبَ الاخوۃُ اِلّا عابدًا میں اگر الاخوۃ میں عابد بھی ذہن میں ہو تو استثناء متصل بنے گا اور اگر ان میں نہیں ہے تو منقطع ہوجائے گا گویا استثناء صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بالیقین یوں معلوم ہو کہ مستثنیٰ جس کو نکال رہے ہیں وہ مستثنیٰ منہ میں داخل ہے یا بالیقین داخل نہیں ہے اگر بالیقین داخل ہے تو مستثنیٰ متصل بن جائے گا ورنہ منقطع استثناء متصل اور منقطع کی تعریف میں دو قول ہیں:

(۱) اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس اور کوالٹی سے ہو تو متصل ورنہ منقطع۔

(۲) مستثنیٰ اگر متکلم مخاطب کے لحاظ سے مستثنیٰ منہ میں داخل ہے تو یہ استثناء متصل ہوگا ورنہ منقطع جنس میں سے ہونے نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں رہے ۱۲۔

اور جہاں صورت یہ بن جائے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں سے ہونا طے کرنا مشکل ہے تو ایسی جگہ استثنائی معنی چھوڑ کر الّا کو غیر کے معنی میں لے لیں گے اور یہ وہیں ہوگا جہاں الا سے پہلے ایسی جمع نکرہ کی صورت میں آجائے کہ اس کے افراد گول مول ہوں یہ طے نہ ہوں کہ کتنے مراد ہیں اور کون سے گویا یہ جمع مہملہ کے درجہ میں ہوجائے گی مہملہ منطق میں اس قضیہ اور جملہ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر کل یا بعض لگا کر افراد کا حصر نہ کیا گیا ہو بلکہ معاملہ گول مول رہے جیسے کہیں انسان پڑھے لکھے ہیں علاوہ خالد اور محمود کے اس میں معلوم نہیں کہ خالد اور محمود انسان میں سے استثناء ہے یا نہیں۔ کیوں کہ لکھے ہونے کا حکم مبہم اور غیر متعین انسانوں پر ہے جس کی وجہ سے خالد اور محمود کے دخول اور عدم دخول کا فیصلہ مشکل ہے۔

بہرحال آیۃ کریمہ لَوْ کَانَ فِیهِمَا آلِهَةٌ میں بھی اللہ تعالیٰ کا الهة میں الف لام ہی نہیں ہے جو استغراق یا عہد خارجی مان لیں اور اللہ بھی الهة میں داخل ہو جائے لہٰذا کلمہ طیبہ اور آیت کریمہ دونوں میں الا بمعنیٰ غَیْرُ لیا جائے گا اور الهة غَیْرُ اللہ اور لا اِلٰـهَ غَیْرُ اللہ اصل عبارت بنے گی، بہرحال جب استثناء متعذر اور مشکل ہو جائے اس وجہ سے کہ یہ جاننا دشوار ہو جائے کہ آیا مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ میں داخل ہے یا نہیں تو وہاں اِلَّا بمعنی غَیْر ہوگا اور بجائے استثناء کے صفت کے لئے مانا جائے گا۔

اور صفت کے لئے مانے جانے کا مطلب دراصل یہ ہوتا ہے کہ بس مستثنیٰ ہی میں وہ صفت اور بات ہے مستثنیٰ منہ میں سے سرے سے وہ بات ہے ہی نہیں اور جب الا اپنے استثنائی معنی میں ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بات مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ ہو تو سکتی ہے دونوں میں مگر ثابت ایک کے لئے ہے جیسے لا الہ الا اللہ میں الا بمعنی غیر لے کر یہ ظاہر کرنا ہے کہ معبود اور خدا ہونے کی صفت صرف اور صرف اللہ میں ہے اس کے غیر میں نہیں، اور مستثنیٰ کی اپنے مستثنیٰ منہ سے الگ حیثیت ہے اور گویا وہ مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ میں داخل ہونے کے لائق نہیں ہے چنانچہ اہل عرب کا استعمال اس پر شاہد ہے جاء نی القومُ غَیْرُ اصحابک (آئے میرے پاس لوگ علاوہ تیرے ساتھیوں کے) اس میں غیر کو جب مرفوع پڑھیں گے تو القوم کی صفت بنے گا اور اصحاب قوم میں سے نہ ہوں گے اور جب غیر منصوب پڑھیں گے تو غیر برائے استثناء ہوگا اور اصحاب قوم میں شمار ہو کر پھر نکلیں گے۔

ایسے ہی اہل عرب کا قول لِفُلانٍ عَلَیَّ دِرْهَمٌ غَیْرُ دانِقٍ (کہ فلاں کا مجھ پر ایک درہم ہے مکمل نہ کہ فقط دانق) دانق ایک سکہ ہے جو درہم کے چھٹے حصے سے بنتا ہے، تو اس مثال میں جب غیر کو مرفوع پڑھیں گے تو یہ درہم کی صفت بنے گا اور درہم و دانق کا تقابل دکھلاتا ہے کہ میرے ذمہ مکمل درہم ہے خالی دانق نہیں ہے اور جب غیر کو منصوب پڑھیں گے تو اب یہ برائے استثناء ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ میرے ذمہ فلاں کا درہم ہے دانق نکال کر یعنی مکمل درہم میرے ذمہ نہیں ہے دانق چھوڑ کر جو پانچ حصے بچتے ہیں وہ میرے ذمہ ہے اب دانق کا درہم سے استثناء پایا جائے گا، تو خلاصہ یہ ہے کہ استثناء میں تو مستثنیٰ کا اپنے مستثنیٰ منہ میں سے نکلنا اور الگ ہونا سمجھ میں آتا ہے اور صفت میں دونوں مدمقابل ہوتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ اور کلمہ طیبہ دونوں میں یہ ظاہر کرنا ہے کہ اللہ کا غیر صفت الوھیہ سے متصف ہوتا ہی نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ ہر کسی سے یہ صفت منفی اور سلب شدہ ہے ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے غیر کے لئے صفت الوہیت ثابت ہو کر پھر اس کی نفی کی گئی ہو ورنہ کما حقہ وحدانیت اول وھلہ سے ہی ثابت نہ ہوگی لَافَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ اور لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ جیسی مثالوں میں بھی الا بمعنی غیر اور صفتیہ ہے۔

فائدہ: یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ آیت اور کلمہ دونوں میں جب الا کو غیر کے معنی میں لے لیا تو اصلاً اعراب غیر پر ظاہر ہوا کرتا ہے اور غیر کا مابعد مجرور ہوتا ہے لیکن یہاں چونکہ عبارت میں بجائے غیر کے خود الا ہی موجود ہے اور الا بھی صفتیہ ہے اس لئے اعراب بجائے الا پر ظاہر ہونے کے اس کے مابعد پر ظاہر ہوا یعنی لفظ اللہ پر تو خود الا مرفوع ہونے کے بجائے اس کے مابعد کو رفع آیا ہے چونکہ صورۃً مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ بن رہے ہیں اور استثناء میں اعراب خود مستثنیٰ پر ہی دیکھا کرتا ہے۔

خدا ہے اور صرف ایک ہے

اتماما للفائدۃ: یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی نہ کوئی خدا ہے اور اس کا بنانے والا ہے اور اس بات کے تسلیم کیئے بغیر عقلاً چارہ نہیں ہے چنانچہ ہم اس کی عقلی دلیل بیان کرتے ہیں جس کا سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں تین حال سے خالی نہیں (۱) واجب (۲) ممتنع (۳) ممکن جس چیز کا وجود ہی ضروری ہو وہ تو واجب الوجود کہلاتی ہے کیونکہ اگر اس کا وجود نہ ہو تو کوئی نہ کوئی خرابی یا محال لازم آتا ہو اور جس چیز کا عدم ضروری ہو اس کو ممتنع الوجود کہتے ہیں کیونکہ اس کا وجود ماننے پر کوئی محال یا خرابی لازم آتی ہے چنانچہ جس ذات کا وجود واجب ہے وہ اللہ ہے جس نے اس کائنات کو بنایا اسے اگر نہ مانیں تو آخر یہ دنیا بنی کیسے؟ جیسا کہ آگے ہم بتائیں گے اور جس کا عدم ضروری ہے وہ ہے شریک باری تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کوئی شریک ساجھی نہیں ورنہ **لو کان فیھما الھۃ** یعنی جھگڑا فساد پیش آتا اور فساد ہے نہیں جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں تو خدا بھی متعدد اور کئی نہیں ہیں لہٰذا توحید اور اللہ کا ایک ہونا ثابت، اور تیسری چیز ممکن ہے ممکن اسے کہتے ہیں کہ جس کا نہ وجود ضروری اور نہ عدم ہو جائے تو بھی ٹھیک نہ ہو تو بھی ٹھیک یعنی اس کے ہونے نہ ہونے پر کوئی محال لازم نہ آوے جیسے کہ خدا کے نہ ہونے پر اور اس کے شریک کے ہونے پر محال لازم آتا ہے تو خدا کا شریک ممتنع الوجود ہے ورنہ فساد دنیا اور اس کی تباہی پیش آجاتی اب رہی یہ بات کہ خدا اور واجب الوجود کا ہونا ہی کیوں ضروری ہے اس کے نہ ہونے پر کیا محال اور خرابی ہے تو اس کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ جو چیز ممکن ہو یا اس کا نہ وجود ضروری نہ عدم بلکہ متساوی الوجود والعدم ہو تو اس کے لئے کسی مرجح کی ضرورت ہوتی ہے یعنی جو اس کی ایک جانب کو ترجیح دے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات کی تمام اشیاء ممکنات میں سے ہیں یعنی نہ ان کا وجود ضروری اور نہ عدم تو ان کو جو وجود ہوا وہ آخر کسی مرجح اور اسی ذات کے ذریعہ ہوا ہوگا جو واجب ہو اور ممکن نہ ہو یعنی اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہ ہو تو ہر ممکن کو اپنے وجود میں آنے کے لئے کوئی نہ کوئی درکار ہے کیونکہ ممکن کو ممکن نہیں بنا سکتا اور نہ ممتنع بنا سکتا ہے اس لئے مختصراً یہ کہ اس کے بغیر چارہ نہیں کہ کوئی واجب ایسی ذات مانیں جو خود واجب الوجود ہو یعنی از خود ہی اس کا وجود ہوا سے کسی نے نہ بنایا ہو اور پھر اس کے ذریعہ یہ کائنات عدم سے وجود میں آئی ہو اور وہ وہی ذات ہے جس کو **اللہ** کہتے ہیں کیونکہ اگر اللہ کو بھی ممکن کہیں یعنی کہ وہ کسی کے بنانے سے بنا ہے تو پھر سوال ہوگا کہ جس نے اللہ کو بنایا اس کو کس نے بنایا پھر اس کو کس نے بنایا تو اس لئے سلسلہ توڑنے کے لئے اخیر میں ایسی ذات ماننی ہی پڑیگی جو کسی نے نہیں بنائی بلکہ اسی نے سب کو بنایا، یہ دلیل ہے اس بات کی کوئی نہ کوئی ہستی واجب الوجود ہے اور وہ وہی ہے جس کو خدا یا اللہ بولتے ہیں خدا یہ واجب الوجود ہی کا ترجمہ ہے کیونکہ فارسی میں آمدن سے آ امر کا واحد حاضر ہے اور لفظ خود لگا کر خود آ تھا پھر تخفیفاً خدا کر دیا۔

دلیل وحدانیت

اب یہ کہ اللہ ایک ہی کیوں ہے دو کیوں نہیں ہو سکتے تو اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ نعوذ باللہ اگر ہم دو خدا مان لیں تو یا دونوں طاقت میں برابر ہیں یا کم زیادہ تو جو کم ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا لہٰذا اللہ ایک ہی رہا اور اگر کہیں کہ دونوں طاقت میں برابر ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ آیا وہ ایک دوسرے کے خلاف کر سکتے ہیں یا نہیں مثلاً ایک ارادہ کرے رات کرنے کا اور دوسرا دن بنانے کا تو اب اگر دونوں کی مراد پوری ہو جائے تو اجتماع ضدین لازم آئے گا جو محال ہے۔

اور جو مستلزم ہو محال کو وہ خود بھی محال ہو جاتا ہے لہٰذا ایسا ہو نہیں سکتا کہ دونوں کی مراد پوری ہو جائے اور بیک وقت ایک ہی جگہ میں دن رات بنا دیں اور اگر کوئی دوسرے کے خلاف کا ارادہ نہیں کر سکتا تو جو نہیں کر سکتا وہ عاجز اور جو کر سکتا ہے وہ خدا رہا لہٰذا اب بھی خدا ایک ہی رہا یہاں یہ دلیل بھی نہیں چل سکتی کہ دونوں خدا اتفاق سے کام کرتے ہوں کیونکہ اتفاق اگر بوجہ کمزوری کے ہے تو خدا نہیں ہو سکتا اور اگر قوت ہوتے ہوئے ہے تو اتفاق کا محتاج کیوں ہے نیز اگر ایک ہی چیز دو خدا کی مانیں تو سوال یہ ہے کہ اس چیز میں دونوں کی طاقت ضرورت ہے تب تو دونوں ہی خدا نہیں اور اگر ایک ہی کی ضرورت ہے تو دوسرا خدا بیکار ٹھہرا اس لئے بااختیار خدا بس ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ۔ ضدین اور نقیضین میں فرق ہے: اگر دو چیزوں میں سے ایک کے وجود پر دوسرے کا عدم یا ایک کے عدم پر دوسرے کا وجود ضروری ہو جیسے طاق اور جفت یا دن رات تو وہ نقیضین کہلاتی ہیں اور اگر وہ دو چیزیں صرف ایک وقت جمع نہ ہو سکیں تو وہ ضدین ہیں یہاں ہو سکتا ہے کہ دونوں معدوم ہو جائیں جیسے سیاہ اور سفید جمع نہیں ہو سکتے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز نہ سفید ہو نہ سیاہ بلکہ زرد ہو تو اجتماع تو محال ہے عدم دونوں کا محال نہیں ہے اور نقیضین میں دونوں ہی محال ہوتے ہیں۔

قد تمّ هذا الكتاب بحمد الله وعونه وتوفيقه في مُنسَلَخ شهر ذي الحجة سنة ثلثين واربعمائة بعد الالف من الهجرة النبوية على صاحبها التسليم والتحيّة صباح يوم الجمعة، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم، وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلّمٌ على المرسلين والحمد لله رب العلمين.

العبد الراجي رحمة الله

ابويحيٰ محمد زاهد بن محمد اسمٰعيل المظاهري

عميد "الشؤون التعليمية" بمدرسه رحمة للعلمين

الواقعة بقرية "تِرفُوة" مكتبة البريد بتهير كلاں عن طريق چلكانه

بمديرية سهارنفور بولاية اترابراديش الهند

ادارہ فیضان حضرت گنگوہی رح ۱۴۳۱ھ

الموافق ۲۰۰۹/۱۲/۱۸ من الميلاد يوم الجمعة المباركة

علم صرف کی حقیقت

یا

خلاصہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم صرف کی حقیقت یا خلاصہ

جہاں تک علم صرف میں بصیرت اور اس کی حقیقت سے آگہی کی بات ہے تو وہ فقط تین کتابیں ''میزان منشعب پنج گنج، علم الصیغہ'' سے حاصل ہو سکتی ہے بلکہ صرف علم الصیغہ سے بھی یہ بات ممکن ہے لیکن ذرا دشواری زیادہ ہوگی، علم صرف کے بارے میں جو کچھ اپنا تجربہ بتاتا ہے افادہ عام کی غرض سے اسے معرضِ تحریر میں لاتا ہوں

عقلی اعتبار سے کسی بھی بات کو کہنے کے لئے ہر زبان ہی میں اٹھارہ صیغے درکار ہونے چاہئیں کیونکہ گفتگو جب کریں گے تو تین صورتیں ہیں جو بول رہا ہے یعنی متکلم اور جس سے گفتگو کر رہا ہے یعنی مخاطب اور جس کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے یعنی غائب پھر ان میں سے ہر ایک کی چھ صورت ہیں کیونکہ متکلم مرد ہوگا یا عورت پھر ایک ہوں گے یا دو دو یا زیادہ، اگر مرد ایک ہے تو واحد مذکر اور دو ہیں تو تثنیہ مذکر اور اگر زیادہ ہیں تو جمع مذکر یہی حال عورت ہونے کی شکل میں ہے کہ وہ ایک ہے تو واحد مؤنث دو ہیں تو تثنیہ مؤنث زیادہ ہیں تو جمع مؤنث تو متکلم کے لئے تین صیغے مذکر کے اور تین مؤنث کے اور پھر مذکر و مؤنث میں ہر ایک واحد تثنیہ جمع ہو کر چھ صیغے بن گئے، اس طرح (۱) مذکر واحد متکلم (۲) مذکر تثنیہ متکلم (۳) مذکر جمع متکلم (۴) مؤنث واحد متکلم (۵) مؤنث تثنیہ متکلم (٦) مؤنث جمع متکلم، بعینہ یہی چھ صیغے مخاطب کے ہوں گے کیونکہ مخاطب مذکر ہوگا یا مؤنث پھر ہر ایک واحد تثنیہ جمع ہوگا تو کل چھ ہو جائیں گے اور غائب کے بھی اسی طرح چھ صیغے ہوں گے کہ وہ غائب جس کے بارے میں گفتگو کر رہے ہوں گے یا تو مذکر ہوگا یا مؤنث، پھر مذکر مؤنث میں سے ہر ایک واحد ہوگا یا تثنیہ یا جمع، اور چھ کو تین جگہ کرنے سے کل اٹھارہ صیغے بن جاتے ہیں، مگر بعض زبانوں میں تو ان اٹھارہ کا کام صرف چھ ہی صیغے کر دیتے ہیں جیسا کہ فارسی میں کہ کل چھ صیغے ہیں اور غائب کا صیغہ خواہ مرد یا عورت دونوں کے لئے ایک ہی بولا جاتا ہے جیسے نشست، وہ بیٹھا، وہ بیٹھی، دونوں کے لئے ہے اور جمع کا صیغے فارسی میں تثنیہ کے لئے بھی ہے جمع کے لئے بھی اور پھر مذکر کے لئے بھی یہی ہے اور مؤنث کے لئے بھی یہی ہے جیسے'' آمدند''، وہ آئے، دو مرد ہوں یا دو عورت، یا زیادہ مرد ہوں یا زیادہ عورتیں سب کے لئے یہی'' آمدند''، بولا جاتا ہے اور گفتگو میں کوئی نہ کوئی ایسی بات آگے پیچھے ضرور ایسی شامل ہوتی ہے کہ تنہا اس صیغہ کو تثنیہ مذکر یا جمع مذکر یا تثنیہ مؤنث یا جمع مؤنث غائب میں سے کسی کے لئے استعمال کر لو اشتباہ نہیں ہوتا ہے اور یہی حال اردو کے صیغوں کا بھی ہے جو غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا۔

لیکن عربی زبان میں اپنی وسعت کی وجہ سے چودہ صیغے چلتے ہیں غائب کے بھی پورے چھ ہیں، حاضر کے بھی پورے چھ ہیں متکلم کے صرف دو ہیں واحد، اور جمع، پھر واحد کا صیغہ مذکر اور مؤنث ہر دو کے لئے چلتا ہے اور جمع کا صیغہ چار کے لئے چلتا ہے تثنیہ خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور اسی طرح جمع خواہ مذکر ہو یا مؤنث سب کے لئے تنہا یہی صیغہ کام کرتا ہے اور قرائن اور کلام کے سیاق وسباق سے اصل مراد کے سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے، بہرحال پہلا کام تو علم صرف میں ان چودہ صیغوں کا معمہ سمجھنا ہے۔

دوسرے نمبر پر یہ سمجھنا ہے کہ ہر زبان میں اصل مصدر ہوتا ہے پھر اس سے کبھی فعل ماضی بنے گی اور فعل ماضی میں کبھی ماضی مطلق کبھی ماضی قریب کبھی ماضی بعید کبھی ماضی استمراری اور کبھی ماضی احتمالی اور کبھی ماضی تمنائی کل چھ ماضیاں ہوتی ہیں، پھر ان میں معروف اور مجہول نیز منفی مثبت والے صیغے بنانے کا مسئلہ ہے۔

پھر یاد رکھنا ہے کہ ماضی مطلق معروف کا صیغہ واحد غائب تو بنا بنایا ہوتا ہے اس کا کوئی طریقہ نہیں ہوتا ہے اہل زبان سے سماع ہی اس کی دلیل بنے گا باقی صیغوں کے لئے غائب حاضر متکلم نیز واحد تثنیہ بنانے کی علامتیں لگائی جاتی ہیں، جس سے چودہ صیغے بنتے ہیں۔

پھر ماضی مطلق کے صیغوں میں کوئی اور اضافہ یا قید نہیں ہوتی ہے جیسا کہ باقی صیغوں میں کسی میں قد کسی میں کان وغیرہ لگتا ہے اسی لئے اس کا نام ماضی مطلق رکھا کیونکہ مطلق بمعنی آزاد ہے کیونکہ یہ ماضی قید سے آزاد ہوتی ہے، چونکہ ماضی مطلق میں کوئی لفظ نہیں بڑھتا تو اس کے ترجمہ میں بھی کوئی بڑھوتری اردو میں نہیں آتی ہے اور جن صیغوں میں لفظ بڑھتا گیا تو اردو میں بھی ان کا ترجمہ بدلتا گیا چنانچہ ضَرَبَ کا ترجمہ ''اس نے مارا'' اور جب قد لگا کر ماضی قریب بنائی اور قد ضَرَبَ، کہا تو اردو میں ''ہے'' بڑھ کر ترجمہ ہوا اس نے مارا ہے۔ اور جب ضَرَبَ پہ کان لگایا تو ماضی بعید کان ضَرَبَ'' بن جائے گی اور اردو میں ''تھا ترجمہ بڑھانا پڑے گا، چناں چہ کان ضَرَبَ کا ترجمہ ہوگا اس نے مارا تھا۔

اور ماضی استمراری کے لئے مضارع پہ کان لگائیں گے اور کان یَضْرِبُ بولیں گے اور ترجمہ میں ''تا تھا'' بڑھ جائے گا اور ترجمہ ہوگا وہ مارتا تھا ماضی احتمالی کے لئے عربی میں لعلّ لگادیں گے اور ''ہوگا'' ترجمہ بڑھ جائے گا چناں چہ کہیں گے لَعَلَّ ضَرَبَ ''اس نے مارا ہوگا'' اور ''لیتما'' لگنے سے ماضی تمنائی بنے گی اور لیتما ضرب کہیں گے اور ترجمہ میں ''کیا اچھا ہوتا'' شامل کرلیں گے۔

پھر ماضی کی طرح مضارع کے صیغے بھی چودہ ہیں اور اس میں ما اور لا اور لَمْ اور لَنْ وغیرہ لگنے سے جو ترجمہ بدلتا ہے اس کی اچھی طرح پہچان ضروری ہے پھر آگے امر ونہی میں بھی یہی چودہ صیغے ہیں، لیکن اسم فاعل، اسم مفعول اور اسم تفضیل اور صفت مشبہ ان کے صرف چھ چھ صیغے ہیں اور یہ بھی اٹھارہ کا کام کرتے ہیں ضمائر بدلنے سے کوئی اشتباہ استعمال میں نہیں ہوتا، لیکن اسم ظرف اور اسم آلہ کے صرف تین تین ہی صیغے آتے ہیں اور یہی کام دیتے ہیں۔

۱- بہرحال میزان میں جو کچھ ہے جس کی ہلکی سی جھلک ان گذشتہ سطور میں ہے اس سے واقفیت علم صرف کے طالب علم کے لئے بیحد ضروری ہے۔

(۲) دوسری چیز علم صرف کے طالب علم کے لئے جس کے جانے بغیر چارہ نہیں ہے وہ ابواب کا مسئلہ ہے کیوں کہ مصدر اور اس کے معنی جان لینے کے بعد اس سے ماضی مضارع یا امر ونہی بلکہ اسم ظرف اور اسم فاعل ومفعول کی صحیح گردانیں اور درست صیغے جب ہی نکال سکتے ہیں جب کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ اس کا باب کیا ہے اسی لئے لغت کی کتابوں میں ہر مصدر کے ساتھ ن یا ض یا ف یا س یا ح لکھ کر اشارہ دیدیا جاتا ہے کہ یہ نَصَرَ یاضَرَبَ یافَتَحَ یاسَمِعَ یاحَسِبَ والے باب سے ہے، کیونکہ منشعب میں ہر باب کی گردان الگ الگ اسی لئے دی گئی ہے کہ اسے رٹ کر محفوظ کرلیں اور جب اس کے وزن پر کوئی اور گردان کرنی ہو تو کی جاسکے اسی لئے ضروری ہے کہ منشعب میں موجود تینتالیس[۴۳] باب اچھے طرح یاد ہوں ورنہ اس کے بغیر علم صرف کی ہوا لگنا مشکل ہے، خلاصہ ان تینتالیس باب کا یہ ہے کہ آٹھ باب تو ثلاثی مجرد کے ہیں پانچ مطرد اور کثیر الاستعمال ہیں جن سے بار بار عربی عبارت میں واسطہ پڑتا ہے اور تین شاذ اور قلیل الاستعمال ہیں، ان آٹھوں بابوں میں فقط تین حرف اصلی ہوتی ہیں یعنی ماضی کے اندر اور کوئی زائد حرف نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اصلی حروف کی پہچان ماضی سے ہی کیجاتی ہے۔

اور چودہ باب ثلاثی مزید غیر ملحق کے ہیں نو تو وہ ہیں جن میں شروع میں ہمزہ وصل آتی ہے اور پانچ وہ ہیں جن میں ہمزہ وصل نہیں آتی ہے ان چودہ بابوں میں اصلی تین کے علاوہ ماضی میں زائد حرف بھی ہوتے ہیں۔

یہ بائیس باب تو وہ ہیں جن میں تین حرف اصلی ہوتی ہیں اور ثلاثی کے ابواب کہے جاتے ہیں اور اگر حرف اصلی چار ہوں جس کو رباعی کہتے ہیں تو اس کی دو قسمیں بن گئیں خالی چار ہی رہیں یا زائد بھی مل گیا ہے، اگر صرف چار حرف ہیں ماضی میں تو رباعی مجرد اور زائد بھی ہو چار کے علاوہ تو وہ رباعی مزید کہلاتی ہے۔

رباعی مجرد کا ایک باب ہے رباعی مزید کے تین ہیں ایک بلا ہمزہ وصل کا اور دو ہمزہ وصل والے۔

کل یہ چھبیس باب ہوگئے جن کا ازبر یاد ہونا ضروری ہے، ان سب کی گردانیں الگ الگ ہیں اس لئے یہ چھبیس گردانیں یاد کر لینی ازبر ضروری ہیں۔

رہے ملحق کے باقی سترہ ابواب ان کی گردانیں تو رباعی مجرد کی گردانیں کی طرح ہوتی ہے یا رباعی مزید کے بابوں کی گردانوں کی طرح ہونگی، ان کو الگ سے یاد کرنا اتنا ضروری نہیں ہے، صرف زائد حرف کی جگہ کی تبدیلی کا فرق ہے ورنہ وزن ایک ہی ہے، بہرحال مکمل منشعب بھی یاد ہونی ضروری ہے۔

تعلیلات کا معمہ

علم صرف میں سب سے مشکل چیز تعلیلات کا مسئلہ ہے لیکن ذیل میں ہم جو تفصیل لا رہے ہیں اس سے ان شاء اللہ اس کی پیچیدگی دور ہو جائے گی۔

تعلیل کے معمہ سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں فعل کی چودہ حالتوں سے واقفیت ہو کیونکہ جب تک یہ سب حالتیں سامنے نہ ہوں تعلیل اور صیغوں کی تبدیلی اور ان میں جو رد و بدل ہوتی ہے وہ قابو میں نہیں لائی جا سکتی۔

چناں چہ جانئے کہ علم صرف میں فعل ایک تو وہ ہوتا ہے جس کو صحیح کہتے ہیں ایک وہ ہے جس کو مہموز کہتے ہیں ایک وہ ہے جس کو معتل کہتے ہیں ایک وہ ہے جس کو لفیف کہتے ہیں ایک وہ ہے جس کو مضاعف کہتے ہیں۔

پھر صحیح کی تعریف علم صرف میں یہ ہے کہ کسی بھی فعل کے جو اصلی تین حرف فاء عین لام ہیں ان کی جگہ نہ تو واؤ یاء الف حروف علت میں سے کوئی حرف ہو اور نہ ان کی جگہ ہمزہ ہو اور نہ دو حرف ایک جنس کے یعنی تضعیف اور ڈبل حرف ہو یہ تین شرطیں جس فعل میں ہونگی وہ صحیح کہلاتا ہے، جیسے ضَرَبَ نَصَرَ چنانچہ اگر کسی فعل میں فاء عین اور لام کی جگہ حرف علت آ گیا تو اس کو معتل کہتے ہیں یعنی حرف علت والا فعل، لیکن پھر معتل کی چھ قسمیں بنتی ہیں اس طرح کہ حرف علت یا تو صرف فاء کی جگہ ہوگا یا صرف عین کی جگہ یا صرف لام کی جگہ پھر ان تینوں کی جگہ جو حرف علت ہوگا وہ واؤ بھی ہو سکتا ہے یاء بھی (الف تو کبھی نہیں ہوا کرتا ہے اگر ہوتا بھی ہے تو وہ انہی واؤ یاء سے ہی بدلا ہوا ہوتا ہے) تو اس طرح اگر وہ حرف علت فاء کی جگہ ہے اور واؤ ہے تو اس کو معتل فاء واوی کہتے ہیں جیسے وَعَدَ میں اور اگر وہ یاء ہے تو اس کو معتل فاء یائی کہتے ہیں جیسے یَسَرَ پھر معتل فاء کا دوسرا نام مثال بھی ہے اور جیسے معتل فاء واوی یائی کہہ سکتے ہیں مثال واوی اور یائی بھی کہہ سکتے ہیں اور اگر حرف علت عین کی جگہ ہے تو اس کو معتل عین کہتے ہیں پھر وہ حرف علت واؤ ہو تو معتل عین واوی کہلائے گا جیسے قَالَ کہ اس کی اصل قَوَلَ ہے اور اگر یاء ہو تو معتل عین یائی کہلائے گا، جیسے بَاعَ کہ اس کی اصل بَیَعَ ہے پھر یاد رہے کہ معتل عین کو اجوف بھی کہتے ہیں اور اس کی بھی حرف علت واؤ اور یاء کے اعتبار سے دو قسمیں بنتی ہیں (۱) اجوف واوی (۲) اجوف یائی۔

اور اگر حرف علت لام کلمہ کی جگہ ہے تو اس کو معتل لام کہتے ہیں پھر وہ حرف علت اگر واو ہے تو معتل لام واوی جیسے دَعَا کہ اصل میں دَعَوَ ہے اور اگر یاء ہے تو معتل لام یائی جیسے رَمٰی کہ اصل میں رَمَیَ ہے، معتل لام کو ناقص بھی کہتے ہیں اور مثال و اجوف کی طرح ناقص کی بھی حرف علت واؤ یاء دونوں کے لحاظ سے ناقص

واؤی اور ناقص یائی دو قسمیں بنتی ہیں۔

بہر حال معتل کی چھ قسمیں ہو گئیں (۱) معتل فاء یا مثال واوی (۲) معتل فاء یا مثال یائی (۳) معتل عین یا اجوف واوی (۴) معتل عین یا اجوف یائی (۵) معتل لام یا ناقص واوی (٦) معتل لام یا ناقص یائی یہ چھ قسمیں تو جب ہیں جب کہ فعل میں فاء عین لام میں سے صرف کسی ایک کی جگہ ایک حرف علت ہو لیکن کبھی کبھی دو بھی حرف علت اکٹھے ہو جاتے ہیں جس فعل میں ایسا پایا جاوے تو اس کو لفیف کہتے ہیں لیکن پھر حرف علت کبھی تو ان میں حرف صحیح کا فصل ہوگا جیسے وَقَی میں ہے کہ واؤ اور یاء کے درمیان میں قاف آ گیا ہے یا نہیں ہوگا جیسے طَوٰی میں ہے کہ واؤ اور یاء ایک ساتھ ہیں اگر اول صورت ہے تو اس کو لفیف مفروق کہتے ہیں اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کو لفیف مقرون کہتے ہیں لفیف کی دونوں شکلوں کو ملا کر معتل کی آٹھ قسمیں بن گئی ہیں چھ قسموں میں ایک ایک ہی حرف علت ہوگا اور لفیف والی قسموں میں دو دو حرف علت ہوں گے، خواہ فصل کے ساتھ ہوں یا ملے ہوئے ہوں۔

اور اگر فعل ایسا ہے کہ اس میں فاء عین لام کی جگہ حرف علت تو نہیں ہے مگر ہمزہ پائی جاتی ہے تو ایسے فعل کو مہموز کہتے ہیں پھر اگر وہ ہمزہ فاء کی جگہ ہو تو اس کو مہموز الفاء نام دیا جاتا ہے جیسے اَکَلَ اَخَذَ میں اور اگر عین کی جگہ ہے تو اس کو مہموز العین کہتے ہیں جیسے سَاَلَ میں اور اگر لام کی جگہ ہے تو اس کو مہموز اللام کہتے ہیں جیسے قَرَءَ میں اور گر فعل ایسا ہے کہ اس کے اصلی تین حرف فاء عین لام کی جگہ نہ تو حرف علت ہے اور نہ ہمزہ ہے بلکہ ایک حرف دو مرتبہ ہے اور ڈبل ہے تو اس کو مضاعف کہتے ہیں جیسے مَدَّ فَرَّ میں دو دال اور دو راء ہیں لیکن مضاعف کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) مضاعف ثلاثی (۲) مضاعف رباعی اگر ایک ہی حرف دو مرتبہ ہے تو اس کو مضاعف ثلاثی کہتے ہیں کَمَا مَرَّ مِثَالُهٗ اور اگر دو حرف دو مرتبہ ہوں جیسے زَلْزَلَ میں زاء بھی دو مرتبہ ہے اور لام بھی تو اس کو مضاعف رباعی کہا جاتا ہے۔

تو فعل کی یہ کل چودہ حالتیں یا چودہ قسمیں ہیں (۱) فعل صحیح جس کے تینوں حروف جو فاء عین لام کے مقابلہ میں آتے ہوں نہ حرف علت ہوں اور نہ مشدد ہوں اور نہ ہمزہ کی شکل میں ہوں (۲) فعل معتل جس کے تین حرف اصلی کی جگہ ایک ہی یا دو دو حرف علت ہوں جس کی آٹھ قسمیں آ چکی ہیں (۳) فعل مہموز جس کے تین حرف اصلی کی جگہ میں کسی کی جگہ ہمزہ پائی جائے جس کی تین قسمیں آ چکی ہیں (۴) فعل مضاعف یعنی ایسا فعل کہ جس میں ایک ہی حرف یا دو حرف ڈبل اور دو دو مرتبہ ہوں جس کی دو قسمیں آ چکی ہیں، تو ایک صحیح اور آٹھ معتل اور تین مہموز اور دو مضاعف اب یہ کل چودہ قسمیں ہو گئیں ہیں۔

ان چودہ قسم کے فعل کی چودہ گردانیں اور ان میں جو رد و بدل اور کمی زیادتی ہوتی ہے جس کو تعلیل کہتے ہیں اور ان

کے جو قواعد فن صرف والوں نے اہل زبان کا استعمال دیکھ کر وضع اور طے کیے ہیں ان کو جان لینا اور ان پر عبور حاصل کر لینا بس یہی علم صرف کی حقیقت ہے اور اس کے بعد کسی بھی صیغے کی اصل اور اس میں جو ترمیم یا تعلیل ہوتی ہے جاننا کوئی مشکل نہیں ہے، اب طالب علم کو چاہئے کہ ان چودہ گردانوں کو از بر حفظ کرے اور ہر گردان کے اندر جو صیغوں کی کانٹ چھانٹ یا ترمیم اور تعلیل کے قواعد ہیں ان کو قابو میں کر لے چنانچہ پنج گنج اور علم الصیغہ میں فعل کی ان چودہ قسموں میں سے جو گردانیں اہم اور مشکل ہیں ان کو تو فعل ماضی سے لے کر مکمل اسم مفعول تک ذکر کیا ہے اور ہر گردان سے متعلقہ جو قواعد تعلیل اور ترمیم کے ضروری تھے وہ بھی بتا دیئے۔

چنانچہ پنج گنج میں معتل فاء واوی یعنی وَعَدَ یَعِدُ وَعْدًا کی گردان اور اس کے قواعد تو ذکر کیے ہیں لیکن معتل فاء یائی جیسے یَسَرَ کی گردان چھوڑ دی ہے کیوں کہ فعل کی اس قسم کی گردان فعل صحیح کی طرح ہوتی ہے اور اس میں صیغوں کے پورے پورے حرف آتے رہتے ہیں، البتہ جو گردانیں جیسے معتل عین واوی اور یائی قال اور باع کی اور معتل لام واوی یائی جیسے دعا اور رمی کی نیز مضاعف مدّ یمد اور ذبَّ یذب جیسی گردانوں کو مکمل ذکر کیا ہے اور ان کے صیغوں میں جہاں جو ترمیم اور تعلیل جس قاعدے کے تحت ہوتی ہے اس کا بھی مفصل ذکر کیا ہے اور یہ اس لئے کہ معتل عین واوی کی ایک گردان پر دسترس حاصل کر کے عربی زبان میں جتنے بھی معتل عین واوی افعال ہیں سب کی گردانیں اور ان کی تعلیل کا علم ہو سکے، چناں چہ جس شخص کو قال جو معتل عین واوی ہے کی گردان اور اس کے اندر پائی جانے والی تعلیلات پہ عبور ہو گیا وہ ہر معتل عین واوی فعل کی تمام گردانیں اور صیغے بلا تکلف نکال سکتا ہے، اور جس کو باع جو معتل عین یائی ہے کی گردان اور اس کی تعلیل کے قواعد آ گئے تو باع یبیع کی طرح ہر گردان کے صیغے اور تعلیل نکال سکتا ہے، اسی لئے ضروری ہے کہ نمونہ کے طور پر جو معتل مہموز وغیرہ کی گردانیں پنج گنج اور علم الصیغہ میں ہیں ان کی کم از کم ایک گردان اور اس کے صیغوں میں جو تعلیلات پائی جاتی ہیں ضرور یاد ہوں تب جا کر کہیں ہر فعل کے ہر صیغے کی اصل اور اس کی تعلیل جاننا آسان ہوگا۔

لیکن یہ چیز بھی مد نظر رہنی ضروری ہے کہ مثلاً ہر معتل عین واوی کی گردان ہر باب سے ایک ہی طرح نہیں ہوتی ہے بلکہ معتل عین واوی ہوتے ہوئے بھی اگر باب بدل جائے گا تو گردان اور صیغوں کے اوزان بھی بدل جائیں گے اس لئے ہم یہ تفصیل بھی ذکر کرتے ہیں کہ فعل کی ان قسموں میں کس باب سے کسی وزن پر گردانیں ہونگی تاکہ مزید بصیرت اور اطمینان حاصل ہو۔

(۱) **فعل مہموز** بشرطیکہ اس میں کوئی حرف علت نہ ہو، تو اس کی گردانیں فعل صحیح کی طرح ہوں گی البتہ خُذْ اور کُلْ اور مُرْ جو اَخَذَ اور اَکَلَ اور اَمَرَ کے امر کے صیغہ ہیں خلاف قیاس رہیں گے۔

چناں چہ اَزَرَ یَأزِرُ اور ھَنَأَ یَھْنَأُ کی گردان ضَرَبَ یَضْرِبُ کی طرح ہوگی، اور اَدُبَ یَأدُبُ کی کَرُمَ یَکْرُمُ کی طرح ہوگی اور سَأَلَ یَسْأَلُ کی فَتَحَ یَفْتَحُ کی طرح ہوگی اور اگر فعل مہموز میں حرف علت بھی ہو تو اس کی گردانیں معتل کی طرح ہونگی چنانچہ آلَ یَؤُلُ اور سَاءَ یَسُوْءُ کی گردان قَالَ یَقُوْلُ کی طرح اور جَاءَ یَجِیْءُ کی بَاعَ یَبِیْعُ کی طرح اور اَسَا یَأْسُوْ کی دَعَا یَدْعُوْ کی طرح اور اَتٰی یَأْتِیْ کی رَمٰی یَرْمِیْ کی طرح اور وایٰ یَئِیْ کی وَقٰی یَقِیْ کی طرح اور اَوٰی یَأْوِیْ کی شَوٰی یَشْوِیْ کی طرح اور نَایٰ یَنَایٰ کی رَعٰی یَرْعٰی کی طرح گردان ہوگی۔

(۲) **مثال واوی** - مثال واوی میں تین بابوں میں فاء کلمہ گر جاتا ہے (۱) باب ضَرَبَ میں جیسے وَعَدَ یَعِدُ میں (۲) باب فَتَحَ میں جیسے وَھَبَ یَھَبُ میں (۳) باب حَسِبَ میں جیسے وَرِثَ یَرِثُ میں، اور باب سَمِعَ میں صرف دو جگہ گرتا ہے (۱) وَطِئَ یَطَأُ میں (۲) وَسِعَ یَسَعُ میں، ان مذکور کے علاوہ مثال واوی گردانیں صحیح کی طرح ہوں گی، جیسے وَجِلَ یَوْجَلُ وَجْلًا میں البتہ امر اِیْجَلْ بابدال الواو یاءً آئے گا۔

(۳) **مثال یائی** - اس کی تمام گردانیں صحیح جیسی ہیں کوئی تبدیلی نہیں ہے جیسے یَسَرَ یَیْسِرُ یُسْرًا۔

(۴) **اجوف واوی** - باب نصر سے اس کی گردان قَالَ یَقُوْلُ کی طرح ہوتی ہے اور باب سَمِعَ سے خَافَ یَخَافُ کی طرح ہوگی اور باب ضَرَبَ سے بَاعَ یَبِیْعُ کی طرح ہوتی ہے۔

(۵) **اجوف یائی** - باب ضَرَبَ سے بَاعَ یَبِیْعُ کی طرح اور باب سَمِعَ سے خَافَ یَخَافُ کی طرح جیسے نَالَ یَنَالُ کی ہوتی ہے لیکن اس میں نَالَ یَنِیْلُ بھی چلتا ہے باب بَاعَ یَبِیْعُ کی طرح گردان رہیگی، اور امر نَلْ مثل خَفْ اور نِلْ مثل بِعْ دونوں آتا ہے۔

(۶) **ناقص واوی** - باب نصر سے دَعَا یَدْعُوْ کی طرح اور باب سَمِعَ سے رَضِیَ یَرْضٰی کی طرح اور باب فَتَحَ سے لَغٰی یَلْغٰی کی طرح یا رَعٰی یَرْعٰی کی طرح گردان ہوگی، اور باب کَرُمَ سے صَفُوَ یَصْفُوْ کی طرح اور باب ضَرَبَ سے بَغٰی یَبْغِیْ کی طرح مگر اس اخیر باب سے ناقص واوی کے افعال بہت کم ہیں۔

(۷) **ناقص یائی** - باب ضرب سے رَمٰی یَرْمِیْ کی طرح اور باب سمع سے خَشِیَ یَخْشٰی کی طرح اور باب فتح سے رَعٰی یَرْعٰی کی طرح اور کَرُمَ سے ھَدٰی یَھْدِیْ ھُدًی کی طرح، ناقص یائی کے افعال بھی باب نَصَرَ اور کَرُمَ سے عربی زبان میں کم ہی آتے ہیں۔

(۸) **لفیف مفروق** - جو فعل لفیف مفروق ہو تو اس کے فاء کلمہ میں معتل فاء کی اور لام کلمہ میں معتل لام کی تعلیلات چلیں گی چناں چہ وَقٰی یَقِیْ میں ایسا ہی ہوتا ہے اور باب ضرب سے اس کی گردان وقی یَقِیْ کی طرح ہوگی اور حَسِبَ سے وَلِیَ یَلِیْ کی طرح اور باب سمع سے وجی یَوْجیٰ کی طرح ہوتی ہے لیکن سمع سے لفیف مفروق بہت کم

آتا ہے۔

(۹) **لفیف مقرون** جو فعل لفیف مقرون ہو اس کا عین کلمہ صحیح کا حکم رکھتا ہے جس میں کوئی تعلیل اور تبدیلی نہیں ہوتی ہے جیسے طوٰی اور اس کے لام کلمہ کا حکم ناقص والا ہے جیسے روٰی یَرْوِیْ رِوَایَۃً اور یہ باب ضرب سے طوٰی یَطْوِی کی طرح اور باب سمع سے قَوِیَ یَقْوِیْ قُوَّۃً کی طرح استعمال ہوتا ہے، اور لفیف مقرون صرف انہیں دو بابوں سے آتا ہے فقط۔

(۱۰) **مضاعف**۔ چار باب سے آتا ہے (۱) نَصَرَ سے جیسے مَدَّ یَمُدُّ مَدًّا (۲) باب ضَرَبَ سے جیسے فَرَّ یَفِرُّ فَرًّا وفِرَارًا (۳) باب سمع سے جیسے عَضَّ یَعَضُّ عَضًّا (۴) باب کَرُمَ سے جیسے حَبُبَ یَحْبُبُ حُبًّا۔

فائدہ: صاحب علم الصیغہ نے مہموز یا معتل یا مضاعف کی گردانیں بیان کرنے سے پہلے مہموز کے جو جو قاعدے ہیں یا معتل اور مضاعف میں تعلیل کے جو اصول ہیں وہ سب یکجا ذکر کردیئے ہیں ان کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد کسی بھی گردان کے خواہ وہ کسی بھی باب سے ہو کسی بھی صیغے میں جاری قاعدہ کو بآسانی نکالا جا سکتا ہے۔

تتمۂ نافعة

ابھی تک فعل کی ان چودہ قسموں کا ذکر آیا ہے جن میں فقط ایک ہی قسم ہوتی ہے یعنی وہ فعل صرف مہموز ہوگا یا صرف معتل ہوگا یا صرف مضاعف ہوگا اب آگے وہ قسمیں بھی فعل کی جان لینے چاہئیں کہ جن میں دو دو قسمیں اکٹھی ہوگئیں، چنانچہ مرکبات مہموز و معتل جس کا مطلب یہ ہے کہ فعل میں ہمزہ بھی اور حروف علت بھی پایا جاوے تو عقلاً اس کی پندرہ قسمیں بنتی ہیں اس طرح کہ:

کہ فعل میں فاء کلمہ کی جگہ تو ہمزہ ہو اب آگے عین اور لام کلمہ ان میں پانچ صورتیں بنتی ہیں (۱) مہموز الفاء ہونے کے ساتھ اجوف واوی ہو جیسے آلَ یَؤُلُ مانند قال یقول (۲) مہموز الفاء ہونے کے ساتھ اجوف یائی ہو جیسے آدَ یَئِیْدُ مانند بَاعَ یَبِیْعُ (۳) مہموز الفاء ہونے کے ساتھ ناقص واوی ہو جیسے اَلَا یَاْلُوْ مانند دَعَا یَدْعُوْ (۴) فاء کلمہ مہموز ہی رہے اور ناقص یائی ہو جیسے اَتٰی یَاْتِیْ مانند رَمٰی یَرْمِیْ (۵) مہموز الفاء ہونے کے ساتھ لفیف مقرون ہو جیسے اَوٰی یَاْوِیْ مانند طوٰی یَطْوِی۔

پھر فاء کے بجائے عین کلمہ ہمزہ ہو تو اس کی بھی پانچ قسمیں ہیں (۱) عین کلمہ مہموز ہو تو اب فاء کلمہ مثال واوی ہو جیسے وَأَدَ یَئِدُ وَأْدًا مانند وَعَدَ یَعِدُ (۲) مہموز العین ہو اور فاء کلمہ مثال یائی ہو جیسے یَئِسَ یَیْئَسُ مثل حَسِبَ یا سَمِعَ کہ دونوں باب سے آتا ہے (۳) مہموز العین ہو اور لام کلمہ ناقص واوی ہو جیسے مَاٰی یَمْاٰی کہ رَضِیَ یَرْضٰی کی طرح

ناقص واوی ہے (۴) مہموز العین ہی رہے اور لام کلمہ ناقص یائی بن جائے، جیسے رَاٰی یَـرٰی رُؤْیَۃٌ (۵) مہموز العین اور لفیف مقرون ہو جیسے وَاٰی یَئِیُ وَاْیًا۔

اور تیسری شکل یہ ہے کہ ہمزہ لام کلمہ کی جگہ ہو پھر مہموز اللام ہونے کے ساتھ (۱) مثال واوی ہو جیسے وَجَأَ یَوْجَأُ وَجْأً (۲) مثال یائی ہو اس کی مثال کلام عرب میں ملی نہیں ہے (۳) اجوف واوی ہو جیسے ضَـاءَ یَضُوْءُ ضَوْءًا (۴) اجوف یائی ہو جیسے جَاءَ یَجِیْءُ مَجِیْئًا (۵) فاء کلمہ اور عین کلمہ دونوں کی جگہ حرف علت ہو ایسی مثال بھی کلام عرب میں موجود نہیں ہے۔

بہر حال جو فعل دونوں قسموں والا ہو کہ بیک وقت اس میں ہمزہ بھی حرف علت بھی ہو تو ایسے فعل کی گردان کس طرح ہوگی ہم نے اوپر پندرہ قسموں میں لفظ مانند بڑھا کر اشارہ کر دیا ہے کہ کس وزن پر گردان ہوگی۔

اب مسئلہ رہ جاتا ہے ایسے فعل کا جو مضاعف ہونے کے ساتھ یا تو مہموز ہو یا معتل ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ:
مضاعف ثلاثی ہو اور فاء کلمہ کی جگہ ہمزہ ہو یعنی مہموز الفاء اور مضاعف ثلاثی ہو تو وہ تین باب سے آتا ہے (۱) نصر سے جیسے اَمَّ یَؤُمُّ (۲) باب ضرب سے جیسے اَنَّ یَئِنُّ اَنِیْنًا (۳) باب سمع سے جیسے اَثَّ یَأَثُّ اَثَاثًا بمعنی گنجان ہونا۔

دوسری شکل یہ ہے کہ فاء کلمہ معتل ہو اور مضاعف ثلاثی ہو لیکن واوی ہو جیسے وَدَّ یَوَدُّ۔

تیسری شکل یہ ہے کہ فاء کلمہ معتل تو ہو لیکن یائی اور مضاعف ثلاثی ہو جیسے یَمَّ یَیَمُّ یَمًّا، دریا میں پھینکنا۔

اب ایک بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جو رد و بدل یا تعلیل افعال اور ان کے صیغوں میں چلتی ہے وہ ان کے مصادر میں بھی ضرور ہوتی ہے گویا کہ جتنی قسمیں فعل کی بتلائی گئی ہیں وہ سب مصدروں میں بھی جاری ہوتی ہیں مگر مرغی اور انڈے کی طرح یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اصل تعلیل مصدر میں ہوتی ہے یا اس سے بنے افعال میں کیونکہ یہی طے نہیں ہے کہ پہلے فعل ہوتا ہے یا مصدر ہوتا ہے کیونکہ اللہ جانے کہ افعال کو دیکھ کر مصدر نکالا جاتا ہے یا مصدروں سے فعل تیار کئے جاتے ہیں خواہ عربی ہو یا اردو یا فارسی سب زبانوں میں یہی حال ہے کوئی نہیں بتا سکتا کہ لکھنا مصدر پہلے ہے یا اس سے جو مختلف فعل اور صیغے مثلاً ''اس نے لکھا'' ''آپ لکھو'' بنائے جاتے ہیں وہ پہلے ہیں، مگر علمائے صرف ونحو نے فیصلہ یہ دیا ہے کہ تعلیل کے اعتبار سے تو فعل اصل ہے کہ پہلے اس میں ہوتی ہے پھر اس کے مصدر میں اور اشتقاق کے اعتبار سے مصدر اصل ہے کہ وہ خود پہلے ہوتا ہے پھر اس سے افعال اور صیغے تیار کئے جاتے ہیں۔

تنبیہ۔ یہ صرف ونحو سے متعلق جو مباحث بندہ کی ذہن میں تھی ان کو سپرد قرطاس کرتے ہوئے کوئی خاص کتاب سامنے نہیں ہے اس لئے اس مضمون میں آمدہ غلطی سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

محمد زاهد عفی عنه

۲ ربیع الاخر ۱۴۳۱ھ بروز جمعہ مطابق ۱۹ مارچ ۲۰۱۰ء

درس نظامی کا

تعارف

مع اس کی خوبیوں کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس نظامی کی حقیقت ''اس کا مقصد''

اور تاریخ میں اس کے فضلاء کی خدمات کا رد عمل

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنی پیدائش کے بارے میں پہلے سے اتنا بھی پتہ نہیں ہوتا ہے جتنا کہ کم از کم اسے اپنی شادی کے بارے میں میں خبر ہوتی ہے کہ فلاں تاریخ میں ہے نہ وہ یہ جان سکتا ہے کہ میں کس ملک کے کس صوبہ یا ضلع یا گاؤں یا برادری یا کس خاندان کے کس مالدار یا غریب گھر میں جنم لوں گا بس کوئی ذات ہے جو اسے دنیا میں لے آتی ہے پھر اس دنیا سے اس کی واپسی کب ہے یہ بھی اسے کوئی خبر نہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہر کسی انسان کی موت وحیات کا نظام اس کے بس سے باہر ہے اور کوئی اور ہی ذات ہے جس کے ہاتھ میں اس کائنات کی سلطنت ہے جو یہاں بھیجتی ہے اور واپس کر لیتی ہے، قرآن کے پارہ ۲۹ کی پہلی آیت میں ہے تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورہ ملک) (زبردست ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں اس کائنات (دنیا) کی سلطنت ہے اور وہ سب کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہی ہے جس نے موت اور زندگی کا نظام چلایا تا کہ جانچ لے کہ تم میں کون سب سے اچھے عمل والا ہوتا ہے) بلکہ دوسری آیات میں اس بات کا بالکل صفایا کر دیا کہ کوئی یوں ہی آپ سے آپ ہی خود بخود پیدا ہو گیا ہو یا اس نے خود اپنے کو پیدا کیا ہو۔ چنانچہ (پارہ ۲۷ رکوع ۲ میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں" اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ۝'' کہ کیا وہ بغیر خالق کے پیدا ہو گئے یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی ان میں سے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کر سکتا بغیر کسی خالق کے اور کرنے والے کے کبھی کوئی کام ہوتا ہوا پایا ہی نہیں جاتا اور جو چیزیں اس کائنات میں خود بخود ہوتی دکھائی دیتی ہیں ان کے سب کے پیچھے خدا کی غیبی طاقت کار فرما ہے بس ایک اللہ تو ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور کسی نے اس کو نہیں بنایا بلکہ اسی نے سب کو بنایا اور اس جہاں میں جو کچھ بھی پایا جاتا ہے سب ہی اس کا پیدا کردہ اور اس کی مخلوق ہے،

جب یہ طے ہو گیا کہ اس دنیا کا ذرہ ذرہ جس میں انسان بھی داخل ہے خدا کا پیدا کردہ ہے تو اب انسان بجائے مختار کے ماتحتوں میں شامل ہے اس ماتحتی کے نتیجہ میں اس کا بالکل حق نہیں پہونچتا کہ اپنے خالق مالک، آقا کی مرضی کو ترک کر کے اپنی

منشا پر چلے۔ورنہ تو یہ اس کی کھلی بغاوت اور سرکشی ہے۔

پھر ایک عام عقلمند کا کوئی بھی کام عبث بیکار نیز خوامخواہ بے فائدہ نہیں ہوا کرتا ہے چہ جائے کہ اللہ رب العزت جو عقل اور اہل عقل کا خالق ہے اس کا کام کیسے عبث اور فضول ہوسکتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ انسان اور دوسری مخلوقات کو بنائے اور اس کا کوئی مقصد نہ ہو یہ کبھی بھی نہیں ہوسکتا قرآن میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ "وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ" کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی سب چیزیں ہم نے خوامخواہ نہیں بنائیں اور اے انسان اور اے جن تم خواہ مخواہ بیکار نہیں بنائے گئے چنانچہ فرمایا:" اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ٥"۔کیا تم سوچ بیٹھے ہو کہ محض بیکار ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور یوں سوچ بیٹھے ہو کہ تم ہمارے پاس واپس نہ لائے جاؤ گے۔

پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ مقصد کھول دیا جس کے لیے جنات وانسان کی پیدائش ہے فرمایا:"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥" کہ بس اور بس میں نے جنات اور انسان کو اپنی ہی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اب یہاں ایک زبردست الجھن پیدا ہونے والوں کے ذہن میں جو آسکتی تھی وہ اللہ عالم الغیب نے ساتھ ہی ساتھ ہٹادی کہ میں جنات اور انسان کو پیدا کرکے ان سے عام انسانوں کی عادت کے مطابق اپنا کوئی نفع نہیں چاہتا کہ وہ رزق پیدا کریں میرے لیے یا اپنے لیے یا میری دوسری مخلوق کے لیے اور یا یہ کہ وہ مجھے کما کر کھلائیں (یہ سب گفتگو اللہ رب العزت کی عام عادت انسان کے مطابق ہے) کیونکہ بڑے سے بڑا انسان جو نوکر چاکر رکھتا ہے یا اس پر خرچ کرتا ہے تو اس کا مقصد ان غلاموں سے اپنے کام لینا، اپنی ضروریات، اور کاموں میں مدد لینا اور کمائی کرکے آقا کو دینا ہوتا ہے حق تعالیٰ ان سب چیزوں سے پاک ہے،اس لیے آگے "مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ٥ "کہ میں نے نہ ان سے اپنی کسی مخلوق کی روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔فرما کر انسان وجن کو عبادت کے علاوہ کسی اور کام کے لیے پیدا کرنے کی بالکل "نفی" کردی پھر آگے بتادیا:" اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ٥ " کہ ہم اپنی مخلوق کی روزی ان سے متعلق کرتے ہی کیوں ہم تو خود سب سے بڑے طاقتور رزّاق ہیں، بلکہ اس سے بڑھکر دوسری جگہ، پ ۱۶ کے آخری رکوع میں تو یہانتک فرمادیا:" وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْاَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ٥ (کہ اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کرو اور اس پر جمو، ڈٹو ہم کو تم سے روزی نہیں چاہئے روزی تو ہم دیں گے)۔

پھر اللہ تعالیٰ کا روزی دینا کس کو معلوم نہیں ہے سب جانتے ہیں کہ کائنات اسی کے قبضہ میں ہے ایک بارش نہ ہو تو دنیا کے سارے بازار، ناٹیں ٹائیں فش یعنی بے نتیجہ بن جائیں، خدا کے رزّاق ہونے کا مطلب یہ لینا کہ وہ گھر میں آٹا چاول بھجوائے یا تنخواہ پہنچوائے احمق پنے کی انتہا ہے بلکہ روزی کے اسباب بنانا مراد ہے۔

اس ساری تمہید اور تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اپنے اس دنیا میں آنے کے مقصد کا علم ہوجائے کہ ہم خدا کی عبادت

کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور چونکہ نہ خود پیدا ہوئے اور نہ خود پیدا کرنے والے ٹھہرے بلکہ اس کائنات کی کسی بھی چیز کی پیدائش میں بھی ہمارا کوئی ساجھا اور شرکت نہیں نہ آسمان بنوانے نہ زمین بنوانے نہ سورج چاند کے بنانے میں تو اب جب بلاشرکت غیرے یہ کائنات اللہ کی ہے تو اب اس کائنات میں حکم بھی اللہ کا بلاشرکت غیرے چلنا ایک معقول بات ہے اس کے برخلاف جو سوچے وہ کھلا باغی اور سرکش ہے اپنے خالق کا اور مالک کا۔

جب ہر انسان خدا کا بندہ ''مربوب'' یعنی پروردہ غلام اور ماتحت ٹھہرا اور عبادت کے لیے اس کو پیدا کیا گیا تو اب ضرورت تھی ''عبادت'' کا طریقہ جاننے کی عبادت کا مطلب ہی ہے جو کہا جاوے وہی کرنا اور جس سے منع کیا جائے اس سے رکنا یعنی تابعداری میں کوئی اختیار نہیں ہے تو اللہ تعالی کو اپنی عبادت کرانے کے لیے ضرورت تھی ''عبادت'' سے واقف کرانے کی جس کے لیے اس کی طرف سے ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی ''منشور'' یعنی حکم نامہ یا آسمانی کتاب انسانوں میں سے ہی کسی انسان پر جو رسول یا نبی کہلاتا ہے اترا ہے۔

اس امت کا یہ ''منشور یا حکم نامہ'' قرآن مجید'' کی شکل میں ہے پھر بذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس منشور کی جو تشریح اور وضاحت اس امت کے لیے موجود ہے وہ ''حدیث پاک'' کہلاتی ہے پھران دونوں کی روشنی میں جوملی رہنمائی امت کو کی گئی ہے وہ ''علم فقہ'' کا نام پاتا ہے۔

''یہ تین علوم'' تفسیر، حدیث، فقہ، ان کی واقفیت ہی کا نام درحقیقت، عالم یا مولوی بننا کہلاتا ہے اور درس نظامی کا فاضل کہلاتا ہے، مگر مذکورہ بالا تینوں کی زبان ''عربی'' ہے۔

''عربی'' زبان اس امت کے لیے ایک تحفہ اور عطاء ربانی ہے حاکم وقت کی جو زبان ہوتی ہے تو اسی میں پڑھنے لکھنے کو سرمایہ افتخار سمجھا جاتا ہے، اس کے سیکھنے سکھانے پر تمام مرمٹنے لگتے ہیں اور تمام دفتروں اور سرکاری محکموں کی زبان وہی کر لی جاتی ہے کاش امت مسلمہ کو عبرت ہو جو چھوٹی چھوٹی سرکاروں کی زبانوں کو احکم الحکمین کی زبان پر فقط اس لیے برتر مان رہی ہے کہ بظاہران سے دنیا وابستہ ہے جبکہ اگر ہم ہوش کریں تو عربی سے تو ہماری آخرت وابستہ ہے اور آخرت کی طویل زندگی کے مقابلہ میں یہ دنیوی ساٹھ ستر سالہ زندگی کی حقیقت ہی کیا ہے جو دنیوی زبانوں پر اتنی محنت کر رہے ہیں، مختلف زبانیں بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں ان میں بولنا سیکھنا منع نہیں مگر آخر حد ہو کہ کہنے کو جناب ایم بی بی ایس ہیں، ڈاکٹر ہیں، وکیل ہیں، افسر ہیں، دنیا بھر کی ڈگریاں لیے پھر رہے ہیں مگر کمال یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم تک کا ترجمہ بھی معلوم نہیں ہے، فَيَا لَلْعَجَبُ۔

خیر مجھے یہ بتانا ہے کہ اس امت کے نام خدا کا پیغام چونکہ عربی زبان میں آیا ہے اور جو لیکے آیا یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مادری زبان بھی عربی ہے اور آگے خدا اور رسول کی باتوں کی وضاحت وتشریح بھی اسی عربی زبان میں ہے تو ایک دیندار اور امت مسلمہ کے ہر فرد کے لیے اس زبان کا سیکھنا کیا اہمیت رکھتا ہے خود جاننے کی ضرورت ہے۔

لیکن دینی معلومات کے حاصل کر لینے کے لیے عربی زبان سیکھنا نہ ہر شخص پر ضروری ہے اور نہ ہی اس پر مدار ہے۔

الحمد للہ دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں ان کی اپنی مادری زبانوں میں کیا قرآن کریم اور کیا حدیث پاک اور کیا علم فقہ سب کے ترجمے موجود ہیں اور ان سے دینی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ مگر یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ ترجمے اور تشریح کرنے والے بعض دفعہ یا تو خیانت سے کام لیتے ہیں یا نااہلیت کی وجہ سے غیر مراد پیش کر دیتے ہیں اس لیے بعض دفعہ اصل ماخذ اور اس چشمہ صافی سے ملانے کی نوبت پیش آتی ہے جہاں سے وہ ترجمہ اور تشریح لی گئی ہے جس کی وجہ سے قرآن وحدیث اور فقہاء کے کلام سے مراجعت اور ملان کی نوبت آنا ایک زبردست مجبوری ہے اس لیے کچھ افراد امت کے اندر ایسے رہنے ضروری ہیں جو عربی زبان کے ماہر ہوں اور ادھر اپنی مادری زبان میں جو کچھ عربی ذخیرہ سے ترجمہ وتشریح کی شکل میں نقل کیا گیا ہے وہ کس حد تک صحیح ہے اس کی جانچ کرتا رہے ورنہ تو ہر فرقہ اپنے اپنے حساب سے قرآن وحدیث اور فقہاء کی عبارات کا ترجمہ اور تشریح کرنے پے تلا ہوا ہے۔ قادیانیت، بریلویت، اہل حدیث، اور اہل دیوبند کے ترجمے تقابل کر کے دیکھے جا سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین کی اتنی معلومات جس سے عبادت کا مفہوم جان کر عبادت بجالانا آسان ہو سکے تو یہ فرض عین ہے عربی کے ذریعہ ہو یا اپنی مادری زبان کے ذریعہ لیکن جہاں تک دین کی دیکھ ریکھ اور صحیح جانچ پڑتال اور پورے قرآن مجید کے معانی ومسائل کو سمجھنا، تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا قرآن وحدیث سے جو احکام ومسائل نکلتے ہیں ان سب کا علم حاصل کرنا ان میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال وآثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں اس لیے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کر لیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے۔

سطور مذکورہ سے ''عربی سیکھنے کی اہمیت'' جب ظاہر ہو گئی تو اب سمجھ لیجئے کہ یہ زبان ہو یا کوئی اور ہو بنیادی طور پر اس کے لیے گرامر اور قواعد اصول اور ضابطے جاننے ہوتے ہیں جو اہل زبان کے استعمال کو دیکھ کر طے ہوتے ہیں ان کی بول چال کا جو طور وطریق ہے اس سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ ان کی طرح ہمیں بولنے میں آسانی ہو سکے۔ مگر اس طور طریق کے جاننے کو تین حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے (۱) علم لغت یا علم اشتقاق (۲) علم نحو (۳) علم صرف'' ہر زبان کے سیکھنے کے لیے سب سے اول اول جو ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم یہ اندازہ کر لیں کہ کس چیز پر کیا لفظ بولتے ہیں یا کیا لفظ بول کر اس سے کس چیز کا ارادہ کرتے ہیں پھر یہ چیزیں وہ بھی ہیں جو ظاہری ہیں وہ بھی جو باطنی ہیں وہ بھی ہیں جن کا تعلق کاموں سے ہے وہ بھی جنکا تعلق ناموں سے ہے وہ بھی جن کا تعلق نہ ناموں سے نہ کاموں سے بلکہ محض کیفیت اور حالت کو بتانے کے لیے ہوتے ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ ٹوپی، قلم، کاپی، یہ مادی چیزیں ہیں جو باہر کی دنیا میں نظر آتی ہیں اس پر جو لفظ بولے جاتے ہیں وہ الگ ہیں، اور بزدلی بہادری خوشی غمی یہ صرف ذہن میں سمجھی جانے والی چیزیں ہیں باہر کی دنیا میں دیکھی نہیں جاتی ہیں ان پر جو لفظ بولے جائیں گے وہ اور ہیں

یہ تو ظاہری اور باطنی چیزوں کی تشریح ہے پھر اسی کی دوسری تقسیم ہے کہ کچھ لفظوں سے تو محض نام بتانا ہے جیسے سہارنپور، دیوبند، اتوار، پیر، عبدالوحید، محمد زاہد، اسطرح کے لفظ سب اسماء کہلاتے ہیں، اور بعض لفظوں سے کاموں کو بتایا جاتا ہے جیسے کھانا پڑھنا، لکھنا، آنا، جانا، سونا، وغیرہ وغیرہ انکو افعال کہتے ہیں، اور بعض لفظ وہ ہیں جن سے نہ نام سمجھ میں آتا ہے نہ کام بلکہ انہی دو چیزوں نام و کام کے جوڑ دکھانے کے لیے لائے جاتے ہیں چاہے وہ جوڑ اوپر نیچے کا ہو جیسے زید چھت پر ہے یا اندر باہر ہونے کا جیسے گھر میں ہے یا اور کسی طرح کا ہو جیسے اس کا بھائی میرے پاس کو ہو کر گزرا ہے ۔

تو کسی زبان میں یہ جان لینا کہ اس لفظ کے یہ معنی ہیں یا اس چیز پر یہ لفظ بولا جاتا ہے اس کا نام علم لغت ہے خواہ وہ لفظ اسم ہو یا فعل ہو یا حرف، علم لغت اور علم اشتقاق میں تھوڑا سا فرق ہے وہ انشاء اللہ آگے آرہا ہے۔

تو زبان سکھانے کے لیے ایک تو اس زبان کے اسماء کا معاملہ ہے ایک اس زبان کے افعال کا معاملہ ہے بس یہی دونوں اصل ہیں رہا حروف کا معاملہ وہ مستقل نہیں ہے بلکہ اسماء کے تابع کر کے اسی کے بیان میں ان کا بیان بھی سمجھا دیا جاتا ہے۔

تو کسی بھی زبان کے گرامر اور قواعد میں افعال کا استعمال ایک مستقل مسئلہ ہے کیونکہ مثلاً بیٹھنا یا چلنا یہ کام ہیں لیکن اب ان سے جو الگ الگ الفاظ بنیں گے جنہیں صیغے کہتے ہیں وہ کافی مقدار میں ہیں کبھی کہا جائے گا "وہ بیٹھا" کبھی کہیں گے "وہ بیٹھی"، کبھی کہیں گے "بیٹھ"، کبھی کہیں گے "مت بیٹھ"، اسی طرح سے چلنا ایک مصدر ہے اس سے مختلف مردوں عورتوں اور ایک دو بہت سوں کے لئے تبدیلیاں کر کے بولنا پڑتا ہے تو یہ جو ادلا بدلی یا صرف اور گھمانا پھرانا کرنا ہوتا ہے جس سے ایک ہی مصدر سے بے مختلف الفاظ بنانا آجائے۔ اس کے لیے اسی زبان کا علم صرف درکار ہوتا ہے۔

اور گفتگو جب بنے گی تو خالی فعل سے تو بنتی نہیں ہے جو اس کام کو کرے گا یعنی فاعل اور جس آدمی یا چیز کے ساتھ وہ کام پایا جائے گا یعنی **مفعول به** اور کب کیا یعنی **مفعول فيه زمان** اور کہاں کیا یعنی **مفعول فيه مكان** اور کس حالت میں کیا یعنی **حال** اور کیوں کیا یعنی **مفعول له** یہ سب فعل اور صیغے کے ساتھ لگتے ہیں پھر ان کی ترتیب قائم رکھی جاتی ہے کون پہلے بولیں گے کون سے کو بعد میں پھر عربی میں خاص طور سے کس کلمہ پر کیا پڑھنا پیش یا زبر یا زیر جو ان کے اپنی اپنی الگ الگ مقدم و مؤخر ہونیکی وجہ سے مختلف ہو جاتا ہے یہ سب کام علم نحو کے حوالہ ہے۔

تو "**علم صرف**" سے کسی بھی مصدر سے مختلف صیغے اور الفاظ حسب موقعہ تیار کرنا آتا ہے اور "**علم نحو**" سے جو بھی کلام اور گفتگو بنے گی ان کی ترتیب اور ترکیب قائم رکھنا آتا ہے مقدم اور مؤخر جو لفظ جس جگہ آنا چاہیئے اس سے واقفیت ہوتی ہے، "**علم لغت**" صرف معنی اور مفہوم کی جانکاری دیتا ہے کہ فلاں لفظ سے اس زبان والے یہ سمجھتے ہیں اور یا یہ مراد لیتے ہیں، رہا **علم اشتقاق** وہ **علم لغت** میں ہی صرف تھوڑی سی باریکی جاننے کا نام ہے کہ بعض دفعہ ایک لفظ اس کی اصل نکالنے پر بھی معنی کچھ ہو سکتے ہیں تو کبھی کچھ مثلاً "بدھو" کا لفظ ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) جو احمق ہو (۲) جو بدھ

کے دن پیدا ہوا ہو۔ اس کا اشتقاق بدھ ہونے سے لیں تو اول مطلب ہوگا اور بدھ کے دن سے لیں تو دوسرا مطلب لیا جائے گا
۔ایسے ہی عربی میں مسحاً اور مساحۃ دو لفظ ہیں اول کے معنی ہیں بھیگا ہاتھ پھیرنا دوسرے کے ہیں ناپنا اور پیمائش کرنا اور ان سے جو صیغے بنتے ہیں وہ دونوں کے ایک ہی طرح کے بنتے ہیں مثلاً مَسَحَ الرَّأسَ (اس نے سر کا مسح کیا) اور مَسَحَ الاَرْضَ (اس نے زمین کی پیائش کی) تو علم اشتقاق سے واقف کہ پہلا مَسَحَ مسحاً مصدر سے بنا ہے اور دوسرا مَسَحَ مساحۃ سے بنا ہے صحیح ترجمہ کر سکے گا دوسرے سے غلطی ہو سکتی ہے۔ تو یہ اب چار (۱) علم لغت (۲) علم اشتقاق (۳) علم صرف (۴) علم نحو ان کا تعلق کسی بھی زبان کی ظاہری عبارت سے ہے غیر مادری زبان کے علاوہ اگر اس ملک میں سکونت اور رہائش نہ ہو اور قواعد کی مدد سے کوئی زبان سیکھنی ہو تو اس کے لیے یہ چاروں فنون اور علوم ضروری ہیں اس لیے عربی سیکھنے کے لیے یہ بنیادی علوم ہیں ان کے بغیر کلام اور گفتگو صحیح بنانی یا بولنی یا لکھنی یا پڑھنی نہیں آسکے گی مگر ان چاروں فنوں کا تعلق محض ظاہری عبارت کے توڑ جوڑ سے ہے کہ جو لفظ لانا ہو وہ لایا جاوے اور اس کی ترتیب اور سیٹنگ آگے پیچھے تیز مرد و عورت کا لحاظ کرتے ہوئے پھر حاضر غائب اور ایک دو جس کے لیے جو لفظ بولنا ہے وہ بولنا آجاوے کسی بھی زبان کی گفتگو جتنی زیادہ اہل زبان کے مطابق ہر ہر چیز میں مطابق اور سیٹ اور مرتب ہوگی وہ کلام اتنا ہی زرّین دلنشین اور جاندار ہوگا یوں چاہے ٹوٹے پھوٹے غیر مرتب کلام سے بھی بھی مراد تک رسائی ہو جاتی ہے۔

تو درس نظامی کے طالب علم کے لیے سب سے اول تو ان چاروں علوم میں مہارت درکار ہے اسے ضروری ہے کہ ان میں خوب محنت کرے تاکہ عربی زبان پر اس کو دسترس ہو جائے۔

مگر پھر فقط عربی آنے کے لیے گزشتہ چار علوم سے کام چل جائے گا لیکن تین علوم جدید اور ایسے ہیں کہ بغیر ان کے جانے قرآن کے صحیح مطلب تک پہنچنے میں لوگ زبردست غلطی کرنے لگے تھے اور قرآن کا جو یہ معجزہ ہے کہ جنات و انسان سب ملکر بھی اس جیسی ایک سورہ نہیں بنا سکتے کیوں نہیں بنا سکتے اور اس کی وجہ کیا ہے۔

وہ ان تین علوم کے ذریعہ سے ہی جانا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان تین علوم میں جنہوں نے ممتاز اور اعلیٰ مقام پایا ہے قرآن کریم کے صحیح سمجھانے میں وہ سب سے سبقت لے گئے اور ان کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا۔

لَولا الاَعرجَانِ لَمَافُهِمَ القُرآنُ ۔ کہ اگر دو لنگڑے نہ ہوتے تو قرآن نہ سمجھا جاتا ان دو لنگڑوں سے مراد ایک تو علامہ زمخشری ہیں جن کی تفسیر کشاف ہے اور دوسرے علامہ تفتازانی ہیں جنہوں نے انہی تین علوم پر کتاب مختصر المعانی لکھی ہے اور وہ تین علوم یہ ہیں (۱) علم معانی (۲) علم بیان (۳) علم بدیع (ان تینوں کا اکٹھا نام "علم بلاغت" بھی ہے)۔

بہر حال یہ تین علوم یوں تو کسی بھی زبان اور عربی کے ہر کلام میں کام آسکتے ہیں مگر مد نظر ان کی ایجاد میں وہ قرآن کی افہام و تفہیم ہے اس لیے کوئی بھی شخص ان تینوں کے جانے بغیر اپنے کو تفسیر کا اہل سمجھے تو سمجھے مگر حقیقت میں وہ مفسر کہلانے کا

مستحق نہیں ہے۔

اب میں ان تینوں کی مختصری وضاحت سامنے لاتا ہوں۔

علم معانی

معنی کی جمع ہے معنی کے معنی ہیں حالت، کیفیت، موڈ، پوزیشن، ''علم معانی'' وہ کہلاتا ہے جس کے ذریعہ مخاطب (جس سے گفتگو ہورہی ہے) کے مزاج اور موقع کو دیکھ کر بات کرنا آجائے جہاں جیسا موڈ دیکھا، ''نرم تو نرم'' ''گرم تو گرم'' کم کا موقع تو کم گفتگو زیادہ کا موقع ہو تو زیادہ گفتگو ایسے ہی مخاطب (جس سے بات ہورہی ہے) وہ کم سمجھ یا ذہین اور سمجھدار یا درمیانی حساب کا جیسا بھی ہے ویسی ہی گفتگو کرنا یا مخاطب کے ذہن میں ردوانکار نہ ہو تو بغیر تاکید (ہرگز یا بالکل) لگائے، شک ہو یا ٹھکرانے دینے کا اندیشہ ہو تو ڈانٹ ڈپٹ پر مشتمل بات کرنا چنانچہ عربی میں علم معانی کی تعریف یہ ہے ''هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ اَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الَّتِيْ بِهَا يُطَابِقُ اللَّفْظُ مُقْتَضَى الْحَالِ'' ۔یعنی علم معانی وہ ہے کہ جس کے ذریعہ لفظ عربی کے وہ حالات اور کیفیات معلوم ہوں جن حالات سے وہ عبارت اور گفتگو وہاں کے حال اور موقع کی چاہت کے مطابق ہو جائے، یعنی حال اور موقع جیسے لفظ لانے کا تقاضہ کررہا ہے اس طرح کے الفاظ لانے کی صلاحیت جس علم سے پیدا ہو جائے وہ ''علم معانی'' ہے چنانچہ قرآن کریم میں مکمل ایسا ہی ہے مکہ والوں کو اپنی زبان دانی اور شاعری پر ناز تھا تو مکہ میں نازل سورتوں اور آیتوں کو دیکھئے کتنے سخت الفاظ پر مشتمل ہیں اس کے برخلاف مدنی آیتوں اور سورتوں کا اسلوب بہت سادہ ہے اسی لیے قرآن کا نصف اول زیادہ تر مدنی ہے تو شروع کا حصہ بہت سیدھی سادھی عربی الفاظ والا ہے اور آخری نصف میں سخت عربی لفظ ہیں قوم ثمود اور قوم عاد اور قوم نوح کے قصوں کو جب آٹھویں پارہ میں لائے ہیں تو کیا طرز ہے اور جب ستائیسویں پارہ سورہ نجم اور قمر میں ذکر آیا تو طرز بیان اس قدر شدت ہے کہ بیان سے باہر ہے موازنہ کر کے دیکھا جائے بخوبی پتہ چل جائے گا تو بہر حال موقع کے مطابق جہاں جیسوں سے پالا پڑے اور جہاں جیسی بات لانی ہے ''نرم گرم'' کم یا زیادہ ''ڈانٹ ڈپٹ، اور بے ڈانٹ ڈپٹ'' اس کا جتنا لحاظ قرآن کریم کے الفاظ اور عبارت میں ہے کسی بشر اور انسان سے اتنا ہو ہی نہیں سکتا اور ہو بھی سکے گا کیسے جبکہ انسان کو پیدا کر کے بولنا آخر اللہ تعالیٰ ہی سکھلاتے ہیں (خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ خالق اور مخلوق کی گفتگو ایک ہی درجہ اختیار کرلے یہ کب ممکن ہے اور کس سے ہے۔

علم بیان

یہ وہ دوسرا علم ہے کہ جس کے پڑھنے اور جاننے سے بقدر طاقت بشری ان خوبیوں اور نکتوں نیز رموز و اسرار کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو قرآن کریم میں ہیں مگر تمام انسان وجنات ایسے خوبیوں والا کلام بنانے اور لانے سے عاجز ہیں اول تو

خود الفاظ اور عبارت پھر ان کی ترتیب اور تنسیق (سیٹینگ) قرآن کریم میں اس قدر حیرت انگیز ہے کہ جس کو بیان میں نہیں لا یا جاسکتا، رہے مضامین تو ایک ایک آیت میں ایسی بات کہہ دی گئی ہے کہ اس سے خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ خالق رب کائنات کا کلام ہی ہوسکتا ہے دنیا کا عام انسان تو الگ جو بادشاہ ہوتے یا کہلاتے ہیں وہ بھی ایسے دعوی کے اہل نہیں ہیں مثلاً یہی آیت "الم نجعل الارض کفاتاً احیاءً و امواتاً" (کہ کیا ہم نے زمین کو مردوں زندوں کی کھپت کی جگہ نہیں بنایا) کہ اسی میں پیدا ہو رہے ہیں اسی میں رہائش ہے اسی میں مر کے کھپ رہے ہیں اور اسی میں ہماری تمام ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ بہر حال "گفتگو" سب سے بڑے انقلاب کا ذریعہ ہے اور گفتگو کی دنیا میں ہر کسی کا رہنا ایک فطری اور طبعی بات ہے اس کا ذائقہ اس کی حلاوت سے ہر کسی کو واسطہ پڑتا ہے گفتگو کے نئے نئے انداز اور طور طریقے گفتگو کا کیف اور مزہ اس کا اچھا اور مندا ہونا اس کا مہذب اور بے ڈھنگا ہونا اور بعض گفتگوؤں کا تاثیر میں جادو کا کام کرنا اس سے کون واقف نہیں ہے اسی لئے اس امت کے لئے جو "معجزہ" منتخب کیا گیا ہے وہ کلام سے متعلق ہے پوری دنیا میں "قرآن کریم" وہ واحد کتاب ہے جس کے سامنے نہ صرف مسلمان بلکہ پوری دنیا کے دانشور اور پڑھے لکھوں کے "سرِ تسلیم" خم ہیں اور ہر معقول آدمی اس کی حقانیت کا قائل ہے۔ اور پوری دنیا کو مسخر رکھنے اور ہدایت بخشنے میں جو اس کی شاندار تاریخ ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

تو علم بیان وہ علم ہے جس میں ایک ہی مضمون اور بات کو ایسے مختلف انداز اور ڈھنگوں سے کہنا آجائے کہ ان میں سے کوئی انداز واضح اور صاف ہو کسی میں کم درجہ کی وضاحت ہو کسی میں بہت زیادہ درجہ کی وضاحت ہو۔ اور کسی میں وہ بات چھپ کر ہو اور کسی میں بھی اور زیادہ چھپانے کے انداز میں ہو۔ مثلاً ہم جب کھانے کے لئے بلائیں گے تو عام آدمی کے لئے بلاغت یہ ہے کہ یوں کہیں "آجا بھائی روٹی کھالے" پڑھا لکھا ہو تو کہیں گے "ماحضر" "لے لیجئے" یا۔ کچھ نوش جان فرمالیجئے ، یا۔ آیئے تشریف لایئے، جان کا بدلِ مَا یَتَحَلَّلُ " حاضر ہے تو ایک ہی مضمون ہے اس کی تعبیر ہلکی بھاری سخت نرم مہذب وغیر مہذب جو ہوسکتی ہے مثلاً آؤ پیٹ میں کچھ ڈالو، یا آؤ پیٹ کی ترائی کرلیں اس طرح کہ غیر مہذب انداز میں بھی کہا جاسکتا ہے بطور مزاق کے۔

تو گفتگو کے اتار چڑھاؤ بہت ہیں جنہیں اختیار کر کے کلام میں فصاحت و بلاغت آتی ہے اب یہ اتار چڑھاؤ یا نشیب وفراز جس فن سے سیکھے جاتے ہیں وہ "علم بیان" کہلاتا ہے۔ لیکن علماء گفتگو ہم جن کو بُلغاء کہتے ہیں پھر علم بیان کو تین بحثوں اور تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ (۱) حقیقۃ و مجاز کی بحث (۲) تشبیہ کی بحث (۳) کنایہ کی بحث

بنیادی طریقے گفتگو کے تین ہی نکلتے ہیں اس طرح کہ آدمی بات کہنے کا عادی اوپر کی تین شکلوں میں ہے کبھی تو بات حقیقت و مجاز کے انداز میں کہی جاتی ہے اگر کسی لفظ سے وہی مراد لیا جاوے جس کے لئے وہ طے ہے، اس کو تو "حقیقت" کہتے ہیں اور اگر اس سے ہٹا کر جس کے لئے وہ طے نہیں ہے اس میں استعمال کریں تو اس کو "مجاز" کہتے ہیں۔ مثلاً "سونڈ" ہاتھی کی

ناک کو کہتے ہیں اگر غصہ میں آدمی کے لئے کہا تیری ''سونڈ'' توڑ دوں گا۔ تو اب مجاز ہو گیا'' ایسے ہی '' وہ اللہ کی رحمت میں چلا گیا ''اس میں رحمت'' سے مراد جنت ہے کیونکہ رحمت ہوتی ہی ہے جنت میں ''تو اب جنت میں جانا'' بعینہ ''رحمت'' میں اور رحمت میں جانا بعینہ جنت میں جانا ہے لہٰذا رحمت کی جگہ جنت میں جانا اور جنت کی جگہ رحمت میں جانا ہر دو بتلایا جا سکتا ہے'' یہ تو حقیقت اور مجاز کا مطلب ہے''۔

دوسرا طریقہ گفتگو کا یہ ہے کہ آدمی ''تشبیہ'' یعنی کسی کو کسی چیز جیسا بتا کر بات کیا کرتا ہے مثلاً کہا کرتے ہیں اونٹ کی طرح بڑبڑ کرتا ہے۔ اور کتے کی طرح بھونکتا ہے اور بلی کی طرح چاپلوسی کرتا ہے۔ کوے کی طرح ٹھونگیں مارتا ہے اس طرز کی تشبیہ والی گفتگو کے نشیب و فراز اور مدّ و جزر سے واقفیت کا بیان بھی اسی علم بیان میں ہوتا ہے۔ جس چیز جیسا بتایا جاوے اس کو "مشبہ بہ" کہتے ہیں اور جس کو بتایا جاوے اس کو ''مشبہ" کہتے ہیں اور جس چیز میں بتایا جاوے اس کو ''وجہ شبہ" کہتے ہیں۔

تیسرا طور و طریق گفتگو کا وہ ہے جس کو ''کنایہ'' کہتے ہیں یہ سب سے مہتم بالشان چیز ہے جس کا جاننا فصاحت و بلاغت کے لئے ضروری ہے اس میں ہوتا یہ ہے کہ اندر اندر ذہن اور دل میں کسی چیز کو کسی چیز جیسا مان کر جس چیز جیسا مانا ہے اس والی چیز کو اس کے لئے ثابت کر دینا جس کو اس جیسا مانا ہے مثلاً ''شیر نے اپنے پنجے گاڑ دیئے'' اندر اندر ہم نے کسی بہادر آدمی کو ''اصلی شیر'' جیسا خیال کر کے ''پنجے'' جو شیر کے ہوا کرتے ہیں اس بہادر آدمی کے لئے ثابت کر دیئے۔ اور اس میں خاص قابل دھیان بات یہ ہے کہ ''کنایہ'' میں ایک چیز کو دوسری جیسا بتانے کے پتہ دراصل وہ لوازم اور مرادفات اور مناسبات ہی دیتے ہیں جو ایک کے دوسرے کے لئے ثابت کئے جاتے ہیں مثلاً ہمیں گزشتہ مثال میں ''پنجوں'' کے لفظ ہی سے پتہ چلا کہ ہم آدمی کو ''اصلی شیر'' کی طرح کہہ رہے ہیں ایسے ہی ''اَنْشَبَتِ الْمَنِيَّةُ اَظْفَارَهَا" کہ موت نے اپنے پنجے گاڑ دیئے اس میں موت کو درندہ کی طرح مانا جانے کو جو چیز ظاہر کر رہی ہے وہ لفظ ''اَظْفَارَهَا'' ہے جو درندہ کے ہوتے ہیں نہ کہ موت کے لیکن ''اَظْفَارَ'' کو ثابت کرنا ''مَنِيَّةُ'' کے لئے ظاہر کر رہا ہے کہ ہم دل دل میں ''مَنِيَّةُ'' کو ''سَبُعٌ'' کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں۔ مجاز اور کنایہ دونوں میں ہی اصل کو چھوڑ کر دوسرے معنی کا ارادہ ہوا کرتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ مجاز میں تو اصلی والے معنی مراد نہیں لئے جا سکتے ''کنایہ'' میں اگر کوئی قرینہ اور نشانی نہ ہو تو اصلی اور مجازی دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں اگر چہ ارادہ ''کنایہ'' میں بھی دوسرے غیر اصل والے معنی ہی کا ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہیں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ شیر نے ٹریفک روک دیا'' یہاں شیر سے حقیقی شیر جب کہ جنگلوں کی بات ہو یا بہادر لیڈر جب کہ شہر اور آبادی کی بات ہو دونوں مراد ہو سکتے ہیں البتہ قرینہ قائم ہو جانے پر جب ثانی ہی معنی مراد لینا طے ہو جائے تو یہ مثال ''کنایہ'' کی بن جائیگی ورنہ حقیقت پر مبنی ہو گی۔ ایسے ہی تشبیہ اور مجاز میں فرق یہ ہے کہ اصلی معنی کو چھوڑ کر جب دوسرے معنی مراد لے رہے ہوں تو اگر تشبیہ کی وجہ سے دوسرے معنی کا ارادہ ہے تب تو یہ تشبیہ ہے ورنہ مجاز جیسے ''سونڈ'' کسی کی ناک کو کہنے میں اگر موٹا پا اور بھدا پن ذہن میں ہے تو تشبیہ ہے یہ ذہن میں نہ ہو تو مجاز ہے۔ ایسے ہی تشبیہ اور کنایہ میں کنایہ کے

اندر زیادہ مبالغہ ہوتا ہے جو تشبیہ میں نہیں ہوتا کیونکہ تشبیہ میں تو اصل اور وہ جس کو اس جیسا بتایا جاتا ہے دونوں ہی ذہن میں رہتے ہیں اور کنایہ میں کسی چیز کو اصل کی طرح ماننے میں اتنا غلو ہوتا ہے کہ وہ اصل چیز کا درجہ اختیار کر لیتی ہے تبھی تو براہ راست اصل والی چیز جو اصل کے لئے ہوا کرتی ہے اس کے لئے ثابت کر دی جاتی ہے جیسے کہ اوپر والی مثال میں موت کے لئے "پنجے" کا ذکر آچکا ہے موت کو بعینہ درندہ خیال کر کے "پنجہ اور گڑونا" سب کچھ اس کے لئے ثابت کر ڈالا۔

کنایہ کی بحث سب سے اچھوتی اور نرالی ہے اس پر عبور ہی صحیح معنی میں قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرتا ہے آج کی اصطلاح میں بھی اس کا زبردست استعمال ہے چنانچہ اُمَّةُ الـــدُّولَار (ڈالر والی قوم) سے بول کر "امریکا" کو بول کر مراد لیا جاتا ہے۔ "اَلنَّاطِقُوْنَ بِالضَّادِ" سے عرب لوگ یا عربی بولنے والے حضرات مراد ہوتے ہیں خواہ کہیں کے بھی ہوں ایسے ہی نظافة الید "ہے عفت و امانت اور بے خیانت والے ہاتھ مراد لیتے ہیں ایسے ہی اس کی آنکھ سراپا ذکاوت ہے آنکھ کی ذکاوت سے خود اس آدمی کا ذکی ہونا مراد لیا جاتا ہے۔

علم بدیع

تیسرا علم جس سے قرآن کا اعجاز اور اس جیسا کلام بنانے سے انسانوں اور جنات کی بے بسی کا کچھ اندازہ لگتا ہے وہ "علم بدیع" ہے۔ بدیع بمعنی انوکھا کیونکہ قرآن کا طرز بیان انتہائی البیلا اور عجیب واقع ہوا ہے جس کا کچھ اندازہ اس علم بدیع کے حاصل کرنے سے ہوگا۔

میں ایک دو مثال پر اکتفاء کرتا ہوں۔ علم بدیع میں ایک چیز ہے "لَفٌّ وَنَشْرٌ مُرَتَّبٌ" یعنی کس چیز کو اجمالاً جس ترتیب سے لائے تفصیل میں بھی وہی ترتیب ہو جیسے: "وَمِنْ رَحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥" یعنی منجملہ خدا کی مہربانیوں کے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنا دیا تا کہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں اس کی روزی تلاش کرو اور یہ رات دن اس لئے بھی بنائے کہ تم ان چوبیس گھنٹوں میں اس کا شکر ادا کرو یعنی اس کے حکموں پر چلو۔ تو لیل اور نہار لا کر پھر ایک کے فائدہ کی تفصیل اسی ترتیب پر ہے رات کا ذکر پہلے کیا تو اس کے فائدہ کا ذکر بھی اول ہی میں رکھا۔

ایسے ہی "تَجَاهُلُ الْعَارِفِ" یہ بھی علم بدیع کے اندر جو محسنات اور خوبصورتی لانے والی چیزوں کا ذکر ہوتا ہے ان میں سے ایک ہے یعنی کسی چیز کو جانتے ہوئے بھی انجان کے انداز میں پوچھنا جیسا کہ عرب کی ایک شاعرہ اپنے بھائی کے مرنے پہ اس کا مرثیہ کہتے ہوئی کہہ رہی ہے۔

مَالَکَ یَا شَجَرَ الْخَابُوْرِ مُوْرِقًا ☆ کَاَنَّکَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَی اِبْنِ الطَّرِیْفِ

ترجمہ: اے خابور نامی درخت تجھے کیا ہو گیا کہ ورق اور پتوں والا ہو رہا ہے یعنی پھل پھول رہا ہے لہلہا رہا ہے۔ گویا کہ تو میرے بھائی ''ابن الطریف'' پر جزع اور گھبراہٹ ظاہر نہیں کر رہا ہے۔

یہاں شاعرہ درخت کو ڈانٹ رہی ہے کہ تو میرے بھائی کے قتل کا حادثہ پیش آنے کے بعد بھی تجھے پھل پھولنے کی نوبت آرہی ہے تجھے اس کے غم میں خشک مرجھانا ہو جانا چاہئے تھا تو درخت غیر عاقل ہے اس کو کسی کے قتل کے غم سے کیا واسطہ لیکن پھر بھی شاعرہ اس کو عقلمندوں والا خطاب کر رہی ہے۔ (۲) قرآن پاک میں (وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى) حضرت موسیٰ کو پوچھنا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے اسی قبیل سے ہے ورنہ اللہ تو بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ " سے متصف ہے ایسے ہی بچوں سے محبت میں چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے پوچھتے رہتے ہیں ''بیٹا کیا کھا رہے ہو'' کیا کر رہے ہو''

تو تین علوم (۱) علم معانی، (۲) علم بیان، (۳) علم بدیع ان کے لئے ''درس نظامی'' میں تلخیص المفتاح اور مختصر المعانی داخل نصاب ہے یہ قرآن فہمی اور اس کی مراد تک رسائی کے لئے اچھی طرح پڑھنے اور جاننے ضروری ہیں اب یہ کل سات علوم ہو گئے تو یہ ساتوں علوم ہر کسی زبان کے لئے چل سکتے ہیں اور چلائے جا سکتے ہیں مگر علماء کرام نے قرآن وحدیث کو ان کی ہی زبان میں کما حقہ سمجھنے کے ان علوم کو تیار کیا ہے یوں چلا لو چاہے جس زبان میں، چنانچہ اور زبانوں میں ان علوم کا پایا جانا یہ صرف اور صرف عربی زبان کی مدد سے اور اس کے طفیل ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جب تک اہل زبان کی طرح عربی پہ قدرت نہ ہو تب تک قرآن کی فصاحت وبلاغت اور جادو بیانی کا اندازہ کرنا تو بہت دور کی بات ہے ترجمہ اور اصل مطلب تک رسائی بھی صحیح ہو جائے تو غنیمت ہے آج کل جو اردو تفاسیر کی مدد سے اور عربی سے عربی مطالعہ نہ ہونے کے باوجود مفسر ہو رہے ہیں گو ہو رہے ہیں مگر دقیع اور جاندار بات نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ''درس نظامی'' کے طالب علم کے لئے کچھ اور علم بھی ضروری ہیں ان میں سے ایک ''علم تجوید'' ہے جس کا تعلق صرف قرآن کی صحت الفاظی اور صحیح ادائیگی سے ہے ہر حرف کو جہاں سے اسے نکلنا چاہئے وہیں سے نکالنا اور جس کو موٹا یا باریک یا کھینچ کر اور بغیر کھینچے پڑھنا منجانب اللہ ثابت ہے اسی طرح اس کو پڑھنا۔ ایک اور علم جس کو ''علم قرات'' کہتے ہیں اس کا تعلق قرآن کے بعض الفاظ کو مختلف طرح پڑھنے کے جاننے سے ہے مثلاً۔ مالک یوم الدین میں مَلِک (بمعنی بادشاہ) بھی ایک قرات اور پڑھائی ہے ایسے ہی یُبَشِّرُ میں یُبْشِرُ بغیر تشدید شین کے بھی پڑھنا ثابت ہے اور معنی ایک ہی رہتے ہیں تو اس طرح جہاں کہیں لفظوں میں کئی کئی قرائتیں اور پڑھائی اوپر سے ہی من جانب اللہ ثابت ہیں ان سے واقف کار کو (قاری صاحب) کہا جاتا ہے لیکن قراءتوں سے واقفیت کے لئے مولوی اور عربی سے واقف ہونا ضروری ہے آج کل مجازاً خالی تصحیح الفاظ سے واقف کو بھی ''قاری'' کہہ دیتے ہیں مگر حقیقت میں وہ صرف ''مُجَوِّد'' یا ''صاحبُ التجوید'' کہلانے کا مستحق ہے۔

منجملہ ان علوم کے جن کو ''درس نظامی'' میں پڑھنا ہوتا ہے ''علم عقائد''، ''علم فقہ''، ''علم اصول فقہ'' بھی ہیں

نیز "علم اسباب نزول"، "علم ناسخ منسوخ" اور علم حدیث بھی ہیں تشریح ان کی یہ ہے کہ

علم عقائد وہ علم ہے کہ جس میں کسی عقیدہ کو بذریعہ عقلی ونقلی دلیل ثابت کرنا سکھایا جاتا ہے، عقیدہ کے معنی ہیں "رَبْطُ الْقَلْبِ بِشَيْءٍ" یعنی کسی چیز سے دل بندھا اور جڑ جانا یعنی ذہن اور قلب میں کوئی بات بٹھالینا یا بٹھا دینا مثلاً ایمان مفصل میں آمنت باللہ وملئکتہ کے اندر جن سات اشیاء کا ذکر ہے وہ سب عقیدے ہیں کہ اللہ ہے، فرشتے ہیں، یوم آخرت ہے، تقدیر ہے ان سب باتوں کو بذریعہ دلائل عقلیہ منوانا آجانا یہ "علم عقائد" کی حقیقت ہے یاد رہے کہ علم عقائد کا دوسرا نام "علم کلام" بھی ہے اور تقریباً "علم مناظرہ" بھی یہی ہے۔ کیونکہ دلیل عقلی سے کسی بات کو ثابت کرنے میں بہت کلام اور بولنا کرنا پڑتا ہے اس لئے اس کا نام یہ بھی پڑ گیا اور جو اس علم سے واقف ہوں ان کو "متکلمین" کہا جاتا ہے گویا وہ بولتے ہی رہتے ہیں اور عقلی دلیلیں فراہم کرتے رہتے ہیں۔ جو لوگ صرف ایمان کے بل بوتے پر کسی چیز کے ماننے کو تیار نہ ہوں ان کو سمجھانے اور قائل کرنے کے لئے دراصل اس فن کی ایجاد ہے جس کے لئے درس نظامی" میں شرح عقائد" نام کی کتاب داخل ہے۔

"**علم فقہ**" دراصل مسائل فرعیہ اور احکام شرعیہ یعنی نماز روزہ حج زکوۃ کے مسائل جاننے کا نام ہے" مالا بدمنہ" نور الایضاح" شرح وقایہ" کنز" قدوری یہ سب کتابیں اس فن میں ہیں۔

"**علم اصول فقہ**" وہ ہے کہ شریعت کا ہر حکم بنیادی طور پر قرآن سے نکلتا ہے مثلاً نماز پڑھنا، زکوۃ دینے کا فرض ہونا، حج کرنا ضروری ہونا، روزہ رکھنا لازم ہے یہ سب "قرآن" نے بتایا لیکن نمازیں کتنی ہیں، زکوۃ کتنے مال پہ ہے اور کتنی ہے، حج کس پے واجب ہوتا ہے، یہ سب تفصیل رسول کے کلام میں ہوتی ہے جس کو "حدیث" کہتے ہیں پھر اللہ اور اس کے رسول کی تشریح ووضاحت کے بعد بھی فقہاء اور اہل فتاویٰ یہ طے کرتے ہیں کہ کسی عبادت کے جو اجزاء ہیں ان میں سے کون سا فرض ہے اور کون سا واجب ہے کون سنت کون مستحب چونکہ ہر جزء کو ایک ہی مرتبہ حاصل نہیں ہوتا ہے بعض اجزاء کو تو رکن اور فرض کا درجہ حاصل ہے اس کے چھوٹنے سے نماز ہی نہیں ہوتی اور بعض کو وجوب کا درجہ حاصل ہے جس کے چھوٹنے پر سجدہ سہو سے تلافی ہو جاتی ہے اور بعض اجزاء سنت ہیں ان میں سے کسی کے چھوٹنے پر نماز کا اعادہ محض سنت رہ جاتا ہے گو فریضہ اس کے ذمہ سے اتر جاتا ہے تو یہ سب طے اس طرح ہوتا ہے کہ جتنے اجزاء کا ذکر قرآن میں آ گیا وہ فرض اور رکن ٹھہرے جیسے نماز کے لئے قرأت، رکوع، سجدہ، یہ سب فرض کے درجے میں ہے اور ان کے باقی اجزاء کا مقام ومرتبہ واجب یا سنت یا مستحب ہونے کا رسول کے کلام سے اندازہ لگاتے ہیں اور طے کرتے ہیں جس کے لیے باقاعدہ اصول اور ضابطے قرآن وحدیث کی روشنی میں بنائے گئے اور ان کے تحت ہی رہ کر واجب، سنت، مستحب ہونے کا فیصلہ دیا جاتا ہے تو ایسے اصول جاننے کا نام "**علم اصول فقہ**" ہے گویا کوئی مسئلہ کہاں سے نکلا اور کیا اس کا درجہ اور حکم ٹھہرانا ہے یہ سب "اصول فقہ" سے آتا ہے شریعت کے ہر مسئلہ کا مدار اور مرجع چار چیزوں پر ہے، (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع (۴) قیاس۔ اگر کسی مسئلہ اور حکم کا ذکر قرآن میں آ گیا تو قرآن اس کی

دلیل بن گئی۔ حدیث میں آ گیا تو حدیث اس کی دلیل بن گئی اور اگر نہ وہ مسئلہ قرآن میں ہو نہ حدیث میں تو اب مسلمانوں کا اس کے بارے میں جو فیصلہ طے ہو یعنی اجماع اور اتفاق اس کے حلال یا حرام، جواز اور عدم جواز پر یہ اس چیز کے لئے طے کرے گا کہ وہ حلال ہو یا حرام اگر یہ نہ ہو تو چوتھے نمبر پر **"قیاس"** ہے یعنی اندازہ لگانا اور سوچ بچار کر کے اس چیز کو ان چیزوں سے جوڑنا جن کا حکم پہلے سے معلوم ہے مثلاً قرآن حدیث سے شراب کی حرمت تو ثابت ہے مگر بھنگ افیون اور دیگر نشے کی چیزیں ان کو حرام یا حلال کہنے کے لیے شراب پر قیاس کیا گیا کہ چونکہ ان میں بھی مثل شراب کے نشہ ہے لہذا یہ بھی مثل شراب کے حرام ہوں گی۔ بہر حال، علم اصول فقہ کے لیے درس نظامی میں اصول الشاشی، نور الانوار اور حسامی جیسی کتابیں ہیں۔

"علم اسباب نزول" اور **علم ناسخ و منسوخ** ان دونوں فنون کا تعلق خالص قرآن سے ہے قرآن کی کچھ آیات ایسی ہیں کہ اگر یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس واقعہ میں اور کس موقعہ پر اتری ہیں تو وہ آیتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں مثلاً سورۃ نور میں قصہ افک اور اماں حضرت عائشہ پر تہمت کے سلسلہ میں جو آیات ہیں ان کے بارے میں جب تک پورا قصہ سامنے نہ ہو سمجھنا مشکل ہوتا ہے پس منظر اور پیش آمدہ واقعات جو کسی آیت سے متعلق ہے اس سے واقف ہونا **"علم اسباب نزول"** کہلاتا ہے اور "ناسخ و منسوخ" کا مطلب یہ کہ قرآن میں بعض حکم اتر کر پھر ختم ہو گئے اور جس آیت میں وہ حکم اترا تھا وہ بھی ہوتی ہے اور جس آیت سے وہ ختم ہوا وہ بھی ہوتی ہے تو ان دونوں آیتوں کے بارے میں یہ علم ہونا ضروری ہے کہ پہلے کونسی اتری کونسی بعد میں تو اس طرح کے علم کی واقفیت "علم الناسخ و المنسوخ" کہلاتا ہے۔ اور بذریعہ رسول جس آیت کی جو تشریح ہوئی ہے اس کو جاننا یہ "علم حدیث" ہے۔

اور دو علم درس نظامی میں الگ سے ہیں جن کا شریعت اور دین سے تو کوئی تعلق نہیں ہے لیکن فائدہ ان کا بیحد ہے (۱) علم منطق (۲) علم فلسفہ یہ بھی پڑھائے جاتے ہیں۔

علم منطق کا مقصد تو صرف ذہنی ورزش اور گفتگو میں تیز و طرار کرنا ہے اور ذہنی اعتبار سے اتنا پکا کرنا ہے کہ آدمی کسی بات کا شروع اور اخیر ایک دم سے سامنے کر کے مخالف کو صحیح حقیقت سے آگاہ کر دینا اور اس کی بات کی کمی کو پکڑ کر اور اس کی کمی دکھلا کر اس کو گرفت میں لے کر بے بس کر دینا ہے فن منطق کا ہتھیار بھی مولوی کے لیے ایک کارگر ہتھیار ہے جو اعداء دین سے گفتگو کے لیے بے حد ضروری ہے اسی منطق کی وجہ سے تو: "ملا آں باشد کہ چپ نہ شود" مشہور ہو گیا۔ رہا فلسفہ تو فلسفہ کے معنی ہیں سائنس اور عقل و شعور کے بقدر طاقت انسانی کائنات میں موجود اشیاء کی حقیقت پر مطلع ہونے کا نام **فلسفہ** ہے جو آج کل سائنس کے نام سے مشہور ہے چونکہ یہ فن مستقل مشغولیت کو چاہتا ہے اس لیے تھوڑا بہت اتا پتا ہونے کے اس کی بھی ایک آدھ کتاب "درس نظامی" میں داخل ہے جیسے کہ **میبذی** ہے۔

ایک علم **"علم ہیئت"** ہے یعنی ستارے چاند سورج اور آسمانوں کی گردش اور ان سے پیدا شدہ نتائج کا علم جس فن

سے ہو وہ علم ہیئت ہے جس سے کلینڈر اور جنتری تیار کرنا ہوتا ہے۔ اور ایک علم "ھندسہ" ہے جس میں مکانات اور تعمیرات سے متعلق معلومات ہوتی ہیں، جس کو آج کل "انجینیری" کہتے ہیں اور ایک علم "علم ریاضی" ہے جس میں گنتی، حساب اعداد و شمار کا علم آتا ہے، اور اس کے علاوہ بہت علوم وفنون کی قسمیں اور شاخیں ہیں اور "لکلٍ فنٍ رجالٌ" کے تحت سب کے جاننے والے دنیا میں ہیں مگر بطور خلاصہ درس نظامی کے علوم اب (۱) علم لغت (۲) علم اشتقاق (۳) علم صرف (۴) علم نحو (۵) علم معانی (۶) علم بیان (۷) علم بدیع (۸) علم تجوید (۹) علم قرأت (۱۰) علم عقائد (۱۱) علم فقہ (۱۲) علم اصول فقہ (۱۳) علم حدیث (۱۴) علم تفسیر یہ کل چودہ علوم ہیں اور پندرہواں علم "علم وہبی" بتایا جاتا ہے یعنی قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت جو خدا کا ایک عطیہ اور ہبہ ہے، جس کو بھی خدا عطا کردے، اب ان کے ساتھ علم منطق، علم فلسفہ لگ کر (جن کا افادیت مسلم ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا) کل سترہ (۱۷) علوم ہو گئے جن میں کو درس نظامی کے طالب علم کو نکلنا پڑتا ہے اور تقریباً پورے دس سال درکار ہوتے ہیں اس طرح کہ سال اول میں (فارسی کی جماعت) (۲) دوسرے سال میں (میزان کی جماعت) (۳) تیسرے سال میں (ہدایۃ النحو کی جماعت) (۴) چوتھے سال میں (کافیہ کی جماعت) (۵) پانچویں میں (شرح جامی کی جماعت) (۶) چھٹے سال میں (مختصر کی جماعت) (۷) ساتویں سال میں (جلالین شریف کی جماعت) (۸) آٹھویں میں (مشکوۃ کی جماعت) (۹) نویں میں (دورۂ حدیث شریف کی جماعت) (۱۰) اور دسویں میں "افتاء" کی جماعتوں میں رہنا ہوتا ہے۔

ان دس جماعتوں میں ہر سال کی جماعت کا نام تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے یعنی جس سال جو کتاب اہم ہے اسی کے نام پر اس سال والی جماعت کا نام رکھدیا ان دس سالوں میں الگ سے طالب علم کی صلاحیت کو عمدہ بنانے کے لیے جو فنون کی کتابوں کے لیے الگ سال لگانا پڑتا ہے اس سال کی کتابیں بھی انہی سالوں میں آسکتی ہیں۔ جو اس طرح یہ پورے "دس سال" جماعت فارسی سے مفتی بننے تک کا طالب علم کا سفر ہے۔ میرے خیال میں ان دس سال میں سے پہلے چار سال کو (یعنی فارسی سے کافیہ تک) (درجہ عربی ادنیٰ) کی تعلیم قرار دنا چاہئے اور ان کے مدرسین درجہ عربی کے (درجہ ادنی کے مدرسین) کہلائے جانے چاہئیں، اس کے بعد تین سال (جماعت شرح جامی، جماعت مختصر، جماعت جلالین شریف) (درجۂ وسطی عربی) کی تعلیم مانی چاہئے اور ان کے مدرسین کو (درجہ وسطی کے مدرسین) کہلائے جانے چاہئیں۔ اور پھر تین سال (جماعت مشکوۃ شریف دورۂ حدیث شریف اور افتاء ان کی تعلیم (درجہ علیا) کی تعلیم مانی چاہیے اور ان کے مدرسین بھی" (درجہ علیا کے مدرسین) کہلائے جانے چاہئیں۔ اور حسب مراتب معاملہ رہنا چاہئے۔

اب یاد رہنا چاہئے کہ جن چیزوں میں طوالت مطلوب ہے ان میں اختصار کرنا کوئی عقلمندی نہیں ہے اور نہ مطول کو مختصر کر کے مطلوبہ فائدہ مرتب ہوسکتا ہے اس لیے جس چیز میں جتنا وقت درکار ہے اتنا ہی اس میں لگے گا تب کہیں صحیح نتیجہ سامنے آئیگا ورنہ تو پھر کرنے والا اور نہ کرنے والا ایک ہی درجہ میں ہوجائے گا آجکل دنیوی تعلیم میں ڈاکٹری کی ڈگری اور سند اپنے طور پر

دو چار سال بھی تعلیم حاصل کر کے جو مل جایا کرتی تھی اس کو سرکار نے بالکل بند کر دیا ہے اور باقاعدہ جتنے سالوں میں کالجوں میں داخلہ لے کر ڈاکٹری کی تعلیم کا کورس ہے اس کے پورا کرنے والے کو سند دینے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ باقاعدہ وقت اور ذہن لگا کر جو چیز حاصل کیجائے گی وہ اور محض رسمی سند لینے کے لیے جو تعلیم پائی دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے اسی لیے مشہور ہے: ''نیم ملا خطرۂ ایمان، نیم حکیم خطرۂ جان'' جس کو مذہبی مکمل تعلیم نہ ہو وہ ایمان خراب کرے گا اور جس کو مکمل طب حاصل نہ ہو وہ جان کے لیے خطرہ بنے گا۔ کوئی بھی کام ہو جتنا جم کر یکسوئی کے ساتھ اس میں لگا جائے گا اتنا ہی اس کا فائدہ معیاری سامنے آیگا سرسری کرنے اور سیکھنے سے اس میں پختگی، ثبت اور جماؤ جو آنا چاہئے وہ نہ آپائیگا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن حضرات نے ''**درس نظامی**'' کو گھس گھس کر جم جم کر اور رم رم اور سمجھ سمجھ کر پڑھا وہ ہی ایسے نکلے کہ جن سے دین اور احیاء دین کی وقیع خدمات سامنے آئیں اور یہ ہے بھی حقیقت کہ جب تک آدمی کسی کام میں خود پختہ اور صاحب بصیرت نہ ہو خود کو اس میں یقین کی کیفیت نہ ہو تب تک اس کا داعی اور علمبردار ہونا تو بہت دور کی بات ہے خود کو اسپر آنا اور جمنا برقرار رہنا بھی ضروری نہیں قرآن کریم کی وہ دو آیتیں جن میں علم دین کے حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۱) لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ (۲) فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ ۔ ان دونوں آیتوں سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ دین کے طالب علم کو ایک جگہ ڈیرہ اور پڑاؤ ڈال لینا چاہئے اور لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ اور اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جیسی صفات والا ہونا اس کو چاہئے اور ایک جگہ پڑ کر علم دین کے حاصل کرنے میں پختگی اور کمال حاصل کریں اور لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ کا مصداق بننے کے بعد پھر وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ میں جو فرض منصبی اس کو سونپا گیا ہے اس کی ادائیگی سے کماحقہ سبکدوش ہو سکے۔

لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ :۔ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مفتی شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم نے اس جگہ علم دین کی حقیقت اور اس کا نصاب بھی ایک ہی لفظ میں بتلا دیا ہے کہ لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ یہ موقع بظاہر اس کا تھا کہ یہاں یَتَعَلَّمُوْا الدِّیْنَ کہا جاتا یعنی علم دین حاصل کریں مگر قرآن نے اس جگہ تَعَلُّمْ کا لفظ چھوڑ کر تَفَقُّہْ کا لفظ اختیار فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ علم دین کا محض پڑھ لینا کافی نہیں وہ تو بہت سے یہود اور نصرانی بھی پڑھتے ہیں بلکہ علم دین سے مراد دین کی سمجھ پیدا کرنا ہے یہی لفظ تفقہ کا ترجمہ ہے اور یہ فقہ سے مشتق ہے فقہ کے معنی ہی سمجھ بوجھ کے ہیں یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ مجرد کے صیغہ سے لِیَفْقَھُوْا فِی الدِّیْنِ نہیں فرمایا بلکہ لِیَتَفَقَّھُوْا جو باب تفعّل سے ہے فرمایا جس کے معنی میں محنت اور مشقت کا مفہوم شامل ہے مراد یہ ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے میں پوری محنت ومشقت اٹھا کر مہارت حاصل کریں سطور بالا کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ درس نظامی کے طالب علم کے لیے مخلوط تعلیم سراسر نقصان دہ ہے اور جیسے قرآن نے بتایا کہ ایک غلام دو آقاؤں کو خوش نہیں رکھ

سکتا یہی حال مخلوط تعلیم کہ عربی اور انگلش دونوں ایک ساتھ پڑھائیں ایسا کر کے وہ بچہ "مذبذب" بن جاتا ہے اور نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم کا مصداق ہونے کی وجہ سے دین و دنیا کسی کے بھی قابل نہیں رہتا نہ تو دینی تعلیم میں ہی اس کو دستگاہ اور پختگی میسر آتی ہے اور دنیوی تعلیم میں ہی۔ آج ہم اس دھوکہ میں ہیں کہ دینی طالب علم کے لیے عصری علوم اسقدر ضروری سمجھتے ہیں کہ حد نہیں اور گویا بغیر اس کے کام نہیں چلے گا حالانکہ علوم عصریہ کے بجائے دینی تڑپ اور جذبۂ ایمان کی ضرورت ہے یہ ہوگا تو کوئی دینی خدمت انجام پانے کا ہر وقت امکان ہے ورنہ تو تمام صلاحیتوں کے باوجود باطل کی حمایت میں لگتے دیکھا ہے جن اسلاف نے دینی خدمتوں کے کارنامے انجام دیے ہیں انہیں علوم عصریہ سے دور کا واسطہ بھی نہیں رہا، حضرت شیخ الہندؒ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ، حضرت شیخ زکریاؒ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ وغیرہ وغیرہ ہمارے قریب کے اکابر نے کونسی عصری تعلیم حاصل کی تھی جو اسپر مدار ہو بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اصل دین کی حقیقت جس کے پاس ہوتی ہے منجانب اللہ ہی اس کے سو (۱۰۰) ترجمان اور انگریزی داں اس کے خدام میں شامل نظر آتے ہیں اس لیے یہ بہانہ کہ بغیر عصری علوم کے ہمارا دینی خدمات انجام دینا مشکل ہوگا بالکل غلط ہے عصری علوم اگر دینی تعلیم میں پختگی کے ساتھ کسی کو میسر آجائیں تو "سونے پہ سہاگہ" اور "نور علی نور" والی بات ہے مگر یہ جھانسا دینا کہ ان علوم کے بغیر دینی خدمت ممکن نہیں سراسر فریب ہے آخر کیا ساری خدمات کا دینی طالب علم نے ہی ٹھیکہ لے لیا ہے جو مولوی بھی وہی بنے ڈاکٹر بھی وہی بنے وکیل بھی وہی بنے ہم دنیوی کاموں میں دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی کسی درزی کے کام کے سیکھنے والے کو یہ جاکر نہیں کہتا کہ جناب تم درزی کا کام سیکھ رہے ہو آخر گھڑی سازی بھی تو ہے اس کو بھی سیکھو، کسی کو ذرا کہہ کے تو دیکھو ممکن نہیں ہے کہ جوارش پاپوش کھلا کر نہ واپس کرے۔

اس لیے تمام لایعنی اور غیر متعلق کاموں میں لگے بغیر درس نظامی کے طالب علم کو اس سے متعلقہ جو علوم ہیں ان میں مہارت حاصل کر کے انہی علوم کی اشاعت میں لگ جانا چاہیے اور کسی کے کہنے سے بالکل متاثر نہیں ہونا چاہیے، تقسیم کار کے اصول کے مطابق ہم بھی اپنے کام میں ہیں۔ ہمیں اور علوم کی سرفرازی سے کیا مطلب!۔

اور حدیث پاک سے یہ استدلال کہ ایک صحابی کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا اس سے صرف جواز معلوم ہوتا ہے ترغیب یا تشویق کا پہلو اس میں نہیں ہے محض یہود کی دھوکہ دہی (جو ان کی طبائع میں ہے) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبان سیکھنے کو فرمایا تھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے تمام شعبے موقوف کر کے دیگر زبانیں سیکھنے پہ صحابہ کو لگا دیا تھا محض ایک وقتی ضرورت پورا کرنے کے لیے آپ کا یہ حکم تھا، وقتی ضرورت پورا کرنے کے لیے کوئی نئی زبان بھی سیکھی جاسکتی ہے لیکن اسمیں یہ غلو اور حد سے تجاوز کہ عربی آوے نہ آوے انگریزی اس سے مقدم ہے ہرگز درست نہیں ہے بھلا عربی دین کی زبان ہے جس کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور خود دین سیکھنا فرض عین ہے کیونکہ چپراسی اور ایک جھاڑو لگانے

والے سے لیکر بادشاہ تک دین کا محتاج ہے انگریزی کو یہ درجہ بھی حاصل نہیں ہے محض دنیوی حاجت برآری کا ایک ذریعہ ہے بھلا جو دین کی زبان ہو اس سے جو دنیوی زبان ہو اس کا درجہ کیسے مقدم ہو سکتا ہے اولیں درجہ عربی کا ہی ہے ثانوی درجہ انگریزی ہو سکتا ہے بہت سے اہل مدارس جنکا ایک دو سفر بیرون کا جہاں ہوا وہاں سے جب واپس ہوتے ہیں تو بس یہ دھن اور خیال لیکر واپس ہوتے ہیں کہ بس اب سے تو کیا مدرسہ کا ''نصاب تعلیم'' اور کیا ''نظام الاوقات'' سب بدل کے رکھ دینا ہے باہر کی دنیا سے اسقدر مرعوب ہو کر لوٹتے ہیں کہ انگریزی نہ ہوگی تو موت و زیست کا مسئلہ بن جائے گا۔ حالانکہ قرآن کریم تنبیہ فرما رہا ہے: وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ کہ اے رسول زمین پر بسنے والے بنی آدم کی اکثریت گمراہی پر ہے آپ اس سے مرعوب نہ ہوں ان کی باتوں پر کان نہ دھریں مطلب یہ ہے کہ عادۃً انسان پر تعداد اور اکثریت کا رعب غالب ہو جاتا ہے اور ان کی اطاعت کرنے لگتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا کہ:

دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں کیونکہ وہ عقائد و نظریات میں محض خیالات اور اوہام کے پیچھے چلتے ہیں اور احکام میں محض تخمینہ اور انکل سے کام لیتے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ عددی اکثریت سے مرعوب ہو کر ان کی موافقت کا خیال بھی نہ فرمائیں کیونکہ یہ سب بے اصول اور بے راہ چلنے والے ہیں۔

مضمون بالا میں جو بات کہی گئی ہے اکثر اس میں مبتلا نظر آتے ہیں حالانکہ دوسری جگہ قرآن میں ہے " قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ " یعنی خبیث اور طیب کا درجہ ایک نہیں ہے گندہ گندہ ہے خواہ وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو دنیا میں کسی چیز کا عام چلن ہونا رواج پا جانا اس کے حق اور صحیح ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا اس لیے ہم اہل مدارس کو یہ نہیں دیکھنا کہ زمانہ کیا چاہ رہا ہے اور زمانہ میں کیا ہو رہا ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ زمانہ پر نظر نہ رکھو یا موجودہ حالات سے واقفیت نہ رکھو زمانہ پر نظر رکھنی ضروری ہے لیکن اس لیے نہیں کہ ہمیں زمانہ کی چال چلنا ہے یا اس کی وضع قطع میں ڈھلنا ہے بلکہ اس لیے نظر رکھنی ہے کہ زمانہ شریعت اور خدا کا باغی تو نہیں ہو گیا کیونکہ زمانہ والوں کا جو حال ہے وہ اس آیت سے عیاں ہے: يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ○ اہل زمانہ کی نظر زمانہ کے ظاہر پر ہوگی اور اہل علم دین کی نظر اس پر ہوگی کہ زمانہ اس پر ہے یا نہیں جس پر ہونا خالق کائنات (خدا) اور شریعت اسلامیہ کو مطلوب ہے اسی لیے کسی صاحب نظر کا شعر ہے۔

یہ دنیا اہل دنیا کو بسی معلوم ہوتی ہے ☆ نظر والوں کو یہ اجڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے

تو انگریزی کے پڑھنے لکھنے سیکھنے کا مخالف نہ کبھی کوئی ہوا اور نہ ہوگا البتہ یہ غلو کہ خالی پڑھنا لکھنا انگریزی میں ہونا کافی

نہیں بلکہ ہر چیز انگریزی میں ہونی چاہیے "ہنسنا" ہو تو وہ بھی انگریزی میں "ہگنا" ہو تو وہ بھی انگریزی میں گویا زندگی کی کوئی بھی ادا اگر انگریزی میں ہوئی تب تو وہ زندگی ہے ورنہ وہ کچھ بھی نہ ہو بھلا یہ کوئی بات ہوئی اسی غلط طرز عمل کی وجہ سے ایک دفعہ حضرت حکیم نومیاں گنگوہی ؒ نے اپنی مجلس میں سنایا کہ ہمارے اکابر انگریزی وضع قطع اور ان کے طرز عمل سے نفرت اور حقارت پیدا کرنے کے لیے انگریزی لکھے کاغذ کو بھی بجائے ہاتھ کے چمٹے یا لکڑی سے اٹھوایا کرتے تھے تو جب ایسا غلو ہوتا ہے تو پھر جب تک اینٹ کا جواب پتھر سے نہ ہو بات نہیں بنتی۔

درس نظامی کا مقصد

درس نظامی کی تدوین و ایجاد دراصل ایسی کتابوں کی فراہمی ہے کہ جن کے ذریعہ طالب علم شریعت کا پاسباں اور ترجمان ہونے کے لائق بن سکے اور کما حقہ اور کما ینبغی خدمتِ دین اور احیاءِ دین اور اس کی اشاعت و ترویج اور ابقاء کی صلاحیت اس میں پیدا ہو جائے۔

اور گویا اس شعر کا مصداق ہو۔ ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانے نے تجھے ☆ مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

یہ ایک فطری اور معقول بات ہے کہ انسان کا اصل محسن اور منعم وہ ذات باری تعالیٰ ہے جس نے اسے پیدا کیا اور وجود بخشا اور ہمیشہ ہمیش کے لیے اس کی ہر ضرورت کا کفیل بن گیا پیدا ہونے کے بعد اس کے عقل و شعور میں اسی ذات عالی کا تعارف آنا چاہیے اور دیگر تمام چیزوں کے تعارف کا نمبر اس کے بعد ہے چونکہ "دین" کے معنی ہی اطاعت خداوندی کے ہیں اس لیے انسان کے لیے "دینی تعلیم" یعنی وہ تعلیم جس سے خدا کی اطاعت کا علم ہو سب سے مقدم سمجھی گئی، جب بندہ اپنے خالق اور مالک اور رازق کو پہچان گیا اور اس کی اطاعت و عبادت کا طریقہ اس نے پڑھ اور سیکھ لیا اب اس کے لیے گنجائش ہے کہ دنیا میں رائج طور طریق اور تعلیم و تعلم سے بھی واقف ہو جائے لہٰذا اب اس کے لیے دنیوی تعلیم میں بھی حرج نہیں ہے چونکہ دنیا میں آنے اور جینے کا مقصد اصلی یہ ہے۔

زندگی از بہر اطاعت و بندگی است ☆ بے عبادت زندگی شرمندگی است
آدمیت لحم و شحم و پوست نیست ☆ آدمیت جز رضاء دوست نیست

اس لیے دینی تعلیم کا حاصل کرنا سب سے اہم اور مقدم ہے اگر شروع میں ہی دنیوی تعلیم حاصل کی گئی تو اصل ذات اور اپنے حقیقی منعم محسن کو نہ پہچاننے اور اس کی مرضیات کو نہ جاننے کیوجہ سے جو خسارہ اور بدبختی انسان کے گلے کا ہار بنیگی اس کی تلافی کسی بھی طرح ممکن نہ رہے گی۔ سب سے اہم چیز انسان کے لیے یہ ہے کہ عالم آخرت اور قیامت اور اس میں اچھے برے اعمال کی جزاء و سزا کا اسے تصور ہو جب یہ تصور ہوگا تو احکام شرعیہ اور دین کی باتوں پر قائم رہنا اس کے لیے آسان ہو جائے گا

اور پھر خدا کے حکم کے مقابلے میں کسی بھی بڑے سے بڑے قانون کی بالادستی اسے تسلیم نہ ہوگی، اور نہ وہ کسی ماحول سے متاثر ہو گا اب اس کے سامنے خواہ کتنی رنگ برنگی ہو کر آئے اور خواہ کتنے فرعونوں نمرودوں سے اس کو واسطہ پڑے شریعت اسلامیہ کے سامنے سب کچھ اس کی نظر میں ہیچ ہوگا کیونکہ وہ اصل حقیقت سے آگاہ ہونے کی بناء پر دنیا کی کسی بھی کسی طرح کی بات سے مرعوب نہ ہوگا۔ اور ہر جگہ شریعت اور خدا کے قانون کی بالادستی اور برتری اس کا نصب العین رہے گا، درس نظامی کے نصاب سے یہی چیز طالب علم میں لانی مقصود ہے کیونکہ شریعت پر چلنا اور اس کی ترجمانی کرنا اور دوسروں کو اس پر لانا ان سب کے لیے سب سے اہم وہ خدا کی ذات کی پہچان اور آخرت میں اس کے سامنے جوابدہی کی فکر ہے انسان کا مقصد زندگی اگر اپنی نفسانی خواہشات پورا کرنا کھانا پینا سونا جاگنا پھر مر جانا ہی ہوتا تو پھر معاملہ آسان تھا لیکن یہاں تو معاملہ اس بات کا ہے کہ اس دنیا کی زندگی سے پہلے کیا تھا اور بعد میں کیا آنے والا ہے اور اس میں کیا ہونے والا ہے اس کی تیاری اصل مقصد زندگی ہے اس کائنات کی ہر چیز وقتی ہے اپنے اپنے وقت پر فنا ہو جائیگی لیکن حضرت انسان مخدوم کائنات اور افضل المخلوقات ہے اس کو ایک اور زندگی بنانے کی فکر سامنے ہے جس میں دائمی راحت یا دائمی رنج والم کا سامنا ہوگا، جن بے حس لوگوں نے انسان کو ایک خود روگھاس یا ایک ہوشیار قسم کا جانور قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک ایک انسان گدھے کتے میں کوئی امتیاز نہیں ایسے لوگوں کا مقصد زندگی خواہ کچھ بھی ہو جائے اور وہ شریعت کے پابند بیں نہ بنیں بلکے اوروں کو بھی نہ بننے دیں بلکہ بننے پر تکلیف اور ایذاء رسانی کے درپے ہوں تو کوئی مستبعد نہیں۔

بہر حال درس نظامی کے فاضل کا مقصد اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ٥ کے روشنی میں وہ آخرت کی جوابدہی ہے جو اس کی زندگی کا سرمایہ ہے اور ہر مشکل کو اس کے لذیذ اور آسان بنانے والا ہے اس تصور کے بعد اسے کوئی ،،ملا'' کہے ''دقیانوسی'' کہے ''بنیاد پرست'' کہے ''شدت پسند'' ''رجعت پسند'' کہے یا کوئی بھی لقب دے شریعت پر عمل کرنے میں کوئی چیز اسے مانع نہ ہوگی اور وہ اپنی آخرت کی تیاری میں کوئی جھجک محسوس نہ کرے گا، دنیا کی تمام ڈگریاں اس کی نظر میں ہیچ ہوں گی اور بس ماذا قال اللہ اور ماذا قال الرسول کے جاننے کی ہی اسے ہر وقت دھن ہوگی۔

اب وہ ضروریات زندگی پوری تو ضرور کرے گا مگر مقصد بنا کر نہیں مقصد تو اس کا اب یہ ہوگا

خلاف پیمبر کسے راہ گزید ☆ ہرگز او بمنزل نخواہد رسید

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں مقبولیت کا معیار اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق پر چلنے کو قرار دیا ہے اس لیے کوئی بھی بغیر اتباع رسول کے ہرگز اپنی کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے ہم سب سے پہلے اس کے محتاج ہیں کہ یہ جان لیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام مقدس (قرآن مجید) میں کیا کہتا ہے اور رسول پاک اپنے مبارک کلام (حدیث شریف) میں کیا فرماتا ہے اور فقہاء کرام اس کی تشریح (فقہ) میں کیا کہتے ہیں اور یہ تمام تشریحات چونکہ عربی میں ہیں اس لیے عربی زبان سیکھنے سے متعلق جو علوم وفنون ہیں اور اس میں جو معاون علوم ہیں ان سب کی تحصیل کا نام ''درس نظامی'' ہے۔

تاریخ میں درس نظامی کے فضلاء کی خدمات کا ردعمل

اس ملک میں اسلامی سلطنت (سلطنت مغلیہ) کے سقوط اور ختم ہونے کے بعد جب برادارن اسلام کی دینی و دنیوی شوکتیں روبزوال ہونے لگیں تو اپنے اپنے طور پر ان عظمتوں اور شوکتوں کو بحال رکھنے کے لیے چار قسم کے ادارے بنائے گئے (۱) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جس کے مقصد قیام میں خالص دنیوی تعلیم (انگریزی) کے ذریعہ اپنے تقاضوں کے ساتھ اڈہ لینا (۲) جامعہ ملیہ جس کے مقصد قیام میں دنیوی تعلیم کا حصول مگر اسلامی ماحول کے ساتھ (۳) جامعہ ندوۃ العلماء جس کے مقصد قیام میں دینی اور دنیوی دونوں تعلیم اور مذہبی ماحول کے ساتھ (۴) دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ان کے مقصد قیام میں خالص دینی تعلیم اور خالص اسلامی ماحول میں ان سبھی اداروں نے دینی اور دنیوی فائدہ مرتب ہوئے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ رفتہ بحال ہونے میں بڑی مدد ملی، لیکن جہاں تک شریعت کی پاسبانی اور ترجمانی صحیح خدوخال اور اپنی اصلی ہیئت کے ساتھ آخر الذکر کے حصہ میں آئی وہ مخفی نہیں خاندان حضرت شاہ ولی اللہی "علماء فرنگی محلی اور جماعت دیوبند جن کے ہاتھوں میں دینی قیادت کی زمام رہی ہے اور ہے وہ الحمد للہ سب **"درس نظامی"** کے فضلاء ہیں۔

دینی غیرت وحمیت کا حامل اور باطل کا بھیجا پھوڑنے والے اور حق کی ترجمانی کے فرائض ادا کرنے والے کیا علماء، کیا خطباء کیا مدرسین کیا واعظین ومبلغین کیا مؤذنین کیا ائمہ، کیا مفسرین، کیا محدثین، سب الحمد للہ اسی درس نظامی کی عطاء اور دین ہے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

اخوکم فی طلب العلم/ محمد زاهد المظاهری

۱۶/شوال المکرم ۱۴۳۱ھ الموافق ۲۶ ستمبر ۲۰۱۰م یوم الاحد

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

درس نظامی اپنی خوبیوں کے آئینہ میں

۱- درس نظامی کا محور اور مقصود بالذات تین چیزیں ہیں (۱) صرف ونحو اور علم ادب کی کتابوں کی تدریس تا کہ عربی زبان آجائے اور عربی ذخیرہ سے جو ایک بحر بیکراں ہے استفادہ کی راہ آسان ہو سکے۔

(۲) عقلی کتابیں تا کہ اسلاف اور متقدمین کی کتابوں میں جو معقولی اصطلاحات ہیں ان سے واقفیت ہو کر ان کی کتابوں سے استفادہ میں سہولت ہو نیز ذہن کو صیقل کرنا مجھنا اور تیز کرنا ہے تا کہ وہ دینی چیزوں کے بارے میں ایسی بصیرت اور اطمینان حاصل کر لے کہ کوئی بھی عقل پرست اس کو اس کے دین کے بارے میں بہکانہ سکے نہ صرف یہ کہ بہکانہ سکے بلکہ بہکے ہوؤں کو بھی بچا سکے اور دوسروں کو بھی اپنا دین کا قائل کر سکے اور اس کی حقانیت بتلا اور جتا سکے۔

(۳) سب سے مہتم بالشان اور قابل اعتناء وہ تفسیر، حدیث، فقہ کی واقفیت ہے اول دو چیزیں اس تیسری کے لئے محض آلہ اور واسطہ ہیں لیکن یہ بھی مسلم ہے کہ اوّلین میں جو جتنا با صلاحیت اور ماہر ہوگا اس تیسری چیز میں اتنا ہی اس کا پایہ بلند ہوتا جائے گا۔

اس حقیر راقم کو بھی درس نظامی کے تمام فنون اور کثر کتب سے درسا وتدریسا خاصہ واسطہ پڑچکا ہے اور پڑ رہا ہے اور کچھ نہ کچھ ان کے مافیہ پر بھی نظر ہے تبدیلی نصاب کی صدائے بازگشت سن سن کر جو تأثر بار بار بندہ کے دل میں آتا رہتا ہے اس کا اظہار مقصود ہے۔

انگریزی دور سے پہلے تک ہندوستان میں اسلامی حکومت تھی جو پہلی صدی ہجری میں تو صرف سندھ (جس میں صوبہ گجرات اور پنجاب شامل تھا) کے اندر تھی پھر ۳۹۰ھ میں بذریعہ شاہ محمود غزنوی پورے ہندوستان میں قائم ہوگئی اور انگریزوں کے تسلط (جو ۱۸۵۷ء سے شروع ہوتا ہے) کے قائم ہونے تک رہی۔

درس نظامی کی تدوین وترتیب صرف اس جذبہ سے ہوئی ہے کہ اس سے حقانی با صلاحیت باضمیر دینی غیرت کے حامل علماء تیار ہوں اور وہ دین کی پاسبانی اور ترجمانی کا فریضہ اچھے سے اچھے طریقہ پر ادا کر سکیں، چونکہ اس جذبہ کی قدردانی ہر مؤمن کا فریضہ ہے اس لئے اگر بالفرض اس نصاب کے مدوّنین کہیں کے حضرات بھی ہوتے تب بھی یہ نصاب لائق اعتناء تھا مگر خوش قسمتی سے یہ نصاب حضرت عالمگیر کی نگرانی میں اور ان کے دور میں ترتیب دیا گیا ہے اور اس زمانہ کے ایک بڑے فاضل مقدس بزرگ کا ترتیب دادہ ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان میں نصاب تعلیم کا آخری دور وہ ہے جو بارہویں صدی میں ملا نظام الدین سہالوی کے نام سے منسوب ہو کر "درس نظامی" کہلایا اور اس وقت سے آج تک تمام مدارس اسلامیہ میں یہی نصاب رائج ہے، ملا نظام الدین سہالویؒ سلطان عالمگیر کے عہد کے ایک بڑے ماہر عالم اور مقدس بزرگ ہیں، فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے لئے جو علماء کی ایک جماعت (بورڈ) کا انتخاب فرمایا تھا اس میں ملا نظام الدین کا نام سر فہرست آتا ہے۔

درس نظامی کی مسلسل مقبولیت اور اس سے تیار شدہ افراد کی صلاحیتوں کا حال

چناں چہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ یہی درس نظامی اس وقت کے تمام مدارس میں رائج ہوا، اس درس کے فاضل جس طرح علوم دینیہ کے ماہر ہوتے تھے اسی طرح دفتری ضروریات اور ملکی خدمات کے انجام دینے میں بھی ماہر سمجھے جاتے تھے خاص خاص فنون میں مہارت حسب ضرورت بعد میں حاصل کر لی جاتی تھی اس وقت علوم دینیہ دُنیویہ کی کوئی تفریق نہ اس ملک میں تھی اور نہ دوسرے ممالک میں۔

یہ نصاب درس کچھ ایسا مقبول ہوا کہ اطراف ملک میں اس کے پڑھنے والے ہزاروں علماء فضلاء تمام ملک میں فاضل و ماہر سمجھے گئے، ہزاروں علماء، صلحاء، اتقیاء، محدثین، مفسرین، فقہاء، ادباء، اور ماہر معقولات اس سے پیدا ہوئے، انگریزی عہد کی ابتداء میں بھی یہی صورت حال چلتی رہی مگر انقلاب ۱۸۵۷ء میں جب کہ تمام اسلامی شعائر مجروح اور مدارس معطل ہو گئے اور علماء منتشر ہو گے یہ سارا نظام درہم برہم ہو جانے کے بعد انگریزی نصاب تعلیم ملک میں رائج ہوا تو اس میں اسلامی عقائد احکام اور تہذیب کا کوئی حصہ نہ تھا علماء دین جو بچے کھچے مختلف اطراف میں باقی تھے وہ بھی منتشر تھے اسلامی تعلیم کا کوئی نظام کہیں باقی نہ رہا اس وقت ملک کا درد رکھنے والے چند مقتدر علماء نے یہ محسوس کیا کہ اگر علم دین اور اس کی تعلیم کا کوئی نظم نہ کیا تو اس ملک میں اسلام کی بقاء ناممکن ہو جائے گی، چنانچہ تیرہویں صدی کے آخر ۱۲۸۲ھ میں دیوبند ضلع سہارنپور میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی، اس کا بنیادی مقصد حکومت کے عہدوں اور مناصب سے قطع نظر کر کے دین اور علم دین کا تحفظ اور اس کے صحیح خدوخال کو برقرار رکھنا تھا تاکہ جب کبھی اسلامی تعلیم و احکام کے رواج دینے کا موقع ہاتھ آئے تو دین کی یہ متاع گرانمایہ ہمارے ہاتھ میں ہو اس مدرسہ دیوبند میں وہی نصاب جاری کیا گیا جو پہلے سے تمام مدارس میں جاری تھا، بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر سینکڑوں مدارس ملک میں قائم ہوئے اور یہی نصاب درس ان میں جاری ہوا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا کہ علم دین کو اپنی اصلی حالت میں محفوظ کر دیا۔ (مجالس مفتی اعظمؒ)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس نصاب کی خصوصیت کا یوں اظہار فرماتے ہیں: کہ اگر عربی کا طالب علم اس درس نظامی کو اوسط درجہ کی فہم و استعداد سے بھی پڑھ لے تو عجیب و غریب استعداد اور بہترین قابلیت پیدا ہو جاتی ہے ایسی قابلیت کہ پھر کوئی

کہیں کا بھی ڈگری یافتہ امریکہ کا ہو یا لندن کا ہو یا برطانیہ کا کوئی بھی عربی طالب علم کے سامنے نہیں چل سکتا التھی کلامہ وجہ ظاہر ہے کہ اس نصاب میں بہت سے باریک مضامین اور اوڑے کھڈوں سے گذرنا پڑتا ہے اور جو اوق اور باریک مضامین سمجھ لیتا ہو اور اوڑے کھڈوں میں چل سکتا ہو اس کے لئے آسان مضامین سمجھنا اور ہموار پلین جگہ میں چلنا کوئی معنی اور دشواری نہیں رکھتا اس لئے درس نظامی کا طالب علم کسی بات کا جتنا اچھا تجزیہ اور تین پانچ کر کے نتیجہ نکال سکتا ہے دوسرے سے ممکن نہیں ہے اور کسی بھی بات کا فہم اس کے لئے دشوار نہیں رہتا تو جس نصاب کے اندر ایسے معیاری اور اعلی لیاقت کے حامل بنانے کی صلاحیت ہو تو وہ نصاب اپنے اندر کچھ عزیمت تعزز تشدد اور تمانع نیز مشکلات بھی رکھتا ہوگا اور اپنے اوپر قابو دینے کے لیے اپنی شایان شان اس نصاب کو جو محنت اور وقت درکار ہے وہ بھی پیش کرنا ہوگا اسی لئے اس نصاب پر کما حقہ لایعنی سے بچتے ہوئے جب محنت کی گئی تو اس سے بڑے بڑے اہل علم پیدا ہوئے۔

بہر حال اس نصاب میں بعض کتابیں تو وہ ہیں جو اچھے اچھوں کو لکچا دیتی ہیں ان کو ہر کوئی نہیں پڑھا سکتا، اور بعض کتابیں وہ ہیں جن پر محنت کر کر کے سالہا سال کے بعد ان کے مالہ وماعلیہ کا پتہ چلتا ہے، اسی لئے اس نصاب میں ہر فن سے متعلق کتابیں اس شاندار ترتیب سے رکھی گئی ہیں کہ تدریجی ارتقاء ہو اور رفتہ رفتہ معیار بلند ہو مثلاً فن نحو میں اول نحو میر پھر شرح مائۃ پھر ہدایۃ النحو پھر کافیہ پھر شرح جامی، نحو میر میں جو معلومات ہوئیں اس سے بڑھ کر پھر شرح مائۃ میں پھر اس سے بڑھ کر ہدایۃ النحو پھر اس سے مکمل کافیہ پھر سب سے مکمل اور تشفی بخش سیراب کن نحوی بحثیں شرح جامی میں آ جاتی ہیں، یہی حال فن صرف میں ہے کہ میزان منشعب پھر پنج گنج پھر صرف میر پھر علم الصیغہ اور تمام کتابوں کے مضامین آپس میں ترتیبی لحاظ سے اتنے مربوط ہیں کہ کڑی سے کڑی جڑتی چلی جاتی ہے اور فن کے لحاظ سے معلومات کا بھی معیار بلند ہوتا چلا جاتا ہے اور صلاحیت بھی تیز ہوتی جاتی ہے، یہی حال فن منطق کی کتابوں کا ہے کہ اول تیسیر المنطق پھر صغریٰ کبریٰ پھر مرقات پھر شرح تہذیب، پھر قطبی پھر سلم العلوم، طالب علم کچھ تیسیر المنطق میں اس فن سے مناسبت پائے گا پھر اس سے بڑھ کر صغریٰ کبریٰ پھر مرقات میں پھر شرح تہذیب میں ذرا معیار کچھ اور بلند ہو گیا قطبی میں اس سے زیادہ بحث ومباحثہ ہے اور پھر سلم العلوم میں اور محاکمہ ایں وآں اعتراض جوابات کا میدان گرم ہے، یہی حال فقہ کے کتب کا بھی ہے کہ نور الایضاح پھر قدوری پھر شرح وقایہ پھر ہدایہ کو رکھا گیا ہے گویا ہر سال میں ہر فن کی کتاب تدریجی معیار کے حساب سے پڑھنے میں آتی رہتی ہے جس سے طالب علم ہر فن اور اس کی اصطلاحات سے علمی نشو ونما لیتا رہتا ہے حتی کہ علوم آلیہ میں مہارت حاصل کر کے پھر علوم مقصودہ قرآن تفسیر اور حدیث پاک میں لگ جاتا ہے، اور مولوی ہو جاتا ہے، لیکن پورے آٹھ سال لگانے کے بعد بھی اور اس جیسا اہم نصاب پڑھنے کے بعد بھی ''درس نظامی'' کے مدارس میں الگ سے پھر اس کی استعداد کو اضعاف مضاعفہ بنانے کے لئے فنون کا سال رکھا گیا ہے جس میں سب اہم اور مشکل کتابیں ہوتی ہیں جیسے ملاحسن، میبذی، شرح عقائد، بیضاوی، ہدایہ ثالث وغیرہ وغیرہ تا کہ اور پختگی

آجائے اور رہی سہی کمی بھی پوری ہو جائے۔

چونکہ مقصود بالذات قرآن وحدیث ہے مگر ان کے سمجھنے سمجھانے کے لئے کم از کم پندرہ علوم اور فنون کی علمی اصطلاحات سے جب تک کوئی واقف نہ ہو جائے، تب تک وہ تفسیر کا بھی اہل نہیں بنتا، اور اللہ کے رسول کے کلام کا صحیح فہم اور تجزیہ "درس نظامی" میں داخل تمام فنون کی اچھی واقفیت پر موقوف ہے، اسی لئے درس نظامی کے فارغین اور سرسری سطحی فنی اصطلاحات سے عاری نصاب کے فارغین میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، درس نظامی وہ نصاب ہے جو دین کے بارے میں انتہائی غیرت مند ہے اس نصاب کی ہر کتاب میں قرآن وحدیث کی طرف رخ موڑا گیا ہے اور دین کے لئے دفاعی ذہن بنتا ہے اور غیور علماء نے اس نصاب پر اتنی محنت کی ہے کہ یونانی منطق فلسفہ کو بھی اسلامی رنگ میں رنگ دیا اور خلاف شرع چیزوں کو الگ الگ کر دیا جس سے اب منطق وفلسفہ کے مضر اثرات کا بھی کوئی خطرہ نہیں، مثال دینے میں بھی قرآن وحدیث یا فقہ سے دینے کو ترجیح دی ہے الا ماشاءاللہ

دوسری ایک اہم خصوصیت اس نصاب کی یہ ہے کہ ایک تو ہر فن سے متعلق اس نصاب میں خود ہی متعدد کتابیں موجود ہیں کسی کتاب میں اگر کسی فن کی کوئی بحث تشنہ ہے یا مغلق اور مبہم ہے تو اسی فن کی دوسری کتاب سے تشنگی اور پیچیدگی ہٹ جاتی ہے اگر پھر بھی نہ ہٹے تو حواشی اور شروحات اور دیگر متعلقات سے مدد لی جا سکتی ہے اور پھر یہ حواشی وشروحات عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں دستیاب ہیں، تو اگر دیکھا جائے اس نصاب کی مشکل سے مشکل کتاب بھی آسان ہے کیونکہ اس کے حل کا ذریعہ ہر وقت موجود ہے، اس کے برعکس ہمارے ایک ساتھی کو القراۃ الراشدہ پڑھانی پڑگئی تو اس میں عربی اشعار کے حل کے لئے پریشان ہونا پڑتا تھا کہ کیسے اور کہاں سے حل کریں جس سے ہمیں تشفی ہو جائے کہ جو ہم سمجھے وہ صحیح سمجھے گئے۔

درس نظامی کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس میں کچھ کتابیں تو وہ ہیں جو محض اس لئے مشکل ہیں کہ جس فن میں وہ ہیں خود وہ فن ہی مشکل ہے جیسے علم منطق علم کلام، فن فلسفہ، فن بلاغت، اور کچھ کتابیں وہ ہیں جو ضخامت اور کثیر الصفحات ہونے کی وجہ سے یا ان کی عبارت دریا بکوزہ کا مصداق ہونے کی وجہ سے زیادہ تشریح اور وقت اور محنت کی طالب ہیں ان میں ایک ایک سطر کی وضاحت میں کافی کافی وقت لگ جاتا ہے جیسے کافیہ، کنز الدقائق، سلم العلوم، مختصر، شرح جامی وغیرہ۔

اور کچھ میں حافظہ مضبوط اور اچھا خاصہ درکار ہوتا ہے جیسے علم تفسیر اور علم حدیث کی کتب

تو جن کو معقولات سے وحشت ہے وہ تو اس نصاب کی ان تمام کتابوں کے مخالف ہیں جو عقلی ہیں یا ان میں عقلیت کی آمیزش ہے، اور دوسری تیسری طرح کی کتابوں میں وقت محنت اور حافظہ پر زور پڑتا ہے اس لئے وہ ان کی جگہ منتخبات چاہتے ہیں یا ایسی کتابیں جو بالکل اصطلاحات سے خالی ہو اور شستہ شگفتہ سادے مضمون کی طرح ان کی عبارت ہو۔

درس نظامی سے متعلق خاص طور سے تین کتابیں لوگوں کو زیادہ دوبھر ہیں (۱) شرح جامی (۲) مقامات (۳) کنز۔

ان کی افادیت اوراہمیت سے متعلق جو بندہ کے ذہن میں ہے وہ ذکر کرتا ہوں۔

شرح جامی

جہاں تک ''شرح جامی'' کی بات ہے وہ درس نظامی کی ان اعلی کتابوں میں سے ہے جس کی خوبیوں کا کوئی جواب نہیں نہ بحیثیت تصنیف کے اور نہ بحیثیت مصنف کے۔

مصنف کی بات تو عیاں اور مشہور ہے کہ کیسے بلند پایہ متقی اور مقبول بارگاہ الہی تھے (جیسا کہ فضائل درود مصنفہ حضرت زکریاؒ میں ان کے روضۂ اقدس پر پڑھنے کے لیے تیار کردہ قصیدہ کی مقبولیت کا ذکر موجود ہے) لیکن کمال یہ ہے کہ کافیہ متن ہے اور ''شرح جامی'' شرح ہے انہوں نے اپنی شرح کی عبارت کو متن کی عبارت کے ساتھ جوڑ بٹھانے میں ایسا کمال کیا ہے کہ اگر متن اور شرح کا رسم الخط علیحدہ علیحدہ نہ ہو تو پتہ نہیں لگتا کہ متن اور شرح علیحدہ ہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل ایک ہی کلام ہے اور ایک ہی مصنف کا ہے۔

اس کتاب میں نحوی بحث کا تمام پہلوؤں سے ایسا جائزہ لیا گیا ہے کہ آگے کوئی تشنگی یا کسر باقی نہیں رہتی، کوئی صورت چھوڑی ہی نہیں کہ اس کا حکم بیان نہ کیا گیا ہو، مثلاً بدل کی چار قسمیں بیان کر کے بدل اور مبدل منہ کا تجزیہ کر کے بتایا کہ وہ دونوں کبھی معرفہ ہوں گے کبھی دونوں نکرہ ہوں گے کبھی مختلف ایک نکرہ ایک معرفہ پھر کبھی دونوں اسم ظاہر ہوں گے کبھی دونوں اسم ضمیر ہوں گے کبھی مختلف ہوں گے، ایسے ہی فعل فاعل کی مذکر و مؤنث ہونے کے لحاظ سے آپس میں مطابقت کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں ان کو بیان کر کے پھر ان کے جواز اور عدم جواز کو الگ بتلایا ہے

اس کتاب کی ترتیب اور ادب بھی اتنا شاندار ہے جو اپنی مثال آپ ہے ہر زمانہ میں اس کتاب کے مدرس کا ایک نمایاں مقام رہتا چلا آیا ہے علوم مقصودہ کے بعد اس کی تدریس پر فائز انتہائی قابل سمجھا جاتا تھا اس کتاب کا نکالنا در حقیقت پیش خیمہ ہے کافیہ اور ہدایۃ النحو اور نحو میر کے نکلنے کا بھی کیونکہ ان سب کی ترتیب ایک مضامین ایک صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔

جو بات نحو میر اور ہدایۃ النحو اور کافیہ میں حل نہیں ہو پاتی، اس کی مکمل سیر اور سیرابی اور تسلی بذریعہ شرح جامی ہی ہوتی ہے بغیر شرح جامی کے ان کتابوں کا حل بھی دشوار ہو جائے گا۔ بندہ کی اس شرح کا محور اور منبع بھی دراصل یہی شرح جامی ہے، اور شرح جامی کے فیض سے فیضیاب ہو کر ہی یہ شرح میں نے لکھی ہے۔

میں نے بارہا تجربہ کیا کہ کسی بھی نحوی مسئلہ میں جب الجھن اور یا ناہمواری مجھے سامنے آئی تو شرح جامی سے اس کا تصفیہ ہو گیا، جس کی مندرجہ ذیل مثالیں ہیں:

(۱) نحو کی کتابوں میں لو کی وضع یہ لکھی ہے کہ وہ برائے انتفائی ثانی بسبب انتفاء اول کے لئے ہے، اور مثال دیتے ہیں لو

کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا ،مگر دیکھا جائے تو مثال اور ممثل لہ میں مطابقت نہیں ہے، کیونکہ تعدد آلہ شرط ہے اور فساد جزاء ہے تو گویا تعدد آلہ کی نفی سے فساد کی نفی کر رہے ہیں اور ہونا چاہئے برعکس کہ عدم فساد جو معلوم ہے اس سے عدم تعدد آلہ کو بتلانا مقصود ہے، شرح جامی دیکھی تو انہوں نے بالکل یہی اعتراض کر کے جواب لکھ دیا ہے جس کو میں نے بھی اپنی اس شرح میں لو کی بحث میں لے لیا ہے تمنا ہو تو دیکھ لیں۔

(۲) لاءِ نفی جنس کی بحث میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ میں جو پانچ طرح پڑھنا جائز ہے تو اس میں پانچویں صورت فتح اول اور نصب ثانی ہے یعنی حول پر ایک زبر اور قوۃ پر دو زبر پڑھنا بتایا گیا ہے اس کی معقول وجہ بھی شرح جامی کے ذریعہ معلوم ہوئی جو کہ لاءِ نفی جنس کی بحث میں ''ضوء المستنیر'' میں لکھ دی ہے، نیز لاءِ نفی جنس کے اسم کا اعراب اور اس کی تمام صورتوں کی تفصیل جس خوبی سے صاحب شرح جامی نے بیان کی ہے اس کا جواب نہیں ہے، ''ضواء المستیر'' میں اس کو لیلیا ہے۔

(۳) ایسے لِلّٰہِ دَرُّہٗ من فَارِسٍ، عَزَّ من قائل جیسے جملوں میں جب یہ سنا کہ فارس اور قائل تمیز ہیں تو کھٹکا ہوا کہ تمیز تو منصوب ہوتی ہے یہ کیسے تمیز بن گئے شرح جامی دیکھی پتہ چلا کہ کبھی تمیز پر مِن بھی آیا کرتا ہے۔

(۴) اعراب تقدیری اعراب محلی، میں کیا فرق ہے اس کی تشفی نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے بتایا کہ اعراب محلی مبنیات میں ہوتا ہے جیسے کہ جاء ھؤلاء میں ھؤلاء محلا مرفوع ہے یعنی جگہ پر تو بوجہ فاعل ہونے کے رفع کی ہے مگر مبنی ہونے کی وجہ سے پڑھا جائیگا مجرور ہی، اور اعراب تقدیری معربات میں ہوتا ہے لیکن ان کلمات میں ہوتا ہے جو اپنے آخر میں حرف علت ہونیکی وجہ سے جیسے موسیٰ، عیسیٰ، اعراب قبول نہیں کر سکتے یا قبول تو کر سکتے ہیں مگر ثقل ہو جاتا ہے جیسے اسم منقوص یعنی قاضی وغیرہ میں کہ اسکی حالت رفعی وجری میں ی پر ضمہ یا کسرہ لانے کے بجائے سکون پڑھیں گے اور تقدیراً مرفوع اور مجرور مانیں گے البتہ حالت نصبی میں کہ وہ اخف الحرکات ہے ی پر زبر پڑھ سکتے ہیں، اور اعراب لفظی ہوگا۔

عربی بول چال کے لئے اور دو چار جملے عربی میں ادھر اُدھر کرنے کیلئے سرسری علم نحو کافی ہو جاتا ہو تو ہو جاتا ہو لیکن بعض جگہ قرآن وحدیث میں آئی عبارتوں پر نحوی اشکالات یا الجھنیں کھڑی ہو جاتی ہیں ان کے دفعیہ کے لئے شرح جامی جیسی کتاب کی تدریس سے استغناء ممکن نہیں شرح جامی کا قائم مقام شرح ابن عقیل بھی راقم نے پڑھی ہے لیکن اَیْنَ ھٰذا مِنْ ذاکَ۔

کافیہ فن نحو میں ایسی بے مثال کتاب مانی گئی کہ کیا عرب کیا عجم سب جگہ اس کتاب کا چلن ہے اور صرف یہی نہیں کہ اس کی مختلف زبانوں میں سینکڑوں سے زیادہ شروحات لکھ دی گئیں بلکہ اس کی عبارت پر اتنی محنت کی گئی کہ پوری کافیہ کی ہر ہر جملہ کی نحوی ترکیب بھی وجود میں لے آئے۔ پھر صاحب شرح جامی نے نویں صدی ہجری میں اس کے حل اور گرہ کشائی میں ایسا کمال دکھلایا کہ خود یہ شرح بھی کافیہ کی طرح اسی وقت سے مقصود بالذات بن گئی اور باقاعدہ داخل درس کر دیا گیا اور جس نے اس

کی اہمیت وافادیت کو جان لیا وہ ہمیشہ اس کتاب کو حرز جان بنائے رکھے گا آخر ۱۴۰۳ھ میں عراق کی وزارت اوقاف نے محقق طور پر نئی شکل میں جو شرح جامی کو شائع کیا ہے کچھ تو بات انہوں نے اس میں دیکھی ہوگی۔ (کذا فی مقدمة التسهيل السامي، شرح اردو شرح جامی) مگر بات اصل یہ ہے لَايَعْرِفُ قَدْرَ الْجَامِيْ اِلَّامَنْ كَانَ فَوْقَ الْجَامِيْ اَوْ مِثْلَ الْجَامِيْ.

عجیب بات یہ ہے کہ اس اہم کتاب سے بہ نسبت چھوٹوں کے بڑے مدارس سب سے پہلے بیزار ہوئے (کاش نظر ثانی ہو جائے تو بہتر ہے) پھر جن لوگوں نے اس کتاب کو پڑھا سمجھا نہ ہو ان کی رائے کی حقیقت ایسی ہی ہے جیسے کہ ایک موتراش نے خوش ہو کر اپنی اہلیہ سے کہا کہ آج تو میرے پیشہ کی بادشاہ نے بھی تعریف کی ہے اور مجھے انعام دیا ہے۔ اہلیہ کہنے لگی کہ اہل فن تعریف کرتے تو بات تھی بادشاہ کو اس فن سے کیا واقفیت!

رہی بات کہ شرح جامی مشکل یا اساتذہ وطلبہ کی صلاحیت سے بالاتر چیز ہے تو یہ خواہ مخواہ کی دہشت اور وحشت ہے اگر شرح جامی کو سمجھ سے بالاتر خیال کیا جانے لگا تو پھر تو درس نظامی کی ہر کتاب مشکل ہی ہے۔ بھلا سلم العلوم، مختصر بیضاوی، ملاحسن، میبذی، ہدایہ ثالث، شرح عقائد کیا یہ کتابیں کوئی آسان ہیں یا ان کے پڑھنے پڑھانے والے ہمارے علاوہ کوئی اور ہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ شرح جامی کی ابحاث بخاری کی طرح اپنے لئے ایک شیخ النحو کا ضرور مطالبہ کرتی ہے اور مثل علامہ صدیق احمد کشمیری کے ایک ذہن ضرور اسی کے لئے گروی ہو۔ قرآن کا فرمان ہے مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ۔ کہ کوئی دو دل نہیں رکھتا کہ بیک وقت دو چیزوں کی طرف کماحقہ توجہ دے سکے

مقامات

وہ کتاب ہے جس میں اکثر عربی الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے اس کتاب کو درس نظامی رکھنے کا مقصد یہ بالکل نہیں ہے کہ اس سے مضمون نگاری یا عربی عبارت آرائی آئیگی اور کوئی انشاء پرداز بن جائیگا کیونکہ علامہ حریری خود کوئی ایسے اچھے ادیب نہیں تھے ان کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ان کو مضمون نگاری کیلیے رکھا گیا تو ان کا معاملہ یہ تھا کہ مضمون کے مطابق الفاظ لانے کے بجائے الفاظ کے مطابق مضمون بناتے تھے جس کی وجہ سے معزول ہونیکی نوبت آئی تو اصل بات یہ ہے کہ صاحب مقامات جس واقعہ اور صورت حال کی تصویر کشی بذریعہ الفاظ کرتے ہیں وہ واقعہ پہلے سے موجود نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کے ذھن میں الفاظ کا ذخیرہ پہلے ہو تا ہے ان کو کھپانے اور استعمال کرنے کے لئے واقعہ گھڑتے ہیں اور تیار کرتے ہیں (پس وہ ایک مقاماتی آدمی تھے یعنی يَكْتُبُ كَمَا يُرِيْدُ لَا كَمَا يُؤمَرُ (یعنی جو من اور دل میں آتا لکھتا نہ کہ وہ جو لکھوایا جاتا تھا) اور مقامات کہتے ہی ہیں فرضی حکایات کو اس لئے اس کتاب میں ادب کا تو نام بھی نہیں ہے البتہ الفاظ کا ذخیرہ اتنا آگیا ہے کہ اکثر وہ لغات جو قرآن میں آئی ہیں وہ اس

کے ذریعہ معلوم ہو جاتی ہیں ہمارے علماء نے اسی فائدہ کے پیش نظر اس کو داخل نصاب کیا ہے اور مزید مفید بنانے کیلئے ہر لغت کا قرآن سے بھی استشہاد پیش کیا ہے، کہ یہ لغت قرآن کی فلاں آیت کے فلاں لفظ میں استعمال ہوئی ہے اس کے بالمقابل جو مختارات، بدل میں رکھے جائیگی بات کہی جاتی ہے تو مقام شکر ہے کہ میں نے بھی اس کتاب کو پڑھا ہے۔ صاحب مختارات کے پیش نظر اس کتاب میں مختلف زمانہ کے مختلف ادیبوں کی تحریروں کے نمونے پیش کئے ہیں کہ فلاں ادیب کا طرز ایسا اور فلاں کا ایسا تھا۔

ظاہری بات ہے کہ جس شخص کو عربی لکھنے پڑھنے کی قدرت ہو چکی ہو اور مضمون نگاری کرنی آ گئی ہو طرزوں کی چھانٹ تراش اور خوب سے خوب تر کی تلاش اسے مفید ہوگی اور جسے ذخیرۂ الفاظ سے بھی محرومی ہے تو اس کے لئے تو ابھی مقامات ہی ٹھیک ہے یہ تو حضرت مولانا جیسے بڑے ادیب ہی کے شایان شان تھا کہ طرز کی نفاست اور اس کی انواع پر کتاب لکھیں۔ ہاں جو ادیب بن چکے ہیں ان کے حق میں یہ کتاب اپنی جگہ اکسیر ہے،

کنز الدقائق

یہ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے فقہ کی طول وطویل اور مفصل مضمونوں کو ذرا ذرا سی عبارتوں میں پیش کرنے کا کمال دکھایا ہے، اس کتاب سے دو فائدے ہیں (۱) فقہ سے متعلق جتنی بحثیں ہیں خواہ حج نماز کی ہوں یا نکاح میراث اور عتاق کے مسائل ہوں یعنی فی الحال وہ مسائل معمول بہا بھی نہ ہوں اس کتاب میں سب کی واقفیت اور سیر کرادی گئی ہے تا کہ فقہ سے متعلق اجمالاً یہ جانا جا سکے کہ اس کے مسائل کا تعلق کن کن شعبہ جات سے ہے۔ اور فقہ کی کتابوں میں کسی میں کتاب الحج تک کسی میں کتاب النکاح تک کسی میں کسی بحث تک اور کسی میں کسی بحث تک کتاب ختم ہوگئی مکمل عبوری خاکہ فقہ کا نہیں آپاتا یہ کنز الدقائق کی وہ خصوصیت ہے جو یکجا اور کتابوں میں نہیں آپائی ہے۔

اب **سوال** یہ ہے کہ عتاق وغیرہ غلام باندیوں سے متعلق جو مسائل ہیں ان کے پڑھانے سے کیا فائدہ تو۔

جواب یہ ہے کہ پڑھنے پڑھانے کا مقصد احیاء دین ابقاء دین اور اشاعت دین ہے ورنہ قرآن کی وہ آیتیں جنمیں عتاق کا ذکر ہے انکی تفسیر کیسے جانے جائیگی اس لئے ابقاء دین تو بہر صورت ضروری ہے خواہ وہ معمول بہا ہو کہ نہ ہو۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ ایک ہزار نفل پڑھ لینے سے بہتر ایک مسئلہ سیکھ لینا ہے چاہے وہ معمول بہا بھی نہ ہو۔ (۲) طالب علم کو ہر فن مولیٰ بنانے کے لئے جیسے اسکے سامنے وہ عبارتیں آئیں جن میں کوزہ سے دریا بہائے گئے ہیں وہ عبارتیں بھی آنی چاہئیں جن میں دریاؤں کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے۔ اور بڑی بڑی تفصیلوں کو ذرا ذرا سی عبارتوں میں سمیٹ دیا ہے۔

بہر حال درس نظامی کے فاضل کا حسن ایسی کتاب کے پڑھنے سے بجائے کم ہونے کے دوبالا ہوتی ہے صلاحیت

بلکہ مصقل اور تیز ہوتی ہے نیز ایک انداز معلوم ہوتا ہے، تو ہمیں تو یہ لگتا ہے کہ درس نظامی کو اپنے لائق بنانے کے بجائے ہمیں ہی اس کے شایان شان محنت کی ضرورت ہے۔ یہ نصاب اس قدر توجہ کا محتاج ہے۔ تبھی تو طلبہ کیلئے ہمارے اکابر واسلاف اخبار بینی اور دیگر کسی شغل میں لگنے سے سختی سے منع کرتے تھے حتیٰ کہ فرما گئے۔ العلم لا یعطیک بعضہٗ حتیٰ تعطیہٗ کلک کہ جب تو اپنے آپ کو مکمل مرا کھپالے گا تب کہیں علم کا کچھ حصہ آئیگا، اور من طلب العلیٰ سھر اللیالی جیسے جملوں سے طلبہ کے ذوق کو مہیز لگائی ہے۔

لہٰذا درس نظامی اپنی خوبیوں کے لحاظ سے تو کسی تبدیلی کا محتاج نہیں ہے البتہ مشکل ہونے کا معاملہ جوں کا توں ہے۔ جس کا علاج سوائے محنت اور لگن کے کیا ہوسکتا ہے۔ اگر کسی کو کام کو مولوی بننا ہے اور راسخ فی العلم اور متصلب فی الدین ہوتا ہے تو اس کے لئے تو یہ نصاب ناگزیر ہے اور اگر محض سطحی سرسری عالم بننا ہے اور خالی مولوی لقب لینا ہے اور یـــــــحبـــــون ان یحمدو ابمالم یفعلو ا کی تمنا ہے تو پھر وہ کسی بھی نصاب کو اپنا لے محض دینی اور دنیوی معلومات کے لئے اردو میں بہت ذخیرہ موجود ہے خود بہشتی زیور اور اردو تصنیفات ہی کیا کم ہیں لیکن جہاں تک اچھی عربی اچھی فارسی اچھی اردو فنی اصطلاحوں میں مکمل عبور اور بابصیرت عالم ہونے کی بات ہے تو اس کا ضامن یہی (درس نظامی ہے)

جنہیں یہ نصاب منظور نہ ہو نہ ہو لیکن اس کی شبیہ بگاڑنے سے کیا فائدہ اور دارالعلوم اور مظاہر علوم اور اس سے ملحق مدارس کا طرۂ امتیاز تو یہی درس نظامی ہے۔ اگر یہ سستا اور ہلکا پھلکا کر دیا گیا تو پھر ایسے ہی سستے اور ہلکے پھلکے علما بھی تیار ہوا کریں گے

درس نظامی سے متعلق کرنے کے امور

(۱) ایک تو یہ ہے کہ درس میں داخل کتابوں میں اغلاط کافی ہو چکی ہیں ان کے ازالہ کا بیڑا اٹھایا جائے جسکا خمیازہ جدید مدرسین کو زیادہ بھگتنا پڑتا ہے

(۲) صرف ونحو وادب کی کتب کو تعریب اور تمرین سے جوڑا جاوے۔

(۳) فنون کی بوقت تدریس غیر واضح اصطلاحات جس بسط وتفصیل کے ساتھ وضاحت کی محتاج ہیں وہ پیش کی جائیں۔ کیوں کہ مثلاً الف لام جنسی کی اردو میں یہ تعریف کرنے سے کہ جس کے مدخول سے ماہیت مراد ہو اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آجاتی ہے۔ یا الف لام عھد ذھنی وہ ہے جس کے مدخول سے کسی غیر معین فرد کے اندر ماہیت کا حصول مراد ہو وغیر وغیرہ۔

(۴) جو کتابیں مشکل ہیں یا ضخیم ہیں یا عقلی ہیں ان کے لئے لائق۔ ذی صلاحیت باشوق محنتی افراد کی افراد سازی۔

(۵) درس کا مفوضہ کام اتنا ہو کہ بآسانی انجام دے سکے۔

(۶) مشاہرہ معقول ہونے کے ساتھ اسفار کا بار نہ ہو اگر کوئی بڑی کتاب متعلق ہو تو دوسرے اسباق یا تو چھوٹے رکھے جاویں یا ایک ہی فن والی کتاب ہو۔

(۷) نیز چھوٹے اور متوسط درجات کے عربی اساتذہ جب تک اعلیٰ میں آویں حتی الامکان تعلیم کے علاوہ کسی اور کام میں نہ الجھائے جاویں۔

(۸) ایک ایک کتاب کئی کئی سال تدریس میں رکھی جاوے جس فن میں جس کو مہارت ہو اس کو اسی سے متعلق رکھا جاوے بلا وجہ کتاب نہ بدلی جائے اور بحکم حدیث مَنْ اَمَّ قَوْمًا وَفِیْهِمْ مَنْ هُوَ اَوْلٰی مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالْمُؤْمِنِیْنَ جَمِیْعًا (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) مَنْ یَكُوْنُ اَلْیَقَ وَاَجْدَرَ بِالْكِتَابِ کا خاص خیال رکھا جاوے۔

(۹) اساتذہ حل کتاب کے پابند بنائے جائیں، منہ اٹھا کر محض ریڈیائی تقریر کردینے سے کتاب سے مناسبت نہیں ہوتی حضرت مولانا حکیم عبدالرشید عرف منومیاں نبیرہ حضرت گنگوہیؒ نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں سنایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جب کتاب کی عبارت سمجھا کر الگ سے تبصرہ کرتے تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اب قاسم کی سنو تو آپ کے شاگردوں میں سے غالباً مولانا سہول یا اور کوئی نام لیا کہا کرتے تھے کہ حضرت آپ کی بعد میں سنیں گے پہلے مصنف کی بات سے مطمئن کردیجئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حل کتاب بھی ایک اہم مقصد ہے۔

(۱۰) فارسی زبان کی بالکل خیر باد نہ کہیں ویسے بھی تیسر المبتدی کے قواعد کا حصہ سمجھ کر پڑھ لینے سے فارسی زبان کے صیغے اور ترجمہ کی قدرت ہو جاتی ہے اور جو کتابیں ہمارے نصاب میں فارسی میں ہیں ان کے ترجمہ بآسانی کرسکتا ہے۔

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

گو اب فارسی کی جگہ انگریزی زبان لیلی ہے مگر یہ بات بھی مسلم ہے کہ آج فارسی زبان اور قدیم منطق وفلسفہ کو یکسر چھوڑنا بھی ہمارے لئے بہت سے علمی ذخائر سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ بہت سے علوم وفنون اور بہترین تصانیف فارسی زبان میں ہیں، اور چونکہ یونانی منطق وفلسفہ کی اصطلاحات اور ان کی تحقیقات علم دین کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کی زبان پر چھائی ہوئی تھیں تو ان کی تصانیف میں بھی وہی استعمال ہوئی ہیں آج ان کی بہت تصانیف بھی قدیم منطق وفلسفہ کے بغیر نہیں جانی سمجھی جاسکتی اس لئے ہم پر دوہرا بوجھ پڑ گیا اس لئے فارسی زبان اور قدیم منطق وفلسفہ کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں باقی رکھیں اور مروجہ عصری زبان بھی سیکھیں۔

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح